كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ ﴿۲۹﴾

اس کی ہر روز نرالی شان ہے۔

# اللہ کی شان فی سرِّ لامکان

## (ذات وصفاتِ الٰہی کا علمی روحانی اور معرفتی سفر)

مصنف

الشیخ طریقت حافظ محمد حبیب اللہ

چاہ میراں لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾

اس کی ہر روز نرالی شان ہے۔

نام کتاب.....اللہ کی شان فے سرِّ لامکان

موضوع.....معرفت التوحید

حصہ.....اوّل

مصنف.....الشیخ طریقت حافظ محمد حبیب اللہ

پروف ریڈنگ.....بانو حبیب

محرک.....محسن فقری-حسیب فقری

سال.....2025

# فہرست


| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| 1 | دلائل وحدانیت الٰہیہ | 11 |
| 2 | حمدِ الٰہی | 12 |
| 3 | نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم | 13 |
| 4 | حرفِ آغاز | 15 |
| 5 | پیش لفظ | 17 |
| 6 | اسمِ ''اللہ'' | 19 |
| 7 | اسمِ ذات ''اللہ'' حقیقتِ مطلق کا واحد نام | 20 |
| 8 | استحقاقِ حمد-کمالِ ربوبیت اور حقیقتِ شکر | 23 |
| 9 | تمام حمد اللہ کے لیے-مگر کیوں؟ | 25 |
| 10 | حامد، حمد اور محمود | 28 |
| 11 | حامد اوّل اور محمود آخر | 30 |
| 12 | آغازِ بندگی سے انجامِ محبوب تک | 32 |
| 13 | حمدِ الٰہی-خود مبدئیت-خود غایت | 34 |
| 14 | اللہ نے اپنی حمد-بذاتِ خود فرمائی | 36 |
| 15 | ازل، حال اور ابد میں وحدتِ ذات | 38 |
| 16 | ازل کی صدا-حال کی گرفت | 40 |
| 17 | وہ اللہ جس کی تخلیق کو کوئی بدلنے والا نہیں | 42 |
| 18 | ازل کی مہر-ابد کا نظام خاموش حال | 45 |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| 19 | اللہ کے کلمات تبدیل نہیں ہوتے | 48 |
| 20 | ازل کی بات-ابد کا وعدہ | 51 |
| 21 | اللہ جو عدم سے مخلوق کو وجود میں لایا | 55 |
| 22 | عدم سے گونجتا ہوا-کلمہ ''کُن'' | 58 |
| 23 | وہ اللہ ہے-جو پردۂ غیب میں ہے | 62 |
| 24 | حجابِ ذات الٰہی-عرفانِ باطن | 67 |
| 25 | عشقِ الٰہی کے تین اسرار | 72 |
| 26 | جب کچھ نہ تھا-اللہ تھا | 75 |
| 27 | اسمِ ''اللہ'' کی معرفت | 82 |
| 28 | اللہ کی صفات | 84 |
| 29 | قرآنِ-صفاتِ الٰہیہ | 86 |
| 30 | معرفتِ ربانی-حقیقتِ عبودیت | 110 |
| 31 | توحیدِ خالص-احیائے بندگی | 114 |
| 32 | اللہ کے افعالی صفات | 118 |
| 33 | اللہ کی صفات کی معرفت | 121 |
| 34 | عرفان صفات الٰہیہ | 125 |
| 35 | صفاتِ جمال وجلال-عبدیت کی تکمیل | 127 |
| 36 | عبدیت کی حقیقت-بندگی کا کمال | 129 |
| 37 | عبدیتِ کاملہ | 132 |
| 38 | نقطہ اور دائرۂ کی حقیقت | 134 |
| 39 | سکون وحرکت-موت وحیات | 137 |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| 40 | اللہ نے عالمین کو کیوں خلق کیا؟ | 140 |
| 41 | عالمین کی تخلیق - اللہ کی حکمت و محبت | 148 |
| 42 | اللہ کی شانِ خالقیت | 160 |
| 43 | انسان کو شرفِ خلقیت کیوں بخشا گیا؟ | 177 |
| 44 | اختلافِ خصلت اور اللہ کی حکمت | 185 |
| 45 | تخلیق انسان - مشیت الٰہی | 195 |
| 46 | ذکر، فکر اور رجوع الی اللہ | 209 |
| 47 | تخلیق انسان کا مقصد اوّل کیا ہے؟ | 211 |
| 48 | اللہ کی حاکمیت اور ہر شے پر قدرت | 215 |
| 49 | اللہ احد ہے - اور احدیت کیا ہے؟ | 220 |
| 50 | اللہ کی شان احدیت (ایک پُر شکوہ باطنی سفر نامہ) | 227 |
| 51 | واحد اور اس کی شان وحدانیت | 282 |
| 52 | اللہ کی شان واحدیت (روحانی سفر کی منازل) | 293 |
| 53 | ابتدائے سفر واحدیت | 294 |
| 54 | اللہ کی ذات ''ھُو'' اور اس کی ھُویت | 310 |
| 55 | کیا عارف اللہ کی ھُویت کی معرفت جان سکتا ہے؟ | 318 |
| 56 | اللہ کی شان ھُو (ھُویت) | 325 |
| 57 | استغراقِ اسمِ ذات ھُو | 332 |
| 58 | ایک عارف باللہ کا روحانی سفر | 334 |
| 59 | اللہ کی شانِ ''ھُو''، تجلیِ اَحد | 348 |
| 60 | اللہ کی شانِ حیّت - حیات اور الحی | 350 |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| 61 | اللہ کی شانِ حیات | 366 |
| 62 | اللہ کا اسمِ مبارک-"اَلْقَیُّوْمُ" | 369 |
| 63 | اسمِ "یَاقَیُّوْمُ" کا روحانی سفر | 376 |
| 64 | اللہ کی شانِ قیّومیت-قائم بالذات | 383 |
| 65 | شانِ حیات-قیّومیت | 386 |
| 66 | اللہ کی شانِ رحمانیت | 400 |
| 67 | وہ مہر جو مانگنے سے پہلے ملی | 404 |
| 68 | اللہ کی شانِ الرحمٰن | 409 |
| 69 | رحمٰن نے-عرش پر استواء فرمایا | 414 |
| 70 | اللہ کی شانِ رحمانیت | 425 |
| 71 | اللہ کی شانِ رحیمیت (اَلرَّحِیْم) | 438 |
| 72 | اللہ کی شان الوہیت (الٰہ) | 442 |
| 73 | شانِ ربوبیت-تصرف فی الخلق | 450 |
| 74 | اللہ کی شانِ جلالیت (جلیل) | 462 |
| 75 | اللہ کی شان جمالیت (جمیل) | 473 |
| 76 | جمال الٰہی-حسن ازل کا تصور | 482 |
| 77 | عارف پر حسن ازل کی تجلی | 488 |
| 78 | اللہ کی شانِ کمالیت | 491 |
| 79 | اللہ کی شانِ جبّاریت (جبّار) | 500 |
| 80 | اللہ کی شانِ قہریت (القھّار) | 507 |
| 81 | شانِ اَحدیت+صمدیت | 513 |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| 82 | حصول معرفتِ الٰہی کا طریق اعلیٰ | 524 |
| 83 | شانِ الحیّ القیّوم کی معرفت | 529 |
| 84 | شانِ خالقیت - ربوبیت | 541 |
| 85 | شانِ قدرت وارادت | 548 |
| 86 | شانِ علمِ الٰہی | 556 |
| 87 | اللہ کی شانِ قدرت | 567 |
| 88 | اللہ کی شان ارادت | 582 |
| 89 | ارادۂ الٰہیہ - تجلیات کے مظاہر | 590 |
| 90 | ارادۂ الٰہیہ - عارف باللہ کا روحانی سفر | 593 |
| 91 | رب اور اس کی ربوبیت کیا ہے؟ | 599 |
| 92 | شانِ عدل وانصاف | 603 |
| 93 | شانِ رحمتِ الٰہی - ہر شے پر مہربانی | 608 |
| 94 | توحید ومعرفتِ الٰہی - اللہ کی وحدانیت | 613 |
| 95 | اللہ کی شانِ کی حکمت ودانائی | 621 |
| 96 | توکل ورضا الٰہی - توکل اور تسلیم | 626 |
| 97 | عبادت وبندگی الٰہی - اللہ کی رضا کے لیے اطاعت | 630 |
| 98 | صبر وشکر الٰہی - برداشت اور شکر گزاری | 636 |
| 99 | توفیق وہدایتِ الٰہی - اللہ کی رہنمائی وعنایت | 644 |
| 100 | اللہ کی قدرت کے مظاہر | 649 |
| 101 | اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے | 659 |
| 102 | اللہ کی شان کامل برابری | 662 |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| 103 | شانِ رحمت ومغفرتِ الٰہی- اللہ کی شفقت اور بخشش | 672 |
| 104 | شانِ قدرت وتدبیرِ الٰہی- اللہ کی حکمت ونظام | 682 |
| 105 | اللہ کی شانِ علم وحکمت | 688 |
| 106 | شانِ نورانیتِ الٰہی | 695 |
| 107 | اللہ کی شانِ ملکیت | 699 |
| 108 | اللہ کی شانِ رفعتِ | 703 |
| 109 | اللہ کی شانِ وسعت | 707 |
| 110 | شانِ حمدیتِ | 712 |
| 111 | اللہ کی شانِ فردیتِ | 716 |
| 112 | اللہ کی شانِ عظمتیتِ | 721 |
| 113 | اللہ کی شانِ رحمتیت | 726 |
| 114 | اللہ کی شانِ علمیت | 731 |
| 115 | اللہ کی شانِ لامحدودیت | 736 |
| 116 | اللہ کی شانِ مجدیت | 740 |
| 117 | اللہ کی شانِ نورازل | 740 |
| 118 | شانِ ربوبیت کی رنگارنگ مثالیں | 749 |
| 119 | حکمت الٰہی کے رنگارنگ مظاہر | 755 |
| 120 | رزق دینے کی رنگارنگ مثالیں | 761 |
| 121 | شانِ کبریائی کے رنگارنگ مظاہر | 767 |
| 122 | شانِ فطرت وسنت الٰہی | 773 |
| 123 | اللہ کی شانِ حاکمیت | 779 |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| 124 | عالم اور علیمِ مطلق میں فرق | 785 |
| 125 | عالم، علم اور معلوم | 787 |
| 126 | معرفتِ الٰہی کی روشنی میں شان اربعہ | 797 |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |
| | | |

# دلائل وحدانیت الٰہیہ

اللہ کی شان ایسی بے کراں حقیقت ہے جس کے سامنے عقلیں حیران اور دل ساکت ہوجاتے ہیں۔ جب انسان کائنات کے ذرّے ذرّے پر غور کرتا ہے تو اسے ہر طرف وحدانیتِ الٰہیہ کے روشن دلائل نظر آتے ہیں۔ آسمانوں کی وسعت، زمین کی ٹھہری ہوئی حکمت، رات اور دن کا مسلسل آنا جانا یہ سب اس ایک ہی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو نہ شریک رکھتی ہے نہ مثال۔ عارف کا دل جب اس حقیقت کو محسوس کرتا ہے تو وہ ہر شے میں "هُوَ" کی صدا سننے لگتا ہے، گویا کائنات کا ہر ذرہ اسی وحدہٗ لاشریک کی گواہی دے رہا ہے۔

دلائلِ وحدانیت محض فلسفیانہ بحث نہیں بلکہ ایک زندہ تجربہ ہیں جو دل کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ جب بندہ اپنے باطن میں اترتا ہے تو اسے اپنی ہر سانس، ہر دھڑکن، اور ہر خیال میں ایک ہی رب کی قدرت کارفرما نظر آتی ہے۔ یہ احساس اس کے اندر سے ہر غیر کو مٹا دیتا ہے اور وہ "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کی حقیقت کو محض الفاظ نہیں بلکہ ایک جیتی جاگتی حقیقت کے طور پر جینے لگتا ہے۔ عارف کے نزدیک کائنات ایک کھلی کتاب ہے جس کا ہر ورق اللہ کی وحدانیت کا اعلان کر رہا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں معرفت کی روشنی دل میں اُترتی ہے اور بندہ اپنے رب کی شان کو پہچاننے لگتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ تمام اسباب، تمام طاقتیں، اور تمام جلوے اسی ایک ذات کے محتاج ہیں۔ اس کی نگاہ میں کثرت کے پردے ہٹ جاتے ہیں اور ہر طرف وحدت کی تجلی دکھائی دیتی ہے۔ یہی ادراک بندے کو عاجزی، محبت اور خشیت سے بھر دیتا ہے، اور وہ اپنے رب کے حضور سراپا نیاز بن کر جھک جاتا ہے، کیونکہ وہ جان چکا ہوتا ہے کہ حقیقت میں سب کچھ اسی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

# حمدِ الٰہی

تمام حمد وثنا اس ذاتِ واحد کے لیے ہے جو خود زندہ ہے اور جس کی حیات سے ہر سانس نے معنی پایا، ہر ذرّے نے حرکت سیکھی، اور ہر دل نے دھڑکنے کا سلیقہ جانا۔

وہ زندہ ہے، نہ اس کی زندگی کا آغاز ہے نہ اس پر زوال کی کوئی گھڑی اُترتی ہے۔ اس کی حیات وقت کی محتاج نہیں، لمحوں میں قید نہیں، اور فنا کے کسی اندیشے سے آشنا نہیں۔ وہ حیات جس کے سامنے ازل بھی خاموش ہے اور ابد بھی سر جھکائے کھڑا ہے۔ تو یہ ہماری صفت نہیں، یہ اس کی عطا ہے۔ ہماری زندگی ایک عاریت ہے، سانس سانس پر لوٹائی جانے والی امانت، جبکہ اس کی حیات ذات ہی کی طرح قائم بالذات، نہ کسی سہارے کی طالب نہ کسی دوام کی محتاج۔

اے وہ ذات جو زندہ ہے اس طرح کہ موت کا تصور بھی اس کی بارگاہ میں بے معنی ہو جاتا ہے، تو نے زندگی کو پیدا نہیں کیا بلکہ زندگی کو اپنے فیض کا پرتو بنا دیا۔ جہاں تیرا امر ٹھہرا وہاں مردہ معنی بھی زندہ ہو گئے، اور جہاں تیری نگاہ پڑی وہاں ویرانیوں نے نبض پا لی۔ تو زندہ ہے، تو ہی نے دلوں کو حیات بخشی، مگر افسوس کہ بہت سے دل سانس لیتے ہوئے بھی مردہ ہیں۔ زندگی تیرے نام سے جڑی ہے، اور تو بھلا جائے تو جینے کا ہنر بھی چھن جاتا ہے۔

اے حیّ لَا یَمُوْت، ہم تیری حمد اس لیے نہیں کرتے کہ ہم زندہ ہیں، بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ تو زندہ ہے اور تیری حیات کا ایک لمحاتی فیض ہماری تمام زندگیوں پر بھاری ہے۔ تو زندہ ہے اور اسی ایک حقیقت میں تمام حمد سمٹ آتی ہے۔

احقر العباد- الشیخ الحافظ محمد حبیب اللہ

# نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بے شمار مرتبہ درود وسلام ہو حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب پر

حضرت محمد ﷺ وہ کامل انسان ہیں جن کی ذات میں کمالات اس طرح جمع ہوئے کہ انسانیت نے اپنا معیار پالیا۔ آپ ﷺ کی آمد کسی ایک قوم یا زمانے کے لیے نہ تھی، بلکہ آپ ﷺ رحمت بن کر آئے، ایسی رحمت جو دلوں کو جوڑتی، آنکھوں کو بینا کرتی اور انسان کو اس کی اصل پہچان تک پہنچا دیتی ہے۔ آپ ﷺ کی موجودگی میں اخلاق محض وعظ نہیں رہتے، جیتی جاگتی حقیقت بن جاتے ہیں۔ شفقت ایسی کہ کمزور حوصلہ پاتا ہے، اور عدل ایسا کہ طاقت ور بھی خود کو جواب دہ محسوس کرتا ہے۔

آپ ﷺ کے اخلاق کی وسعت کا عالم یہ ہے کہ دشمن بھی امن پاتا ہے اور نادان بھی محروم نہیں رہتا۔ آپ ﷺ کی سچائی لفظوں تک محدود نہ تھی؛ آپ ﷺ کی خاموشی بھی صدق کی گواہی دیتی تھی۔ جو آپ ﷺ کے قریب آتا، اپنے باطن میں ایک وزن محسوس کرتا، ایسا وزن جو جھوٹ کو ہلکا اور حق کو بھاری کر دیتا۔ آپ ﷺ نے بدلہ لینا جانتے ہوئے معاف کرنا سکھایا، اور اختیار کے عروج پر بھی عاجزی کو لازم رکھا، یہاں تک کہ فتح کے دن بھی سر جھکا کر اللہ کی حمد ادا کی۔

آپ ﷺ کی عبادت محض ایک رسم نہ تھی بلکہ عشقِ الٰہی کی تجلی تھی۔ راتوں کی تنہائی میں گریہ، اور دن کی روشنی میں امت کی فکر، یہی آپ ﷺ کی زندگی کا توازن تھا۔ آپ ﷺ عبدِ کامل تھے؛ بندگی میں اس حد تک ڈوبے ہوئے کہ قدم سوج گئے، مگر ذمہ داری میں کبھی کمی نہ آئی۔ آپ ﷺ کا کلام مختصر تھا مگر معنی میں سمندر، ایسا کلام جو سننے والے کے دل میں اُتر کر اسے بدل دیتا، اسے اس کے رب کے

قریب کر دیتا اور اسے اپنے نفس پر غالب ہونے کا راستہ دکھاتا۔

آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ یہ اعلان ہے کہ عظمت تخت سے نہیں، کردار سے جنم لیتی ہے؛ قیادت جبر سے نہیں، خدمت سے پہچانی جاتی ہے؛ اور نجات محض دعوے سے نہیں، سنت پر چلنے سے ملتی ہے۔ درود و سلام ہو اس نبی ﷺ پر جن کی محبت ایمان کی جان ہے، جن کی سنت میں زندگی کی راہ ہے، اور جن کے ذکر سے دلوں کو حیات نصیب ہوتی ہے۔ اے اللہ! ہمیں ان ﷺ کو ماننے کے ساتھ ساتھ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

میں اس نعمتِ عظمیٰ پر سراپا شکر ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت مجھ تک حضرت محمد رسول ﷺ کے وسیلے سے پہنچائی، اور یہ کہ ان کی نظرِ شفقت نے میرے دل تک راستہ پایا۔ اگر یہ ہدایت نہ ہوتی تو عقل اندھی رہتی، دل بھٹکتا رہتا اور زندگی محض سانسوں کا بوجھ بن کر رہ جاتی۔ یہ انہی کا فیض ہے کہ حق پہچانا، باطل سے اجتناب نصیب ہوا، اور دل نے اپنے رب کی طرف جھکنا سیکھا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ مجھے جو روشنی اور ہدایت ملی، وہ حضرت محمد ﷺ کے چراغِ نبوت ہی سے ملی، اور جو نرمی دل میں اُتری، وہ ان ہی کی رحمت کی چھاؤں ہے۔ اے اللہ! درود و سلام نازل فرما اس ذاتِ اقدس پر جنہوں نے ہمیں تیرے قریب ہونا سکھایا، جن کی سنت نے زندگی کو معنی عطا کیے، اور جن کی محبت ایمان کی روح ہے۔ اے اللہ! درود و سلام ہو آپ ﷺ پر، اور آپ ﷺ کی آل پر، اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت پر ہمیشہ، ہر لمحہ، ہر حال میں نازل فرما۔

(آمین ثم آمین)۔

احقر العباد

الشیخ الحافظ محمد حبیب اللہ

# حرفِ آغاز

یہ کتاب کسی علمی دعوے سے نہیں، کسی مناظرانہ برتری سے نہیں، اور نہ ہی محض معلومات کے انبار سے شروع ہوتی ہے۔ یہ ایک احساس سے شروع ہوتی ہے، ایک ایسی خاموش دستک سے جو دل کے دروازے پر اس وقت سنائی دیتی ہے جب انسان سب کچھ جان لینے کے بعد یہ مان لیتا ہے کہ وہ ابھی بھی کچھ نہیں جانتا۔

صفاتِ الٰہی پر بہت کچھ لکھا گیا، علمِ کلام نے انہیں دلیل بنایا، فلسفے نے انہیں تصور میں ڈھالا، اور فقہ نے انہیں عقیدے کی صورت محفوظ رکھا۔ مگر یہ کتاب ان صفات کو مسئلہ نہیں، مشاہدہ سمجھتی ہے؛ بحث نہیں، حال مانتی ہے؛ اور یاد کرنے کی چیز نہیں، جینے کی حقیقت قرار دیتی ہے۔

یہ سطور اس یقین سے لکھی جا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات صرف ذاتِ حق کا تعارف نہیں کراتیں بلکہ بندے کو اس کی اپنی حقیقت سے بھی روبرو کرتی ہیں۔ جب بندہ ''وہ جانتا ہے'' پر ٹھہرتا ہے تو اسے اپنی جہالت دکھائی دیتی ہے؛ جب ''وہ دیکھتا ہے'' دل میں اُترتا ہے تو حیا جنم لیتی ہے؛ اور جب ''وہ زندہ ہے'' کا شعور جاگتا ہے تو بہت سی زندگیاں اپنی موت کا اعتراف کرنے لگتی ہیں۔

یہ کتاب اس قاری کے لیے نہیں جو جلدی میں ہو، جو صرف نتیجہ چاہتا ہو، یا جو صفحے پلٹ کر علم کا گمان جمع کرنا چاہتا ہو۔ یہ ان کے لیے ہے جو ایک سطر پر رُک جانا جانتے ہیں، جو خاموشی کو بھی پڑھ لیتے ہیں، اور جو اس بات سے نہیں گھبراتے کہ کہیں یہ تحریر انہیں بدل ہی نہ دے۔

اس کتاب کا ہر باب ایک دروازہ ہے، اور ہر دروازہ دستک مانگتا ہے۔ اگر دل حاضر نہ ہو تو الفاظ بوجھ بن جاتے ہیں، اور اگر نیت صاف ہو تو یہی الفاظ راہِ معرفت کا

چراغ بن جاتے ہیں۔ یہ عاجزانہ کوشش نہ صفات کا احاطہ کرسکتی ہے اور نہ ذات کے قرب کا دعویٰ رکھتی ہے۔

یہ تو بس اتنا چاہتی ہے کہ قاری جب اس کتاب کو بند کرے تو اس کا دل پہلے جیسا نہ رہے۔

اگر ان اوراق میں کہیں آپ کو اپنا سوال مل جائے، کہیں اپنی ندامت، کہیں اپنی امید، تو جان لیجیے کہ یہی اس کتاب کی قبولیت ہے۔

اور اگر کہیں آپ کو اللہ یاد آ جائے خاموشی میں، تنہائی میں، یا ایک آنسو کے ساتھ، تو یہی اس تحریر کی معراج ہے۔

اللہ ہمیں اپنی صفات کو پڑھنے نہیں بلکہ ان کے سائے میں جینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

طالب مولیٰ تعالیٰ
الشیخ الحافظ محمد حبیب اللہ

# پیش لفظ

میں یہ کتاب کیوں لکھ رہا ہوں؟ میں یہ کتاب کسی علمی منصب کے دعوے سے نہیں لکھ رہا، نہ ہی یہ میرا ذاتی کمال ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ یہ تحریر میری خواہش سے پہلے ایک ندا تھی۔ ایک لمحہ تھا، نہ جاگنے میں پورا، نہ خواب میں گم، کہ پردۂ غیب سے ایک آواز دل پر اُتری، کوئی لفظ نہیں تھا مگر مفہوم پوری شدت سے موجود تھا۔ ندا آئی:

اے محمد حبیب اللہ! اللہ تعالیٰ کی شان پر کتاب لکھ، اللہ پردۂ غیب سے تیری مدد فرمائے گا۔ وہ آواز کانوں نے نہیں سنی، دل نے محسوس کی۔ اور دل جب کسی بات کو محسوس کر لے تو پھر انکار ممکن نہیں رہتا۔ میں لرز گیا، نہ خوشی سے، نہ خوف سے، بلکہ ذمہ داری کے وزن سے۔ میں جانتا تھا کہ صفاتِ الٰہی قلم میں قید نہیں ہوتیں، اور شانِ ربانی الفاظ کے حصار میں نہیں آ سکتیں۔ میں نے اپنی عاجزی دیکھی، اپنی کم مائیگی جانی، اور یہی سمجھا کہ شاید یہی کمزوری اس کام کے لیے شرط ہے۔

میں نے قلم اُٹھایا تو یہ میرا قلم نہیں تھا، جو میں نے سوچا تو یہ میری سوچ نہ تھی۔ کئی مقامات پر ایسا لگا جیسے الفاظ مجھ سے پہلے لکھے جا چکے ہوں اور مجھے صرف انہیں اُتارنے اور قلم بند کرنے کی اجازت دی گئی ہو۔ کبھی آنکھ نم ہو گئی، کبھی ہاتھ کانپ گیا، اور کبھی دل اس بوجھ سے بھر آیا کہ کیا میں اس امانت کا حق ادا کر پا رہا ہوں؟ مگر ہر بار جب نیت لڑکھڑائی، ایک عجیب سا سکون پردۂ غیب سے اترا اور قدم سنبھلتے چلے گئے۔

میں یہ کتاب اس لیے لکھ رہا ہوں کہ مجھے حکم ملا۔ میں یہ کتاب اس لیے لکھ رہا ہوں کہ اللہ نے توفیق دی۔ اور میں یہ کتاب اس لیے مکمل کر سکا کہ جہاں میرا علم ختم ہوا وہیں سے اللہ کی مدد شروع ہو گئی۔

اگر اس کتاب کا کوئی لفظ کسی دل کو نرم کر دے، کسی آنکھ کو نم کر دے، یا کسی بندے کو اپنے رب کے قریب کر دے، تو جان لیجیے کہ یہ سب اسی غیبی مدد کا ظہور ہے جس کا وعدہ مجھ سے کیا گیا تھا۔

ہر حال میں اللہ

ہر قال میں اللہ

ہر زمان میں اللہ

ہر مکان میں اللہ

اللہ حق ہے اور وہی حق بات کرنے کی توفیق، ہمت اور طاقت عطا فرماتا ہے۔

اور اگر اس کے لکھنے میں کوئی کمی ہو، کوئی لغزش ہو، کوئی ناتمام بات رہ جائے، تو وہ فقط میری کمزوری اور نادانی ہے، میرے نفس کی ہے، میرے ظرف کی ہے۔ میں نے تو بس حکم کی تعمیل کی ہے، اور الحمدللہ میں ہر حال اور ہر کیفیت میں مطمئن ہوں۔

طالب مولیٰ تعالیٰ

الشیخ الحافظ محمد حبیب اللہ

ربیع الاول 1447

چاہ میراں لاہور پاکستان

# اسمِ ''اللہ''

میں اس کتاب کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اسمِ ذات ''اللہ'' سے کرتا ہوں۔

وہی اللہ جو میرا خالق ہے، وہی جو مطلقاً میرا مالک ہے، اور میں..... میں تو فقط اس کا مملوک ہوں۔ میری کوئی حیثیت نہیں، میرا کوئی دعویٰ نہیں، میری کوئی ملکیت نہیں۔ اگر کچھ ہے تو وہ صرف اسی کی عطا ہے۔ اللہ تھا، اللہ ہے، اور اللہ ہی رہے گا۔

زمانے بدلتے رہیں، وجود فنا ہو جائیں، نام مٹ جائیں۔ مگر وہ باقی ہے، ہمیشہ باقی۔ اور میں؟ میں تو محض ایک لمحاتی عطا ہوں، ایک سانس جتنی حقیقت، جو اسی کے کرم سے معنی پا گئی۔ یہ قلم جو میرے ہاتھ میں ہے میرا نہیں، یہ لکھنے کی قوت میری نہیں، یہ لفظ جو صفحے پر اُترتے ہیں یہ بھی میرے نہیں۔ اگر مجھے لکھنا آیا تو اسی نے سکھایا، اگر پڑھنا نصیب ہوا تو اسی کے فضل سے ہوا۔ میں اندھا تھا تو اس نے بینائی دی، میں خاموش تھا تو اس نے گویائی عطا کی، میں بے خبر تھا تو اس نے سماعت کا در کھولا۔ سارا علم اسی کا ہے۔ مطلق علم، نہ اس کا کوئی شریک، نہ اس پر کوئی اضافہ۔ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اس کے علم کی ایک ہلکی سی جھلک ہے، اور جو کچھ نہیں جانتا وہ اس کی شانِ علم کی گواہی ہے۔ وہی ہے جس نے مجھے سمجھ دی، جس نے شعور بخشا، اور جس نے دل میں یہ احساس رکھا کہ علم بھی امانت ہے اور قلم بھی جواب دہ ہے۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں، اگر کچھ ہوں تو اسی کے ہونے سے ہوں۔ میرا وجود، میری قوت، میری سوچ، میرا فکر میری تحریر سب اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں۔ یہ کتاب میرا کمال نہیں، یہ اس کا کرم ہے۔ اور اگر اس میں کہیں روشنی ہے تو وہ اسی کے نور کا عکس ہے، ورنہ میرا حصہ تو فقط فقر، عاجزی اور اعترافِ ناتوانی ہے۔

اے اللہ! جو کچھ ہے تیرا ہے، اور جو میں ہوں وہ بھی تیرا ہے۔

# اسمِ ذات ''اللہ''
# حقیقتِ مطلق کا واحد نام

## اسمِ ذات ''اللہ''

وہ نام جو دلیل کا محتاج نہیں، بلکہ دلیل اس سے جنم لیتی ہے۔

اسمِ ذات ''اللہ'' وہ نام ہے جو کسی صفت سے ماخوذ نہیں، کسی حد میں مقید نہیں، اور کسی مثال کا محتاج نہیں۔ یہ نام محض ایک لفظ نہیں بلکہ ''حقیقتِ مطلق'' کی طرف اشارہ ہے- ایسی حقیقت جو خود قائم ہے، خود ظاہر ہے، اور خود ہی ہر شے کو قائم رکھنے والی ہے۔ عقل جب تمام تصورات سے تھک جاتی ہے، فلسفہ جب آخری سوال پر خاموش ہو جاتا ہے، تب یہی نام باقی رہتا ہے: اسمِ ذات ''اللہ''۔ اس نام میں نہ ابتدا ہے نہ انتہا، نہ ترکیب ہے نہ تجزیہ؛ یہ نام ذات پر دلالت کرتا ہے، اور ذات ہی اس کا تعارف ہے۔

## اسمِ ذات کی انفرادیت

اسمِ ذات ''اللہ'' وہ نام جو کسی اور کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔

اللہ وہ واحد نام ہے جو نہ جمع قبول کرتا ہے، نہ تثنیہ، نہ اس میں کسی شراکت کا امکان ہے۔ یہ نام اپنی ذات میں منفرد ہے، جیسے اس کی ذات منفرد ہے۔ دیگر نام صفات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، مگر ''اللہ'' صفات سے پہلے ذات پر دلالت کرتا ہے۔

اسی لیے عارفین کہتے ہیں: صفات کے دروازے بہت ہیں، مگر ذات کا دروازہ

ایک ہی ہے- اور اس پر لکھا ہے: اللہ۔ جو اس نام پر ٹھہر جائے، وہ کثرت سے وحدت کی طرف سفر کر لیتا ہے۔

## اسمِ جامع، مرجعِ تمام صفات

علمِ کلام کی رو سے ''اللہ'' ''اسمِ جامع'' ہے، یعنی وہ نام جس میں تمام اسماء و صفات جمع ہیں۔ رحمت، قدرت، علم، حیات، ارادہ - سب اسی نام کے تحت آتے ہیں۔ جب کہا جاتا ہے ''اللہ علیم ہے''، ''اللہ قدیر ہے''، تو حقیقت میں علیم اور قدیر ہونا اسی ذات کی شان ہے جس کا نام اللہ ہے۔ اس اعتبار سے ''اللہ'' نہ صرف اصل نام ہے بلکہ باقی تمام اسماء کا مرجع اور مرکز بھی ہے۔

## جب یہ نام دل میں اُتر جائے تو کیا ہوتا ہے؟

عارف کے نزدیک ''اللہ'' محض زبان کا ورد نہیں، دل کی کیفیت ہے۔ یہ وہ نام ہے جس کے ذکر سے دل اپنی نفی سیکھتا ہے اور رب کے اثبات میں داخل ہوتا ہے۔ جب بندہ ''اللہ'' کہتا ہے تو گویا ہر غیر کی نفی کرتا ہے، اور جب اسی پر ٹھہر جاتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ باقی سب فانی ہے، باقی رہنے والا صرف وہی اللہ ہے۔

عارف کے لیے ''اللہ'' کہنا نہیں، ''اللہ کو جاننا مقصود'' ہوتا ہے- یعنی اپنی خودی سے نکل کر اس کی رضا میں فنا ہو جانا۔

## اسمِ ذات اللہ اور بندگی

''مالک اور مملوک کا ازلی رشتہ'' اسمِ ذات ''اللہ'' بندے کو اس کی اصل حقیقت یاد دلاتا ہے۔ وہ مالکِ مطلق ہے، اور بندہ مطلقاً محتاج۔ بندہ جو کچھ ہے، اسی کی عطا سے ہے؛ جو کچھ جانتا ہے، اسی کے علم کی جھلک ہے؛ جو کچھ کہتا اور لکھتا ہے، اسی کے

دیے ہوئے حواس کا فیض ہے۔ جب بندہ اس نام یعنی ''اللہ'' کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو دعوے خود بخود گر جاتے ہیں، اور صرف عاجزی باقی رہتی ہے- اور یہی عاجزی بندگی کی اصل ہے۔

## خلاصۂ معرفت

''اللہ- جو ہے، جیسا ہے، ویسا ہی کافی ہے''

اسمِ ذات ''اللہ'' کسی تعریف کا محتاج نہیں، کیونکہ ہر تعریف اسی سے معنی پاتی ہے۔ وہ تھا، وہ ہے، اور وہی رہے گا۔ باقی سب عطا ہیں، عاریت ہیں، اور اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں۔ جس نے اس نام کو جان لیا، اس نے بہت کچھ جان لیا؛ اور جس نے خود کو اس نام کے سامنے مٹا دیا، اس نے سب کچھ پا لیا۔

## اللہ میرا خالق اور مالک ہے۔

اللہ میرا خالق ہے۔ وہی جس نے مجھے عدم سے وجود بخشا، اور وہی میرا مالک ہے جس کی ملکیت میں میرا ہر سانس، ہر لمحہ، اور ہر ارادہ داخل ہے۔ میرا وجود اس کی مشیت سے قائم ہے، اور میری بقا اس کے حکم سے وابستہ ہے۔ میں جو کچھ ہوں، جو کچھ جانتا ہوں، اور جو کچھ کر پاتا ہوں، وہ سب اسی کی عطا ہے۔ میرے پاس جو ہے، وہ میرا نہیں بلکہ امانت ہے۔ وہ مالکِ مطلق ہے۔ نہ اس کی ملکیت میں کمی، نہ اس کے اختیار میں شریک؛ اور میں بندہ ہوں۔ محتاج، عاجز، اور اسی کی طرف لوٹنے والا۔ جب یہ حقیقت دل میں اُترتی ہے تو دعوے خود بخود مٹ جاتے ہیں، اور بندگی اپنے اصل معنی پا لیتی ہے: سرِ تسلیم، دلِ خاشع، اور شکر سے بھری زندگی۔

# استحقاقِ حمد-کمالِ ربوبیت اور حقیقتِ شکر

حمد کا مفہوم-تعریف سے آگے ایک اعتراف

حمد محض تعریف نہیں بلکہ کمال کے اعتراف کا نام ہے۔تعریف کسی ایک صفت پر بھی ہوسکتی ہے، مگر حمد اس ذات کے لیے ہوتی ہے جس میں تمام کمالات جمع ہوں؛ ذاتی بھی اور فعلی بھی۔حمد میں محبت بھی شامل ہے، تعظیم بھی، اور شکر بھی؛ اسی لیے حمد کا دائرہ وسیع ہے اور اس کا محل واحد ہے۔

## استحقاقِ حمد-کمالِ ذاتی اور کمالِ فعلی

اللہ ہی حمد کا مستحق ہے کیونکہ کمالِ ذاتی اسی کے لیے خاص ہے: وہ ازل سے ہے، ابد تک ہے، کسی کا محتاج نہیں، اور ہر نقص سے منزّہ ہے۔اسی طرح کمالِ فعلی بھی اسی کی طرف لوٹتا ہے: پیدا کرنا، سنبھالنا، رزق دینا، ہدایت کرنا، اور انجام تک پہنچانا - یہ سب افعال کسی واسطے کے بغیر بھی اسی کی قدرت سے وابستہ ہیں۔ جہاں کمالِ ذات اور کمالِ فعل جمع ہو جائیں، وہاں حمد کا حق بھی کامل ہو جاتا ہے۔

## نعمت کا منبع-سبب نہیں، اصل

انسان جن نعمتوں پر کسی سبب کو دیکھتا ہے، ان کا اصل منبع اللہ ہے۔اسباب کا ہونا نعمت کی نسبت کو تبدیل نہیں کرتا، بلکہ ربوبیت کے نظام کو ظاہر کرتا ہے۔صحت، علم، وقت، مواقع - یہ سب عطائیں ہیں، اور عطا کی نسبت عطا کرنے والے کی طرف ہوتی

ہے۔اسی لیے نعمت پر حقیقی حمد اسی کے لیے ثابت ہوتی ہے جس نے نعمت کو وجود دیا۔

## عدل و فضل-حمد کا توازن

اللہ کی ربوبیت میں فضل بھی ہے اور عدل بھی۔ فضل کے ذریعے وہ بغیر استحقاق عطا کرتا ہے، اور عدل کے ذریعے ہر شے کو اس کے مقام پر رکھتا ہے۔ اگر صرف فضل ہو تو نظام بے وزن ہو جائے، اور اگر صرف عدل ہو تو مہلت باقی نہ رہے۔ اس کامل توازن میں رب کی حکمت ظاہر ہوتی ہے، اور یہی حکمت حمد کی جامع علت بنتی ہے۔

## حمد اور بندگی-تعلق کی بنیاد

تمام حمد کا اللہ کے لیے ہونا بندگی کی بنیاد قائم کرتا ہے۔ جب انسان مان لیتا ہے کہ کمال، نعمت، ہدایت اور انجام سب اسی کے ہاتھ میں ہیں، تو غرور ٹوٹتا ہے اور اطاعت معنی پاتی ہے۔ یوں حمد ایک قول نہیں رہتی بلکہ ایک موقف بن جاتی ہے؛ ایسا موقف جو انسان کو شکر گزار، ذمہ دار اور باوقار بناتا ہے۔

## علمی نتیجہ-وحدانیتِ حمد

تمام حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے کیونکہ کمالِ مطلق اسی کے لیے ثابت ہے، نعمت کا حقیقی منبع وہی ہے، اور ربوبیت کا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جب حقیقتِ حمد کو سمجھ لیا جائے تو شرکِ اسباب ختم ہوتا ہے، اور انسان اپنی جگہ پہچان لیتا ہے: بندہ اور بس۔

# تمام حمد اللہ کے لیے۔مگر کیوں؟

(ایک محقق کے دل کی گہرائی سے اُٹھتی ہوئی ایک صدا)

حمد اللہ تعالیٰ کے لیے اس لیے ہے کہ وہ ہر کمال کا مالک اور ہر نعمت کا حقیقی منبع ہے۔ انسان جو کچھ بھی دیکھتا ہے زندگی، سانس، رزق، محبت، سکون سب اسی کی عطا ہے۔حتیٰ کہ انسان کی اپنی صلاحیتیں، اس کا شعور اور اس کا وجود بھی اسی کا دیا ہوا ہے۔ اس لیے تعریف کا اصل مستحق وہی ہے، کیونکہ جو کچھ اچھا ہے وہ اسی سے ہے، اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ اسی کے فضل کا نتیجہ ہے۔

تمام حمد اللہ کے لئے اس لیے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف نعمتیں عطا کرتا ہے بلکہ اپنی رحمت سے بندوں کی خطاؤں کو معاف بھی کرتا ہے، ان کی کمزوریوں پر پردہ ڈالتا ہے اور ہر حال میں ان کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ وہ مشکل میں سہارا بنتا ہے، اندھیرے میں روشنی دیتا ہے، اور بے بسی میں امید پیدا کرتا ہے۔ جب انسان اس کی رحمت، اس کے صبر اور اس کی بخشش کو دیکھتا ہے تو اس کا دل خود بخود حمد سے بھر جاتا ہے۔

حمد کا ایک گہرا روحانی پہلو یہ بھی ہے کہ حمد وثنا صرف الفاظ کی تعریف نہیں بلکہ دل کی پہچان ہے کہ اصل کمال، اصل حسن اور اصل حقیقت اللہ ہی کی ذات ہے۔ جب بندہ حمد کرتا ہے تو وہ دراصل اپنی عاجزی کا اقرار اور اپنے رب کی عظمت کا اعتراف کرتا ہے۔ یہی حمد انسان کو غرور سے بچاتی ہے، اسے اللہ کے قریب کرتی ہے، اور اس کے دل کو سکون اور نور سے بھر دیتی ہے۔

## حمد- جب زبان خاموش ہو اور دل بولے

حمد وہ لمحہ ہے جب لفظ کم پڑ جاتے ہیں اور دل خود سجدہ بن جاتا ہے۔ یہ صرف کہنا نہیں کہ ''تو اچھا ہے''، بلکہ مان لینا ہے کہ جو کچھ اچھا ہے وہ تجھ سے ہے۔ جب آنکھ کھلتی ہے تو روشنی اس کی عطا ہوتی ہے، اور جب آنکھ بھیگتی ہے تو صبر بھی اسی کی عطا۔ حمد وہاں جنم لیتی ہے جہاں انسان اپنی بے بسی کو پہچان لے اور اس پہچان میں رب کی مہربانی دیکھ لے۔

## حمد و ثنا اسی کے لئے کیوں؟

کیونکہ ہر سانس اسی کی امانت ہے، ہم سانس لیتے ہیں مگر سانس ہمارے قبضے میں نہیں۔ دل دھڑکتا ہے مگر حکم ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے، ہمیں دیا گیا ہے- اور جو ہم ہیں، ہمیں بنایا گیا ہے۔ جب دینے والا ہر لمحہ دے رہا ہو، بغیر تھکے، بغیر جتائے، تو دل خود کہہ اٹھتا ہے: حمد اسی کے لیے ہے۔ کیونکہ لینے والا تو بدلتا رہتا ہے، دینے والا نہیں بدلتا۔

## اللہ کا فضل- جو مانگے بغیر ملا

ہم نے کبھی پیدا ہونے کی درخواست نہیں کی، پھر بھی وجود عطا ہوا۔ ہم نے کبھی گناہ سے پہلے اجازت نہیں لی، پھر بھی مہلت ملی۔ یہ فضل ہے- بے حساب، بے شرط۔ فضل انسان کو ٹوٹنے نہیں دیتا، سنبھلنے کا وقت دیتا ہے۔ اور جو رب ٹوٹے کو جوڑ دے، اس کی حمد نہ ہو تو اور کس کی ہو؟

## عدل- جو خاموش مگر مکمل ہے

جب وقت پورا ہو جائے گا، حساب آئے گا۔ نہ جلدی، نہ تاخیر۔ عدل آئے گا،

مگر ظلم کے بغیر۔ یہ جان کر دل مطمئن ہو جاتا ہے کہ نہ کوئی آنسو ضائع ہوگا، نہ کوئی نیکی بھلا دی جائے گی۔ یہی عدل حمد کو اور گہرا کر دیتا ہے۔ کیونکہ انصاف بھی اسی کا ہے، اور کرم بھی۔

## عارفانہ اشارہ—حمد اعترافِ بندگی ہے

حمد و ثنا دراصل یہ مان لینا ہے کہ میں کچھ نہیں، اور وہ سب کچھ ہے۔ جب یہ اعتراف دل میں اُتر جائے تو غرور پگھل جاتا ہے، شکوہ خاموش ہو جاتا ہے، اور شکر بولنے لگتا ہے۔ اسی لمحے بندہ سمجھتا ہے: حمد اس لیے نہیں کہ سب کچھ آسان ہے، بلکہ اس لیے کہ دینے والا کامل ہے۔

## خاتمہ—دل کا سکون

تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے۔ کیونکہ آخرکار، جو ملا اسی سے ملا، جو گیا اسی کے حکم سے گیا، اور جو باقی ہے وہ بھی اسی کا ہے۔ اور جب یہ سمجھ آ جائے، تو دل کو سکون مل جاتا ہے.....اور زبان بے ساختہ کہہ اٹھتی ہے: ''الحمدللہ''

سب تعریفیں اسی اللہ رب العالمین کے لئے ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء و مرسلین اولیاء و صالحین اور عرش، دنیائے آسمان اور زمین پر بسنے والی تمام اشیاء اور زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب کا خالق اور مالک اور پالنہار ہے۔

# حامد، حمد اور محمود

(تعریفِ الٰہی کے تین بنیادی ارکان)

## تمہید

اسلامی فکر میں ''حمد'' محض ایک لفظ یا رسم نہیں بلکہ ایک جامع روحانی و فکری نظام ہے، جس کے تین بنیادی ارکان ہیں: ''حامد'' (تعریف کرنے والا)، ''حمد'' (تعریف کا عمل)، اور ''محمود'' (وہ ذات جس کی تعریف کی جائے)۔ ان تینوں کے باہمی ربط کو سمجھے بغیر نہ حمد کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور نہ بندگی کا شعور مکمل ہوتا ہے۔

## حامد – شعورِ بندگی رکھنے والا

حامد وہ ہے جو معرفت کے درجہ میں داخل ہو چکا ہو۔ حمد اس وقت معتبر بنتی ہے جب حامد یہ جان لے کہ وہ خود محتاج ہے اور جس کی تعریف کر رہا ہے وہ بے نیاز۔ محض زبان سے ادا کیے گئے کلمات حمد نہیں کہلاتے جب تک دل میں اعترافِ ربوبیت اور نفس میں انکساری نہ ہو۔ عالمانہ اعتبار سے حامد وہ ہے جو نعمت کو اس کے منعم کی طرف منسوب کرے، اور مصیبت میں بھی حکمت کو پہچان سکے۔

## حمد – اعترافِ کمال

حمد کا مفہوم صرف شکر سے وسیع تر ہے۔ شکر نعمت پر ہوتا ہے، جبکہ حمد ذات اور صفاتِ کمال پر ہوتی ہے، چاہے نعمت براہِ راست حاصل ہو یا نہ ہو۔

علمی زاویے سے حمد ایک ایسا جامع لفظ ہے جس میں ''تعظیم، محبت، شکر اور اعترافِ کمال'' سب جمع ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حمد عبادت بھی ہے اور معرفت

بھی۔

## محمود- ذاتِ کامل

محمود وہ ذات ہے جو بذاتِ خود تعریف کی مستحق ہو، چاہے کوئی تعریف کرے یا نہ کرے۔ اس کی صفات کمالِ مطلق ہیں، اس کا عدل بے خطا، اس کا فضل بے حساب، اور اس کی حکمت ہر شے پر محیط ہے۔

عالمانہ نکتہ یہ ہے کہ حقیقی محمود وہی ہو سکتا ہے جس میں نقص کا کوئی شائبہ نہ ہو، کیونکہ ناقص ذات کی تعریف محدود اور مشروط ہوتی ہے، جبکہ کامل ذات کی حمد ازلی و ابدی ہے۔

## باہمی ربط- ایک مکمل دائرہ

جب حامد اپنے فقر کو پہچانتا ہے،
حمد اخلاص کے ساتھ ادا ہوتی ہے،
اور محمود کی ذات کو کمالِ مطلق مانا جاتا ہے- تو حمد محض کلمات نہیں رہتی بلکہ بندگی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں علم عبادت بن جاتا ہے اور عبادت معرفت۔

## خاتمہ

حامد، حمد اور محمود تین الگ اصطلاحات نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے تین رُخ ہیں۔ حامد کا شعور جتنا بلند ہوگا، حمد اتنی ہی خالص ہوگی، اور محمود کی پہچان اتنی ہی گہری ہوگی۔ اسی ہم آہنگی میں حمد کی اصل روح پوشیدہ ہے، اور اسی میں انسان کے فہمِ ربوبیت کی تکمیل ہے۔

# حامداوّل اور محمود آخر

(حمد کے دائرے کی عالمانہ توضیح)

## تمہید-حمد کا ازلی وابدی نظام

حمد ایک وقتی عمل نہیں بلکہ ایک ازلی وابدی حقیقت ہے۔ کائنات کے آغاز سے قبل بھی حمد تھی اور کائنات کے اختتام کے بعد بھی حمد باقی رہے گی۔ اس دائرۂ حمد میں ''حامداوّل'' وہ ہے جس سے حمد کا ظہور ہوا، اور ''محمود آخر'' وہ ہے جس پر حمد جا کر منتہی ہو جاتی ہے۔ یوں حمد کا سفر ابتدا سے انتہا تک ایک منظم اور مربوط حقیقت بن جاتا ہے۔

## حامداوّل-آغازِ حمد کا مظہر

حامداوّل سے مراد وہ پہلا اقرار ہے جو شعورِ انسانی میں بیدار ہوا۔ جب مخلوق نے پہلی بار اپنے خالق کو پہچانا، اسی لمحے حمد نے جنم لیا۔ یہ حمد نہ زبان کی محتاج تھی اور نہ لفظ کی، بلکہ یہ شعور کی وہ حالت تھی جس میں بندہ اپنے وجود کو عطا مان کر جھک گیا۔ علمی اعتبار سے حامداوّل وہ مقام ہے جہاں معرفت نے شکر کی صورت اختیار کی اور شکر نے حمد کا لباس پہنا۔

## حمد-آغاز وانجام کو ملانے والی حقیقت

حمد حامد اور محمود کے درمیان رابطے کا نام ہے۔ یہ وہ واسطہ ہے جو مخلوق کے اقرار کو خالق کے کمال سے جوڑ دیتا ہے۔ عالمانہ زاویے سے دیکھا جائے تو حمد محض تعریف نہیں بلکہ ایک عقلی وقلبی تصدیق ہے کہ ہر کمال کا منبع ایک ہی ذات ہے۔ اسی تصدیق

کی بدولت حمد مسلسل سفر میں رہتی ہے، کبھی شعور میں، کبھی عمل میں، اور کبھی خاموش تسلیم میں۔

## محمود آخر-انتہائے کمال

محمود آخر وہ ذات ہے جس پر ہر حمد جا کر ٹھہر جاتی ہے۔ تمام تعریفیں، تمام اعترافات اور تمام شکر اسی پر منتہی ہوتے ہیں، کیونکہ کمال اپنی آخری حد پر وہیں مکمل ہوتا ہے۔ علمی اصطلاح میں محمود آخر وہ مطلق حقیقت ہے جو ہر تعریف سے بلند ہونے کے باوجود ہر تعریف کی اصل غایت ہے۔ بندہ جب اس مقام کو سمجھ لیتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ حمد کا سفر کسی مخلوق پر ختم نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ لازماً خالق پر جا کر رکتا ہے۔

## نتیجہ-حمد کا مکمل دائرہ

یوں ''حامد اوّل'' سے شروع ہونے والی حمد، معرفت اور شعور کے مراحل طے کرتی ہوئی ''محمود آخر'' پر مکمل ہو جاتی ہے۔ یہ دائرہ اس بات کی دلیل ہے کہ حمد نہ صرف ایک عبادت ہے بلکہ ایک مکمل فکری اور روحانی نظام بھی ہے، جس میں ابتدا بندے کے اقرار سے اور انتہا ربّ کے کمال پر ہوتی ہے۔

# آغازِ بندگی سے انجامِ محبوب تک

## حامداوّل- وہ پہلا جھکاؤ

حامداوّل کوئی لفظ نہیں، ایک کیفیت ہے۔ وہ لمحہ جب عدم کے سناٹے میں وجود نے آنکھ کھولی اور دل نے بے اختیار جھک کر کہا: ''تو ہے''۔ یہ حمد زبان سے پہلے دل میں اُتری، عقل سے پہلے روح میں جاگی۔ میں نے نہ سیکھا تھا، نہ سمجھا تھا، پھر بھی اندر کہیں ایک اقرار اُبھرا- یہ میرا نہیں، یہ سب اُس کا ہے۔ یہی حامداوّل ہے: بندے کے اندر پیدا ہونے والا پہلا شعور، پہلا آنسو، پہلی عاجزی۔

## حمد- جو سفر بن گئی

حمد رُکی نہیں، چل پڑی۔ کبھی سانس بن کر، کبھی دعا بن کر، کبھی خاموش صبر بن کر۔ یہ وہ روشنی تھی جو میرے اندھیرے میں بھی جلتی رہی۔ میں گرتا رہا، اُٹھتا رہا، بھٹکتا رہا- مگر حمد میرے ساتھ رہی، کیونکہ جس نے مجھے بنایا تھا، وہی مجھے سنبھال رہا تھا۔ صوفی کی نظر میں حمد وہ زنجیر ہے جو بندے کو محبوب سے باندھ دیتی ہے، چاہے بندہ خود کو بھول جائے۔

## محمود آخر- جہاں سب ٹھہر جاتا ہے

آخر کار ساری حمدیں ایک مقام پر آ کر رُک جاتی ہیں۔ نہ اس لیے کہ الفاظ ختم ہو گئے، بلکہ اس لیے کہ حقیقت مکمل ہو گئی۔ محمود آخر وہ ذات ہے جس کے سامنے پہنچ کر سوال باقی نہیں رہتا، صرف سکون رہ جاتا ہے۔ وہاں تعریف بھی سجدہ بن جاتی ہے،

اور سجدہ خاموشی۔ عارف جان لیتا ہے کہ جسے وہ سراہ رہا تھا، وہی ابتدا بھی تھا اور وہی انتہا بھی۔

## عارفانہ سرّ – دائرہ مکمل ہوا

حامد اوّل میں بندہ خود کو کمزور، نادان اور محتاج پاتا ہے؛ اس کے پاس نہ اپنی کوئی طاقت ہوتی ہے نہ کوئی کمال۔ وہ زبان سے حمد شروع کرتا ہے مگر دل ابھی راز سے ناواقف ہوتا ہے۔ قدم بہ قدم وہ سیکھتا ہے کہ ہر نعمت عطا ہے، ہر سانس امانت ہے، اور ہر لمحہ اس کی طرف سے ہے۔ یہی شعور اسے جھکنا سکھاتا ہے، اور جھکنے میں ہی اس کی پہچان جنم لیتی ہے۔

محمود آخر میں صرف وہی ہے کامل، باقی اور بے نیاز۔ یہاں بندہ اپنی نسبتوں، دعووں اور انا کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ جس حمد کو وہ اپنا عمل سمجھتا تھا، وہ دراصل اسی کی توفیق تھی۔ بندہ وسیلہ تھا، اصل فاعل وہی تھا۔ اس ادراک کے بعد دل پر ایک سکون اترتا ہے کہ سب کچھ اسی سے تھا، اسی کے لیے تھا، اور اسی کی طرف لوٹ گیا۔

جب یہ راز کھلتا ہے تو دائرہ مکمل ہو جاتا ہے: ابتدا میں جو بندہ حامد تھا، انتہا میں وہ خود حمد میں گم ہو جاتا ہے۔ دل کہتا ہے: میں نے حمد شروع نہیں کی تھی، مجھے تو حمد میں شامل کر لیا گیا تھا۔ یہی شمولیت بندگی کا سب سے بڑا شرف ہے کہ بندہ اپنی نفی میں اس کی بقا پالے، اور اپنی خاموشی میں اس کی حمد سن لے۔

# حمدِ الٰہی-خودمبدئیت-خودغائیت

## تمہید-حمد کا غیر محتاج ہونا

حمد عام طور پر محتاجِ حامد سمجھی جاتی ہے، مگر ذاتِ الٰہی اس قاعدے سے ماورا ہے۔ اللہ وہ واحد ہستی ہے جس کی حمد کسی غیر کے اعتراف پر موقوف نہیں۔ اس نے اپنی حمد خود فرمائی، کیونکہ اس کا کمال کسی تصدیق کا محتاج نہیں۔ عالمانہ اعتبار سے یہ حقیقت اس بات کی دلیل ہے کہ حمد الٰہی مخلوق کی ایجاد نہیں بلکہ صفتِ ازلی کا ظہور ہے۔

## حمدِ ذاتی-کمال کا خود اعتراف

جب اللہ اپنی حمد خود فرماتا ہے تو دراصل وہ اپنے کمالِ مطلق کا اظہار کرتا ہے، نہ کہ کسی کمی کی تکمیل۔ یہ حمد کسی فائدے کے لیے نہیں بلکہ حقیقت کے ظہور کے لیے ہے، کیونکہ جہاں کمال مطلق ہو، وہاں حمد خود بخود لازم آتی ہے۔ یوں اللہ کی حمد اس کی ذات سے پھوٹتی ہے، جیسے نور اپنے منبع سے جدا نہیں ہوتا۔

## مخلوق کی حمد-حمدِ ذاتی کا عکس

مخلوق کی زبان سے نکلنے والی ہر حمد دراصل اسی حمدِ ذاتی کا پرتو ہے۔ بندہ جب اللہ کی تعریف کرتا ہے تو وہ کوئی نئی حقیقت پیدا نہیں کرتا بلکہ ازل سے قائم حقیقت میں شامل ہو جاتا ہے۔ علمی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انسانی حمد اصل نہیں بلکہ نقل ہے، اور یہ نقل اسی وقت درست ہوتی ہے جب اصل کے ساتھ جڑی رہے۔

## حمد اور الوہیت کا رشتہ

اللہ کا اپنی حمد خود فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ الوہیت کسی خارجی توثیق کی محتاج نہیں۔ اگر کوئی ہستی اپنی تعریف کے لیے دوسروں کی محتاج ہو تو وہ محتاج کہلائے گی لا یحتاج نہیں، اور محتاج الٰہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حمدِ ذاتی دراصل الوہیت کی سب سے مضبوط عقلی دلیل بھی ہے۔

## نتیجہ-حمد کا ازلی استحقاق

پس حقیقت یہی ہے کہ حمد کا سرچشمہ بھی وہی ہے اور اس کا مستحق بھی وہی۔ اس نے اپنی حمد خود بیان فرمائی، کیونکہ کمالِ مطلق اسی کا ہے اور ہر خوبی اسی کی طرف لوٹتی ہے۔ بندہ جب حمد کرتا ہے تو دراصل کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں کرتا، بلکہ اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے جو ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گی۔

مخلوق کی حمد ایک آئینہ ہے، جو اس کے کمالات کی جھلک دکھاتی ہے؛ مگر آئینہ روشنی پیدا نہیں کرتا، صرف منعکس کرتا ہے۔ اسی طرح بندے کی زبان پر جاری ہونے والی تعریف دراصل اسی کی عطا ہے، اسی کی تعلیم ہے، اور اسی کی توفیق ہے۔ بندہ اگر خاموش بھی رہے تو اس کی حمد میں کوئی کمی نہیں آتی، اور اگر بول اٹھے تو یہ اس پر ایک اور کرم ہے کہ اسے اس ذکر میں شریک کر لیا گیا۔

اسی لیے ابتدا بھی وہی ہے اور انتہا بھی وہی۔ درمیان میں مخلوق کا مقام گواہی کا ہے شاہد بن کر اس حقیقت کو پہچاننا اور مان لینا۔ یہی پہچان بندگی کا کمال ہے کہ بندہ اپنے وجود کو دلیل نہیں بناتا، بلکہ اس کی حمد کو دلیل بنا لیتا ہے؛ اور اسی میں اس کی نجات، اس کا سکون، اور اس کی تکمیل پوشیدہ ہے۔

# اللہ نے اپنی حمد - بذاتِ خود فرمائی

(وہ تعریف جسے کسی زبان کی حاجت نہ تھی)

## وہ لمحہ جو لفظ سے پہلے تھا

جب نہ میں تھا، نہ تو تھا، نہ کوئی زبان، نہ کوئی سننے والا، تب بھی حمد تھی۔ کیونکہ اللہ نے اپنی حمد خود فرمائی۔ یہ حمد کسی سوال کا جواب نہ تھی، نہ کسی کمی کی تکمیل؛ یہ تو ذات کی پہچان تھی، جو ذات ہی کے سامنے ظاہر ہوئی۔ صوفی کہتا ہے: جس نے خود کو پہچان لیا، اس نے خود ہی اپنی حمد کر لی۔

## حمد جو سکھائی نہیں گئی، اُتاری گئی

ہم جو کہتے ہیں ''الحمد للہ''، وہ ہم نے ایجاد نہیں کیا۔ یہ لفظ ہمیں عطا ہوا، جیسے سانس عطا ہوا، جیسے دل کی دھڑکن عطا ہوئی۔ اللہ نے پہلے خود اپنی حمد فرمائی، پھر ہمیں اس حمد میں شامل کر لیا۔ یوں بندہ حامد نہیں بنتا، بلکہ حمد میں کھینچ لیا جاتا ہے۔

## عارف کی نظر میں رازِ حمد

عارف جب اس راز کو دیکھتا ہے تو اس کی زبان خاموش ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ جو تعریف میں کر رہا ہوں، وہ پہلے ہی ہو چکی ہے۔ میں تو صرف اُس گونج کو سن رہا ہوں جو ازل سے جاری ہے۔ اللہ اپنی حمد میں کسی کا محتاج نہیں، مگر اپنی رحمت سے ہمیں اس میں شریک فرما لیتا ہے- یہی تو فضل ہے۔

## وہ حمد جو پلٹ کر اُسی کی طرف جاتی ہے

جب اللہ اپنی حمد خود فرماتا ہے تو ہر حمد جو مخلوق کرتی ہے، وہ گھوم کر اُسی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ نہ وہاں غرور ٹھہرتا ہے، نہ دعویٰ۔ بندہ بس اتنا جان لیتا ہے کہ میں جس کی تعریف کر رہا ہوں، وہ خود اپنی تعریف ہے، اور میں صرف اس کے کرم سے اس دائرے میں کھڑا ہوں۔

## اختتام – بندگی کی خاموش مسکراہٹ

یہ وہ لمحہ ہے جہاں الفاظ اپنی حد تک پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں، اور معنی خاموشی میں کھلنے لگتے ہیں۔ بندہ جان لیتا ہے کہ اس کی ہر صدا اسی کی عطا تھی، اور اب سکوت بھی اسی کی طرف واپسی ہے۔ دل جھک کر ٹھہر جاتا ہے، آنکھ میں نمی اترتی ہے، اور روح ایک ایسی طمانیت کو چھو لیتی ہے جسے بیان کی ضرورت نہیں رہتی۔

یہاں بندگی دعویٰ نہیں کرتی، صرف شکر بن جاتی ہے۔ سانس بھی ذکر محسوس ہوتی ہے اور خاموشی بھی عبادت۔ انسان اپنی کمزوری کو بوجھ نہیں بلکہ قرب کا وسیلہ دیکھنے لگتا ہے، اور اس کی نگاہ میں ہر حال میں ایک لطیف سی روشنی جاگتی ہے کہ وہی سننے والا ہے، وہی جاننے والا ہے، اور وہی کافی ہے۔

پھر دل آہستہ سے کہتا ہے:

تو نے خود اپنی حمد فرمائی.....اور مجھے اجازت دی کہ میں بھی کہہ سکوں الحمدللہ۔

# ازل، حال اور ابد میں وحدتِ ذات

(تمہید- زمان سے ماوراحقیقت)

اللہ کی ذات زمان ومکان کی قیود سے پاک ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل مخلوق کے لیے ہیں، خالق کے لیے نہیں۔ اس لیے جب کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تھا، وہ اللہ ہے، اور وہ اللہ رہے گا تو یہ محض تکرار نہیں بلکہ ایک عالمانہ اعلان ہے کہ الوہیت کسی لمحے میں داخل نہیں ہوئی اور کسی لمحے سے خارج بھی نہیں ہوگی۔

اسی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ زمان خود مخلوق ہے، اور جو زمان کا خالق ہے وہ اس کے بہاؤ میں بند نہیں ہوسکتا۔ ہمارے لیے ''پہلے'' اور ''بعد میں'' کا فرق معنی رکھتا ہے، مگر اس کی ذات میں نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ ازل اس کے لیے کوئی آغاز نہیں، اور ابد کوئی انجام نہیں؛ بلکہ یہ سب نسبتیں ہماری فہم کی حدیں ہیں، اس کی حقیقت نہیں۔

جب بندہ اس راز کو دل میں جگہ دیتا ہے تو اس کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ہر لمحہ اسی کی طرف سے ہے اور اسی کی طرف لوٹ رہا ہے، مگر وہ خود ہر لمحے سے بلند ہے۔ یوں دل میں ایک سکون اترتا ہے کہ جس رب پر وہ بھروسا کرتا ہے، وہ کسی تغیر، کسی زوال اور کسی وقت کے گزرنے کا محتاج نہیں وہ ہمیشہ تھا، ہمیشہ ہے، اور ہمیشہ رہے گا۔

## وہ اللہ تھا- ازلیت کا اثبات

''وہ اللہ تھا'' کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے بھی اللہ اپنی کامل صفات کے ساتھ موجود تھا۔ نہ اسے کسی نے پیدا کیا، نہ اس کی ذات کسی سبب کی

محتاج تھی۔ عالمانہ طور پر اسے ازلیت کہا جاتا ہے، یعنی ایسا وجود جس کی ابتدا متصور ہی نہیں کی جاسکتی۔ ازل میں نہ خلا تھا، نہ زمان، مگر اللہ کی ذات کامل تھی۔

## وہ اللہ ہے- قیومیت کا ظہور

''وہ اللہ ہے'' حال کی طرف اشارہ نہیں بلکہ قیومیت کی طرف اشارہ ہے۔ وہ اس لمحے بھی ہر شے کو تھامے ہوئے ہے، ہر سانس اسی کے حکم سے چل رہا ہے، اور ہر وجود اسی کے فیض سے قائم ہے۔ اگر ایک لمحے کے لیے بھی اس کی قیومیت ہٹ جائے تو کائنات عدم میں واپس لوٹ جائے۔ یہ حال نہیں، دوامِ فعل ہے۔

## وہ اللہ رہے گا- ابدیت کا بیان

''وہ اللہ رہے گا'' اس حقیقت کا اعلان ہے کہ فنا صرف مخلوق کا مقدر ہے، خالق کا نہیں۔ جب سب نام مٹ جائیں گے، جب سب نشان ختم ہو جائیں گے، تب بھی اللہ کی ذات باقی رہے گی۔ ابدیت کا مطلب یہ نہیں کہ وقت طویل ہو جائے، بلکہ یہ کہ وقت ہی ختم ہو جائے اور ذاتِ حق باقی رہے۔

## الوہیت کی غیر متغیر حقیقت

پس یہ جملہ اللہ کی ذات کی غیر متغیر حقیقت کو بیان کرتا ہے۔ نہ ازل میں اس کی شان کم تھی، نہ اب بڑھتی ہے، نہ ابد میں گھٹے گی۔ وہ ہمیشہ ویسا ہی ہے جیسا ہونا کمال ہے۔ اسی لیے علمِ توحید میں یہی سب سے جامع اور مختصر تعریف سمجھی جاتی ہے کہ:

''وہ اللہ تھا، وہ اللہ ہے، اور وہ اللہ رہے گا''

# ازل کی صدا - حال کی گرفت

## وہ اللہ تھا جب کچھ بھی نہ تھا

وہ اللہ تھا جب کچھ بھی نہ تھا نہ روشنی، نہ اندھیرا، نہ نام، نہ نشان۔ اُس سکوتِ ازل میں جہاں ہر نسبت خاموش تھی، وہ اپنی ذات میں کامل، قائم اور بے نیاز تھا۔ نہ کسی کی پکار تھی نہ کسی کی پہچان، مگر اس کی شان میں کوئی کمی نہ تھی۔ صوفی کہتا ہے: ازل میں نہ سوال تھا نہ جواب، مگر حقیقت اپنی جگہ روشن تھی؛ میں نہ تھا، میرا وہم بھی نہ تھا، مگر وہ تھا اور یہی اس کا کمال ہے۔

پھر حال کی گرفت میں بندہ آنکھ کھولتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ہر شے اسی کے حکم سے ظاہر ہے۔ جو کچھ نظر آتا ہے وہ اسی کے ارادے کی جھلک ہے، اور جو نظر نہیں آتا وہ بھی اسی کے علم میں محیط ہے۔ بندہ اپنی کمزوری، اپنی حاجت اور اپنی محدودیت کو پہچانتا ہے، اور یہی پہچان اسے جھکنا سکھاتی ہے۔ یہاں حال محض لمحہ نہیں رہتا، بلکہ ایک شہادت بن جاتا ہے کہ ہر سانس اسی کی طرف سے ہے اور اسی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

یوں ازل کی صدا اور حال کی گرفت ایک ہی حقیقت کی دو جھلکیں بن جاتی ہیں۔ جو ازل میں بے نیاز تھا، وہی حال میں بھی قائم ہے؛ نہ اس میں اضافہ ہوا نہ کمی۔ بندہ جب اس راز کو دل میں اتارتا ہے تو اس کا حال بھی سکون بن جاتا ہے، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ جس رب نے اسے عدم سے وجود دیا، وہی ہر لمحہ اسے تھامے ہوئے ہے۔

## وہ اللہ ہے جو مجھے تھامے ہوئے ہے

اب جب میں ہوں، تو وہ ہے۔ میری سانس اس کے اذن سے ہے، میرا دل

اس کے حکم سے دھڑکتا ہے، میری بھٹک بھی اس کی نگہبانی میں ہے۔ میں گرتا ہوں تو وہ اٹھاتا ہے، میں بھولتا ہوں تو وہ یاد دلاتا ہے۔ عارف جان لیتا ہے کہ ''وہ اللہ ہے'' کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کہیں ہے، بلکہ یہ کہ وہ سب کچھ تھامے ہوئے ہے۔

## وہ اللہ رہے گا جب میں نہ رہوں گا

جب میری آواز خاموش ہو جائے گی، جب میرا نام مٹ جائے گا، جب میری پہچان خاک میں مل جائے گی، تب بھی وہ رہے گا۔ نہ کم، نہ زیادہ؛ ویسا ہی جیسا ہمیشہ سے تھا۔ یہی ابد ہے۔ یہی وہ سکون ہے جس میں خوف تحلیل ہو جاتا ہے، کیونکہ جو باقی رہنے والا ہے، وہی اصل ہے۔

## عارفانہ سرّ وقت ٹوٹ جاتا ہے

جب یہ راز کھلتا ہے تو وقت ٹوٹ جاتا ہے۔ ازل، حال اور ابد ایک ہو جاتے ہیں۔ بندہ سمجھ لیتا ہے کہ میں آنے والا بھی وہیں سے تھا، اور جانے والا بھی وہیں لوٹوں گا۔ نہ ابتدا میری تھی، نہ انتہا میری ہوگی، سب کچھ اسی کا ہے۔

## اختتام ایک جملہ، پوری معرفت

یہ جملہ زبان کا نہیں، حال کا ہے؛
یہ علم نہیں، ذوق ہے؛
یہ بیان نہیں، تسلیم ہے
کہ ہر ابتدا اسی کی طرف کھلتی ہے اور ہر انتہا اسی میں سمٹتی ہے:
''وہ اللہ تھا، وہ اللہ ہے، اور وہ اللہ رہے گا''۔

# وہ اللہ جس کی تخلیق کو کوئی بدلنے والا نہیں

(سنتِ الٰہی کی اٹل حقیقت-قرآنی بیان کی روشنی میں)

## تمہید-تخلیق اور ثبات کا تصور

اللہ کی تخلیق محض وجود میں لانے کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل، متوازن اور حکیمانہ نظام کا ظہور ہے۔ اس نظام کی بنیاد اس کے علمِ ازلی، اس کی حکمتِ کاملہ اور اس کی مشیتِ مطلقہ پر قائم ہے۔ اسی لیے کائنات کا ہر پہلو ایک نظم، ایک توازن اور ایک مقصدیت لیے ہوئے ہے ایسا توازن جو انسانی خواہشات یا تدبیروں کا محتاج نہیں۔

قرآن مجید اس حقیقت کو یوں واضح کرتا ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی بنیادی تبدیلی ممکن نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔ (الروم:30)

یہ اعلان محض ایک خبر نہیں بلکہ ایک اصول ہے کہ جو نظام اللہ نے قائم کیا ہے، وہ اپنی اصل میں ثابت اور قائم ہے۔ انسان وقتی طور پر چیزوں کی صورت یا ترتیب میں تبدیلی لا سکتا ہے، مگر وہ اس بنیادی حقیقت کو نہیں بدل سکتا جس پر تخلیق کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

جب بندہ اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کے اندر ایک گہرا سکون پیدا ہوتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ یہ کائنات کسی اندھی قوت یا بے مقصد تغیر کے رحم و کرم پر نہیں، بلکہ ایک حکیم اور علیم رب کے مضبوط نظام کے تحت چل رہی ہے۔ یہی ادراک اسے بے چینی سے نکال کر یقین کی طرف لے جاتا ہے، اور وہ اپنی خواہشات کے بجائے اس سنتِ الٰہی کے مطابق جینا سیکھ لیتا ہے۔

## اللہ کی تخلیق-حکمت پر قائم نظام

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ

یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط اور درست بنایا۔

(سورۃ النمل 88:27)

یہ آیت اس حقیقت کی دلیل ہے کہ اللہ کی تخلیق محض حادثاتی نہیں بلکہ کامل اتقان کے ساتھ ہے۔ اتقان کا مفہوم یہ ہے کہ تخلیق اپنے مقصد، توازن اور انجام کے اعتبار سے کامل ہو۔ جس تخلیق میں اتقان ہو، وہ تبدیلی کی محتاج نہیں ہوتی۔

## تخلیق میں تبدیلی کا انکار-قرآنی اصول

قرآن مجید میں واضح طور پر فرمایا گیا:

لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ

اللہ کی بنائی ہوئی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں

(سورۃ الروم:30)

یہ آیت ایک قطعی اصول بیان کرتی ہے کہ اللہ نے جس فطرت، نظام اور ساخت پر مخلوق کو پیدا کیا ہے، وہ ناقابلِ تبدیل ہے۔ انسان ظاہری صورتوں میں تغیر لا سکتا ہے، مگر تخلیق کی اصل فطرت اور سنتِ الٰہی کو بدل نہیں سکتا۔

## سنتِ الٰہی-اٹل اور قائم

اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾

اورتم اللہ کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

(سورۃ الاحزاب:62)

یہاں سنتِ الٰہی سے مراد وہ دائمی قانون ہے جس کے تحت تخلیق، بقا، زوال، زندگی اور موت کے مراحل طے پاتے ہیں۔ عالمانہ نقطۂ نظر سے یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات کسی وقتی قانون پر نہیں بلکہ دائمی ربانی ضابطے پر قائم ہے۔

## مخلوق کی ناتوانی - خالق کی مطلق قدرت

اللہ تعالیٰ انسان کی محدود حیثیت کو واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی۔

(سورۃ الصافات:96)

اس آیت سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان نہ صرف اپنی ذات میں بلکہ اپنے افعال میں بھی خالق کا محتاج ہے۔ جو خود مخلوق ہو، وہ تخلیق کے اصل ڈھانچے کو کیسے بدل سکتا ہے؟

## نتیجہ - تخلیق کا ابدی تحفظ

ان تمام قرآنی دلائل سے یہ حقیقت قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اللہ وہ واحد ہستی ہے جس کی تخلیق ناقابلِ تغیر ہے۔ اس کی بنائی ہوئی فطرت، اس کے قائم کردہ قوانین اور اس کی تخلیقی سنت نہ وقت کے دباؤ میں آتی ہے اور نہ مخلوق کی خواہشات کے تابع ہوتی ہے۔

پس علمی طور پر یہ کہنا درست ہے کہ: ''وہ اللہ جس کی تخلیق کو کوئی بدلنے والا نہیں- کیونکہ وہ تخلیق حکمت، علم اور قدرتِ مطلق پر قائم ہے۔''

# ازل کی مہر-ابد کا نظام خاموش حال

(دل، عقل اور قرآن کی گواہی)

## تمہید-تخلیق جو خاموش مگر اٹل ہے

کچھ حقیقتیں شور نہیں کرتیں، وہ بس قائم رہتی ہیں۔ اللہ کی تخلیق بھی ایسی ہی ہے- خاموش، گہری، ناقابلِ انکار۔ زمانہ بدلتا ہے، نظریے ٹوٹتے ہیں، طاقتیں اُبھرتی اور بکھرتی ہیں، مگر اللہ کی بنائی ہوئی فطرت اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ عارف کی نظر میں یہی ثبات سب سے بڑی دلیل ہے کہ خالق واحد ہے اور اس کا نظام کامل۔

## تخلیقِ الٰہی-حکمت کی مہر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ۝۸۸

ترجمہ: اللہ کا کام، جس نے تمام چیزوں کو مکمل کیا۔ بے شک وہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔

(سورۃ النمل، 88:27)

یہ آیت اعلان ہے کہ کائنات کوئی اتفاق نہیں بلکہ حکمت کی مہر ہے۔ اتقان کا مطلب ہے ایسا کمال جس میں کمی کی گنجائش نہ ہو۔ صوفی کہتا ہے: جس تخلیق پر اللہ نے خود اتقان کی مہر لگا دی، وہاں تبدیلی کی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے؟

## فطرتِ الٰہی- نا قابلِ تبدیل حقیقت

قرآن مجید ایک قطعی اصول بیان کرتا ہے:

لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ

ترجمہ: اللہ کی بنائی ہوئی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔

(سورۃ الروم،:30)

یہ فطرت انسان کے اندر بھی ہے اور کائنات کے باہر بھی۔ انسان صورتیں بدل سکتا ہے، نام بدل سکتا ہے، مگر حقیقت نہیں بدل سکتا۔ عارف اس آیت کو یوں پڑھتا ہے کہ جو اللہ سے جڑا ہے، وہ بگڑ نہیں سکتا - اور جو بگڑ جائے، وہ اللہ کی اصل تخلیق سے دور ہو گیا۔

## سنتِ الٰہی- جو کبھی نہیں ٹلتی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ﴿۶۲﴾

ترجمہ: اور تم اللہ کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

(سورۃ الاحزاب،:62)

یہ سنت صرف تاریخ کا قانون نہیں، یہ دلوں کا بھی قانون ہے۔ جو عاجزی سے جیتا ہے وہ بچ جاتا ہے، اور جو تکبر میں اٹھتا ہے وہ گر جاتا ہے۔ صوفی کے نزدیک یہ آیت وقت کی نہیں، انجام کی خبر ہے۔

## انسان کی حد- خالق کی مطلقیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی۔

(سورۃ الصافات، :96)

یہاں عقل خاموش ہو جاتی ہے اور دل بول اٹھتا ہے۔ جو خود تخلیق ہے، وہ تخلیق کو کیسے بدلے؟ عارف جان لیتا ہے کہ اختیار بھی عطا ہے، طاقت بھی امانت، اور حد بھی مقرر۔

## عارفانہ سرّ – بدلتا میں ہوں، نظام نہیں

میں بدلتا ہوں، میرے حال بدلتے ہیں، میرے خیالات ٹوٹتے ہیں – مگر اللہ کا نظام اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ یہی اس کی ربوبیت کی پہچان ہے۔ جس دن یہ راز کھلتا ہے، اس دن انسان لڑنا چھوڑ دیتا ہے اور جھکنا سیکھ لیتا ہے۔

## اختتام – اطمینانِ قلب

پس یہ حقیقت دل، عقل اور قرآن تینوں کی گواہی سے ثابت ہے کہ:

''وہ اللہ جس کی تخلیق کو کوئی بدلنے والا نہیں – کیونکہ وہ تخلیق علمِ ازلی، حکمتِ کاملہ اور قدرتِ مطلقہ پر قائم ہے''۔

اور جو اس حقیقت کو مان لیتا ہے، وہ خود بدل جاتا ہے – مگر نظام سے نہیں، نظام کے ساتھ۔

# اللہ کے کلمات تبدیل نہیں ہوتے

## تمہید-کلماتِ الٰہی کا مفہوم

اللہ کے کلمات سے مراد محض الفاظ نہیں بلکہ اس کے فرامین، وعدے، فیصلے، احکام اور وہ اٹل حقائق ہیں جو اس کے علمِ ازلی سے صادر ہوئے۔ عالمانہ نقطۂ نظر سے کلماتِ الٰہی حقیقتِ مطلقہ کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لیے ان میں نہ تغیر ممکن ہے اور نہ تنسیخ۔ جو ذات خود کامل ہو، اس کا کلام بھی کامل اور غیر متبدل ہوتا ہے۔

## کلماتِ ربّانی-حق پر قائم

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

ترجمہ: اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوئی۔ اُس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں۔

(سورۃ الانعام، 115:)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ کے کلمات دو بنیادوں پر قائم ہیں: ''صدق'' (سچائی) اور ''عدل'' (انصاف)۔ جو کلام ان دونوں صفات پر پورا اترتا ہو، وہ تبدیلی کا محتاج نہیں ہوتا۔

## وعدۂ الٰہی-ناقابلِ خلاف ورزی

اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے بارے میں فرماتا ہے:

لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۶۴﴾

اللہ کے کلام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی سب سے بڑی فتح ہے۔

(سورۃ یونس، 64:)

یہ آیت اس حقیقت کو مستحکم کرتی ہے کہ اللہ کا وعدہ وقت، حالات یا انسانی تدبیروں سے متاثر نہیں ہوتا۔ عالمانہ اعتبار سے یہ وعدۂ الٰہی کی قطعیت کا اعلان ہے۔

## کلام اور علمِ ازلی کا رشتہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: فرمادیں کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی ہوتو سمندر میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہوجائے گا، خواہ ہم اس کے مثل کو بطور ضمیمہ لے آئیں۔

(سورۃ الکہف، 109:)

یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ کے کلمات لامحدود ہیں، کیونکہ وہ اس کے لامحدود علم سے صادر ہوتے ہیں۔ جو علم لامحدود ہو، اس کا کلام محدود یا متغیر نہیں ہو سکتا۔

## مخلوق کی بے بسی - کلامِ حق کے سامنے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾

میرا کلام نا قابل تغیر ہے اور میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

(سورۃ ق، :29)

یہ اعلان اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اللہ کے فیصلے کسی دباؤ، سفارش یا طاقت سے تبدیل نہیں ہوتے۔ عالمانہ طور پر یہ آیت الٰہی حاکمیت کی قطعی دلیل ہے۔

## نتیجہ - کلامِ الٰہی کا ابدی تحفظ

ان تمام قرآنی دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ وہ واحد ہستی ہے جس کے کلمات نا قابلِ تغیر ہیں۔ اس کا کلام نہ وقت سے محدود ہے، نہ حالات سے مشروط، اور نہ مخلوق کی خواہشات کا تابع۔

پس علمی طور پر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ:

''وہ اللہ جس کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں - کیونکہ وہ کلمات علمِ ازلی، صدقِ مطلق اور عدلِ کامل پر قائم ہیں''۔

# ازل کی بات- ابد کا وعدہ

ازل کی بات اس لمحے سے شروع ہوتی ہے جو وقت سے پہلے تھا، جہاں نہ دن تھے نہ رات، نہ آغاز تھا نہ انجام۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے انسانی عقل مکمل طور پر گھیر نہیں سکتی، کیونکہ ازل وقت کے اندر نہیں بلکہ وقت کی اصل بنیاد سے پہلے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی نسبت سے انسان کو یہ شعور ملتا ہے کہ اس کا وجود محض ایک اتفاق نہیں بلکہ ایک ازلی ارادے کا حصہ ہے، جس نے اسے عدم سے وجود بخشا۔

ابد کا وعدہ اس حقیقت کا تسلسل ہے جو ازل سے شروع ہو کر ہمیشہ باقی رہنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی جس ذات نے ابتدا کے بغیر ہر چیز کو وجود دیا، وہی اسے بقا بھی عطا کرے گی۔ انسان کا دل اسی ابدی حقیقت کی تلاش میں بے چین رہتا ہے، کیونکہ اس کے اندر فطری طور پر یہ شعور رکھا گیا ہے کہ وہ فانی نہیں بلکہ کسی دائمی حقیقت کی طرف سفر کر رہا ہے۔ یہی احساس اسے مادی دنیا کی محدودیت سے اوپر اٹھاتا ہے۔

ازل اور ابد کے درمیان انسان کا سفر دراصل اس کی اپنی پہچان کا سفر ہے۔ وہ جب اپنے اندر جھانکتا ہے تو اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ نہ مکمل طور پر دنیا کا ہے اور نہ مکمل طور پر فنا کے لیے ہے۔ اس کے اندر ایک ایسی روح ہے جو وقت کی قید سے آزاد ہے اور ایک ایسے وعدے کی طرف بڑھ رہی ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ یہ شعور اسے بے مقصدی سے نکال کر ایک اعلیٰ مقصد عطا کرتا ہے۔

عرفانی نگاہ سے دیکھا جائے تو ازل ایک یاددہانی ہے کہ انسان کسی عظیم منصوبے کا آغاز ہے، اور ابد ایک امید ہے کہ یہ منصوبہ ختم نہیں ہوگا بلکہ ایک بلند تر حقیقت میں جاری رہے گا۔ اس شعور سے دل میں سکون پیدا ہوتا ہے، کیونکہ انسان سمجھ لیتا ہے کہ

اس کی زندگی محدود نہیں بلکہ ایک لامحدود سلسلے کا حصہ ہے۔

آخر کار ''ازل کی بات'' انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ اس کی اصل حقیقت وقت میں نہیں بلکہ وقت کے خالق کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور ''ابد کا وعدہ'' اسے یہ یقین دلاتا ہے کہ جس نے اسے پیدا کیا ہے وہ اسے ضائع نہیں کرے گا۔ یوں انسان کی زندگی خوف سے نکل کر امید، یقین اور اطمینان میں بدل جاتی ہے۔

## تمہید- وہ کلام جو خاموش نہیں ہوتا

کچھ آوازیں لفظوں کی محتاج نہیں ہوتیں۔ اللہ کے کلمات بھی ایسے ہی ہیں- وہ لکھے جائیں یا نہ جائیں، پڑھے جائیں یا نہ پڑھے جائیں، وہ قائم رہتے ہیں۔ زمانہ بدلتا ہے، انسان بدلتا ہے، مگر جس کلام کی بنیاد علمِ ازلی پر ہو، اسے کوئی ہاتھ نہیں بدل سکتا۔ میں حافظ محمد حبیب اللہ بن محمد ابراہیم کہتا ہوں: جو بات اللہ نے کہہ دی، وہ واقع ہو چکی- چاہے آنکھ نے ابھی دیکھا نہ ہو۔

## کلماتِ ربّانی -صدق اور عدل کی مہر

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوئی۔ اس کے الفاظ کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ اور وہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (سورۃ الانعام، :115)

یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ کا کلام جذبات نہیں، فیصلے ہیں؛ خواہش نہیں، حق ہے۔ جہاں صدق اور عدل جمع ہو جائیں، وہاں تبدیلی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ صوفی کی

نظر میں یہی کلام دل کو تھام لیتا ہے اور شک کو جلا دیتا ہے۔

## وعدۂ الٰہی - جو ٹلتا نہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾

اللہ کے کلام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی سب سے بڑی فتح ہے۔

(سورۃ یونس، :64)

یہ وعدہ وقت کا محتاج نہیں۔ انسان کے وعدے حالات سے بدل جاتے ہیں، مگر اللہ کا وعدہ حالات کو بدل دیتا ہے۔ عارف اس آیت کو امید کی سانس کہتا ہے- کیونکہ جس نے وعدہ کیا ہے، وہی اسے پورا کرنے والا ہے۔

## کلمات کی وسعت - علمِ لامحدود کا اظہار

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: کہہ دو کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی ہو تو سمندر میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا، خواہ ہم اس کے مثل کو بطور ضمیمہ لے آئیں۔

(سورۃ الکہف، :109)

یہاں عقل ٹھہر جاتی ہے اور دل جھک جاتا ہے۔ جو کلام لامحدود ہو، اسے کوئی محدود طاقت کیسے بدل سکتی ہے؟ عارف کے نزدیک یہ آیت اس بات کی خبر ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اسی کلام کی ایک جھلک ہے۔

## فیصلۂ الٰہی-جس کے سامنے سب خاموش

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے پاس بات بدلی نہیں جاتی۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: میرا کلام نا قابل تغیر ہے اور میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

(سورۃ ق،:29)

یہ اعلان خوف کے لیے نہیں، اطمینان کے لیے ہے۔ کیونکہ اگر فیصلہ بدلنے لگے تو انصاف مٹ جائے۔ صوفی جان لیتا ہے کہ جو کچھ ملا، وہ اسی کلام کے مطابق ملا- نہ کم، نہ زیادہ۔

## عارفانہ سرّ - میں بدلتا ہوں، کلام نہیں

میں روتا ہوں، ہنستا ہوں، گرتا ہوں، سنبھلتا ہوں- میں بدلتا ہوں۔ مگر اللہ کا کلام اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ اسی لیے عارف لڑتا نہیں، مان لیتا ہے؛ شور نہیں مچاتا، خاموش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس نے بات کہہ دی ہو، اس کے سامنے دلیل ختم ہو جاتی ہے۔

## اختتام-سکونِ دل

پس دل، عقل اور قرآن تینوں کی گواہی سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ:

''وہ اللہ جس کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں- کیونکہ وہ کلمات علمِ ازلی، صدقِ مطلق اور عدلِ کامل پر قائم ہیں''۔

اور جو اس کلام پر یقین کر لے، اس کے دل میں بے یقینی باقی نہیں رہتی۔

# اللہ جو عدم سے مخلوق کو وجود میں لایا

## تمہید- عدم سے وجود کا تصور

عدم سے وجود میں لانا ایسی تخلیق ہے جو کسی مادّے، نمونے یا سابق مثال کی محتاج نہیں۔ عالمانہ اصطلاح میں یہ "خلقٌ من العدم" ہے، یعنی ایسی پیدائش جس کی بنیاد محض ارادۂ الٰہی اور قدرتِ مطلق ہو۔ یہ صفت صرف اللہ کے لیے ثابت ہے، کیونکہ جو خود واجب الوجود ہو، وہی عدم کو وجود میں بدلنے کی قدرت رکھتا ہے۔

## ارادۂ الٰہی- تخلیق کا پہلا سبب

قرآن مجید اس حقیقت کو نہایت اختصار اور قوت کے ساتھ بیان کرتا ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: اس کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے: ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔

(سورۃ یٰسین، 82:)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ تخلیق کسی تدریجی مجبوری کا نتیجہ نہیں بلکہ ارادۂ الٰہی کی فوری تعمیل ہے۔ ''کن'' اللہ کا کلمۂ تخلیق ہے، اور ''فیکون'' اس کلمے کی تکمیل۔

## عدم کی حقیقت- مخلوق کی ابتدا

اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی اصل یاد دلاتا ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا

مَّذۡكُوۡرًا ①

کیا انسان پر زمانے کا وہ وقت نہیں گزرا جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا؟

(سورۃ الدھر، 1:)

یہ آیت عالمانہ طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کا وجود از خود نہیں بلکہ عطا ہے۔ وہ ایک وقت میں عدم تھا، پھر اللہ نے اسے وجود بخشا، اور یہی عطا اس کی بندگی کی بنیاد ہے۔

## تخلیق بلا مثال - اللہ کی انفرادیت

قرآن مجید اللہ کی تخلیقی انفرادیت کو یوں بیان کرتا ہے:

بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ

وہ آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا کرنے والا ہے۔

(سورۃ البقرہ، 117:)

''بدیع'' کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے تخلیق کسی سابق نمونے کے بغیر کی۔ عالمانہ اعتبار سے یہی وصف اللہ کو ہر خالق سے ممتاز کرتا ہے، کیونکہ مخلوق صرف موجود شے میں تصرف کر سکتی ہے، عدم سے وجود پیدا نہیں کر سکتی۔

## قدرتِ مطلق - وجود کا قیام

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ ۫

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

(سورۃ الزمر، 62:)

یہ آیت کلی قاعدہ بیان کرتی ہے کہ وجود میں آنے والی ہر شے- خواہ مادی ہو یا غیر مادی- اپنی تخلیق میں اللہ کی محتاج ہے۔ اس کے سوا کوئی خالق حقیقی نہیں۔

## نتیجہ- عدم سے وجود، الوہیت کی قطعی دلیل

ان تمام قرآنی دلائل سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ اللہ وہ واحد ہستی ہے جو عدم سے مخلوق کو وجود میں لاتی ہے۔ یہ تخلیق نہ اتفاق ہے، نہ مجبوری، بلکہ علمِ ازلی، ارادۂ کامل اور قدرتِ مطلق کا ظہور ہے۔

پس علمی طور پر یہ کہنا درست ہے کہ:

وہ اللہ ہے جو عدم سے مخلوق کو وجود میں لایا، اور یہی حقیقت اس کی الوہیت کی سب سے روشن دلیل ہے۔

# عدم سے گونجتا ہوا۔کلمہ ''کُن''

(دل، عقل اور قرآن کی شہادت)

''کُن'' اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی امر ہے جس سے کائنات کی تخلیق کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ لفظ صرف ایک حکم نہیں بلکہ وجود کا دروازہ ہے، جس کے ذریعے عدم کے پردے چاک ہو کر ہستی کا ظہور ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو کہتا ہے ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتی ہے۔ یہی ''کُن'' کائنات کے وجود کی پہلی صدا ہے۔

عدم کی دنیا میں نہ آواز تھی، نہ رنگ، نہ وقت، نہ مکان۔ یہ ایک ایسا تصور ہے جو انسانی فہم سے ماورا ہے، جہاں کچھ بھی ''تھا'' نہیں۔ لیکن اسی خاموش عدم کے اندر جب ''کُن'' کی تجلی نمودار ہوئی تو کائنات کی پہلی جنبش پیدا ہوئی۔ یہ وہ لمحہ تھا جسے آغازِ تخلیق کہا جا سکتا ہے، مگر حقیقت میں یہ لمحہ بھی اللہ کے علم میں ازل سے موجود تھا۔

''کُن'' دراصل اللہ کی قدرتِ مطلقہ کا اظہار ہے۔ اسے کسی سبب، مادہ یا وقت کی ضرورت نہیں۔ وہ جب چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے، جس حالت میں چاہتا ہے وجود عطا فرما دیتا ہے۔ اس لیے تخلیق کا یہ عمل انسانی تخیل کی طرح تدریجی نہیں بلکہ ایک حکمِ الٰہی سے وجود پذیر ہونے والا کامل حقیقت کا ظہور ہے۔

عرفانی زاویے سے دیکھا جائے تو "کُن" صرف کائنات کے لیے نہیں بلکہ انسان کے باطن کے لیے بھی ایک راز ہے۔ جب بندہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے دل میں بھی ایک ''کُن'' کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، جہاں اندھیروں میں روشنی، غفلت میں بیداری، اور بے مقصدی میں مقصد جنم لیتا ہے۔ یہ داخلی تخلیق انسان کو نئے شعور کی طرف لے جاتی ہے۔

''کُن'' کی حقیقت یہ بھی سکھاتی ہے کہ وجود محض مادہ نہیں بلکہ ایک الٰہی امر ہے۔ ہر شے اللہ کے حکم سے قائم ہے اور اسی کے حکم سے باقی ہے۔ اس شعور سے انسان کی نظر بدل جاتی ہے، وہ ہر چیز کو اللہ کے حکم اور قدرت کی تجلی سمجھنے لگتا ہے، نہ کہ محض اتفاق یا فطری حادثہ۔

آخر کار ''کُن'' انسان کو یہ یقین عطا کرتا ہے کہ جس ذات نے عدم سے وجود دیا وہ ہر لمحہ ہر شے پر قادر ہے۔ اس لیے انسان کا خوف، امید، اور توکل سب اسی ایک حقیقت سے جڑ جاتا ہے۔ یوں ''کُن'' محض ایک لفظ نہیں رہتا بلکہ پوری کائنات کا راز اور بندے کے دل کی بیداری کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

## تمہید- جہاں کچھ بھی نہ تھا

ایک لمحہ ایسا تھا جسے لمحہ کہنا بھی درست نہیں- جہاں نہ وقت تھا، نہ مکان، نہ آواز، نہ نشان۔ وہاں عدم تھا، مکمل خاموشی۔ اسی عدم میں اللہ کی قدرت جلوہ گر ہوئی، اور جو کچھ نہیں تھا، وہ ہونے لگا۔ صوفی کہتا ہے: عدم اللہ کی نفی نہیں، اس کی قدرت کا پردہ ہے- اور جب پردہ اٹھا تو وجود نے سانس لی۔

## ارادۂ الٰہی- تخلیق کی پہلی جنبش

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: اس کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے: ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔

(سورۃ یٰسین، :82)

یہ ''کُن'' کوئی آواز نہیں، قدرت کا ظہور ہے۔ عارف کے نزدیک یہ حکم لفظ نہیں

بنتا، حقیقت بن جاتا ہے۔ نہ وقت درکار، نہ سبب۔ صرف ارادہ، اور وجود حاضر۔

## انسان کی ابتدا۔ عدم کی یاد

اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی اصل یاد دلاتا ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①

(سورۃ الدھر، 1:)

ترجمہ: کیا انسان پر زمانے کا وہ وقت نہیں گزرا جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا؟

یہ آیت دل کو نرم کر دیتی ہے۔ میں کچھ نہ تھا، پھر مجھے ہونا عطا ہوا۔ صوفی اسی یاد سے عاجزی سیکھتا ہے۔ کہ جو وجود ملا ہے، وہ میرا نہیں، اس کی عطا ہے۔

## بے مثال تخلیق۔ عدم پر قدرت کی مہر

قرآن مجید فرماتا ہے:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وہ آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا کرنے والا ہے۔

(سورۃ البقرہ، 117:2)

''بدیع'' کا مطلب ہے: بغیر نمونے کے۔ عارف جان لیتا ہے کہ جو عدم سے وجود لا سکتا ہے، وہی اصل خالق ہے۔ باقی سب ہاتھ ہیں، اصل دستِ قدرت وہی ہے۔

## وجود کا قیام- ہر سانس میں خالق

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

(سورۃ الزمر،62:39)

یہ تخلیق صرف ابتدا نہیں، بقا بھی ہے۔ ہر سانس، ہر دھڑکن، ہر لمحہ اسی تخلیق کی تجدید ہے۔ صوفی کہتا ہے: میں ایک بار نہیں، ہر لمحہ پیدا ہو رہا ہوں- اسی کے اذن سے۔

## عارفانہ سرّ - عدم سے آیا، عدم کی طرف نہیں

میں عدم سے آیا، مگر عدم کی طرف نہیں لوٹوں گا؛ میں اس کی طرف لوٹوں گا جس نے عدم کو وجود میں بدلا۔ یہی فرق ہے فنا اور بقا میں۔ جب یہ راز کھلتا ہے تو خوف ٹوٹ جاتا ہے، اور یقین جنم لیتا ہے۔

## اختتام- شکر کی خاموشی

پس دل، عقل اور قرآن کی گواہی سے یہ حقیقت روشن ہے کہ:

''وہ اللہ ہے جو عدم سے مخلوق کو وجود میں لایا- اور اسی قدرت نے وجود کو معنی، سمت اور انجام عطا کیا''۔

اور جو اس حقیقت کو پالیتا ہے، وہ وجود میں رہ کر بھی عدم کی عاجزی سیکھ لیتا ہے۔

# وہ اللہ ہے- جو پردۂ غیب میں ہے

(غیبِ مطلق، حجابِ ذات اور علمِ ربانی -قرآن کی روشنی میں)

وہ اللہ ہے جو ہر شے پر ظاہر بھی ہے اور اپنی حقیقت میں پردۂ غیب میں بھی۔ اس کی ذات اس قدر بلند و بالا ہے کہ نہ آنکھیں اسے دیکھ سکتی ہیں اور نہ عقل اس کی کنہ کو پا سکتی ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کا وجود ہر شے سے زیادہ یقینی ہے، کیونکہ ہر موجود اسی کے حکم اور اس کے ارادے سے قائم ہے۔ یہی وہ راز ہے کہ وہ نظر نہیں آتا مگر ہر جگہ اس کی نشانیاں بول رہی ہیں۔

پردۂ غیب کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہم سے دور ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ انسانی ادراک کی حدوں سے ماورا ہے۔ انسان کا علم، اس کی سوچ اور اس کا فہم محدود ہے، جبکہ اللہ کی حقیقت لامحدود ہے۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے کہ وہ ''غیب کا جاننے والا'' ہے۔ یہ غیب دراصل اس کی عظمت کا پردہ ہے، جو مخلوق کو اس کی حقیقت کے ادراک سے عاجز رکھتا ہے۔

اس کے باوجود اللہ اپنی پہچان سے غافل نہیں چھوڑتا۔ وہ اپنی آیات، اپنی تخلیق اور اپنی رحمت کے ذریعے خود کو ظاہر کرتا ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ اس کی قدرت کی گواہی دیتا ہے، ہر نظام اس کی حکمت کا آئینہ ہے، اور ہر لمحہ اس کی تدبیر کا مظہر ہے۔ گویا وہ پردۂ غیب میں رہ کر بھی ہر شے میں جلوہ گر ہے۔

عرفانی نگاہ سے دیکھا جائے تو غیب کا یہ پردہ انسان کے لیے امتحان بھی ہے اور تربیت بھی۔ اگر اللہ ظاہر ہو جاتا تو ایمان، یقین اور محبت کا امتحان باقی نہ رہتا۔ اسی پردے میں بندے کا کمال ہے کہ وہ دیکھے بغیر مانے، سمجھے بغیر جھکے، اور محسوس کیے بغیر یقین کرے۔ یہی ایمان کی اصل حقیقت ہے۔

یہ پردۂ غیب انسان کے دل کو ادب، عاجزی اور خشیت سے بھر دیتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اس کی عقل کی پہنچ وہاں تک نہیں، جہاں اللہ کی حقیقت شروع ہوتی ہے۔ مگر یہی عاجزی اسے قرب کی طرف لے جاتی ہے، کیونکہ جو بندہ اپنی حد کو پہچان لیتا ہے وہی رب کی معرفت کے دروازے پر پہنچتا ہے۔

آخر کار ''وہ اللہ ہے جو پردۂ غیب میں ہے'' انسان کو یہ سبق دیتا ہے کہ اصل حقیقت نظر آنے میں نہیں بلکہ مان لینے میں ہے۔ جب دل یقین سے بھر جاتا ہے تو غیب بھی یقین بن جاتا ہے، اور پردہ بھی معرفت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یوں بندہ اس حقیقت کے قریب ہو جاتا ہے جو نظر سے نہیں بلکہ دل کے نور سے پہچانی جاتی ہے۔

## تمہید-غیب کیا ہے؟

غیب اس حقیقت کو کہتے ہیں جو انسانی حواس، تجربہ اور براہِ راست مشاہدے سے بالاتر ہو۔ عالمانہ اعتبار سے غیب کی دو بنیادی قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

1. غیبِ نسبی- جو کسی کے لیے پوشیدہ اور کسی کے لیے ظاہر ہو سکتا ہے۔
2. غیبِ مطلق- جو ہر مخلوق سے مطلقاً پوشیدہ ہو اور صرف اللہ کے علم میں ہو۔

اللہ پردۂ غیب میں ہے، اس معنی میں کہ اس کی ذات حواس کے احاطے میں نہیں آتی، اگرچہ اس کی قدرت، علم اور آثار ہر شے میں ظاہر ہیں۔

## اللہ-عالم الغیب بالذات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

ترجمہ: وہ غیب کا جاننے والا ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

(سورۃ الجن، :26)

یہ آیت اس اصول کو قائم کرتی ہے کہ ''غیبِ مطلق'' اللہ کی خاص صفت ہے۔
انبیاء یا ملائکہ کو اگر کسی غیبی امر کی خبر دی جائے تو وہ ''اطلاع'' کے درجے میں ہوتی ہے، ''علمِ ذاتی'' کے درجے میں نہیں۔ اصل علمِ غیب مستقل، محیط اور غیر محدود ہے، اور یہ صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔

## پردۂ غیب- ذات کا حجاب، نہ کہ عدمِ وجود

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ

ترجمہ: آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں، اور وہ آنکھوں کو پالیتا ہے۔

(سورۃ الانعام:103)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ کا پردۂ غیب میں ہونا ''عدمِ وجود'' نہیں بلکہ ''عدمِ ادراک'' ہے۔ مخلوق کی آنکھ محدود ہے، اس لیے وہ ذاتِ الٰہی کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس اللہ ہر دیکھنے والے کو دیکھ رہا ہے، کیونکہ اس کا علم محدود نہیں۔
عالمانہ نکتہ یہ ہے کہ ''ادراک کی نفی'' ذات کی نفی نہیں ہوتی۔

## قربِ الٰہی اور غیب کا اجتماع

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ⑯

ترجمہ: اور ہم انسان سے اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

(سورۃ ق،16:50)

یہ قرب مکانی نہیں بلکہ ''قربِ علم و قدرت'' ہے۔ اللہ کا پردۂ غیب میں ہونا اس کے قریب ہونے کے منافی نہیں۔ وہ ذاتاً غیب میں ہے مگر علماً و قدرتاً ہر شے کے ساتھ

ہے۔ یہی توحید کا دقیق مفہوم ہے کہ اللہ نہ حلول کرتا ہے، نہ دور ہوتا ہے، بلکہ اپنی شان کے مطابق قریب بھی ہے اور منزّہ بھی۔

## ایمان بالغیب- بندگی کی بنیاد

قرآن مجید متقین کی پہلی صفت بیان کرتا ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

(سورۃ البقرہ،:3)

ایمان بالغیب اس حقیقت کا اقرار ہے کہ انسانی عقل کی ایک حد ہے۔ جہاں عقل رکتی ہے، وہاں ''تسلیم'' شروع ہوتا ہے۔ اللہ پردۂ غیب میں ہے، اسی لیے اس پر ایمان انسان کے لیے آزمائش بھی ہے اور شرف بھی۔ اگر اللہ ظاہرِ حواس ہوتا تو ایمان کی قدر باقی نہ رہتی۔

## اللہ کا ظہور- آثار اور نشانیاں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

ترجمہ: ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی۔

(سورۃ فصلت،:53)

اگرچہ اللہ پردۂ غیب میں ہے، مگر اس کی نشانیاں ظاہر ہیں۔ کائنات (آفاق) اور انسان کا باطن (انفس) دونوں اس پردے پر پڑی ہوئی روشن دلیلیں ہیں۔ ان نشانیوں کے ذریعے غیب کو ''پہچانا'' جاتا ہے، اگرچہ ''دیکھا'' نہیں جاتا۔

## حجابِ ذات- رحمت اور امتحان

قرآن کا مجموعی پیغام یہ بتاتا ہے کہ اللہ کا پردۂ غیب میں ہونا انسان پر رحمت بھی ہے اور امتحان بھی۔

رحمت اس لیے کہ محدود حواس ذاتِ مطلق کا سامنا برداشت نہیں کر سکتے،
اور امتحان اس لیے کہ ایمان بغیر مشاہدے کے مانگتا ہے۔

## نتیجہ- غیب میں ہو کر بھی محیط

قرآنی آیات اور ان کی عالمانہ تفسیر سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ پردۂ غیب میں ہے، مگر اس کا غائب ہونا عدم نہیں بلکہ ''تنزیہ، عظمت اور ربوبیت'' کی دلیل ہے۔

وہ آنکھوں سے اوجھل ہے مگر دلوں پر حاوی،
وہ حواس سے ماورا ہے مگر ہر وجود کا نگہبان۔
پس عالمانہ طور پر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ:
''وہ اللہ ہے جو پردۂ غیب میں ہے- مگر اپنے علم، قدرت اور نشانیوں کے ساتھ ہر شے پر محیط ہے''۔

# حجابِ ذات الٰہی-عرفانِ باطن

## حجابِ ذاتِ الٰہی

حجابِ ذاتِ الٰہی اس حقیقت کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کنہِ ذات میں مخلوق کے ادراک، تصور اور احاطے سے بالکل ماورا ہے۔ انسان کا علم، خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو، محدود ہے، جبکہ اللہ کی ذات لامحدود ہے۔ یہی فرق "حجاب" کہلاتا ہے، یعنی ایک ایسا پردہ جو حقیقت کو چھپاتا نہیں بلکہ عقل کی رسائی کو محدود کر دیتا ہے تاکہ مخلوق اپنی حد کو پہچان سکے۔

یہ حجاب دراصل دوری نہیں بلکہ حکمت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو مکمل طور پر ظاہر فرما دیتا تو مخلوق کا امتحان، ایمان اور معرفت کا سفر باقی نہ رہتا۔ اس لیے یہ حجاب انسان کو اس کی کمزوری کا احساس دلاتا ہے اور اسے اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ اپنی عقل کے بجائے ایمان اور دل کی روشنی سے حقیقت کو سمجھے۔ یہی معرفت کا پہلا دروازہ ہے۔

عرفانِ باطن میں یہ حجاب ایک عجیب حقیقت رکھتا ہے۔ بظاہر یہ پردہ ہے، مگر حقیقت میں یہ قرب کا ذریعہ ہے۔ جو شخص اس راز کو سمجھ لیتا ہے وہ جان لیتا ہے کہ اللہ دور نہیں بلکہ اس کی قربت اتنی شدید ہے کہ اسے دیکھنے کے لیے ظاہری آنکھ نہیں بلکہ باطنی بصیرت درکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کہتے ہیں: "نہ وہ غائب ہے، نہ ظاہر مکمل طور پر، بلکہ وہ ادراک سے وراء الوراء ہے۔"

یہ حجاب انسان کو غرورِ عقل سے نکال کر عاجزی کی طرف لے آتا ہے۔ جب بندہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ اللہ کی کنہ کو نہیں پا سکتا تو اس کا دل جھک جاتا ہے، اس میں

انکساری پیدا ہوتی ہے، اور وہ اپنی محدودیت کو تسلیم کر لیتا ہے۔ یہی تسلیم اسے روحانی بلندی کی طرف لے جاتی ہے۔

دل کے آئینے میں جب یہ حجاب صاف ہونے لگتا ہے تو انسان کو کائنات میں اللہ کی صفات کے جلوے نظر آنے لگتے ہیں۔ ہر شے میں اس کی قدرت، اس کی رحمت اور اس کی حکمت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ مگر وہ پھر بھی یہ جانتا ہے کہ یہ سب جلوے ہیں، اصل ذات ان جلووں سے ماورا ہے۔

عرفانِ باطن کا خلاصہ یہی ہے کہ حجابِ ذات اللہ کی دوری نہیں بلکہ اس کی عظمت کا اظہار ہے۔ یہ حجاب بندے کو مخلوق سے ہٹا کر خالق کی طرف متوجہ کرتا ہے، اور اسے سکھاتا ہے کہ اصل معرفت دیکھنے میں نہیں بلکہ ماننے، جھکنے اور عاجزی اختیار کرنے میں ہے۔

آخرکار ''حجابِ ذاتِ الٰہی'' انسان کو اس مقام تک لے آتا ہے جہاں وہ اپنی عقل کی حدوں کو پہچان کر دل کی روشنی سے حقیقت کو محسوس کرتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پردہ بھی نور بن جاتا ہے، اور خاموشی بھی ذکر میں بدل جاتی ہے۔

## تمہید-غیب کا سناٹا اور دل کی صدا

وہ اللہ جو دکھائی نہیں دیتا، مگر ہر دل میں دھڑکتا ہے۔
وہ نظر سے اوجھل ہے، مگر نظر کو معنی دیتا ہے۔

پردۂ غیب اس کی ذات پر نہیں، ہماری نگاہ پر ہے۔ صوفیاء کہتے ہیں: ''غیب وہ نہیں جو موجود نہ ہو، غیب وہ ہے جسے دل نے ابھی پہچانا نہ ہو۔''

## اللہ-غیب میں بھی حاضر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

وہ غیب کا جاننے والا ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

(سورۃ الجن،:26)

یہ آیت غیبِ مطلق کی حد قائم کرتی ہے کہ ذاتِ الٰہی کا کامل علم کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔

عارف کہتے ہیں: اللہ غیب میں اس لیے ہے کہ ''محبوب ہمیشہ پردے میں ہی پہچانا جاتا ہے''۔ اگر وہ مکمل طور پر ظاہر ہو جائے تو تلاش ختم ہو جائے، اور عشق تلاش کا نام ہے۔

## آنکھیں کیوں نہیں دیکھ سکتیں؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ

ترجمہ: آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں، اور وہ آنکھوں کو پا لیتا ہے۔

(سورۃ الانعام،:103)

یہاں نفیِ ادراک ہے، نفیِ وجود نہیں۔ انسانی نظر محدود ہے اور ذاتِ الٰہی لامحدود۔

صوفی کہتا ہے: ''آنکھ اس لیے نہیں دیکھ پاتی کہ وہ باہر دیکھنے کی عادی ہے، اور اللہ اندر بسنے والا راز ہے۔'' جب نگاہ دل میں اترتی ہے تو پردے خود بخود ہٹنے لگتے ہیں۔

## غیب میں ہو کر بھی قریب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: اور ہم انسان سے اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

(سورۃ ق، 16:50)

یہ قرب مکانی نہیں بلکہ قربِ علم، قربِ قدرت اور قربِ ربوبیت ہے۔

میں حافظ محمد حبیب اللہ بن محمد ابراہیم کہتا ہوں: ''وہ اتنا قریب ہے کہ فاصلہ خود انسان بن جاتا ہے''۔

جب ''میں'' باقی رہتی ہے تو قرب محسوس نہیں ہوتا، اور جب ''میں'' مٹتی ہے تو غیب بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

## ایمان بالغیب-عشق کی پہلی سیڑھی

قرآن کہتا ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

ترجمہ: وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

(سورۃ البقرہ، 3:2)

ایمان بالغیب بندگی کی بنیاد ہے، کیونکہ ایمان دیکھ کر ماننے کا نہیں بلکہ مان کر دیکھنے کا نام ہے۔

صوفی کہتا ہے: ''غیب پر ایمان وہ چراغ ہے جو اندھیرے میں جلایا جاتا ہے، دن میں نہیں۔'' جو غیب پر راضی ہو جائے، اس کے لیے ظاہر خود بخود روشن ہو جاتا ہے۔

## پردہ- رحمت بھی، راز بھی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ

## حِجَاب

ترجمہ: کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے۔

(سورۃ الشوریٰ،:51)

پردہ اللہ کی عظمت کا تقاضا ہے، کیونکہ بشر ذاتِ مطلق کے براہِ راست تجلی کا متحمل نہیں۔ اہلِ دل کہتے ہیں: ''اگر پردہ نہ ہوتو دل جل جائے۔'' پردہ دراصل فاصلہ نہیں، حفاظت ہے۔

## نشانیاں-غیب کی کھڑکیاں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

ترجمہ: ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے نفسوں میں بھی۔

(سورۃ فصلت،:53)

کائنات اور انسان کا باطن دونوں غیب کے دروازے ہیں۔ جو باہر دیکھتا رہے وہ سائنس دان بنتا ہے، جو اندر دیکھے وہ عارف بن جاتا ہے۔

## اختتامیہ-غیب میں چھپا ہوا محبوب

وہ اللہ پردۂ غیب میں ہے، مگر دور نہیں۔

وہ نظر سے اوجھل ہے، مگر دل سے قریب ہے۔

وہ خاموش ہے، مگر ہر شے اسی کی تسبیح میں مصروف ہے۔

# عشقِ الٰہی کے تین اسرار

## سرِّ طلب

عشقِ الٰہی کا پہلا راز ''طلب'' ہے، یعنی دل کا اللہ کی طرف مسلسل کھنچاؤ اور جستجو میں رہنا۔ یہ وہ کیفیت ہے جس میں انسان دنیا کی ہر چیز سے ہٹ کر اپنے رب کو تلاش کرنے لگتا ہے۔ یہ طلب محض ذہنی خواہش نہیں بلکہ ایک اندرونی تڑپ ہے جو دل کو بے قرار رکھتی ہے اور اسے ہر لمحہ یاد دلاتی ہے کہ اس کا اصل مقصد اپنے خالق کی معرفت ہے۔ جس دل میں یہ طلب پیدا ہو جائے، وہ کبھی مکمل طور پر دنیا میں نہیں ٹھہرتا۔

## سرِّ فنا

عشقِ الٰہی کا دوسرا راز ''فنا'' ہے، یعنی اپنی انا، خواہش اور خودی کا اللہ کی محبت میں تحلیل ہو جانا۔ اس مقام پر بندہ اپنی ذات کو مرکز نہیں سمجھتا بلکہ ہر شے کو اللہ کی نسبت سے دیکھتا ہے۔ اس کی پسند، ناپسند، ارادہ اور خواہش سب اللہ کی رضا میں ڈھلنے لگتے ہیں۔ یہ فنا دراصل مٹ جانا نہیں بلکہ ایک اعلیٰ حقیقت میں زندہ ہو جانا ہے، جہاں بندہ اپنی محدودیت سے نکل کر لامحدود رحمت سے جڑ جاتا ہے۔

## سرِّ بقا

عشقِ الٰہی کا تیسرا راز ''بقا'' ہے، یعنی فنا کے بعد اللہ کی قربت اور اس کی رضا میں باقی رہنا۔ اس مقام پر بندہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا کا نہیں رہتا، بلکہ اس کا

دل ہر وقت اپنے رب سے جڑا رہتا ہے۔ اس کی زندگی، اس کے اعمال اور اس کی سوچ سب اللہ کے نور سے منور ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کو حقیقی سکون، یقین اور روحانی استقرار حاصل ہوتا ہے۔

آخر کار یہ تینوں اسرار انسان کو اس حقیقت تک لے جاتے ہیں کہ اصل محبت وہی ہے جو انسان کو اپنے خالق سے جوڑ دے، اور اصل کامیابی وہی ہے جو اسے اللہ کی رضا میں فنا اور پھر اس کی قربت میں بقا عطا کرے۔

## تمہید- لفظ سے نور تک

یہ تین لفظ نہیں، تین حالتیں ہیں۔

یہ علم نہیں، ذوق ہیں۔

یہ تعریف نہیں، فنا کا سفر ہے۔

جب زبان خاموش ہو جاتی ہے اور دل بولنے لگتا ہے، وہیں ''حامد'' جنم لیتا ہے، وہیں ''حمد'' بہتی ہے، اور وہیں ''محمود'' جلوہ گر ہوتا ہے۔

## حامد- جو خود کو بھول جائے

حامد وہ نہیں جو صرف کہے: ''الحمدللہ'' حامد وہ ہے جو خود کو اس لفظ میں گم کر دے۔

جب بندہ اپنے ہونے سے نکل آتا ہے، جب اس کی اَنا پگھل کر دعا بن جاتی ہے، جب اس کا دل یہ مان لیتا ہے کہ میں کچھ نہیں، تو ہی سب کچھ ہے- تب وہ ''حامد'' ہوتا ہے۔ یہ مقام عقل کا نہیں، یہ مقام چاہت کا ہے۔

## دل کی سانس

حمد وہ صدا ہے جو زبان سے پہلے دل میں اُترتی ہے۔

یہ شکر سے آگے کی منزل ہے، یہ نعمت پر نہیں، نعمت دینے والے پر قربان ہونا ہے۔ حمد وہ آنسو ہے جو خوشی میں بہہ جائے، وہ خاموشی ہے جو دکھ میں بھی راضی رہے، وہ تسلیم ہے جو سوال پیدا ہی نہ ہونے دے۔

یہ وہ لمحہ ہے جب بندہ کہتا نہیں۔ بس مان لیتا ہے۔

## محمود۔ جسے دیکھ کر لفظ ٹوٹ جائیں

محمود وہ نہیں جس کی تعریف کی جائے، محمود وہ ہے جس کے سامنے تعریف عاجز ہو جائے۔

وہ ذات جس کا کمال دلیل کا محتاج نہیں، جس کا حسن نظر سے نہیں، دل سے دیکھا جاتا ہے۔

وہ ہے تو حمد خود بخود جاری ہو جاتی ہے، وہ چھپ جائے تو دل بے چین ہو جاتا ہے، اور جب جلوہ کرے تو بندہ خود کو بھول جاتا ہے۔

## تینوں کا ملاپ۔ فنا کی تکمیل

جب حامد باقی نہ رہے، حمد لفظ نہ رہے، اور محمود کے سوا کچھ دکھائی نہ دے۔ تو یہی توحید کا ذوق ہے۔ یہاں نہ کہنے والا رہتا ہے، نہ کہا ہوا، بس وہی رہ جاتا ہے جس کے لیے سب کچھ تھا، ہے، اور رہے گا۔

## اختتام۔ خاموش حمد

یہ تحریر بھی حمد نہیں، یہ تو بس ایک کوشش ہے اس راز کو چھونے کی جسے لفظ چھو نہیں سکتے۔

اصل حمد وہ ہے جو کہی نہ جائے، بس جی لی جائے۔

# جب کچھ نہ تھا - اللہ تھا

یہ سوال ''جب کچھ نہ تھا تو اللہ تھا'' کا تعلق زیادہ تر معرفت اور دل کی گہرائی سے ہے۔ یہ انسان کو اللہ کی ازلیت (ہمیشہ سے ہونے) اور اس کی عظمت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے، جو محض علم نہیں بلکہ دل سے محسوس کی جانے والی پہچان ہے۔

جب کچھ نہ تھا تو اللہ تھا یعنی کائنات کی تخلیق سے پہلے بھی صرف اللہ ہی موجود تھا۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، ہر چیز اسی کے حکم سے وجود میں آئی۔

جب کچھ نہ تھا، نہ زمین تھی نہ آسمان، نہ زمان تھا نہ مکان، نہ روشنی تھی نہ تاریکی، نہ عقل تھی نہ فہم، نہ فرشتہ تھا نہ انسان، نہ لوح تھی نہ قلم۔ تب اللہ تھا۔ وہی تھا، وہی ہے، اور وہی رہے گا۔ اس کی ذات ازل سے ہے، اس کا وجود کسی سبب کا محتاج نہیں، اس کی ہستی کسی علت سے وابستہ نہیں۔ وہ خود موجود ہے، خود قائم ہے، اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے، یعنی اس کا ہونا ضروری ہے، اور باقی ہر شے ممکن الوجود ہے، یعنی اس کا ہونا اللہ کے ارادے سے وابستہ ہے۔ جب کائنات نہیں تھی تو اللہ کی ذات میں کوئی کمی نہ تھی، نہ اس کی شان میں کوئی اضافہ ہوا جب اس نے کائنات کو پیدا فرمایا۔ اس کی ذات تغیر سے پاک ہے، کیونکہ تغیر محتاجی کی علامت ہے اور اللہ ہر محتاجی سے منزّہ ہے۔

جب کچھ نہ تھا تو اللہ تھا۔ اس حقیقت میں توحید کا پورا سمندر موجزن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وجودِ حقیقی صرف اللہ کا ہے اور باقی سب وجود عطائی ہیں۔ مخلوق کا وجود اس کے حکمِ ''کن'' کا محتاج ہے، اور جب وہ چاہے تو وہی وجود عدم میں لوٹ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ معرفت فرماتے ہیں: وجود ایک ہے، ظہور بہت ہیں۔

اللہ نہ کسی کا محتاج ہے اور نہ کسی پر اس کی ذات کا انحصار ہے۔ وہ نہ وقت کے اندر ہے اور نہ وقت اس پر حاوی ہے، کیوں کہ وقت بھی اسی کی مخلوق ہے۔ ''پہلے'' اور ''بعد'' کا تصور مخلوق کے لیے ہے، خالق کے لیے نہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ اوّل بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔

جب اللہ تھا اور کچھ نہ تھا، تب بھی وہ ربّ تھا، رازق تھا، خالق تھا، مالک تھا اگرچہ مخلوق موجود نہ تھی۔ کیوں کہ اس کی صفات اس کی ذات سے جدا نہیں۔ اس کی ربوبیت کسی مربوب کی محتاج نہیں اور اس کی خالقیت کسی مخلوق کی مرہونِ منت نہیں۔ وہ خالق ہے کیوں کہ وہ خالق ہے، نہ کہ اس لیے کہ مخلوق موجود ہے۔

اسی حقیقت کو سمجھنے سے انسان کے اندر عجز پیدا ہوتا ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ میرا وجود بھی میرا اپنا نہیں، میرا سانس بھی میری ملکیت نہیں، میری عقل بھی عطا ہے، تو اس کے دل میں غرور باقی نہیں رہتا۔ پھر وہ اپنے ربّ کے سامنے جھک جاتا ہے، کیوں کہ وہ جان لیتا ہے کہ میں کچھ بھی نہ تھا، اور اگر اللہ نہ چاہے تو پھر کچھ بھی نہ رہوں گا۔

یہی فکر انسان کو معرفت تک لے جاتی ہے۔ جب بندہ ''میں'' سے نکل کر ''وہ'' کو پہچانتا ہے تو اس پر حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اللہ کے سوا سب فانی ہے، اور فانی کبھی باقی کا مقابل نہیں ہوسکتا۔

اہلِ تصوف فرماتے ہیں کہ جب سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ ہر شے کو عدم اور صرف اللہ کو وجودِ مطلق دیکھتا ہے، تو وہی مقام فنا فی اللہ کا دروازہ ہے۔ یہاں بندہ اپنے ہونے کو بھول کر اللہ کے ہونے میں گم ہوجاتا ہے۔ نہ دعویٰ باقی رہتا ہے، نہ سوال، نہ خوف، نہ طمع۔ صرف رضا باقی رہتی ہے۔

پس جب کچھ نہ تھا تو اللہ تھا ''محض ایک جملہ نہیں، بلکہ ایمان کی جڑ، توحید کی بنیاد، اور معرفت کی کنجی ہے۔ جو اس کو سمجھ گیا وہ سنور گیا، اور جو اس سے غافل رہا وہ

کثرت کے دھوکے میں گم ہو گیا۔''

جب عدم ہی عدم تھا، جب نہ کائنات کا نشان تھا اور نہ مخلوق کا گمان، جب نہ عرش تھا نہ فرش، نہ لوح و قلم، نہ نور و ظلمت، اس وقت صرف اللہ تھا۔ وہ اپنی ذات میں کامل، اپنی صفات میں مکمل اور اپنی شان میں بے نیاز تھا۔ اس کے ہونے کے لیے کسی سہارے کی حاجت نہ تھی، کیونکہ وہ خود سہارا ہے، خود قائم ہے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا وجود ازلی ہے، یعنی اس کا کوئی آغاز نہیں، اور ابدی ہے یعنی اس کا کوئی اختتام نہیں۔ زمان و مکان اس کے پیدا کردہ ہیں، اس لیے وہ زمان و مکان کا محتاج نہیں۔ ''پہلے'' اور ''بعد'' جیسے الفاظ مخلوق کے لیے ہیں، خالق کے لیے نہیں۔ اسی حقیقت کی طرف اہلِ معرفت اشارہ کرتے ہیں کہ اللہ ہمیشہ ہے، باقی سب حادث ہیں۔

جب کچھ نہ تھا تو اللہ تھا۔ اس حقیقت میں انسان کے لیے ایک عظیم سبق پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ انسان اپنی ہستی پر ناز نہ کرے، کیونکہ اس کا وجود بھی عطا کیا ہوا ہے۔ جو ذات خود عدم سے وجود میں آئی ہو، وہ کیسے مستقل ہو سکتی ہے؟ بندہ جب اس حقیقت کو دل سے مان لیتا ہے تو اس کے اندر عاجزی، انکساری اور خشیت پیدا ہوتی ہے، اور یہی خشیت معرفت کی پہلی سیڑھی ہے۔

اللہ کی صفات اس کی ذات سے جدا نہیں۔ وہ اس وقت بھی خالق تھا جب مخلوق نہ تھی، وہ اس وقت بھی رازق تھا جب کوئی رزق لینے والا نہ تھا۔ اس کی شان میں نہ اضافہ ہوتا ہے نہ کمی۔ کائنات کا پیدا ہونا اللہ کے لیے کوئی نیا کام نہیں، بلکہ اس کے ارادے کی ایک تجلی ہے۔ اس نے ''کن'' فرمایا اور وجود ظہور میں آ گیا۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ کائنات اللہ کی قدرت کا آئینہ ہے، مگر آئینہ خود مقصود نہیں، مقصود وہ جمال ہے جو آئینے میں جھلکتا ہے۔ جو آئینے میں کھو گیا وہ حقیقت سے دور

ہو گیا، اور جو جمال کو پہچان گیا وہ معرفت پا گیا۔ اسی لیے اہلِ دل کہتے ہیں: نظر مخلوق پر نہیں، خالق پر ہونی چاہیے۔

جب بندہ اس مقامِ فکر پر پہنچتا ہے کہ وہ ہر شے کو فانی اور اللہ کو باقی دیکھنے لگتا ہے تو اس کے دل سے خوفِ مخلوق نکل جاتا ہے۔ پھر نہ دنیا کی کشش اس پر غالب رہتی ہے اور نہ نفس کی خواہش۔ اس کا سہارا صرف اللہ بن جاتا ہے، اور یہی توکل کی معراج ہے۔

پس ''جب کچھ نہ تھا تو اللہ تھا'' دراصل ایمان کی بنیاد ہے۔ جو اس کو جان گیا وہ جان گیا، اور جو اس سے غافل رہا وہ کثرت کے ہجوم میں حقیقت کو کھو بیٹھا۔ سعادت اسی میں ہے کہ بندہ اپنی ابتدا کو عدم سمجھے اور اپنی انتہا کو اللہ کی طرف لوٹنا جانے۔

## جب کچھ نہ تھا۔ تو یہ سب کچھ کیسے ہوا؟

جب کچھ نہ تھا، صرف اللہ تھا۔ نہ زمان تھا، نہ مکان، نہ مادہ، نہ صورت، نہ کثرت، نہ حد۔ اس وقت اللہ اپنی ذات میں کامل، اپنی صفات میں متحقق اور اپنی شان میں بے نیاز تھا۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کیسے وجود میں آیا؟

اس کا مختصر مگر گہرا جواب یہ ہے: یہ سب اللہ کے ارادے سے ہوا۔

اللہ نے کائنات کو کسی مجبوری، کسی ضرورت یا کسی کمی کو پورا کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا، کیوں کہ وہ تو ہر نقص سے پاک اور ہر حاجت سے بے نیاز ہے۔ اس نے تخلیق اس لیے فرمائی کہ وہ خالق ہے، اور خالق ہونا اس کی صفتِ ازلی ہے۔ جس طرح سورج کا روشن کرنا اس کی مجبوری نہیں بلکہ اس کی فطرت ہے، اسی طرح اللہ کا پیدا کرنا اس کی شان ہے، نہ کہ اس کی حاجت۔

اہلِ علم فرماتے ہیں کہ اللہ کی تخلیق ''کن'' سے شروع ہوئی لیکن یہ ''کن'' کوئی لفظ نہیں، بلکہ ارادۂ الٰہی ہے۔ جب اللہ نے چاہا، تو عدم نے وجود کی صورت اختیار کر

لی۔ عدم کوئی شے نہیں تھا، مگر اللہ کے حکم کے سامنے عدم بھی ٹھہر نہ سکا۔ یوں کائنات وجود میں آئی، نہ کسی مادّے سے، نہ کسی نمونے سے، بلکہ محض امرِ الٰہی سے۔

صوفیاء اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ

اللہ نے کائنات کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ پہچانا جائے۔

نہ اس معنی میں کہ وہ گمنام تھا معاذ اللہ بلکہ اس معنی میں کہ مخلوق اس کی معرفت حاصل کرے۔ پس کائنات، انسان، روح، عقل، سب معرفت کے آئینے ہیں، خود مقصود نہیں۔

یہ سب کچھ کثرت میں نظر آتا ہے، مگر حقیقت میں وحدت کی نشانی ہے۔ ستارے، زمین، انسان، وقت، سب الگ الگ دکھائی دیتے ہیں، مگر سب ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ

## خالق ایک ہے، باقی سب مخلوق ہیں

اہلِ معرفت کہتے ہیں کہ اللہ نے پہلے نور کو پیدا کیا، پھر اسی نور سے باقی مراتب ظاہر ہوئے۔ یوں وجود درجہ بدرجہ ظہور میں آیا۔ یہ ظہور اللہ سے جدا نہیں، مگر اللہ بھی اس ظہور میں محدود نہیں۔

وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، وہ قریب بھی ہے اور محیط بھی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ بندہ یہ سمجھے کہ میں خود سے کچھ نہیں۔ میرا ہونا عطا ہے۔ میری بقا اللہ کے ساتھ وابستہ ہے۔

جب بندہ اس نتیجے تک پہنچتا ہے تو اس کے اندر عاجزی پیدا ہوتی ہے، اور عاجزی ہی بندگی کی جان ہے۔

پس جواب یہ ہے: جب کچھ نہ تھا، اللہ تھا – اور جب اللہ نے چاہا، تو یہ سب کچھ ہو گیا۔ نہ کسی سبب نے اسے مجبور کیا، نہ کسی وسیلے نے اسے محدود کیا۔ وہ تھا، وہ ہے،

اور وہی رہے گا۔ باقی سب اس کی تخلیق ہیں، اس کی مشیت سے، اس کی قدرت سے۔

سوال: جب کچھ نہ تھا، تو کیا تھا؟

جواب: جب کچھ نہ تھا، تب صرف اللہ تھا۔ نہ زمان، نہ مکان، نہ آسمان، نہ زمین، نہ نور، نہ تاریکی۔ اللہ اپنی ذات میں موجود تھا، اپنی صفات میں کامل اور اپنی شان میں بے نیاز۔ اس کے وجود کے لیے کسی چیز کا ہونا شرط نہیں تھا، کیونکہ وہ واجب الوجود ہے۔

سوال: اگر اللہ مکمل اور بے نیاز تھا تو اس نے کائنات کیوں پیدا کی؟

جواب: اللہ نے کائنات کسی ضرورت یا کمی کے سبب پیدا نہیں کی، بلکہ اس لیے کہ وہ خالق ہے۔ تخلیق اس کی صفتِ ازلی ہے۔ پیدا کرنا اس کی شان ہے، مجبوری نہیں۔ وہ چاہے تو پیدا کرے، نہ چاہے تو کچھ بھی نہ ہو۔ اس کی ذات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سوال: پھر تخلیق کی ابتدا کیسے ہوئی؟

جواب: تخلیق کی ابتدا ارادۂ الٰہی سے ہوئی۔ اللہ نے فرمایا: کن، اور عدم نے وجود کی صورت اختیار کر لی۔ یہ ''کن'' کوئی آواز یا لفظ نہیں تھا، بلکہ اللہ کی مشیت کا ظہور تھا۔ نہ کسی مادّے سے، نہ کسی نمونے سے۔ بس اللہ کے حکم سے۔

سوال: سب سے پہلے کیا پیدا ہوا؟

جواب: اہلِ معرفت کے مطابق سب سے پہلے نور پیدا ہوا، پھر اسی نور سے باقی مراتبِ وجود ظاہر ہوئے۔ اسی نور سے عقل، روح، فرشتے، اور پھر مادی کائنات کا ظہور ہوا۔ یہ سب تدریجاً ہوا، مگر سب کچھ ایک ہی ارادے سے ہوا۔

سوال: کیا کائنات اللہ سے جدا ہے؟

جواب: کائنات اللہ سے جدا بھی ہے اور جدا نہیں بھی۔

جدا اس معنی میں کہ وہ خالق ہے اور یہ مخلوق ہے۔

غیر جدا اس معنی میں کہ ہر شے اس کے حکم، علم اور قدرت کے بغیر ایک لمحہ بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ وہ ہر شے کے ساتھ ہے، مگر ہر شے اس جیسی نہیں۔

سوال: اتنی کثرت میں وحدت کیسے سمجھی جائے؟

جواب: کثرت صرف نظر کا دھوکا ہے۔ حقیقت میں وحدت ہی وحدت ہے۔

ستارے، زمین، انسان، وقت – سب الگ نظر آتے ہیں، مگر سب ایک ہی حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں کہ خالق ایک ہے۔ کثرت آئینہ ہے، اور وحدت اس میں نظر آنے والا عکس۔

سوال: انسان کو کیوں پیدا کیا گیا؟

جواب: انسان کو اس لیے پیدا کیا گیا کہ وہ اللہ کو پہچانے۔

جب انسان اپنی حقیقت پر غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کچھ نہیں، اس کا ہونا عطا ہے، اور اس کی بقا اللہ سے ہے۔ یہی معرفت انسان کو بندگی تک لے جاتی ہے۔

سوال: اس ساری تخلیق کا مقصد بندے کے لیے کیا ہے؟

جواب: مقصد یہ ہے کہ بندہ عاجزی اختیار کرے، اپنی نفی کرے، اور اللہ کی عظمت کو پہچانے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ میں کچھ نہیں، سب کچھ وہ ہے، تو وہی لمحہ بندگی کا آغاز بن جاتا ہے۔

سوال: آخر کار نتیجہ کیا ہے؟

جواب: نتیجہ یہی ہے کہ اللہ تھا، اللہ ہے، اور اللہ ہی رہے گا۔ باقی سب اس کے ارادے سے ہے، اس کی قدرت سے ہے، اور اسی کی طرف لوٹ جانے والا ہے۔

# اسمِ ''اللہ'' کی معرفت

## اسمِ ذات ''اللہ'' معرفت کی کنجی

اسمِ ذات اللہ وہ مقدس نام ہے جس میں ربوبیت، الوہیت، رحمت، جلال، جمال، قدرت، علم اور حکمت سب یکجا ہو گئے ہیں۔ یہ محض ایک نام نہیں بلکہ ذاتِ باری تعالیٰ کی کامل پہچان ہے۔ تمام اسمائے حسنیٰ اسی اسمِ ذات کے تحت آتے ہیں، گویا باقی تمام صفات اسی مرکز سے پھوٹتی ہیں۔ اہلِ علم کا کہنا ہے کہ جس نے اسمِ ذات کو پالیا، اس نے گویا تمام اسماء کا دروازہ کھول لیا۔

اسمِ ذات ''اللہ'' کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کسی اور کے لیے استعمال نہیں ہوسکتا۔ دنیا میں بے شمار معبود گھڑے گئے، مگر ''اللہ'' وہ واحد نام ہے جو صرف اور صرف معبودِ برحق کے لیے خاص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نام میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں، اور توحید کا کامل اظہار اسی اسم کے ذریعے ہوتا ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک اسمِ ذات کا ذکر محض زبان کی حرکت نہیں، بلکہ دل کی بیداری کا عمل ہے۔ جب بندہ ''اللہ'' کہتا ہے اور اگر اس کا دل حاضر ہو، تو یہ ذکر اس کے باطن میں نور پیدا کرتا ہے، نفس کی کدورتوں کو جلاتا ہے، اور روح کو اپنے اصل کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یہی وہ ذکر ہے جو کثرت میں وحدت دکھاتا ہے، اور مخلوق کے ہجوم میں خالق کی پہچان عطا کرتا ہے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اسمِ ذات کا کمال یہ ہے کہ یہ بندے کو بندگی سے نکال کر عبدیت کی حقیقت تک لے جاتا ہے۔ بندگی رسم ہے، اور عبدیت شعور۔ جب بندہ اسمِ ذات کے ذریعے یہ جان لیتا ہے کہ میں کچھ نہیں، سب وہی ہے، تو یہی احساس

اس کے اندر خشوع، انکسار اور سچی اطاعت پیدا کر دیتا ہے۔

اسمِ ذات ''اللہ'' کا ایک اور راز یہ ہے کہ یہ دل کو غیر اللہ سے خالی کرتا ہے۔ جب یہ نام دل میں راسخ ہو جاتا ہے تو خوف، لالچ، حرص اور دنیاوی سہارے خود بخود کمزور پڑنے لگتے ہیں۔ بندہ مخلوق سے کٹ کر خالق سے جڑ جاتا ہے، اور یہی توحید کی عملی صورت ہے۔

اہلِ حال فرماتے ہیں کہ اگر بندہ سچے دل سے اسمِ ذات کو تھام لے، تو اللہ تعالیٰ خود اس کے لیے معرفت کے راستے کھول دیتا ہے۔ پھر بندہ اللہ کو دلیل سے نہیں، حال سے پہچاننے لگتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں علم، عشق میں بدل جاتا ہے، اور عبادت محض فرض نہیں بلکہ لذت بن جاتی ہے۔

# اللہ کی صفات

صفاتِ الٰہیہ وہ تجلیات ہیں جن کے ذریعے وہ پہچانا جاتا ہے، مگر محدود نہیں ہوتا۔ ذات واحد ہے، صفات کثیر ہیں اور یہ کثرت ذات کا پردہ نہیں، ذات کا اظہار ہے۔ علم، قدرت، حیات، ارادہ، سماعت، بصارت، کلام یہ سب صفات نہ الگ خدا ہیں نہ ذات سے جدا، بلکہ ذات ہی کا ظہور ہیں۔

عرفانی نکتہ یہ ہے: عام نظر صفات میں اٹک جاتی ہے، عارف صفات سے گزر کر ذات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور کامل ادب یہ ہے کہ صفات دیکھ کر ذات کو نہ بھلایا جائے۔ کیونکہ صفات پہچان کا ذریعہ ہیں، اور ذات مقصودِ آخر۔

## قرآن، حدیث اور عرفانی مراتب

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ وہ ابدی حقائق ہیں جو اس کی ذاتِ اقدس کے کمال، جلال اور جمال کی نشان دہی کرتی ہیں۔ یہ صفات ہم تک تین بڑے ذرائع سے پہنچتی ہیں، اللہ کے ساتھ جھگڑتا نہیں بلکہ اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔

اختتامی عرفانی جملہ تسلیم میں بندہ اللہ کے سامنے جھکتا ہے۔ رضا میں بندہ اللہ میں گم ہو جاتا ہے۔

اوّل قرآنِ مجید کے ذریعے، دوم احادیثِ نبویہ کے واسطے سے، اور سوم وہ باطنی وعرفانی اسرار جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص محبان، عشاقان اور اہلِ معرفت کے قلوب میں ودیعت فرمائے۔ قرآنِ مجید میں وارد ہونے والی صفات وہ ہیں جن پر ایمان لانا ہر صاحبِ ایمان کے لیے لازم ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

(سورۃ الاعراف:180)

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، سو اسی کو ان ناموں کے ساتھ پکارو۔

شرح: ''اور اللہ ہی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، سو اسی کو ان ناموں کے ساتھ پکارو'' یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ''اسماء الحسنیٰ'' یعنی اچھے اور بہترین ناموں کی اہمیت کو بیان کرتی ہے۔

اللہ کے نام ہر صفت اور کمال کا مظہر ہیں۔

''الرحمن، الرحیم'' مہربانی اور رحمت کا مظہر ہیں۔

''القدوس، السلام'' پاکیزگی اور سلامتی کا مظہر ہیں۔

''القدیر، العلیم'' قدرت اور علم کی صفت کا مظہر ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ان ناموں کے ذریعے دعا اور عبادت کی جائے، کیونکہ ہر نام ایک روحانی پہلو اور کائناتی حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔

جب ہم اللہ کو اس کے ناموں سے پکاریں، تو نہ صرف روحانی سکون حاصل ہوتا ہے بلکہ دل میں اللہ کی عظمت اور قربت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

ہر نام ایک دریچہ ہے جو انسان کے دل کو اللہ کے کمالات کی طرف کھولتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ صرف اللہ ہی قابلِ عبادت ہے اور اسے ہی مکمل ایمان اور محبت کے ساتھ پکارا جائے۔

رہی وہ صفات جو احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہیں، وہ قرآن کی شرح و توضیح ہیں، اور ان کے ذریعے بندہ صفاتِ الٰہیہ کے فہم میں مزید رسوخ حاصل کرتا ہے۔ اور تیسرا مرتبہ وہ ہے جو الفاظ، عبارت اور قلم کی گرفت سے باہر ہے۔ یہ وہ اسرار ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں، محبان اور عشاق کو بطورِ عطیہ عطا فرماتا ہے، جنہیں نہ مکمل طور پر کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی لکھا جا سکتا ہے، بلکہ وہ حال ہوتے ہیں، قال نہیں۔

# قرآنِ-صفاتِ الٰہیہ

قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا سب سے جامع اور مستند بیان ہے۔اس میں اللہ کی ذات کو اس کی صفات کے ذریعے پہچنوایا گیا ہے تاکہ انسان اپنے رب کی معرفت حاصل کر سکے۔قرآن بار بار اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اللہ واحد ہے، بے شریک ہے، اور ہر کمال کی صفت اسی کے لیے خاص ہے۔اس کی صفات نہ محدود ہیں اور نہ مخلوق کی صفات کے مشابہ، بلکہ وہ ہر نقص اور کمی سے پاک ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات میں ''الحیّ'' (ہمیشہ زندہ)، ''القیّوم'' (سب کو قائم رکھنے والا)، ''العلیم'' (سب کچھ جاننے والا)، ''القدیر'' (ہر چیز پر قادر) اور ''السمیع البصیر'' (سننے والا، دیکھنے والا) شامل ہیں۔قرآن ان صفات کے ذریعے انسان کو یہ شعور دیتا ہے کہ اللہ نہ صرف خالق ہے بلکہ ہر لمحہ کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے۔اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور اس کی قدرت ہر شے پر غالب ہے۔

قرآن میں صفاتِ رحمت کو بھی خاص اہمیت دی گئی ہے، جیسے ''الرحمٰن'' اور ''الرحیم''۔یہ صفات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہایت مہربان اور کرم فرمانے والا ہے۔وہ اپنے بندوں کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے، ان پر رحم کرتا ہے اور انہیں ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔یہی صفات بندے کے دل میں امید، محبت اور رجوع کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ قرآن اللہ کی صفاتِ جلال کو بھی بیان کرتا ہے، جیسے ''الجبّار''، ''المنتقم''، اور ''العزیز''۔یہ صفات اس کی عظمت، قدرت اور عدل کو ظاہر کرتی ہیں۔ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ کی ناراضی اور سزا سے ڈرے اور اپنی زندگی کو اس کے احکام کے مطابق ڈھالے۔اس طرح صفاتِ جمال (رحمت) اور

صفاتِ جلال (ہیبت) کے درمیان ایک توازن قائم ہوتا ہے۔

آخر کار، قرآنِ مجید میں صفاتِ الٰہیہ کا بیان انسان کی رہنمائی کے لیے ہے۔ ان صفات کے ذریعے انسان اپنے رب کو پہچانتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے، اس سے ڈرتا ہے، اور اسی پر بھروسہ کرتا ہے۔ یہی معرفت انسان کو ایک متوازن، بامقصد اور نورانی زندگی کی طرف لے جاتی ہے، جہاں اس کا دل اللہ کی یاد سے زندہ اور اس کی روح اس کے قرب سے مطمئن ہو جاتی ہے۔

## رحمت و ربوبیت کی صفات

اللہ تعالیٰ الرحمٰن الرحیم ہے

جیسا کہ سورۃ الفاتحہ کی ابتدائی تین آیات میں وارد ہوا ہے کہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ① اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ③

(الفاتحہ:1-3)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا۔

شرح: یہ آیت ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ ''تمام موجودات کی اصل حقیقت اللہ کی ذات ہے''۔ اللہ سب کا خالق، مالک اور سنبھالنے والا ہے۔

تمام جہانوں کا رب ہونے کا مطلب ہے کہ زمین و آسمان، انسان اور جانور، ہر ذرے اور ہر نظام کا تعلق اور انحصار اللہ کی ذات سے ہے۔

یہ شعور دل میں عاجزی پیدا کرتا ہے کہ ہم سب کچھ اللہ کی قدرت کے زیرِ سایہ ہیں، اور کسی بھی صورت میں اپنی محدود طاقت پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔

بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا۔

یہ صفت اللہ کی ''رحمت اور شفقت'' کو ظاہر کرتی ہے۔

''بڑا مہربان'' کا مطلب ہے کہ اللہ کی رحمت ہر مخلوق پر محیط ہے، چاہے وہ انسان ہو یا جانور، زمین ہو یا آسمان۔

''نہایت رحم کرنے والا'' ہمیں یہ یقین دلاتا ہے کہ اللہ کی معافی اور محبت کی کوئی حد نہیں، اور وہ ہمیشہ اپنے بندوں کے لیے نرمی اور آسانیاں پیدا کرتا ہے۔

یہ آیت انسان کے دل میں امید، سکون اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی رغبت پیدا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سب سے خوبصورت اور دل کو سکون دینے والی صفات میں سے دو ''رحمت'' اور ''ربوبیت'' ہیں۔ یہ صفات انسان کی روح کو زندگی کی حقیقتوں سے روشناس کراتی ہیں اور دل میں اللہ کی محبت و بھروسے کا نور جگاتی ہیں۔

رحمت وہ روشنی ہے جو ہر ظلمت پر چھا جاتی ہے۔ یہ وہ نرمی ہے جو دل کے اندھیروں میں امید جگاتی ہے۔ جب ہم فطرت کی طرف دیکھتے ہیں، تو ہر پھول، ہر ندی، ہر پرندہ اللہ کی رحمت کا پیغام سناتا ہے۔ رحمت صرف معاف کرنے یا نوازنے تک محدود نہیں؛ یہ زندگی کی ہر سانس میں چھپی ہوئی نعمت ہے۔

روحانی انداز میں کہا جائے تو رحمت وہ دریا ہے جس میں ڈوب کر انسان اپنے وجود کی تمام کمیوں کو بھول جاتا ہے۔ جب دل اللہ کی رحمت کے سامنے جھکتا ہے، تو وہ سکون محسوس کرتا ہے، جیسے ہر غم اور فکر دھل کر کسی صاف آئینے میں بدل جائے۔

ربوبیت کا مطلب ہے کہ اللہ ہر ذرّے، ہر لمحے، ہر سانس کا خالق اور پالنے والا ہے۔ ربوبیت صرف زمین و آسمان کے انتظام کی صفت نہیں، بلکہ یہ وہ راز ہے جو کائنات کے ہر جزو کو زندگی بخشتا ہے۔

یہ وہ لمحہ ہے جب انسان محسوس کرتا ہے کہ ہر چیز اللہ کی مرضی کے مطابق چل رہی ہے، اور ہر حادثہ، ہر خوشی، ہر دکھ ایک بڑی حکمت کا حصہ ہے۔ ربوبیت انسان کے دل

میں یہ یقین پیدا کرتی ہے کہ کوئی لمحہ بے معنی نہیں، ہر لمحہ اللہ کے احسان اور منصوبے کی جھلک ہے۔

رحمت اور ربوبیت ایک دوسرے کے آئینے ہیں۔ ربوبیت انسان کو یہ سمجھاتی ہے کہ سب کچھ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، اور رحمت یہ یقین دلاتی ہے کہ اللہ کی نوازش ہر حالت میں شامل ہے۔ جب یہ دونوں صفات انسان کے دل میں اترتی ہیں، تو وہ دنیا کے دکھوں اور مشکلات کے باوجود اللہ پر بھروسہ کرنے لگتا ہے اور ہر لمحے میں سکون محسوس کرتا ہے۔

''ہر دکھ کے پیچھے میری حکمت ہے، اور ہر امید کے پیچھے میری رحمت''۔

رحمت اور ربوبیت انسان کی روح کے لیے رہنمائی اور سکون کا سرچشمہ ہیں۔ عرفانی نظر سے، یہ صفات ہمیں زندگی کی حقیقتوں سے روشناس کراتی ہیں، دل کو اللہ کے عشق میں ڈوبنے دیتی ہیں، اور ہر لمحے میں شکر اور رضا کی روشنی بھرتی ہیں۔

جب انسان اللہ کی رحمت کو محسوس کرتا ہے اور اس کی ربوبیت پر یقین رکھتا ہے، تو دنیا کی تمام پریشانیاں بھی محبت اور امید کے سمندر میں غرق ہو جاتی ہیں۔

## حیات، قیومیت-قدرت کی صفات

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ

اللہ-اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، قائم مطلق۔

(سورۃ البقرہ:255)

شرح: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ:

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، یعنی وہ ہی سب کا معبود اور مالک ہے۔

الحیّ: اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، اس کی حیات کبھی ختم نہیں ہوتی۔ القیّوم: اللہ سب

کچھ قائم رکھنے والا ہے، ہر شے اس کی نگہبانی میں ہے، اور کائنات کا ہر نظام اس کی قدرت سے چلتا ہے۔ عرفانی طور پر، یہ آیت ہمیں یہ شعور دیتی ہے کہ زندگی کی ہر سانس، ہر لمحہ اللہ کی موجودگی اور حمایت کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ اللہ پر مکمل بھروسے اور سکون کا ذریعہ ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝

سب کچھ جاننے والا، اعلیٰ ترین، قادر مطلق، غیب اور شاہد کو جانتا ہے۔

(سورۃ الرعد:9)

اللہ غیب اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے، یعنی ہمارے دلوں کے راز اور دنیا کے معاملات اس سے پوشیدہ نہیں۔ الکبیر المتعال: اللہ اعلیٰ ترین اور سب پر غالب ہے، اس کی عظمت ہر حد سے بالا ہے۔ عرفانی نظر سے، یہ آیت انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ اللہ کی نظر ہر لمحے ہم پر موجود ہے، اور وہ ہر راز و نیاز سے واقف ہے۔ یہ شعور انسان کے دل میں عاجزی اور اللہ پر بھروسہ پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی بے پایاں عظمت اور کائنات پر مکمل اختیار کی دلیل ہیں۔ ان میں ''حیات، قیومیت، اور قدرت'' ایسی صفات ہیں جو انسان کی روح کو زندگی کی حقیقتوں سے روشناس کراتی ہیں اور دل میں اللہ کی کبریائی کا نور جگاتی ہیں۔

حیات کی صفت: حیات کا مطلب ہے زندگی دینے والا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو زندہ کرتا ہے، اور ہر موت کے بعد زندگی کا چراغ روشن کرتا ہے۔ یہ صفت ہمیں یہ باور کراتی ہے کہ زندگی صرف ایک جسمانی وجود نہیں، بلکہ روحانی اور الٰہی منصوبے کا حصہ ہے۔

عرفان میں حیات کا تجربہ وہ لمحہ ہے جب انسان اپنی ہر سانس میں اللہ کی روشنی محسوس کرتا ہے۔ ہر پھول، ہر درخت، ہر پرندہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ اللہ کی حیات کا جادو ہر شے میں موجود ہے۔ یہی حیات انسان کو امید دیتی ہے کہ ہر اندھیرا

گزر جائے گا اور ہر مایوسی کے بعد ایک نیا سویرا ہوگا۔

## ''قیومیت کی صفت''

قیومیت کا مطلب ہے کہ اللہ سب کچھ قائم رکھنے والا ہے۔ کائنات کے ہر ذرے کی حفاظت، ہر لمحے کی نگرانی، اور ہر نظام کی ترتیب اسی صفت کی بدولت ممکن ہے۔

یہ عرفانی پہلو ہمیں یہ شعور دیتا ہے کہ کوئی لمحہ بے ضابطہ نہیں، کوئی واقعہ بے اثر نہیں۔ ہر سانس، ہر لمحہ اللہ کی قیومیت کے تحت جاری ہے۔ قیومیت انسان کے دل میں یہ یقین پیدا کرتی ہے کہ اللہ کی مدد اور رہنمائی ہر وقت موجود ہے، چاہے حالات کیسے بھی ہوں۔

صفتِ قدرت: قدرت کا مطلب ہے ہر چیز پر مکمل اختیار اور طاقت۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بنا سکتا ہے، بدل سکتا ہے اور مٹا سکتا ہے۔ قدرت انسان کے محدود شعور سے بالاتر ہے، اور یہی قدرت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ہر کائناتی مظہر اس کی مرضی کے مطابق چلتا ہے۔

عرفان میں قدرت کا تجربہ وہ لمحہ ہے جب انسان کائنات کی ہر شے میں اللہ کی حکمت اور توانائی محسوس کرتا ہے۔ ہر طوفان، ہر چمک، ہر بہتا ہوا پانی قدرت کی عظمت کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ صفت انسان کے دل میں عاجزی، حیرت اور اللہ پر مکمل بھروسا پیدا کرتی ہے۔

## ''ان تینوں صفات کا روحانی ربط''

حیات، قیومیت، اور قدرت ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ حیات اللہ کی زندگی دینے والی صفت ہے، قیومیت اس زندگی کو قائم رکھنے کا ذریعہ، اور

قدرت ہر شے پر اس کی مکمل حکمرانی کو ظاہر کرتی ہے۔ جب یہ تینوں صفات انسان کے دل میں اترتی ہیں، تو وہ ہر کائناتی اور انسانی مسئلے میں اللہ کی حکمت اور محبت کو پہچاننے لگتا ہے۔

اگر عرفانی انداز میں یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ:

''میں ہر شے میں زندہ ہوں، ہر شے کی نگرانی کر رہا ہوں، اور ہر شے پر قدرت رکھتا ہوں''۔

نتیجہ: حیات، قیومیت اور قدرت کی صفات انسان کو روحانی بصیرت دیتی ہیں، دل میں امید اور بھروسے کی روشنی بھرتی ہیں، اور کائنات کی ہر حقیقت میں اللہ کی عظمت دکھاتی ہیں۔

جب انسان ان صفات کو سمجھ کر زندگی گزارے، تو وہ ہر دکھ، ہر پریشانی اور ہر سوال کے پیچھے اللہ کی حکمت اور محبت کو محسوس کر سکتا ہے، اور دل میں سکون و یقین پیدا ہوتا ہے۔

## وحدانیت اور قہاریت کی صفات

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

(البقرہ:163)

ترجمہ: اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تمہید: وحدت کا ابدی نغمہ

یہ آیت توحید کا ایسا نورانی اعلان ہے جو عقل کو دلیل دیتا ہے اور دل کو یقین۔ یہ صرف ایک عقیدہ نہیں، بلکہ ایک ''باطنی انقلاب'' ہے، ایسا انقلاب جو انسان کو

کثرت کے ہجوم سے نکال کر وحدت کے سکون میں لے آتا ہے۔

## وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

وحدت کا عرفانی ادراک ''تمہارا معبود ایک ہی ہے''

عرفان کی راہ میں سالک جب کائنات کے پردوں کو چیرتا ہے تو اسے ہر ذرّے میں ایک ہی جلوہ دکھائی دیتا ہے۔

پہاڑ، دریا، ستارے، انسان، محبت، درد سب ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں۔

''واحد'' کا مطلب صرف عددی ایک نہیں، بلکہ ایسا ایک جو بے مثل، بے نیاز اور بے شریک ہو۔

وجدانی کیفیت میں یہ احساس یوں ابھرتا ہے کہ: دل کے اندر جو سکون ہے، وہ اسی ایک کا فیض ہے۔

آنکھ میں جو آنسو ہے، وہ بھی اسی کی طرف لوٹتا ہے۔

سالک پر یہ راز کھلتا ہے کہ کثرت محض آئینہ ہے، حقیقت صرف وحدت ہے۔

## ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ'' نفی و اثبات کا باطنی سفر

یہ جملہ توحید کا مغز ہے۔

''لَآ اِلٰهَ'' نفی

یہ ہر جھوٹے سہارے کی نفی ہے۔

نفس، خواہش، مال، شہرت، طاقت سب باطل معبودوں کا انکار۔

''اِلَّا هُوَ'' اثبات

پھر صرف اسی ایک کا اثبات۔

جب دل سے غیر نکل جائے تو حق خود جلوہ گر ہو جاتا ہے۔

عرفانی سفر میں یہ مرحلہ فنا کا ہے:

سالک اپنی ہستی کو مٹاتا ہے تاکہ اصل ہستی ظاہر ہو۔

وجدانی طور پر یہ کیفیت یوں ہوتی ہے:

دل کی ویرانی میں اچانک ایک نور اترتا ہے

اور انسان کہہ اٹھتا ہے: بس تو ہی تو ہے!

## الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ محبت کی تجلی

توحید کا اعلان خشکی نہیں لاتا، بلکہ محبت کا سمندر بہا دیتا ہے۔

### الرَّحْمٰنُ

وہ جو سب پر مہربان ہے مومن ہو یا کافر، انسان ہو یا حیوان۔

یہ اس کی عام رحمت ہے جو پوری کائنات کو گھیرے ہوئے ہے۔

### الرَّحِيْمُ

وہ جو خاص طور پر اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

یہ قرب کی رحمت ہے، جو دلوں میں سکینہ بن کر اترتی ہے۔

عرفان میں یہ راز کھلتا ہے کہ:

وجود کی بنیاد غضب نہیں، رحمت ہے۔

کائنات کا پہلا حرف محبت ہے۔

## وجدانی کیفیت- آیت کا باطنی اثر

جب کوئی دل کی گہرائی سے اس آیت کو پڑھتا ہے تو اس پر تین کیفیات طاری

ہوتی ہیں:

1. ''یقین'' میرا رب ایک ہے
2. ''اطمینان'' وہی کافی ہے
3. ''محبت'' وہ رحمن ورحیم ہے

دل کی دھڑکن بھی ذکر بن جاتی ہے۔

سانس بھی تسبیح بن جاتی ہے۔

اور انسان کا وجود ایک خاموش سجدہ بن جاتا ہے۔

اختتامی تاثر: وحدت سے رحمت تک

یہ آیت ہمیں سکھاتی ہے کہ: عقیدہ توحید صرف زبان کا اقرار نہیں بلکہ دل کی تطہیر اور روح کی بیداری ہے اور اس وحدت کی انتہا رحمت پر جا کر مکمل ہوتی ہے۔

پس عرفانی و وجدانی طور پر یہ آیت اعلان کرتی ہے: کائنات میں اگر کچھ حقیقت ہے تو وہ ایک ہے اور اگر اس حقیقت کا وصف ہے تو وہ رحمت ہے

''وہ ایک ہے اور وہ رحمن ورحیم ہے''۔

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

(سورۃ الرعد:16)

ترجمہ: فرمادیں کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ایک غالب ہے۔

تمہید: خالق کی پہچان: یہ آیت توحید کو جلال کے رنگ میں پیش کرتی ہے۔

پچھلی آیات میں رحمت کا سمندر موجزن تھا، یہاں قدرت اور غلبے کا آسمان روشن ہے۔ یہ اعلان ہے کہ:

ہر شے کا خالق وہ ہے- وہ اکیلا ہے اور وہ غالب ہے۔

عرفان کی راہ میں یہ آیت سالک کو اپنی بے بسی اور رب کی عظمت کا شعور عطا کرتی ہے۔

''اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے'' یہ جملہ کائنات کی بنیاد ہلا دیتا ہے۔
جو کچھ نظر آتا ہے اور جو نظر نہیں آتا سب اسی کے امر سے ہے۔

## ''وَهُوَ الْوَاحِدُ'' تنہاءِ الوہیت

وہ واحد ہے نہ اس کی ذات میں شریک، نہ صفات میں۔
یہاں ''واحد'' کا مفہوم صرف عددی یکتائی نہیں بلکہ مطلق یگانگت ہے۔
یعنی: خالق بھی وہی مدبر بھی وہی * مالک بھی وہی

## ''الْقَهَّارُ'' جلال کی ہیبت

''قہار'' وہ جو سب پر غالب ہے، جس کے سامنے ہر طاقت سرنگوں ہے۔
یہ اسم دل میں خوف نہیں بلکہ ''ہیبتِ محبت'' پیدا کرتا ہے۔
جب انسان اپنی کمزوری کو پہچانتا ہے تو رب کی قہاریت میں پناہ ڈھونڈتا ہے اور اسی میں امن پالیتا ہے وہ اکیلا ہے اور سب اسی کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢

(سورۃ الاخلاص: 1 تا 2)

ترجمہ: فرمادیں وہ اللہ ایک ہے، اللہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔

تمہید: توحید کا نچوڑ: یہ مختصر سورت دراصل معرفتِ الٰہی کا خلاصہ ہے۔ الفاظ کم، معانی لامحدود۔ یہ اعلان ہے اُس ذات کا جو ہر قید سے آزاد اور ہر نسبت سے بلند ہے۔

عرفان کی راہ میں اسے ''سورۃُ التوحید'' کہا گیا کیونکہ یہ دل کو براہِ راست وحدت کے سمندر میں لے جاتی ہے۔

## ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' احدیت کا راز

''اَحَدٌ'' کیا ہے؟ ''واحد'' اور ''احد'' میں لطیف فرق ہے۔

واحد عددی یکتائی کو ظاہر کرتا ہے، مگر ''احد'' ایسی یگانگت ہے جس میں کثرت کا کوئی امکان نہیں۔

عرفانی طور پر: احد وہ ہے جو تقسیم نہیں ہوسکتا، جس کی ذات میں کوئی جز نہیں، جس کی حقیقت عقل کی گرفت سے ماورا ہے۔

## ''اَللّٰهُ الصَّمَدُ'' بے نیازی کا کمال

صمد کا مفہوم: ''الصمد'' وہ ہے:

جو کسی کا محتاج نہیں۔

اور سب اس کے محتاج ہیں۔

جو کامل ہے، بے نیاز ہے، قائم بالذات ہے۔

عرفانی نگاہ میں صمدیت کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرّہ سوال ہے اور وہ جواب ہے۔

انسان: رزق کا محتاج ٭ محبت کا محتاج ٭ سکون کا محتاج

احدیت اور صمدیت کا باطنی ربط احدیت اُس کی یکتائی ہے صمدیت اُس کی بے نیازی یعنی: وہ اپنی ذات میں کامل اور اپنی صفات میں کامل نہ اسے کسی کی حاجت نہ اس کی مثل کوئی۔

وجدانی اثر: دل کا سکون جب یہ آیات دل میں اترتی ہیں تو انسان کے اندر:

1. یقین پیدا ہوتا ہے
2. توکل مضبوط ہوتا ہے

3.خوف ختم ہوتا ہے

کیونکہ جس کا رب ''احد'' ہو اور جس کا سہارا ''صمد'' ہو وہ کسی اور کے سامنے کیوں جھکے؟ یہ آیات ہمیں سکھاتی ہیں:

*توحید صرف عقیدہ نہیں، کیفیت ہے

*معرفت صرف علم نہیں، حال ہے

* اور اللہ کی پہچان صرف دلیل سے نہیں، دل سے ہوتی ہے پس عرفانی اور وجدانی اعلان یہ ہے: وہ ایک ہے ایسا ایک جس کی کوئی مثل نہیں وہ صمد ہے ایسا کامل جس کی ہر شے محتاج ہے اور دل کی گہرائی سے صدا آتی ہے: ''وہی کافی ہے''۔

## علم، غیب اور احاطہ کی صفات

اللہ علام الغیوب ہے

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

(سورۃ الجن:26)

ترجمہ: وہ غیب جانتا ہے اور وہ اپنے غیب کا علم کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔

یہ آیت اعلان کرتی ہے کہ مطلق علمِ غیب صرف اللہ ہی کو حاصل ہے، جیسا کہ القرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ انسان کی نگاہ محدود ہے، مگر اس کا علم ازل سے ابد تک ہر شے کو محیط ہے۔ وہ اپنے غیب کے خزانوں کو عام نہیں کرتا، کیونکہ حکمت اسی میں ہے۔ البتہ جسے چاہے، جتنا چاہے، اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا فرما دیتا ہے۔ اس حقیقت سے بندے میں عاجزی، توکل اور اللہ پر کامل اعتماد پیدا ہوتا ہے۔

وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

(البقرہ:282)

اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

یہ آیت حقیقت واضح کرتی ہے کہ غیب کا کامل اور مطلق علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ انسان کا علم محدود اور ناقص ہے، مگر وہ ہر ظاہر و باطن، حال و مستقبل اور دلوں کے بھید تک کو جاننے والا ہے۔ وہ اپنے غیب کا علم کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اس کے جسے اپنی حکمت سے جتنا چاہے عطا فرما دے۔ اسی لیے بندہ اس کے علم کے سامنے عاجز اور محتاج ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌۢ ﴿۲۰﴾

(سورۃ البروج:20)

ترجمہ: اور اللہ ان کے اردگرد کو دیکھتا ہے۔

اور اللہ ان کے اردگرد دیکھتا ہے۔ وہ نہ صرف ظاہر اعمال کو دیکھنے والا ہے بلکہ نیتوں، ارادوں اور دلوں کے پوشیدہ خیالات تک سے باخبر ہے۔ اس کی نگاہ سے نہ کوئی حرکت اوجھل ہے اور نہ کوئی سکوت۔ انسان جہاں بھی ہو، جس حال میں بھی ہو، وہ اس کے احاطۂ علم اور نظر میں ہے۔ یہی احساس بندے کے اندر تقویٰ، ذمہ داری اور اللہ کی حضوری کا شعور پیدا کرتا ہے۔

## عزت، جلال اور اقتدار کی صفات

اللہ مالک الملک ہے

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ

(آل عمران:26)

ترجمہ: فرما دیجئے کہ اے اللہ بادشاہی کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دیتا

ہے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے۔

یہ اعلان اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اقتدار اور بادشاہی کا اصل مالک صرف اللہ ہے۔ وہی جسے چاہے عزت اور حکومت عطا کرے اور جس سے چاہے اقتدار واپس لے لے۔ دنیا کی سلطنتیں عارضی ہیں، مگر اس کی بادشاہی ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ وہ جسے چاہے سربلند کرے اور جسے چاہے پست کردے، سب کچھ اس کی حکمت اور مشیت کے تحت ہے۔ اس یقین سے انسان کے دل میں غرور ختم ہوتا ہے اور توکل پیدا ہوتا ہے۔

وہ ذوالجلال والاکرام ہے

وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾

(الرحمٰن:78)

ترجمہ: اور آپ کے رب کا چہرہ باقی رہے گا جو عظمت اور عزت کا مالک ہے۔

یہ آیت اس ابدی حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ ہر شے فنا ہو جانے والی ہے، مگر آپ کے رب کی ذات باقی رہنے والی ہے۔ دنیا کی رونقیں، قوتیں اور نام ونشان سب مٹ جائیں گے، لیکن وہی رب ذوالجلال والاکرام ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس کی عظمت بے پایاں اور اس کی عزت لازوال ہے۔ اسی کی ذات بقا کی مالک ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ یہ شعور انسان کے دل میں دنیا سے بے رغبتی اور رب کی طرف رغبت پیدا کرتا ہے۔

وہ العزیز، الجبّار، المتکبر ہے۔

الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ

(الحشر:23)

ترجمہ: قادرِ مطلق، زبردست، اعلیٰ کبریائی والا۔

وہ قادرِ مطلق ہے، جس کی قدرت کے سامنے ہر طاقت ہیچ ہے اور ہر سبب بے اثر۔ وہ زبردست ہے، جس کے حکم سے کائنات کا نظام قائم ہے اور جس کے ارادے کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وہ اعلیٰ کبریائی والا ہے، بزرگی اور بڑائی صرف اسی کے شایانِ شان ہے۔ اسی کی عظمت کے آگے سر جھکتے ہیں اور اسی کی ہیبت دلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وہی بلندیوں کا مالک اور ہر کمال کا سرچشمہ ہے۔

## تخلیق و ایجاد کی صفات

اللہ الخالق، الباری، المصور ہے

اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ

(الحشر:24)

ترجمہ: قادرِ مطلق، زبردست، اعلیٰ کبریائی والا۔

وہ قادرِ مطلق ہے، جس کی قدرت کے سامنے ہر طاقت ہیچ ہے اور ہر سبب بے اثر۔ وہ زبردست ہے، جس کے حکم سے کائنات کا نظام قائم ہے اور جس کے ارادے کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وہ اعلیٰ کبریائی والا ہے، بزرگی اور بڑائی صرف اسی کے شایانِ شان ہے۔ اسی کی عظمت کے آگے سر جھکتے ہیں اور اسی کی ہیبت دلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وہی بلندیوں کا مالک اور ہر کمال کا سرچشمہ ہے۔

وہ احسن الخالقین ہے

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

(المؤمنون:14)

ترجمہ: تو بابرکت ہے اللہ جو بہترین تخلیق کرنے والا ہے۔

تو بابرکت ہے اللہ، جو ہر چیز میں کمال اور حسن پیدا کرتا ہے۔ وہ بہترین تخلیق کرنے والا ہے، جو ہر مخلوق کو اپنی حکمت اور جمال کے مطابق شکل دیتا ہے۔ اس کی

تخلیق میں ہر ذرے کا مقصد اور ہر وجود کا حسن نمایاں ہے۔ اسی کی قدرت سے کائنات میں توازن اور خوبصورتی قائم ہے۔ بے شک وہی بابرکت اور ہر اعتبار سے کامل تخلیق کرنے والا ہے۔

## مغفرت، لطف اور قرب کی صفات

اللہ غفور، رحیم، تواب، ودود ہے

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

(البقرہ:173)

ترجمہ: بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بے شک اللہ بخشنے والا ہے، جو اپنے بندوں کی خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف کرنے والا ہے۔ وہ مہربان ہے، جس کی رحمت ہر حال میں شامل ہے اور ہر مخلوق پر اس کا فیض بہتا رہتا ہے۔ اس کی مغفرت اور رحمت سے دلوں کو سکون ملتا ہے اور امید کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ ہر گناہ گار کے لیے دروازۂ توبہ کھلا ہے، اور ہر محتاج کے لیے کرم کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی لیے وہی کامل بخشنے والا اور بے پناہ مہربان ہے۔

وہ قریب و مجیب ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

(البقرہ:186)

ترجمہ: اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بیشک میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔

اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں بارے میں سوال کریں تو بیشک میں قریب ہوں۔ میں ہر دعا کے قریب ہوں اور دل کی گہرائی سے پکارنے والے کی صدا سنتا ہوں۔ جب بندہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا کا جواب دیتا ہوں، خواہ وہ دکھ میں ہو یا خوشی میں، چاہے چھوٹا مسئلہ ہو یا بڑا۔ یہ وعدہ یقین دلاتا ہے کہ اللہ ہر لمحہ اپنے بندوں کے ساتھ موجود ہے اور ان کے حالات سے باخبر ہے۔ اسی یقین سے بندے کے دل میں سکون، امید اور توکل پیدا ہوتا ہے۔

وہ لطیف وخبیر ہے۔

اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ

(یوسف:100)

بے شک میرا رب باریک بین ہے، جو چاہتا ہے۔

بے شک میرا رب باریک بین ہے، جو ہر چیز کی نہایت باریکی اور حقیقت تک سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے جو ظاہر ہے اور جو پوشیدہ، جو دلوں میں ہے اور جو افعال میں۔ وہ جو چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، اور اس کی مشیت ہر شے پر غالب ہے۔ اس کی باریک بینی سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اور کوئی عمل اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں۔ یہی یقین انسان کے دل میں عاجزی، توکل اور اللہ کی حکمت پر بھروسہ پیدا کرتا ہے۔

## نور، بادشاہی اور وراثت کی صفات

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا

شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾

(النور:35)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس کے اندر چراغ ہے، چراغ شیشے کے اندر ہے، شیشہ گویا زیتون کے بابرکت درخت سے روشن موتی کا ستارہ ہے، نہ مشرق کا اور نہ مغرب کا، جس کے تیل کو آگ نہ لگنے کے باوجود چمکنے لگتی ہے۔ روشنی پر روشنی۔ خدا جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور خدا انسانوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے۔ اور خدا ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

یہ آیت اللہ کے نور کی وہ عظیم تشبیہ بیان کرتی ہے جو عقل وقلب دونوں کے لیے روشنی کا سرچشمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ''آسمانوں اور زمین کا نور'' کہا گیا ہے، یعنی وہ وہی ہے جو کائنات کی ہر چیز کو روحانی اور مادی روشنی عطا کرتا ہے۔ یہ نور محض جسمانی روشنائی نہیں، بلکہ وجود کی ہر جہت کو منور کرنے والا، ہر دل کو سکون وہدایت دینے والا نور ہے۔

آیت میں اس نور کی مثال ایک ''طاق یا مینار'' سے دی گئی ہے جس کے اندر ''چراغ'' ہے۔ یہ چراغ ''شیشے'' کے اندر رکھا ہوا ہے، جو روشنی کو محفوظ رکھنے اور اس کی شدت کو بڑھانے کی علامت ہے۔ شیشہ گویا ''زیتون کے بابرکت درخت سے نکلی ہوئی روشنی'' ہے، جس کی مثال ایک روشن ''موتی کے ستارے'' کی طرح ہے، جو اپنی روشنی میں بے حد لطافت اور پاکیزگی رکھتا ہے۔

نور کی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ نہ مشرق سے محدود ہے اور نہ مغرب سے۔ یعنی یہ محدودیت سے آزاد، کائنات کے ہر کونے میں پھیلنے والا ہے۔ تیل کی مثال دی گئی ہے، جو ''اگرچہ آگ لگے تو بھی چمکنے لگتی ہے''، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نور خود بخود قوت و حیات پیدا کرتا ہے اور ہر طرح کی رکاوٹوں کو پار کر لیتا ہے۔

آیت کے اہم معنوی پہلو یہ ہیں کہ یہ روشنی صرف ظاہری نہیں بلکہ ''روحانی ہے''۔ ''نور پر نور'' کے الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اللہ کی ہدایت اور علم کی روشنی مسلسل بڑھتی رہتی ہے اور بندے کے دل میں سکون اور فہم پیدا کرتی ہے۔

اللہ جسے چاہتا ہے، اسے اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہ رہنمائی نہ صرف عقل و علم کی بلکہ دل و روح کی بھی ہے۔ اسی لیے اللہ بندوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ عقل و دل کی آنکھ سے حقیقت کو پہچان سکیں۔

آخر میں آیت یاد دلاتی ہے کہ اللہ ''ہر چیز کا جاننے والا'' ہے۔ وہ ہر دل کے اندر کے راز، ہر بندے کے ارادے، ہر کائناتی جزو کے حالات سے باخبر ہے۔ یہ یقین انسان کو عاجزی، توکل، اور ہدایت کی تلاش کی راہ دکھاتا ہے۔

خلاصہ: یہ آیت اللہ کے نور کو دنیا اور آخرت میں رہنمائی، حکمت اور طاقت کا سرچشمہ قرار دیتی ہے۔ یہ علم، محبت، اور ہدایت کی روشنی ہے جو ہر دل کو منور کر سکتی ہے اور جس کے ذریعے انسان اپنی روحانی حقیقت کو پہچانتا ہے۔

وہ ملک السموات والارض ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

(آل عمران:189)

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔

یہ بیان ہمیں اللہ کی مطلق حکمرانی اور ملکیت کی حقیقت سے روشناس کراتا ہے۔

وہ ''ملک السموات والارض'' ہے، یعنی آسمانوں اور زمین کا مالک اور حاکم، جس کی مرضی اور اختیار ہر شے پر نافذ ہے۔ وہی ہر وجود کا رب، ہر مخلوق کا نگہبان اور ہر نظامِ کائنات کا قائم کرنے والا ہے۔

وہ ''میراث السموات والارض'' بھی ہے، یعنی آسمانوں اور زمین کی میراث کا اصل مالک صرف اللہ ہے۔ ہر حکمرانی، طاقت، دولت اور اختیار عارضی اور امانت کی طرح ہیں، جبکہ حقیقی مالک اور وارث وہی ہے۔ یہ شعور بندے کے دل میں عاجزی، توکل اور اللہ کی قدرت پر مکمل یقین پیدا کرتا ہے کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اسی کی مرضی کے بغیر کوئی شے باقی نہیں رہ سکتی۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ

(الحدید:10)

ترجمہ: اور ان سب سے، اللہ نے بہترین وعدہ کیا تھا۔

اور ان سب سے، اللہ نے بہترین وعدہ کیا تھا، یعنی جو کچھ اس نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے، وہ کامل، درست اور مکمل ہے۔ اللہ کی ہر نصیحت، ہر انعام اور ہر ہدایت بہترین حکمت اور علم سے لبریز ہے۔ اس کے وعدے میں کبھی کمی یا غلطی نہیں ہوتی، اور وہی وعدہ جس پر بھروسہ کیا جائے، انسان کے لیے سکون، رہنمائی اور کامیابی کا سرچشمہ بنتا ہے۔ یہ یقین بندے کے دل میں اطمینان، توکل اور اللہ کی عدل وحکمت پر ایمان پیدا کرتا ہے۔

یہ تمام صفات اس حقیقت کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد، اپنی صفات میں کامل، اور اپنے افعال میں بے مثال ہے۔ بندے کا کمال یہ ہے کہ وہ ان صفات پر ایمان لائے، ان کا ادب کرے، اور اپنی زندگی کو ان کے تقاضوں کے مطابق ڈھالے۔ حقیقی معرفت وہی ہے جو بندے کو عاجزی، خشیت اور محبتِ الٰہی کی طرف لے جائے۔

# صفاتِ الٰہیہ اور حقیقتِ معرفت

اللہ تعالیٰ کی صفات وہ ازلی وابدی حقائق ہیں جو اس کی ذاتِ اقدس کے کمال، جلال اور جمال کا اظہار ہیں۔ انسان کا علم، اس کی عقل اور اس کا فہم ان صفات کے ادراک میں محدود ہے، اس لیے بندہ صرف اتنا ہی جان سکتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بارے میں جاننے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہم تک تین بنیادی ذرائع سے پہنچتی ہیں:

اوّل قرآنِ مجید، دوم احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور سوم وہ باطنی وعرفانی اسرار جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں، محبان، عشاقان اور اہلِ معرفت کے قلوب میں ودیعت فرمائے۔

قرآنِ مجید میں وارد صفات وہ یقینی اور قطعی حقائق ہیں جن پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ ان صفات کے بغیر نہ تو ایمان کی تکمیل ہوتی ہے اور نہ ہی معرفت کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ احادیثِ نبویہ ان صفات کی شرح، توضیح اور عملی تفسیر ہیں، جبکہ اہلِ عرفان کو عطا ہونے والے اسرار وہ نورانی حقائق ہیں جو لفظ وعبارت میں پوری طرح سموئے نہیں جا سکتے، کیونکہ وہ علم نہیں بلکہ حال ہوتے ہیں، اور حال کا تعلق دل سے ہے، زبان سے نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبان اور اہلِ قرب پر اپنی عنایات کے دروازے جس قدر کھولتا ہے، اسی قدر ان پر اپنی صفات کے معانی منکشف فرماتا ہے۔ یہ انکشاف کسی دعوے یا کسب کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ محض فضلِ الٰہی ہوتا ہے۔ اسی لیے اولیائے کاملین ہمیشہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ جو کچھ ملا، عطا ہے، اور جو کچھ سمجھ آیا، وہ بھی اس کی عنایت ہے۔

# قرآن میں اللہ کی صفات

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اپنی صفات کو مختلف انداز سے بیان فرمایا تا کہ بندہ ان صفات کے ذریعے اپنے رب کو پہچان سکے اور اس کی عبودیت میں کامل ہو جائے۔

اللہ الرحمٰن الرحیم ہے، جس کی رحمت ہر شے پر محیط ہے، اور جس کی رحمت کے بغیر کوئی وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ ربّ العالمین ہے، یعنی تمام جہانوں کا پروردگار، جو ہر مخلوق کی پرورش اس کے حال کے مطابق فرماتا ہے۔ وہ مالکِ یومِ الدین ہے، جس کے حضور ہر نفس کو ایک دن جواب دہ ہونا ہے۔

اللہ الحیّ القیوم ہے، اس کی حیات ذاتی اور ازلی ہے، اور وہ ہر شے کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس کی قدرت کامل ہے، وہ علیّ العظیم اور علیّ الکبیر ہے، اس کی بلندی کسی جگہ یا سمت کی محتاج نہیں، بلکہ وہ شان اور مرتبے کی بلندی ہے۔

وہ الٰہ واحد ہے، اس کی ذات میں کوئی شریک نہیں، اور وہ واحد القہار ہے، یعنی سب پر غالب اور سب کو اپنے حکم کے تابع رکھنے والا۔ وہ احد ہے، یعنی نہ اس کی کوئی مثل ہے اور نہ نظیر، اور وہ صمد ہے، یعنی سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اللہ علام الغیوب ہے، اس کے علم سے کوئی شے پوشیدہ نہیں، وہ ظاہر و باطن سب کو جانتا ہے۔ وہ مالک الملک ہے، بادشاہی اسی کی ہے، دیتا بھی وہی ہے اور چھیننے کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔ وہ ذوالجلال والاکرام ہے، جلال میں ہیبت اور کرم میں بے پایاں عطا کا مالک۔

وہ الخالق، البارئ، المصور ہے، عدم سے وجود میں لانے والا، مخلوق کو تناسب اور حسن عطا کرنے والا۔ وہ احسن الخالقین ہے، کیونکہ اس کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں۔

اللہ غفور، رحیم، تواب، ودود ہے، وہ بندے کی لغزشوں کو معاف فرمانے والا،

محبت فرمانے والا اور بار بار توبہ قبول کرنے والا ہے۔ وہ قریب و مجیب ہے، بندے کی پکار کو سنتا اور قبول فرماتا ہے۔ وہ لطیف و خبیر ہے، باریک ترین امور کو جاننے والا۔

وہ نور السموات والارض ہے، یعنی آسمانوں اور زمین کا حقیقی نور۔ اسی کے نور سے ہدایت، ایمان اور معرفت کی روشنی دلوں میں اترتی ہے۔ وہ ملک السموات والارض بھی ہے اور میراث السموات والارض بھی، یعنی آخر کار سب کچھ اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ وہ سریع الحساب ہے، حساب لینے میں دیر نہیں کرتا، اور وہ ذو انتقام بھی ہے، مگر اس کا انتقام بھی عدل پر مبنی ہے۔ وہ احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین ہے، فیصلہ بھی اسی کا اور رحمت بھی اسی کی۔

خلاصۂ معرفت: ان تمام صفات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا، اپنی صفات میں کامل، اور اپنے افعال میں بے مثال ہے۔ بندے کا کمال یہ نہیں کہ وہ ان صفات کے اسرار پر حاوی ہو جائے، بلکہ اصل کمال یہ ہے کہ وہ ان صفات کے سامنے عاجزی، خشیت، محبت اور تسلیم اختیار کر لے۔ معرفتِ الٰہی کا دروازہ عقل کے زور سے نہیں کھلتا، بلکہ انکسار، اخلاص اور توفیقِ الٰہی سے کھلتا ہے۔ جو بندہ ان صفات کو جان کر اپنے رب کے حضور جھک جاتا ہے، وہی حقیقت میں اللہ کو پہچان لیتا ہے۔

# معرفتِ ربّانی - حقیقتِ عبودیت

اللہ ربّ العزّت کی ذات وصفات وہ ازلی وابدی حقیقت ہیں جن کے ادراک سے انسانی عقل ہمیشہ عاجز رہی ہے اور رہے گی۔ انسان کا علم، چاہے وہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات کے احاطے سے قاصر ہے، کیونکہ مخلوق، خالق کے برابر نہ کبھی آ سکتی ہے اور نہ ہی اس کے کمالات کو مکمل طور پر پا سکتی ہے۔ اسی لیے معرفتِ الٰہی کا دروازہ عقلِ محض سے نہیں بلکہ نورِ الٰہی، توفیقِ ربانی اور قلبی انکسار سے کھلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا تعارف بندوں کو تین بنیادی ذرائع سے عطا فرمایا: اوّل قرآنِ مجید کے ذریعے، دوم احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے، اور سوم اپنے خاص بندوں یعنی محبان، عشاقان اور اہلِ عرفان کے قلوب پر القا کیے گئے باطنی اسرار کے ذریعے۔ قرآنِ مجید میں وارد صفات ایمان کی اساس ہیں، احادیث ان کی شرح اور عملی تفسیر ہیں، جبکہ اہلِ اللہ کو عطا ہونے والے اسرار وہ نورانی حقائق ہیں جنہیں الفاظ میں مقید کرنا ممکن نہیں، کیونکہ وہ علم نہیں بلکہ حال اور کیفیت ہوتے ہیں۔

اہلِ عرفان اس حقیقت پر متفق ہیں کہ صفاتِ الٰہیہ کے اسرار جتنے بھی منکشف ہوں، وہ سب عطا ہیں، نہ کہ بندے کا کمال۔ اسی لیے اولیائے کاملین ہمیشہ دعویٰ سے بچتے ہیں اور عاجزی کو اختیار کرتے ہیں، کیونکہ معرفت میں سب سے بڑی آفت خود پسندی اور دعویٰ ہے۔

اللہ ربّ العزّت کی ذات وصفات وہ ازلی وابدی حقیقت ہیں جن کے ادراک سے انسانی عقل ہمیشہ عاجز رہی ہے اور رہے گی۔ انسان کا علم، چاہے وہ کتنا ہی وسیع

کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات کے احاطے سے قاصر ہے، کیونکہ مخلوق، خالق کے برابر نہ کبھی آ سکتی ہے اور نہ ہی اس کے کمالات کو مکمل طور پر پا سکتی ہے۔ اسی لیے معرفتِ الٰہی کا دروازہ عقلِ محض سے نہیں بلکہ نورِ الٰہی، توفیقِ ربانی اور قلبی انکسار سے کھلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا تعارف بندوں کو تین بنیادی ذرائع سے عطا فرمایا: اوّل قرآنِ مجید کے ذریعے، دوم احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے، اور سوم اپنے خاص بندوں یعنی محبان، عشاقان اور اہلِ عرفان کے قلوب پر القا کیے گئے باطنی اسرار کے ذریعے۔ قرآنِ مجید میں وارد صفات ایمان کی اساس ہیں، احادیث ان کی شرح اور عملی تفسیر ہیں، جبکہ اہلِ اللہ کو عطا ہونے والے اسرار وہ نورانی حقائق ہیں جنہیں الفاظ میں مقید کرنا ممکن نہیں، کیونکہ وہ علم نہیں بلکہ حال اور کیفیت ہوتے ہیں۔ اہلِ عرفان اس حقیقت پر متفق ہیں کہ صفاتِ الٰہیہ کے اسرار جتنے بھی منکشف ہوں، وہ سب عطا ہیں، نہ کہ بندے کا کمال۔ اسی لیے اولیائے کاملین ہمیشہ دعویٰ سے بچتے ہیں اور عاجزی کو اختیار کرتے ہیں، کیونکہ معرفت میں سب سے بڑی آفت خود پسندی اور دعویٰ ہے۔

## صفاتِ رحمت – ربوبیت

اللہ تعالیٰ رحمٰن الرحیم ہے۔ اس کی رحمت تمام کائنات پر سایہ فگن ہے۔ رحمٰن ہونا اس کی عمومی رحمت کو ظاہر کرتا ہے جو مومن و کافر، نیک و بد سب کے لیے ہے، اور رحیم ہونا اس کی خصوصی رحمت کا اظہار ہے جو اہلِ ایمان کے لیے مخصوص ہے۔ وہ ربّ العالمین ہے، یعنی تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا۔ ہر مخلوق کو اس کی استعداد اور ضرورت کے مطابق رزق، ہدایت اور بقا عطا کرنا اسی کی ربوبیت کا ظہور ہے۔

وہ مالکِ یومِ الدین ہے، یعنی جزا و سزا کے دن کا اکیلا مالک۔ اس دن نہ کوئی

سفارش بغیر اجازت کے کام آئے گی اور نہ کوئی طاقت اس کے فیصلے کو بدل سکے گی۔ یہی تصور بندے کے دل میں ذمہ داری اور خشیت پیدا کرتا ہے۔

## صفاتِ حیات-قدرت اور اقتدار

اللہ تعالیٰ الحیّ القیوم ہے۔ اس کی حیات کسی کی دی ہوئی نہیں، بلکہ ذاتی اور ازلی ہے۔ وہ خود قائم ہے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ وہ علیّ العظیم اور علیّ الکبیر ہے، اس کی بلندی مقام یا سمت کی محتاج نہیں، بلکہ شان، مرتبے اور قدرت کی بلندی ہے۔

وہ واحد القہار ہے، یعنی ایک بھی ہے اور سب پر غالب بھی۔ اس کی وحدانیت ایسی ہے کہ کثرت میں بھی یکتائی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ احد ہے، جس کی نہ کوئی مثل ہے نہ نظیر، اور وہ صمد ہے، یعنی سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔

## صفاتِ علم-حکمت اور نور

اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے، ظاہر و باطن، ماضی و مستقبل سب اس کے علم میں ہیں۔ اس کا علم محض معلومات کا مجموعہ نہیں بلکہ احاطہ، شہود اور قیومیت پر مبنی ہے۔ وہ علیم و حکیم ہے، اس کا ہر فیصلہ حکمت پر قائم ہے، چاہے بندے کی عقل اس حکمت کو سمجھ پائے یا نہ سمجھ پائے۔

وہ نور السموات والارض ہے۔ آسمانوں اور زمین کا حقیقی نور وہی ہے۔ ایمان، ہدایت، معرفت اور یقین اسی نور کے جلوے ہیں۔ جس دل میں یہ نور اتر جائے، وہ شک، کفر اور ضلالت کی تاریکیوں سے نجات پا لیتا ہے۔

## صفاتِ مغفرت-قرب اور محبت

اللہ تعالیٰ غفور، رحیم، تواب اور ودود ہے۔ وہ بندے کی لغزشوں کو معاف فرمانے

والا، بار بار توبہ قبول کرنے والا اور محبت فرمانے والا رب ہے۔ وہ قریب و مجیب ہے، بندے کی پکار کو سنتا ہے، چاہے وہ زبان سے ہو یا دل کے اندر ہو۔

وہ لطیف و خبیر ہے، باریک ترین امور اور نیتوں تک سے واقف ہے۔ بندہ اسے دھوکہ نہیں دے سکتا، لیکن اگر سچائی اور اخلاص اختیار کرے تو وہ اس پر اپنی خاص عنایت فرما دیتا ہے۔

## صفاتِ عدل-جلال اور اختیار

اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے، اس کا فیصلہ عدلِ مطلق پر مبنی ہے۔ وہ ذوانتقام بھی ہے، مگر اس کا انتقام ظلم نہیں بلکہ عدل ہے۔ وہ ارحم الراحمین ہے، اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے جاتی ہے۔

وہ مالک الملک ہے، بادشاہی اسی کی ہے، دیتا بھی وہی ہے اور واپس لینے کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔ آخر کار وہی وارث السموات والارض ہے، یعنی سب کچھ اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

## خلاصہ کلام

صفاتِ الٰہیہ کا مقصد یہ نہیں کہ بندہ محض ان کا علمی ذخیرہ جمع کرے، بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ وہ ان صفات کے ذریعے اپنے رب کو پہچانے، اس کے سامنے عاجزی اختیار کرے، اور اپنی عبودیت کو کامل کرے۔ معرفت کا کمال دعویٰ میں نہیں بلکہ فنا میں ہے، اور قرب کا راستہ غرور سے نہیں بلکہ انکساری سے کھلتا ہے۔

جو بندہ ان صفات کو جان کر اپنے دل کو اللہ کے سپرد کر دے، وہی حقیقت میں معرفت کے دروازے پر پہنچ جاتا ہے، اور یہی بندگی کی معراج ہے۔

# توحیدِ خالص-احیائے بندگی

توحید وہ بنیاد ہے جس پر دین کی پوری عمارت قائم ہے، اور یہی وہ حقیقت ہے جس کے بغیر نہ ایمان مکمل ہوتا ہے، نہ عبادت قبول، اور نہ ہی معرفت کا دروازہ کھلتا ہے۔ توحیدِ خالص کا مطلب محض یہ مان لینا نہیں کہ اللہ ایک ہے، بلکہ اس حقیقت کو دل، عقل، شعور، ارادے، عمل اور باطن میں اس طرح راسخ کر لینا ہے کہ بندے کی زندگی کا ہر پہلو اسی یقین کے گرد گھومنے لگے۔

اہلِ علم اور اہلِ عرفان اس بات پر متفق ہیں کہ توحید کے بھی مراتب ہیں۔ ایک تو وہ توحید ہے جو زبان سے اقرار کی صورت میں ہوتی ہے، دوسری وہ جو عقل سے سمجھی جاتی ہے، اور تیسری وہ توحید ہے جو دل پر وارد ہوتی ہے اور پھر پورے وجود پر چھا جاتی ہے۔ یہی آخری درجہ توحیدِ خالص کہلاتا ہے، جو بندے کو شرکِ خفی، ریا، خود بینی اور غیر اللہ کے خوف سے نجات دلاتا ہے۔

توحیدِ خالص میں بندہ یہ دیکھ لیتا ہے کہ نفع و نقصان، عزت و ذلت، زندگی و موت، عطا و محرومی، سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر بندہ اسباب کو اختیار تو کرتا ہے، مگر ان پر بھروسا نہیں کرتا۔ اس کا دل اسباب کے پیچھے کارفرما ذات کو پہچان لیتا ہے، اور یہی پہچان حقیقی ایمان کی علامت بن جاتی ہے۔

## شرک کی باریک صورتیں

اہلِ تصوف نے واضح کیا ہے کہ شرک ہمیشہ بتوں کی پرستش کا نام نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات انسان کا اپنے علم، اپنی عبادت، اپنے مرشد، یا حتیٰ کہ اپنی نیکی پر بھروسا کرنا بھی توحید کے نور کو دھندلا دیتا ہے۔ توحیدِ خالص کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ہر شے کو

ذریعہ سمجھے اور مؤثرِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کو جانے۔

اسی لیے اولیائے اللہ اپنی عبادات اور احوال کو بھی اللہ کا فضل سمجھتے ہیں، اپنا کمال نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر ایک لمحے کے لیے بھی اللہ کی توفیق اٹھالی جائے تو نہ ذکر باقی رہتا ہے اور نہ فکر۔

## توحید اور عبودیت کا باہمی ربط

توحید کا حقیقی ثمر عبودیت ہے۔ جتنا توحید کا یقین مضبوط ہوتا ہے، اتنی ہی بندگی میں عاجزی، خشوع اور اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ بندہ جب یہ جان لیتا ہے کہ وہ خود کچھ نہیں، اور سب کچھ اللہ ہے، تو اس کا دل خود بخود جھک جاتا ہے، اور یہی جھکاؤ عبادت کی روح ہے۔

عبودیت کا مطلب صرف نماز، روزہ یا ظاہری اعمال نہیں، بلکہ اپنی خواہش، اپنی انا، اور اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دینا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بندہ کہتا ہے: ''میری چاہت نہیں، تیری چاہت معتبر ہے؛ میری مرضی نہیں، تیرا حکم اصل ہے۔''

## توحید کا اثر بندے کی زندگی پر

توحیدِ خالص بندے کو بے خوف بنا دیتی ہے، کیونکہ جب دل میں یہ یقین بیٹھ جائے کہ میرے ساتھ صرف اللہ ہے، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت خوف پیدا نہیں کر سکتی۔ یہی توحید بندے کو صبر عطا کرتی ہے، شکر سکھاتی ہے، اور مصیبت میں بھی امید کا چراغ روشن رکھتی ہے۔

ایمان کی یہی کیفیت بندے کو اللہ کے قریب لے جاتی ہے، اور یہی قرب معرفت کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ جو بندہ توحید میں پختہ ہو جاتا ہے، وہی حقیقت

میں اللہ کا بندہ کہلانے کا حق ادا کرتا ہے۔

یاد رہے کہ توحید کوئی فلسفیانہ نظریہ نہیں، بلکہ زندہ حقیقت ہے جو بندے کی سوچ، عمل اور باطن کو بدل دیتی ہے۔ توحیدِ خالص وہ نعمت ہے جو اللہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے، اور جسے یہ مل جائے، اس کے لیے دنیا بھی عبادت بن جاتی ہے اور آخرت بھی سنور جاتی ہے۔

## اہلِ عرفان کا بیان

اللہ تعالیٰ کی صفات وہ ازلی و ابدی حقائق ہیں جن کے ذریعے بندہ اپنے رب کو پہچانتا ہے، اور یہی صفات معرفتِ الٰہی کا دروازہ کھولتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی صفات اپنے کلامِ مجید، قرآنِ حکیم میں خود بیان فرمائیں، تاکہ انسان محض گمان اور قیاس کے اندھیروں میں نہ بھٹکے، بلکہ وحی کے نور میں اپنے خالق و مالک کو پہچانے۔ اسی طرح بعض صفات وہ ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے ہم تک پہنچیں، اور کچھ اسرار و رموز ایسے بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں، اہلِ محبت، عشاق اور صاحبانِ عرفان کے قلوب میں ودیعت فرمایا، جنہیں الفاظ اور قلم پوری طرح ادا نہیں کر سکتے۔

## علم، حکمت۔غیب

اللہ علام الغیوب ہے، چھپے اور ظاہر سب کا جاننے والا۔ وہ علیم الحکیم ہے؛ اس کا علم بھی کامل ہے اور اس کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہے۔ بندے کو بسا اوقات اس کی حکمت سمجھ نہیں آتی، مگر وقت گزرنے کے ساتھ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا ہر فیصلہ عدل اور خیر پر مبنی تھا۔

وہ فتاح العلیم ہے، بند دروازے کھولنے والا، اور دلوں کے بھید جاننے والا۔

ہدایت کا دروازہ اسی کے ہاتھ میں ہے، اور گمراہی سے نکالنا بھی اسی کی شان ہے۔

## مغفرت، لطف-قرب

اللہ غفور الرحیم ہے، بار بار معاف کرنے والا، اور رحمت فرمانے والا۔ وہ تواب الرحیم ہے، توبہ قبول کرنے والا، بندے کی طرف رجوع فرمانے والا۔ وہ قریب مجیب ہے، پکارنے والے کے قریب، دعا سننے والا ہے۔

وہ لطیف خبیر ہے؛ نہایت باریک بینی سے معاملات کو جاننے والا اور بندے کے حال سے پوری طرح باخبر۔ وہ نعم الوکیل ہے، بہترین کارساز، جس پر بھروسا کیا جائے تو دل کو سکون نصیب ہوتا ہے۔

## وحدانیت- بے نیازی

اللہ واحد، احد، الصمد ہے۔ وہ ایک ہے، یکتا ہے، بے نیاز ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ ہمسر، نہ مثل۔ سب اس کے محتاج ہیں، اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ یہی وحدانیت ایمان کی اصل اور معرفت کی انتہا ہے۔

صفاتِ الٰہیہ پر غور کرنا محض علمی مشغلہ نہیں، بلکہ روح کی غذا ہے۔ جو بندہ اللہ کو اس کی صفات کے ساتھ پہچان لیتا ہے، اس کا دل غیر اللہ کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہی معرفت بندے کو عبادت میں اخلاص، دعا میں یقین، اور زندگی میں سکون عطا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی صفات کے نور سے بہرہ مند فرمائے، اور ہمیں ان لوگوں میں شامل کرے جو اس کو پہچان کر اس کے ہو گئے۔ آمین۔

# اللہ کے افعالی صفات

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ افعالی وہ صفات ہیں جو اس کے افعال، یعنی اس کے کاموں اور تدبیرِ کائنات سے ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ صفات اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ اللہ صرف ایک خالق ہی نہیں بلکہ ہر لمحہ اپنی مخلوق کے ساتھ تعامل میں ہے۔ تخلیق کرنا، رزق دینا، ہدایت دینا، زندگی دینا اور موت دینا یہ افعال اللہ کی صفاتِ افعالی کا مظہر ہیں، جو کائنات کے ہر گوشے میں جاری وساری ہیں۔

ان صفات میں سب سے نمایاں صفت ''الخالق'' ہے، یعنی پیدا کرنے والا۔ اللہ نے کائنات کو عدم سے وجود میں لایا، اور ہر مخلوق کو ایک خاص نظام اور مقصد کے تحت پیدا کیا۔ اس کے ساتھ ''الرازق'' کی صفت ہے، جو ہر جاندار کو اس کا رزق عطا کرتا ہے۔ اسی طرح ''المحیی'' (زندگی دینے والا) اور ''المیت'' (موت دینے والا) بھی صفاتِ افعالی میں شامل ہیں، جو انسان کو یہ احساس دلاتی ہیں کہ اس کی زندگی اور موت دونوں اللہ کے اختیار میں ہیں۔

اللہ کی صفاتِ افعالی میں ''الہادی'' (ہدایت دینے والا) بھی شامل ہے، جو انسان کو حق اور باطل میں فرق سکھاتا ہے۔ وہ انبیاء، کتابوں اور نشانیوں کے ذریعے انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ''الغفور'' اور ''التواب'' کی صفات بھی ہیں، جو اس کے بندوں کے گناہوں کو معاف کرتی ہیں اور انہیں توبہ کا موقع دیتی ہیں۔ یہ صفات اللہ کی رحمت اور کرم کو ظاہر کرتی ہیں۔

اسی طرح اللہ کی صفاتِ افعالی میں عدل اور جزا وسزا کا نظام بھی شامل ہے۔ ''الحکم'' (فیصلہ کرنے والا) اور ''العدل'' (انصاف کرنے والا) کی صفات کے ذریعے اللہ ہر عمل کا حساب لیتا ہے۔ وہ نیکی کا بدلہ دیتا ہے اور برائی کی سزا دیتا ہے،

تا کہ کائنات میں انصاف قائم رہے۔ یہ صفات انسان کو ذمہ داری کا احساس دلاتی ہیں اور اسے اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف راغب کرتی ہیں۔

آخر کار، صفاتِ افعالی انسان کو اس حقیقت کی طرف لے جاتی ہیں کہ کائنات کا ہر عمل اور ہر نظام اللہ کے ارادے کے تحت ہے۔ یہ صفات انسان کے دل میں اللہ پر یقین، توکل اور اعتماد پیدا کرتی ہیں۔ جب بندہ سمجھ لیتا ہے کہ ہر کام اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے تو وہ صبر، شکر اور رضا کی کیفیت میں زندگی گزارنے لگتا ہے، اور یہی اس کی روحانی کامیابی کا راستہ ہے۔

## توحیدِ افعالی اور باطنِ کائنات

اہلِ معرفت کے نزدیک توحید کی سب سے لطیف اور دقیق منزل توحیدِ افعالی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، ظاہراً اس کے اسباب نظر آتے ہیں، مگر حقیقت میں فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ سبب محض پردہ ہے، مؤثر صرف وہی ہے۔

## اسمائے حسنیٰ کے باطنی اثرات

اسمائے الٰہیہ محض الفاظ نہیں بلکہ روحانی حقائق ہیں۔ ہر اسم ایک خاص تجلی رکھتا ہے، اور ہر تجلی سالک کے باطن میں ایک خاص کیفیت پیدا کرتی ہے۔

یا رحمٰن: دل کی سختی کو پگھلاتا ہے، قساوت کو مٹاتا ہے، اور مخلوق پر شفقت پیدا کرتا ہے۔

یا رحیم: بندے کو امید کی دولت دیتا ہے، ناامیدی کے دروازے بند کر دیتا ہے۔

یا علیم: دل کے اندھیرے گوشوں میں شعور کا چراغ روشن کرتا ہے۔

یا نور: شک، وسوسہ اور پراگندگی کو جمعیت میں بدل دیتا ہے۔

یا غفور: بندے کو اپنے عیب دیکھنے اور دوسرے کے عیب ڈھانپنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔

یا قوی: نفس کی کمزوری کو طاقت میں بدل دیتا ہے، اور باطل کے سامنے استقامت عطا کرتا ہے۔

اہلِ معرفت کہتے ہیں کہ جس اسم کا ورد کثرت سے کیا جائے، بندے کا باطن اسی اسم کے رنگ میں رنگا جانے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام کے اخلاق مختلف ہوتے ہیں، کیونکہ ہر ایک پر کسی خاص اسم کی تجلی غالب ہوتی ہے۔

## سالک کی باطنی منازل

راہِ سلوک میں سالک پر مختلف کیفیات وارد ہوتی ہیں جنہیں منازلِ سلوک کہا جاتا ہے:

1. توبہ: یہ سفر کا دروازہ ہے۔ یہاں بندہ گناہ سے نہیں بلکہ غفلت سے لوٹتا ہے۔
2. مجاہدہ: یہ نفس کے ساتھ جنگ ہے۔ یہاں بندہ خواہش کو قربان کرتا ہے تاکہ قرب حاصل ہو۔
3. صبر: یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ شکایت چھوڑ دیتا ہے مگر دعا نہیں چھوڑتا۔
4. توکل: یہاں دل اسباب کو چھوڑ کر اللہ پر ٹھہر جاتا ہے۔
5. رضا: یہاں بندہ تقدیر پر راضی ہو جاتا ہے، چاہے حال موافق ہو یا مخالف۔
6. محبت: یہ منزل سب سے لطیف ہے۔ یہاں عبادت جنت یا جہنم کے خوف سے نہیں بلکہ محبوب کی خاطر ہوتی ہے۔
7. معرفت: یہاں بندہ اللہ کو دلیل سے نہیں بلکہ حضورِ قلب سے پہچانتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں الفاظ خاموش اور دل گویا ہو جاتا ہے۔

# اللہ کی صفات کی معرفت

## معرفتِ رب کا دروازہ

اللہ تعالیٰ کی صفات وہ انوار ہیں جن کے ذریعے بندہ اپنے رب کو پہچانتا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ اپنی حقیقت میں عقل وفہم سے ماورا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کے لیے صفات کو ذریعہ بنایا۔ قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ ﷺ میں جو صفات بیان ہوئیں، وہ دراصل بندے پر رحمت ہیں تاکہ وہ اپنے خالق کو پہچان سکے، اس سے تعلق جوڑ سکے اور اس کی بندگی کا حق ادا کر سکے۔

اللہ تعالیٰ الرحمٰن ہے، جس کی رحمت عام ہے اور مومن و کافر سب کو محیط ہے، اور الرحیم ہے جس کی خاص رحمت اہلِ ایمان کے لیے ہے۔ وہ ربّ العالمین ہے، یعنی تمام جہانوں کی پرورش کرنے والا، ظاہر و باطن میں ہر شے کی خبر رکھنے والا۔ وہ مالکِ یومِ الدین ہے، جس کے سامنے ایک دن سب کو حاضر ہونا ہے، جہاں نہ کوئی سفارش بغیر اجازت کے چلے گی اور نہ کوئی طاقت کام آئے گی۔

وہ الحیّ القیوم ہے، خود زندہ ہے اور سب کو زندگی دینے والا ہے، نہ اسے نیند آتی ہے نہ غفلت۔ وہ العلیم الحکیم ہے، جس کا علم ہر شے کو محیط ہے اور جس کا ہر فیصلہ حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ وہ القادر ہے، جس کے لیے ناممکن کا کوئی تصور نہیں، اور المرید ہے، جو جو چاہے جیسے چاہے کر گزرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ القدوس ہے، ہر نقص اور عیب سے پاک؛ السلام ہے، سراپا سلامتی؛ المؤمن ہے، امن دینے والا؛ المہیمن ہے، ہر شے پر نگہبان؛ العزیز ہے، جس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا؛ الجبّار ہے، جو ٹوٹے دلوں کو جوڑ دیتا ہے؛ اور المتکبر ہے، جس کی

بڑائی کے سامنے ہر بڑائی ہیچ ہے۔

وہ الخالق، البارئ، المصور ہے، جس نے عدم سے وجود بخشا، ہر شے کو اس کی صورت عطا کی اور ہر مخلوق کو اس کے مقصد کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ اللّطیف الخبیر ہے، باریک بین اور ہر حال سے باخبر؛ القریب ہے، بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب؛ اور المجیب ہے، پکارنے والے کی پکار سننے والا۔

اہلِ عرفان فرماتے ہیں کہ صفاتِ الٰہیہ کو محض یاد کرنا کافی نہیں، بلکہ ان پر غور کرنا اصل عبادت ہے۔ جب بندہ اللہ کی رحمت پر غور کرتا ہے تو اس کے دل میں امید پیدا ہوتی ہے، اور جب اس کے جلال پر غور کرتا ہے تو خوف اور ادب جنم لیتا ہے۔ امید اور خوف کے درمیان جو توازن پیدا ہوتا ہے، وہی ایمان کی اصل روح ہے۔

اللہ تعالیٰ غفور، توّاب، ودود ہے، بار بار گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا اور محبت فرمانے والا۔ وہ بندے کے ایک قدم پر دس قدم بڑھ کر آتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ بندہ سچائی سے اس کی طرف رجوع کرے۔ وہ ستّار العیوب ہے، بندوں کے عیب چھپاتا ہے، اور حق المبین ہے، جو آخرکار ہر حق کو ظاہر فرما دیتا ہے۔

اہلِ تصوف کے نزدیک صفاتِ الٰہیہ کا ادراک بندے کو خودی سے نکال کر فنا کی طرف لے جاتا ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ عزت بھی اللہ دیتا ہے اور ذلت بھی، عطا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور روک بھی اسی کی مشیت سے ہے، تو بندہ غیر اللہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہی مقامِ توکل ہے، یہی مقامِ تسلیم و رضا ہے۔

الغرض، اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرنا محض علمی مشغلہ نہیں بلکہ روحانی سفر ہے۔ جو بندہ ان صفات کو دل میں اتار لیتا ہے، اس کی زندگی عبادت بن جاتی ہے، اس کا کردار دعا بن جاتا ہے، اور اس کا وجود اللہ کی نشانی بن جاتا ہے۔

# صفاتِ الٰہیہ باطنی مفہوم

طالبِ حق تعالیٰ کے لیے عالمانہ اور صوفیانہ اسلوب میں قرآنی حوالہ جات کے ساتھ مفصل تحریر پیش خدمت ہے۔

## صفاتِ الٰہیہ کا قرآنی تعارف اور باطنی مفہوم

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو محض احکام کی کتاب بنا کر نازل نہیں فرمایا بلکہ اسے اپنی صفات و اسماء کا آئینہ بنایا تاکہ بندہ کلامِ الٰہی کے ذریعے اپنے رب کی پہچان حاصل کرے۔ قرآنِ حکیم میں جہاں توحیدِ ذات بیان ہوئی ہے، وہیں توحیدِ صفات اور توحیدِ افعال کو نہایت جامع انداز میں واضح کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪

(الاعراف:180)

ترجمہ: اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، لہٰذا اسے ان ناموں سے پکارو۔

اور اللہ ہی کے لیے سب اچھے نام ہیں، سو اسے انہی ناموں کے ساتھ پکارو۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسماء و صفات محض تعارف نہیں بلکہ دعا، عبادت اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ جو بندہ جس صفت کو دل میں اتارتا ہے، وہ اسی نسبت سے اللہ کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وہ حقیقتِ مطلقہ ہے جس کی معرفت کے بغیر نہ ایمان کامل ہوتا ہے اور نہ ہی عبادت میں روح پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا تعارف خود اپنے کلامِ مجید میں فرمایا اور اپنے محبوبِ مکرم، سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

وسلم کے ذریعے ان صفات کی شرح وتوضیح امت تک پہنچائی۔ یہ صفات دو طرح سے معلوم ہوتی ہیں:

ایک وہ جو ''نصِ قرآنی'' سے ثابت ہیں، اور دوسری وہ جن کا ذوق وادراک اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں، محبان، عشاق اور اہلِ عرفان کے قلوب میں القا فرما دیتا ہے، جنہیں الفاظ میں مکمل طور پر قید نہیں کیا جا سکتا۔

اہلِ معرفت کے نزدیک صفاتِ الٰہیہ کا حقیقی ادراک صرف مطالعہ سے نہیں بلکہ ''فکر، ذکر، اخلاص اور توکل'' سے حاصل ہوتا ہے۔ جتنا بندہ اپنی نفی کرتا جاتا ہے، اتنا ہی صفاتِ الٰہیہ کا نور اس کے قلب میں اترتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ ہر شے میں ''فاعلِ حقیقی'' کو دیکھنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات وہ ازلی وابدی حقائق ہیں جن کے ذریعے بندہ اپنے رب کو پہچانتا ہے اور اپنی عبدیت کی حقیقت تک پہنچتا ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے اپنی صفات کو قرآنِ مجید میں اس لیے بیان فرمایا تاکہ انسان گمان، وہم اور قیاس سے نکل کر یقین، معرفت اور ہدایت کے نور میں داخل ہو جائے۔ قرآن مجید میں جہاں احکام بیان ہوئے، وہیں صفاتِ الٰہیہ کا ذکر بھی کثرت سے آیا ہے، کیونکہ شریعت کی بنیاد معرفت پر ہے اور معرفت کی بنیاد صفاتِ الٰہیہ پر قائم ہے۔

اس کی یکتائی عددی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ وہ محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ یہی توحید کا کمال ہے اور یہی ایمان کی جان ہے۔

اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ صفاتِ الٰہیہ کو صرف زبان سے پڑھنا کافی نہیں، بلکہ ان کا اثر دل پر ظاہر ہونا چاہیے۔ جب بندہ اللہ کو قدیر مان لیتا ہے تو خوف سے آزاد ہو جاتا ہے، جب رزّاق مان لیتا ہے تو حرص چھوڑ دیتا ہے، اور جب حق مان لیتا ہے تو باطل سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

# عرفان صفات الٰہیہ

## مقامِ عبدیت

اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرنا محض علمی مشغلہ نہیں بلکہ یہ بندے کو اس کے حقیقی مقامِ عبدیت سے روشناس کراتا ہے۔ جب بندہ اللہ کو مالک الملک جان لیتا ہے تو اس کے دل سے خود پسندی اور اختیار کا زعم رخصت ہو جاتا ہے، اور جب وہ اللہ کو ذوالجلال والاکرام مان لیتا ہے تو اس کی نگاہ میں دنیا کی چمک دمک بے وقعت ہو جاتی ہے۔ یہی معرفت بندے کے باطن میں خشیت پیدا کرتی ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یعنی اللہ سے حقیقی ڈر رکھنے والے وہی ہیں جنھیں اس کی پہچان نصیب ہوئی۔

اہلِ تصوف فرماتے ہیں کہ صفاتِ الٰہیہ دل میں اتر جائیں تو عبادت رسم نہیں رہتی بلکہ حضور بن جاتی ہے۔ بندہ جب اللہ کو سمیع و بصیر جان کر نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اس کا قیام، اس کا رکوع اور اس کا سجدہ سب شعور کے ساتھ ادا ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا رب اسے دیکھ بھی رہا ہے اور سن بھی رہا ہے۔ یہی کیفیت نماز کو معراجِ مومن بناتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نِعْمَ الْوَكِيل ہے؛ جو اس پر توکل کرتا ہے، وہ کبھی نامراد نہیں ہوتا۔ توکل کا مطلب اسباب کو ترک کرنا نہیں بلکہ اسباب سے دل کو آزاد کر دینا ہے۔ بندہ کوشش کرتا ہے مگر نتیجہ اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔

اسی طرح اللہ کا غفّار الذنوب ہونا بندے کے لیے امید کا دروازہ ہے۔ گناہ

انسان کو شرمندہ کر دیتے ہیں مگر اللہ کی صفتِ مغفرت اسے دوبارہ کھڑا ہونے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ گناہ پر ندامت بھی اللہ کی ایک نعمت ہے، کیونکہ یہی ندامت توبہ کی بنیاد بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ قریب ہے مگر اس کا قرب ظاہری نہیں بلکہ باطنی ہے۔ دل جب دنیا کے شور سے خالی ہو کر ذکرِ الٰہی سے آباد ہوتا ہے تو بندہ اس قرب کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس مقام پر دعا الفاظ کی محتاج نہیں رہتی، دل کی ایک آہ بھی قبولیت کا سبب بن جاتی ہے۔

آخر کار صفاتِ الٰہیہ کی معرفت بندے کو اس حقیقت تک پہنچا دیتی ہے کہ عزت، قدرت، علم اور بقا سب اللہ کے لیے ہیں اور بندے کے حصے میں صرف عاجزی، فقر اور نیاز ہے۔ یہی فقر بندے کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے اور یہی قرب اس کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ بن جاتا ہے۔

اے اللہ! ہمیں اپنی صفات کی ایسی پہچان عطا فرما جو ہمارے علم کو عمل میں، اور ہمارے عمل کو اخلاص میں بدل دے، اور ہمیں اپنی رضا کے راستے پر ثابت قدم رکھ۔

آمین یا ربّ العالمین۔

# صفاتِ جمال وجلال-عبدیت کی تکمیل

اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی جامع ہے کہ اس میں جمال بھی ہے اور جلال بھی، رحمت بھی ہے اور ہیبت بھی، لطف بھی ہے اور قہر بھی۔ معرفتِ الٰہی اسی وقت کامل ہوتی ہے جب بندہ ان دونوں پہلوؤں کو ایک ساتھ سمجھے۔ اگر بندہ صرف صفاتِ جمال پر نظر رکھے تو اس میں بے خوفی اور جرأتِ نافرمانی پیدا ہوسکتی ہے، اور اگر صرف صفاتِ جلال کو دیکھے تو مایوسی اور خوفِ بے جا جنم لے لیتا ہے۔ اس لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ کمال اس میں ہے کہ بندہ جمال میں جلال اور جلال میں جمال کو پہچان لے۔

اللہ الرحمٰن الرحیم ہے تو ساتھ ہی شدید العقاب بھی ہے۔ وہ غفور الودود ہے تو ساتھ ہی عزیز ذو انتقام بھی ہے۔ یہی توازن بندے کو سیدھے راستے پر قائم رکھتا ہے۔ رحمت بندے کو امید عطا کرتی ہے اور جلال بندے کو حد میں رکھتا ہے۔ جو دل اس توازن کو پالیتا ہے، وہ نہ مغرور ہوتا ہے اور نہ مایوس، بلکہ ہر حال میں اعتدال پر رہتا ہے۔

عبدیت کا کمال یہ نہیں کہ بندہ صرف سجدہ کرے، بلکہ یہ ہے کہ وہ یہ جان لے کہ سجدہ کیوں کر رہا ہے۔ جب بندہ اللہ کو الصمد مان لیتا ہے تو اس کے دل سے غیر اللہ کی محتاجی نکل جاتی ہے۔ پھر وہ مخلوق سے مانگنے کے بجائے خالق سے مانگتا ہے، اور اگر بظاہر اسباب کے ذریعے کچھ مل بھی جائے تو دل میں جانتا ہے کہ دینے والا صرف اللہ ہے، سبب محض ایک پردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اللطیف الخبیر ہے، وہ بندے کے دل کے خیالات تک سے واقف ہے۔ یہی احساس بندے کے باطن کی اصلاح کرتا ہے۔ جب بندہ جان لیتا ہے کہ میرا رب میرے ارادوں، نیتوں اور پوشیدہ خیالات سے بھی باخبر ہے تو اس کی خلوت

سنورنے لگتی ہے، اور جس کی خلوت سنور جائے، اس کی جلوت خود بخود سنور جاتی ہے۔

اللہ الحمید المجید ہے، وہ اپنی ذات میں بھی محمود ہے اور اپنے افعال میں بھی۔ بندہ جب اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو شکوہ اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ پھر وہ ہر حال میں اللہ کی حمد کرتا ہے، کیونکہ وہ جان چکا ہوتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، حکمت کے تحت ہو رہا ہے، چاہے اس حکمت کا پردہ ابھی نہ اٹھا ہو۔

یہی معرفت بندے کو اس مقام تک لے جاتی ہے جہاں وہ خود کو نہیں دیکھتا، بلکہ ہر جگہ اللہ کے افعال کو دیکھتا ہے۔ نفع میں بھی، نقصان میں بھی، عطا میں بھی اور محرومی میں بھی۔ یہی وہ مقام ہے جسے اہلِ تصوف رضا بالقضاء کہتے ہیں، اور یہی مقام بندگی کی اصل روح ہے۔

اے اللہ! ہمیں اپنی صفات کے اس توازن کا ذوق عطا فرما، ہمیں نہ صرف جاننے والا بلکہ ماننے والا بنا، اور ہمارے دلوں کو اپنی معرفت کے نور سے زندہ فرما دے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

# عبدیت کی حقیقت- بندگی کا کمال

عبدیت محض ظاہری اطاعت کا نام نہیں بلکہ یہ بندے کے وجود کی وہ کیفیت ہے جس میں وہ اپنی ہستی، اپنی قوت، اپنی عقل اور اپنی چاہت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے بالکل سپرد کر دیتا ہے۔ عبد وہ نہیں جو صرف سجدہ کرے، بلکہ عبد وہ ہے جس کا دل، ارادہ اور اختیار بھی سجدے میں ہوں۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ میں کچھ نہیں اور سب کچھ وہی ہے، تب عبدیت کا دروازہ اس پر کھلتا ہے۔

عبدیت کی بنیاد عجز پر ہے، اور عجز کا سرچشمہ معرفت ہے۔ جتنا بندہ اپنے رب کو پہچانتا ہے اتنا ہی اپنے آپ کو حقیر جانتا ہے، اور یہی حقارت اسے اللہ کے قریب کر دیتی ہے۔ اس قرب میں نہ دعویٰ رہتا ہے، نہ بڑائی، نہ میں، نہ میرا۔ صرف وہی رہ جاتا ہے جو ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا۔

اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ عبدیت کا پہلا مقام اطاعت ہے، دوسرا رضا، اور تیسرا تسلیم۔ اطاعت میں بندہ حکم مانتا ہے، رضا میں بندہ حکم پر خوش ہوتا ہے، اور تسلیم میں بندہ حکم اور حکمت کے سوال سے بھی آزاد ہو جاتا ہے۔ یہاں آ کر بندہ یہ نہیں پوچھتا کہ کیوں، بلکہ یہ جان لیتا ہے کہ جو ہوا وہی بہتر تھا۔

عبدیت کا کمال اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب بندہ اپنے وجود کو اللہ کی امانت سمجھنے لگے۔ پھر وہ اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتا، اپنی زبان سے نہیں بولتا، اپنے نفس سے نہیں چاہتا، بلکہ ہر شے کو رب کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں بندہ دعویٰ سے نکل کر دعا میں داخل ہوتا ہے، اور علم سے نکل کر حال میں آ جاتا ہے۔

جو بندہ عبدیت کے ذوق سے آشنا ہو جاتا ہے وہ نہ تعریف سے پھولتا ہے اور نہ

ملامت سے ٹوٹتا ہے، کیونکہ اس کی نظر مخلوق پر نہیں بلکہ خالق پر ہوتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ عزت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور ذلت بھی، عطا بھی اسی کی ہے اور روک بھی اسی کا اختیار ہے۔ پس وہ ہر حال میں شاکر رہتا ہے، چاہے حال ظاہراً آسان ہو یا مشکل۔

عبدیت دراصل فنا کی تمہید ہے۔ جب بندہ اپنی چاہتوں، خواہشوں اور خودی کو چھوڑ دیتا ہے تو اس پر بقا کے دروازے کھلتے ہیں۔ فنا میں بندہ خود سے نکلتا ہے، اور بقا میں اللہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ سب مقامات عطائی ہیں، کمائی نہیں۔ یہاں قدم بھی اسی کا رکھا جاتا ہے جسے وہ خود اٹھا لے۔

اے اللہ! ہمیں سچی عبدیت نصیب فرما، ایسی عبدیت جو زبان تک محدود نہ ہو بلکہ دل، عقل اور ارادے کو بھی تیرے حضور جھکا دے۔ ہمیں اپنی ذات کے فریب سے نکال کر اپنی رضا کے سائے میں جگہ عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین۔

## معرفتِ نفس اور معرفتِ ربّ

اہلِ حق کے نزدیک معرفتِ نفس، معرفتِ ربّ کی کنجی ہے۔ بندہ جب تک اپنے آپ کو نہیں پہچانتا، وہ اپنے ربّ کی پہچان کے دروازے پر دستک نہیں دے سکتا۔ نفس کی پہچان یہ نہیں کہ بندہ اپنے اوصاف گنوائے، بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو سمجھے اور اپنی حقیقت یہی ہے کہ وہ محتاج ہے، فقیر ہے، عاجز ہے اور بالذات کچھ بھی نہیں ہے۔

جب بندہ اپنے نفس پر غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی سانسوں کی محتاج ہے، اس کا علم سکھایا ہوا ہے، اس کی قوت عارضی ہے اور اس کا وجود عطا کیا ہوا ہے۔ یہاں آ کر بندہ اس وہم سے نکل جاتا ہے کہ میں کچھ ہوں۔ یہی وہ لمحہ ہے جہاں سے معرفت شروع ہوتی ہے، کیونکہ غرور معرفت کا سب سے بڑا حجاب

ہے۔

معرفتِ نفس بندے کو یہ سکھاتی ہے کہ اس کی خواہشات اس کی رہنما نہیں بلکہ آزمائش ہیں، اور اس کی عقل اس کی مالک نہیں بلکہ ایک امانت ہے۔ جب بندہ اپنے نفس کو اس کی حد میں رکھ لیتا ہے تو دل پر سے پردے اٹھنے لگتے ہیں، اور دل میں وہ نور اترتا ہے جو دلیل کا محتاج نہیں ہوتا۔

اہلِ تصوف فرماتے ہیں کہ نفس کو پہچاننے کا مطلب نفس کو مٹانا نہیں بلکہ اس کو اس کے مقام پر رکھنا ہے۔ نفس اگر اتارہ بن جائے تو انسان کو گرا دیتا ہے، اور اگر مطمئنہ ہو جائے تو انسان کو اُٹھا دیتا ہے۔ یہ تبدیلی مجاہدے سے نہیں بلکہ مسلسل توجۂ الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔

جب بندہ نفس کی حقیقت کو پا لیتا ہے تو وہ لوگوں کے عیب دیکھنے سے فارغ ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی نظر اپنے اندر کے اندھیروں پر ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کی لغزشوں کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بناتا ہے اور اپنی کمزوریوں کو ربّ کے حضور جھکنے کا وسیلہ بناتا ہے۔

معرفتِ نفس کا اعلیٰ مقام وہ ہے جہاں بندہ یہ جان لیتا ہے کہ میں اگر کچھ ہوں تو اس کے دینے سے ہوں، اور اگر کچھ نہیں ہوں تو بھی اسی کے سامنے ہوں۔ یہی شعور بندے کو دعا میں گہرائی، عبادت میں حضور، اور زندگی میں سکون عطا کرتا ہے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے نفس کی حقیقت دکھا دے، مگر اس نظر کے ساتھ جو ہمیں مایوسی میں نہ ڈالے بلکہ تیری طرف کھینچ لے۔ ہمیں اپنے آپ سے آزاد کر کے اپنی معرفت کی دولت عطا فرما، کہ یہی اصل کامیابی ہے۔

# عبدیتِ کاملہ

عبدیتِ کاملہ وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جہاں بندہ اپنی پوری ہستی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ یہ مقام نہ محض عبادت کا نام ہے، نہ ہی صرف ظاہری اطاعت کا، بلکہ عبدیتِ کاملہ دل، عقل، روح، ارادہ اور عمل — سب کے اللہ کے تابع ہو جانے کا نام ہے۔ یہاں بندہ یہ نہیں دیکھتا کہ وہ کیا کر رہا ہے، بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کا رب اس سے کیا چاہتا ہے۔

عبدیت کی بنیاد یہ شعور ہے کہ بندہ اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں۔ نہ اس کا وجود ذاتی ہے، نہ اس کی طاقت، نہ اس کا علم، نہ اس کی عبادت۔ جو کچھ ہے، وہ سب عطا ہے۔ جب یہ شعور دل میں راسخ ہو جاتا ہے تو بندہ غرور، دعویٰ اور خود پسندی سے پاک ہو جاتا ہے۔ یہی پاکیزگی عبدیتِ کاملہ کا پہلا دروازہ ہے۔

عبدیتِ کاملہ والا بندہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں اپنی رائے کو نہیں رکھتا۔ وہ عقل کو رد نہیں کرتا، مگر عقل کو وحی کا تابع کر دیتا ہے۔ وہ جذبات کو مٹاتا نہیں، بلکہ انہیں رضا الٰہی کے سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔ اس کی خواہش یہ نہیں ہوتی کہ لوگ اسے نیک سمجھیں، بلکہ اس کی طلب یہ ہوتی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے۔

اس مقام پر بندہ شکوہ کرنا چھوڑ دیتا ہے، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ جس رب نے مجھے پیدا کیا ہے وہی میرے حال کو سب سے بہتر جانتا ہے۔ مصیبت میں وہ صبر کو اختیار کرتا ہے، نعمت میں شکر کو، اور ہر حال میں رضا کو۔ یہی رضا عبدیتِ کاملہ کی روح ہے۔

عبدِ کامل کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے حق کا مطالبہ نہیں کرتا، مگر دوسروں کا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ وہ مخلوق کے ساتھ رحم، نرمی اور انصاف سے پیش آتا

ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مخلوق سے حسنِ سلوک دراصل خالق کی رضا کا راستہ ہے۔

عبدیتِ کاملہ کا سب سے حسین پہلو یہ ہے کہ اس مقام پر بندہ خود کو اللہ کے سامنے بھی کچھ نہیں سمجھتا۔ وہ اپنی عبادت کو بھی قابلِ فخر نہیں جانتا، بلکہ اسے اللہ کا احسان سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے بندے کی دعا میں تاثیر، اس کی خاموشی میں حکمت، اور اس کی نگاہ میں اصلاح ہوتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بندہ حقیقتاً آزاد ہو جاتا ہے—مخلوق کی غلامی سے، نفس کی قید سے، اور دنیا کی چاہت سے۔ کیونکہ جس نے اللہ کی بندگی اختیار کر لی، وہ ہر غیر اللہ کی بندگی سے نجات پا گیا۔

اے اللہ! ہمیں عبدیتِ ناقص سے نکال کر عبدیتِ کاملہ کی دولت عطا فرما۔ ہمارے دلوں کو اپنے حکم کا تابع، ہماری زبانوں کو اپنے ذکر کا عادی، اور ہمارے اعمال کو اپنی رضا کا مظہر بنا دے۔

# نقطہ اور دائرۂ کی حقیقت

نقطہ اور دائرہ علمِ ہندسہ کی بنیادی حقیقتیں ہیں، مگر اہلِ فکر کے لیے یہ محض ریاضیاتی علامتیں نہیں بلکہ گہرے معانی کی حامل ہیں۔ نقطہ (Point) اپنی ذات میں نہ لمبائی رکھتا ہے، نہ چوڑائی، نہ گہرائیہ محض ایک آغاز ہے، ایک خاموش وجود جو کسی بھی شکل کی بنیاد بن سکتا ہے۔ اسی طرح دائرہ (Circle) ایک ایسی کامل صورت ہے جس کا ہر نقطہ اپنے مرکز سے برابر فاصلے پر ہوتا ہے، گویا یہ وحدت اور ہم آہنگی کی علامت ہے جہاں آغاز اور انجام ایک ہی نقطے پر آ کر مل جاتے ہیں۔

عرفانی زاویے سے دیکھا جائے تو نقطہ حقیقتِ واحدہ کی علامت ہے اور دائرہ اس کے ظہور کی وسعت کا استعارہ ہے۔ نقطہ سے دائرہ وجود میں آتا ہے، مگر دائرہ اپنی تمام تر وسعت کے باوجود اسی نقطے کے گرد گھومتا ہے، جیسے کائنات کی کثرت دراصل ایک ہی حقیقت کے گرد گردش کر رہی ہو۔ یہ تصور انسان کو یہ شعور دیتا ہے کہ اصل مرکز ایک ہی ہے، اور کثرت کی تمام صورتیں اسی مرکز سے جڑی ہوئی ہیں، جہاں پہنچ کر فکر و ادراک کی ہر گردش سکون پا لیتی ہے۔

## نقطہ اور دائرۂ توحید ایک وجدانی تأمل

توحید صرف ایک عقیدہ نہیں، ایک کیفیت ہے؛ ایک ایسا نور جو دل کے اندر اُتر کر انسان کی پوری کائنات بدل دیتا ہے۔ جب سالک باطن کی آنکھ کھولتا ہے تو اُسے محسوس ہوتا ہے کہ ساری کثرت ایک ہی حقیقت کے گرد گردش کر رہی ہے۔ اسی راز کو اہلِ دل نے ''نقطہ اور دائرۂ توحید'' کے استعارے میں بیان کیا ہے۔

## نقطہ وحدت کا راز

نقطہ سب سے چھوٹا ہے، مگر اسی میں سب کچھ سمایا ہوا ہے۔ تحریر کی ابتدا بھی نقطے سے، اور معنی کی گہرائی بھی اسی میں پوشیدہ۔ وجدانی نگاہ سے دیکھا جائے تو نقطہ اُس واحد ذات کی علامت ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ وہی حقیقتِ مطلق ہے، جس سے ہر شے نے وجود پایا۔

نقطہ تنہا دکھائی دیتا ہے، مگر اسی تنہائی میں کامل ہے۔ اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ یہی توحید کا پہلا سبق ہے کہ اللہ اپنی ذات میں یکتا اور بے نیاز ہے۔ سالک جب اس نقطے کو اپنے دل میں محسوس کرتا ہے تو اُس کے اندر کی پراگندگی سمٹنے لگتی ہے۔ خیالات، خواہشات اور دنیا کی رنگینیاں ایک مرکز پر جمع ہونے لگتی ہیں۔ دل کہتا ہے: ''سب کچھ وہی ہے، اور وہی کافی ہے''۔

## دائرہ کثرت کا حسن

جب نقطہ حرکت میں آتا ہے تو دائرہ بن جاتا ہے۔ دائرہ اُس کائنات کی علامت ہے جو اسی ایک نقطے کے گرد گردش کر رہی ہے۔ زمین کا چکر، چاند کی گردش، ستاروں کی ترتیب سب ایک مرکز کے تابع ہیں۔ دائرہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ساری کثرت کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔

وجدانی شعور میں دائرہ یہ سکھاتا ہے کہ زندگی کے تمام نشیب و فراز، خوشی و غم، ہار و جیت سب ایک ہی مرکز کی طرف لوٹتے ہیں۔ ہم جہاں بھی جائیں، دائرے کی کوئی نہ کوئی لکیر ہمیں واپس اُسی نقطے کی طرف لے آتی ہے۔ گویا انسان کی ساری تلاش، ساری بھٹکن، آخرکار اُسی وحدت پر ختم ہوتی ہے۔

## نقطہ اور دائرے کا باہمی راز

اگر نقطہ نہ ہو تو دائرہ وجود میں نہیں آ سکتا، اور اگر دائرہ نہ ہو تو نقطے کی حرکت ظاہر نہیں ہوتی۔ اسی طرح توحید کا راز یہ ہے کہ خالق اور مخلوق کا تعلق مرکز اور گردش کا تعلق ہے۔ خالق مرکز ہے قائم، باقی اور مستقل؛ مخلوق گردش ہے فانی، محتاج اور متغیر۔

سالک جب اس راز کو پا لیتا ہے تو اُس کے دل میں ایک عجب سکون اُترتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ وہ خود دائرے کی ایک لکیر ہے، اور اس کا مرکز اللہ کی ذات ہے۔ پھر اُس کی انا پگھلنے لگتی ہے، اور وہ اپنی ہستی کو اسی مرکز کے حوالے کر دیتا ہے۔

وجدانی انجام: نقطہ اور دائرۂ توحید کا پیغام یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے ایک ہی حقیقت کا مظہر ہے۔ جب انسان اس راز کو پا لیتا ہے تو اُس کے لیے دنیا کی کثرت بھی وحدت کا جلوہ بن جاتی ہے۔ ہر منظر میں وہی، ہر آواز میں وہی، ہر سانس میں وہی۔

تب دل کی گہرائی سے ایک صدا اٹھتی ہے:

''میں گردش میں ہوں، مگر میرا مرکز تو وہی ایک ہے''۔

اور یہی احساس، یہی وجدانی کیفیت، توحید کا حقیقی ذوق ہے؛ جہاں نقطہ بھی وہی ہے اور دائرہ بھی اُسی کے نور سے روشن۔

# سکون وحرکت-موت وحیات

سکون اور حرکت کائنات کی دو بنیادی حقیقتیں ہیں جو بظاہر ایک دوسرے کی ضد نظر آتی ہیں، مگر حقیقت میں یہ دونوں ایک ہی نظامِ وجود کے دو پہلو ہیں۔ سکون وہ حالت ہے جس میں شے اپنی مرکزیت پر قائم رہتی ہے، جبکہ حرکت اس کے اظہار اور وسعت کا نام ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ کسی نہ کسی درجے میں حرکت میں ہے، مگر اس کی ہر حرکت کسی نہ کسی سکون یعنی مرکز کے گرد جاری ہے۔ اگر سکون نہ ہو تو حرکت بے معنی ہو جائے، اور اگر حرکت نہ ہو تو سکون بے روح ہو جائے۔

عرفانی زاویے سے سکون دراصل قلب کی وہ کیفیت ہے جہاں انسان اپنے باطن میں ٹھہر کر حقیقتِ واحدہ سے جڑ جاتا ہے، جبکہ حرکت اس کے ظاہری سفر اور عمل کا نام ہے۔ سالک جب باطن میں سکون حاصل کرتا ہے تو اس کی حرکت بامقصد اور بابرکت ہو جاتی ہے۔ یوں سکون اور حرکت ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ تکمیل ہیں سکون انسان کو مرکز عطا کرتا ہے اور حرکت اسے اس مرکز کی طرف مسلسل سفر میں رکھتی ہے۔

## موت وحیات کا تصور

کائنات کی ہر شے دو کیفیتوں کے درمیان سانس لیتی ہے: ''سکون اور حرکت''۔ دن اور رات، جزر اور مد، سانس کا آنا اور جانا سب اسی راز کے مظاہر ہیں۔ یہی راز انسان کی زندگی میں ''موت وحیات'' کے تصور کو بھی روشن کرتا ہے۔ اہلِ دل کہتے ہیں کہ حرکت زندگی کی علامت ہے اور سکون موت کا استعارہ، مگر حقیقت اس سے کہیں گہری ہے۔

## حرکت حیات کی دھڑکن

حرکت زندگی کی علامت ہے۔ دل کی دھڑکن، خون کی روانی، فکر کی پرواز، یہ سب حیات کے نشان ہیں۔ انسان جب تک حرکت میں ہے، تلاش میں ہے، جدوجہد میں ہے، وہ زندہ ہے۔

وجدانی نظر سے حرکت صرف جسمانی نہیں، بلکہ روحانی بھی ہے۔ جب دل میں سوال اٹھتے ہیں، جب آنکھوں میں خواب جگمگاتے ہیں، جب روح اپنے رب کی طرف بڑھنے کی تمنا کرتی ہے، یہ سب زندگی کی حرکت ہے۔ حیات دراصل ایک سفر ہے؛ ایک مسلسل آگے بڑھنا، ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف روانگی۔

## سکون موت کا سکوت یا تکمیل کا ٹھہراؤ؟

عام نگاہ میں سکون موت کا نام ہے۔ جسم جب حرکت چھوڑ دے تو اسے موت کہتے ہیں۔ مگر عرفانی شعور میں سکون فنا نہیں بلکہ ایک نئی ابتدا ہے۔ جیسے بیج زمین میں دفن ہو کر ساکن دکھائی دیتا ہے، مگر اسی سکون میں نئی زندگی کی بنیاد رکھتا ہے۔

موت بھی ایسا ہی سکون ہے، ظاہری حرکت کا اختتام، مگر باطنی سفر کی ابتدا۔ روح جسم کے دائرے سے نکل کر ایک اور جہان کی طرف بڑھتی ہے۔ یوں سکون، حرکت کی ضد نہیں بلکہ اس کا تسلسل ہے۔

## موت وحیات کا باہمی ربط

حیات اور موت دو الگ حقیقتیں نہیں، بلکہ ایک ہی سلسلے کے دو مرحلے ہیں۔ جیسے سانس لینا اور چھوڑنا اگر ایک نہ ہوں تو دوسرا بھی ممکن نہیں۔ زندگی ہمیں حرکت سکھاتی ہے، اور موت ہمیں سکون کی قدر بتاتی ہے۔

انسان کی پوری زندگی انہی دونوں کے درمیان ایک رقص ہے۔ کبھی ہم حرکت میں ہیں، کبھی سکون میں۔ کبھی ہم دنیا کی دوڑ میں آگے بڑھتے ہیں، اور کبھی خاموشی میں اپنے اندر اتر جاتے ہیں۔ یہی توازن اصل حکمت ہے۔

وجدانی انجام: سکون و حرکت کا راز ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ موت سے ڈرنا نہیں چاہیے، کیونکہ وہ بھی حیات ہی کا ایک دروازہ ہے۔ اور زندگی کو غفلت میں نہیں گزارنا چاہیے، کیونکہ ہر حرکت ہمیں ایک دن سکون کی طرف لے جائے گی۔

جب دل اس حقیقت کو پالیتا ہے تو خوف ختم ہو جاتا ہے۔ انسان سمجھ جاتا ہے کہ وہ صرف جسم کی حرکت نہیں، بلکہ روح کا مسافر ہے۔ اس کی ہر سانس زندگی کی گواہی ہے، اور ہر خاموشی ابدی سکون کی یاددہانی ہے۔

تب روح آہستہ سے کہتی ہے:

''میں حرکت بھی ہوں اور سکون بھی؛ میں فنا بھی ہوں اور بقا کی جستجو بھی''۔

اور یہی ادراک، موت و حیات کے راز کو ایک وجدانی نور میں بدل دیتا ہے۔

# اللہ نے عالمین کو کیوں خلق کیا؟

اللہ تعالیٰ نے عالمین کو اپنی قدرت، حکمت اور ربوبیت کے اظہار کے لیے پیدا فرمایا۔ کائنات کا ہر ذرہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے جو علم، ارادہ اور قدرت کا مالک ہے۔ تخلیقِ کائنات کا مقصد یہ نہیں کہ اللہ کسی حاجت یا ضرورت کو پورا کرے، کیونکہ وہ ہر نیاز سے پاک ہے، بلکہ یہ اس کی شانِ خالقیت کا ظہور ہے کہ وہ عدم سے وجود کو ظاہر فرماتا ہے اور ہر شے کو ایک حکیمانہ نظام کے تحت قائم رکھتا ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

یعنی ''میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے''۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور جنات کی تخلیق کا بنیادی مقصد معرفتِ الٰہی اور عبادتِ ربانی ہے۔ عبادت محض ظاہری اعمال کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر شعور ہے جو بندے کو اپنے خالق کے ساتھ جوڑ دیتا ہے اور اس کی پوری زندگی کو مقصدیت عطا کرتا ہے۔

ایک اور پہلو یہ ہے کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے جہاں انسان کو اختیار دے کر آزمایا جا رہا ہے۔ ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ﴾ کے مطابق زندگی اور موت کو اس لیے پیدا کیا گیا کہ بندوں کا امتحان لیا جائے کہ کون بہتر عمل کرتا ہے۔ اس طرح عالمین کی تخلیق دراصل ایک آزمائش اور تربیت کا نظام ہے جس میں انسان کے باطن کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور اس کے اعمال کا حقیقی وزن سامنے آتا ہے۔

عرفانی زاویے سے دیکھا جائے تو کائنات اللہ کی صفاتِ جمال و جلال کا آئینہ ہے۔ ہر شے اس کی قدرت، رحمت، حکمت اور عدل کی تجلیات کو ظاہر کرتی ہے۔ بندہ

جب اس کائنات میں غور وفکر کرتا ہے تو اسے ہر طرف اپنے رب کی نشانیاں نظر آتی ہیں، جو اسے معرفت، محبت اور خشیت کی طرف لے جاتی ہیں۔ یوں عالمین کی تخلیق کا مقصد یہ بھی ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے، اس سے تعلق قائم کرے، اور اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنی اصل منزل تک پہنچ جائے۔

## ایک فکری و وجدانی جائزہ

یہ سوال صدیوں سے انسان کے دل و دماغ میں گردش کرتا آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بے نیاز، کامل اور ہر چیز سے مستغنی ہے تو اُس نے یہ وسیع کائنات اور تمام عالمین کو کیوں پیدا کیا؟

اسلامی تعلیمات کے مطابق اس تخلیق کے کئی حکیمانہ مقاصد ہیں۔

## اپنی معرفت اور پہچان کے لیے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اس نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔'' عبادت صرف ظاہری اعمال کا نام نہیں، بلکہ اللہ کی معرفت اور پہچان کا نام ہے۔ تخلیق دراصل اُس حقیقت کا آئینہ ہے جس میں اللہ کی صفات جلوہ گر ہوتی ہیں۔

اس کی ''قدرت'' کائنات کی وسعت میں ظاہر ہے۔
اس کی ''رحمت'' زندگی کی نعمتوں میں نمایاں ہے۔
اس کا ''علم'' ہر نظام کی ترتیب میں دکھائی دیتا ہے۔
یعنی مخلوق اللہ کی صفات کا مظہر ہے، تاکہ انسان اسے پہچان سکے۔

## آزمائش اور امتحان کے لیے

یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ انسان کو عقل، ارادہ اور اختیار دے کر بھیجا گیا ہے تاکہ وہ

خیر و شر میں فرق کر سکے۔ زندگی کا مقصد صرف جینا نہیں بلکہ ''صحیح طریقے سے جینا'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ اپنے اعمال کے ذریعے اپنی ابدی منزل کا تعین کرے۔

## رحمت کے اظہار کے لیے

اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی صفت رحمت ہے۔ تخلیق اسی رحمت کا ظہور ہے۔

کائنات میں ہر نعمت، ہوا، پانی، روشنی، محبت، رشتے سب اس کی رحمت کی علامت ہیں۔ اگر مخلوق نہ ہوتی تو رحمت کا ظہور کیسے ہوتا؟ یعنی تخلیق دراصل محبت اور کرم کی تجلی ہے۔

## عدل اور جزا کے نظام کے لیے

اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ اس نے دنیا کو اس طرح بنایا ہے کہ ہر عمل کا نتیجہ ہو۔

یہ دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت جزا کی۔ یعنی تخلیق کا مقصد ایک منصفانہ نظام قائم کرنا بھی ہے، جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے۔

## وجدانی پہلو

عرفانی انداز میں کہا جائے تو کائنات ایک عظیم نغمہ ہے، اور ہر مخلوق اس نغمے کی ایک صدا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالمین کو پیدا کیا تاکہ وہ اپنی قدرت، محبت اور حکمت کے جلوے ظاہر کرے۔

انسان جب غور کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس کائنات کا بے مقصد حصہ نہیں بلکہ ایک ذمہ دار مسافر ہے۔ اس کی زندگی کا ہر لمحہ معنی رکھتا ہے، اور ہر سانس ایک امانت ہے۔

نتیجہ: اللہ تعالیٰ نے تمام عالمین کو بے مقصد نہیں بلکہ حکمت، معرفت، آزمائش اور رحمت کے اظہار کے لیے پیدا کیا۔

یہ کائنات ایک کتاب ہے، اور انسان اس کتاب کا قاری بھی ہے اور کردار بھی۔ جو شخص اس راز کو سمجھ لیتا ہے، اس کی زندگی عبادت بن جاتی ہے اور اس کا ہر عمل مقصد سے بھر جاتا ہے۔

## تخلیق کا مقصد اور اللہ کی حکمت

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

(سورۃ الذاریات، آیت:56)

ترجمہ: ''اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

تفسیر وتشریح: یہ آیتِ کریمہ انسان اور جنات کی تخلیق کے بنیادی مقصد کو واضح کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو محض بے مقصد پیدا نہیں فرمایا بلکہ ان کی تخلیق کا اصل مقصد اپنی معرفت اور عبادت قرار دیا ہے۔ یہاں عبادت سے مراد صرف نماز، روزہ یا مخصوص اعمال ہی نہیں بلکہ ہر وہ عمل ہے جو اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے اور اس کے حکم کے مطابق ہو۔

مفسرین کے مطابق "لِيَعْبُدُوْنِ" کا ایک معنی "لِيَعْرِفُوْنِ" بھی لیا گیا ہے، یعنی "تاکہ وہ مجھے پہچانیں"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کی بنیاد معرفت ہے، کیونکہ جب بندہ اپنے رب کو پہچان لیتا ہے تو اس کی پوری زندگی بندگی میں ڈھل جاتی ہے۔ یہی معرفت انسان کے دل میں خشیت، محبت اور اطاعت پیدا کرتی ہے۔

اس آیت کا ایک اہم پیغام یہ بھی ہے کہ انسان کی زندگی بے مقصد نہیں۔ وہ اس

دنیا میں آزمائش کے لیے آیا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو سکے کہ کون اللہ کی بندگی کو اپنی زندگی کا محور بناتا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے، اس کی سوچ، اس کے اعمال اور اس کی ترجیحات سب بدل جاتی ہیں، اور وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی آخرت کی تیاری میں مشغول ہو جاتا ہے۔

عرفانی زاویے سے دیکھا جائے تو یہ آیت بندے کو اس کے اصل مقام کی یاد دہانی ہے۔ انسان جب اپنی حقیقت کو پہچان لیتا ہے تو وہ اپنے نفس کی غلامی سے نکل کر اپنے رب کی بندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہی بندگی اس کی نجات، سکون اور کمال کا ذریعہ بنتی ہے، اور وہ اپنی زندگی کو ایک اعلیٰ مقصد کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے تخلیق کے بنیادی مقصد کو واضح کرتی ہے:

1. عبادت کا مفہوم: عبادت صرف نماز، روزہ یا مذہبی رسوم تک محدود نہیں۔ قرآن کے علماء اور مفسرین کہتے ہیں کہ عبادت میں ہر نیکی، ہر حق کی پیروی، ہر اچھا عمل، اور ہر وہ صفت جو اللہ کی رضا کے لیے ہو، شامل ہے۔

2. تخلیق کی حکمت: اللہ تعالیٰ نے انسان اور جن کو پیدا کیا تاکہ وہ اپنی زندگی کو مقصد کے ساتھ گزاریں، عقل و شعور کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کو پہچانیں، اور اللہ کے سامنے عاجزی و اطاعت کا درس سیکھیں۔

3. انسان کے لیے رہنمائی: انسان کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اللہ کی رضا اور عبادت ہے۔ جب انسان یہ مقصد سمجھ لیتا ہے، تو اس کی زندگی کے ہر عمل میں نظم، سکون اور حکمت پیدا ہوتی ہے۔

## حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ:أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ

(صحیح البخاری حدیث نمبر:6465)

ترجمہ:امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل وہ ہے جو پابندی کے ساتھ کیا جائے، چاہے وہ (مقدار میں) کم ہی کیوں نہ ہو۔''

اسی مفہوم کی روایت (صحیح مسلم، حدیث نمبر:783) میں بھی وارد ہوئی ہے۔

تشریح: یہ حدیث ہمیں عبادت کی حقیقت اور اس کے روحانی راز سے آگاہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل کی کثرت سے زیادہ اس کی ''دوام'' اور ''اخلاص'' کی قدر ہے۔ جو عمل بندہ مستقل مزاجی کے ساتھ کرتا ہے، وہ اس کے دل میں ایک نور اور تعلق پیدا کر دیتا ہے، جو اسے آہستہ آہستہ قربِ الٰہی کی طرف لے جاتا ہے۔ تھوڑا سا عمل بھی اگر ہمیشہ کیا جائے تو وہ ایک مسلسل دریا کی مانند بن جاتا ہے جو دل کی زمین کو سیراب کرتا رہتا ہے۔

عارفین کے نزدیک اس حدیث میں سلوک و معرفت کا ایک عظیم اصول پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کی راہ میں چھوٹے چھوٹے اعمال کی پابندی، دل کو غفلت سے نکال کر حضورِ قلب میں لے آتی ہے۔ یہی دوام بندے کے اندر ایک ایسی کیفیت پیدا کرتا ہے جہاں وہ ہر لمحہ اپنے رب کی یاد میں جیتا ہے۔ اس کے برعکس، بڑے بڑے اعمال اگر ناپائیدار ہوں تو وہ دل میں وہ اثر پیدا نہیں کر پاتے جو مسلسل اور مداومت والے اعمال پیدا کرتے ہیں۔

یہ تعلیم ہمیں اعتدال، استقامت اور اخلاص کا درس دیتی ہے۔ بندہ جب اپنی عبادت کو بوجھ نہیں بلکہ ایک مستقل تعلق بنا لیتا ہے تو وہ اللہ کے قریب ہوتا چلا جاتا

ہے۔ یہی دوام دراصل محبت کی نشانی ہے، کیونکہ سچی محبت وہی ہے جو ہمیشہ قائم رہے، چاہے اس کا اظہار کم ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا یہ حدیث ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ زندگی میں چھوٹے مگر مستقل اعمال اختیار کریں، کیونکہ یہی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور مقبول ہیں۔

عرفان کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے عالمین کو اس لیے پیدا کیا تاکہ روحانیت کے سفر میں انسان اپنے خالق کو پہچان سکے۔

ہر سانس، ہر لمحہ، ہر جذباتی احساس، یہ سب عبادت کی شکل میں اللہ کی طرف رجوع کرنے کا ذریعہ ہیں۔

کائنات کا ہر رنگ، ہر شے، انسان کو یہ یاد دلاتی ہے کہ یہ زندگی صرف دنیوی نہیں بلکہ ایک وسیع روحانی سفر ہے، جس کا مقصد اللہ کی قربت اور معرفت ہے۔

اے دل! سوچو، کیوں پیدا ہوا یہ جہاں؟ ہر پھول کی خوشبو، ہر ندی کی روانی، ہر ستارے کی روشنی، سب ہمیں یہ کہتے ہیں: ''عبادت کرو، اپنے خالق سے محبت اور تعلق قائم رکھو!''

جب میں اپنے دل کی گہرائیوں میں جھانکتا ہوں، تو ہر عمل، ہر لمحہ، ہر سانس مجھے یہ یاد دلاتا ہے کہ میں اللہ کے لیے پیدا ہوا ہوں۔ میری زندگی کی ہر مسکان، ہر آنسو، ہر دعا، سب تیرے سامنے، اے میرے رب، تیرے قرب کے لیے ہیں۔

اے اللہ! تو ہی میرا خالق، میرا رازداں، اور میرا ہر لمحہ دیکھنے والا ہے۔ میری زندگی کے ہر قدم کو تیری قربت اور محبت کے لیے وقف کر دے۔

## تخلیق کا راز اور عبادت کی حقیقت

کائنات کی ہر رمق، ہر لمحہ، ہر روشنی، ہر ہوا کے جھونکے میں اللہ کی آواز گونجتی ہے: ''میں نے تمہیں پیدا کیا تاکہ تم مجھے پہچانو، مجھے یاد رکھو، اور میرے سامنے

عاجزی اور محبت کے ساتھ زندگی گزارو۔''

اے دل! غور کر، وہ ہر پھول، ہر ندی، ہر پہاڑ اور ہر ستارہ صرف تمہارے لیے اللہ کی نشانی ہے۔ تمہاری ہر سانس، ہر دھڑکن، ہر آنکھ کا پلک جھپکنا، یہ سب عبادت کا ذریعہ ہے، اگر تم اسے خالص دل سے اللہ کے لیے کر دو۔

عبادت صرف نماز، روزہ یا دعاؤں میں محدود نہیں ہے۔ ہر نیکی، ہر حق کی پیروی، ہر اچھا عمل جو اللہ کی رضا کے لیے ہو، عبادت ہے۔ یہ زندگی ایک مسلسل دعا ہے، ایک مسلسل یاد ہے، ایک مسلسل عشق ہے، جو ہمیں ہمارے خالق کی طرف لے جاتا ہے۔

## آؤ، دل کی گہرائی سے دعا کریں:

''اے میرے رب! میری ہر سانس، میری ہر مسکان، میرے ہر قدم کو تیرے لیے عبادت بنا دے۔ میری زندگی کو تیرے قربت کے سفر میں صرف کر دے۔ میں تیرے بغیر اس دنیا کی روشنی نہیں دیکھ سکتا، اور تیرے بغیر یہ زندگی میری روح کے لیے خالی ہے۔''

جب انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا ہر عمل، ہر لمحہ اللہ کی رضا کے لیے ہے، تو دنیا کی ہر شے عبادت اور معرفت کا آئینہ بن جاتی ہے۔ ہر خوشی میں اللہ کی رحمت، ہر دکھ میں اللہ کی حکمت، ہر لمحہ میں اللہ کی موجودگی، سب کچھ واضح ہو جاتا ہے۔

اے دل! یہ دنیا تیرے لیے نہیں، بلکہ تیرے رب کی محبت کے لیے ہے۔ ہر لمحہ، ہر نفس، ہر حرکت، صرف اس کے عشق اور عبادت کے لیے ہے۔ جب یہ حقیقت دل میں اتر جاتی ہے، تو انسان کی روح خود بخود اللہ کے قربت میں گم ہو جاتی ہے، اور ہر لمحہ ایک دعا، ایک محبت، ایک سکون بن جاتا ہے۔

# عالمین کی تخلیق - اللہ کی حکمت و محبت

عالمین کی تخلیق محض قوتِ قدرت کا اظہار نہیں، بلکہ حکمت اور رحمت کا حسین امتزاج ہے۔ اس کائنات کا ہر ذرہ، ہر نظام اور ہر توازن اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خالق نے اسے بے مقصد نہیں بنایا۔ زمین و آسمان کی ہم آہنگی، زندگی کے مراحل، اور مخلوقات کی باہمی وابستگی سب ایک ایسے علم کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو کامل ہے، اور ایک ایسی حکمت کی طرف جو خطا سے پاک ہے۔

یہ تخلیق محبت کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اللہ کی ربوبیت صرف پیدا کرنے تک محدود نہیں، بلکہ سنبھالنے، پرورش کرنے اور رہنمائی دینے تک پھیلی ہوئی ہے۔ انسان کو شعور دیا گیا، راستہ دکھایا گیا، اور پھر اختیار دیا گیا کہ وہ پہچانے اور لوٹے۔ یہ سب اس بات کی علامت ہے کہ خالق اپنی مخلوق کو صرف وجود نہیں دیتا، بلکہ اسے اپنی قربت کی طرف بلاتا بھی ہے نرمی سے، مہلت کے ساتھ، اور بار بار مواقع دے کر۔

جب بندہ اس کائنات کو اس نظر سے دیکھتا ہے تو اس کے لیے ہر منظر ایک پیغام بن جاتا ہے۔ ہوا کا چلنا، بارش کا برسنا، دل کا دھڑکنا سب اسے یاد دلاتے ہیں کہ وہ ایک ایسے رب کے نظام میں جی رہا ہے جو حکیم بھی ہے اور رحیم بھی۔ یوں تخلیق صرف دیکھنے کی چیز نہیں رہتی، بلکہ سمجھنے، محسوس کرنے اور شکر میں ڈھل جانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

ہر شے اللہ کی مرضی اور عبادت کی طرف رہنمائی

اے دل! سنو..... ہر پھول کی خوشبو، ہر ندی کی روانی، ہر بارش کی بوند، اور ہر ستارے کی روشنی تمہیں یہ پیغام دے رہی ہے:

''میں نے تمہیں پیدا کیا تا کہ تم مجھے پہچانو، مجھے یاد رکھو، اور ہر لمحہ میری محبت اور

عبادت میں گزارو"۔

یہ کائنات ایک عظیم راز ہے، ہر ذرّہ، ہر لمحہ، ہر سانس اللہ تعالیٰ کی مرضی کا آئینہ ہے۔ سوچو! تمہاری ہر دھڑکن، ہر پلک کا جھپکنا، ہر احساس، سب اللہ کے علم اور قدرت میں بندھا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ تمہیں اپنے خالق کی معرفت کی طرف بلا رہا ہے۔

عبادت صرف نماز یا روزہ نہیں، بلکہ ہر لمحہ، ہر عمل، ہر نیک سوچ، جو دل سے اللہ کی رضا کے لیے ہو، وہ عبادت ہے۔

جب انسان اپنی زندگی کو اس مقصد کے لیے وقف کر دیتا ہے، تو ہر خوشی میں اللہ کی نعمت نظر آتی ہے، ہر دکھ میں اللہ کی حکمت کا راز کھلتا ہے، اور ہر لمحہ ایک دعا، ایک عشق، اور ایک قربت بن جاتا ہے۔

اے میرے رب! میری روح تیرے عشق میں گم ہو جائے۔ میری ہر سانس تیرے ذکر کی خوشبو سے مہک جائے۔ میری ہر مسکان تیری رضامندی کا آئینہ بن جائے۔ میری آنکھیں تیرے جمال کی روشنی دیکھیں، اور میرا دل ہر لمحہ تیری محبت میں جھومتا رہے۔

جب میں سوچتا ہوں کہ میں تیرے لیے پیدا ہوا ہوں، تو میری زندگی کا ہر لمحہ عبادت بن جاتا ہے، ہر عمل تیرے قربت کا ذریعہ، اور ہر دل کی دھڑکن تیرے عشق کی صدا بن جاتی ہے۔

اے اللہ! تیرے بغیر یہ کائنات خاموش، یہ زندگی بے رنگ، اور یہ دل خالی ہے۔ تیرے ساتھ ہر شے روشن، ہر لمحہ مقدس، اور ہر احساس محبت سے معمور ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے کہ اللہ نے عالمین کو پیدا کیا: ہمیں اپنے قربت، اپنے عشق اور اپنی عبادت کے لیے۔ ہر سانس، ہر لمحہ، ہر احساس، اور ہر حرکت بس تیرے لیے ہے، اے میرے خالق اور مالک!

# اللہ کی حکمت - حاضری کا احساس

جب بندہ نگاہِ دل سے دیکھنا سیکھ لیتا ہے تو ہر شے میں حکمت کے نقش ابھرنے لگتے ہیں۔ جو پہلے محض واقعات لگتے تھے، وہ معنی بن جاتے ہیں؛ جو بکھرا ہوا محسوس ہوتا تھا، وہ ایک مربوط نظم میں جڑ جاتا ہے۔ دکھ بھی پیغام بن جاتا ہے اور خوشی بھی شکر کی صدا یوں زندگی کا ہر لمحہ ایک تعلیم بن کر سامنے آتا ہے کہ کچھ بھی بے سبب نہیں۔

یہی ادراک آہستہ آہستہ ''حضور'' کے احساس میں ڈھلتا ہے ایک ایسی کیفیت جہاں بندہ خود کو تنہا نہیں پاتا۔ وہ جان لیتا ہے کہ ہر حال میں ایک نظرِ عنایت اس کے ساتھ ہے، ایک علم اسے محیط کیے ہوئے ہے، اور ایک رحمت اسے تھامے ہوئے ہے۔ اس احساس میں خوف کم ہوتا ہے اور اعتماد بڑھتا ہے؛ بے چینی سکون میں بدلتی ہے، اور دل ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔

پھر بندگی ایک عمل نہیں رہتی، ایک کیفیت بن جاتی ہے۔ چلنا بھی ذکر بن جاتا ہے، خاموشی بھی دعا۔ بندہ ہر شے میں اس کی حکمت کو پہچان کر تسلیم میں ڈھل جاتا ہے، اور اسی تسلیم میں اسے قرب کا راستہ ملتا ہے ایسا قرب جو لفظوں سے نہیں، دل کے یقین سے ناپا جاتا ہے۔

اے دل! غور کر..... ہر پھول کی نرمی، ہر درخت کی شاخوں کی سرسراہٹ، ہر ندی کی روانی، ہر بارش کی بوند، اور ہر ستارے کی چمک تمہیں یہ پیغام دے رہے ہیں:

''میں نے تمہیں پیدا کیا تاکہ تم مجھے پہچانو، میرا ذکر کرو، اور اپنی ہر سانس میں میری محبت بساؤ''۔

یہ کائنات ایک زندہ کتاب ہے، جس کے ہر حرف میں اللہ کی حکمت چھپی ہوئی ہے۔ ہر پہاڑ، ہر دریا، ہر بادل، ہر روشنی، ہر ہوا کی حرکت، سب ہمیں اپنے خالق کی معرفت کی طرف بلا رہے ہیں۔

سوچو! تمہاری ہر دھڑکن، ہر سانس، ہر آنکھ کی پلک کا جھپکنا، یہ سب اللہ کے علم اور قدرت کے تابع ہے۔ تمہاری زندگی کے ہر لمحے میں وہ موجود ہے، تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے، اور تمہیں اپنے قریب بلانے کے لیے ہر لمحہ نئے سبق دے رہا ہے۔

جب انسان اپنی زندگی کو اللہ کے قرب کے لیے وقف کر دیتا ہے، تو ہر لمحہ ایک روشنی، ہر خوشی ایک نعمت، اور ہر دکھ ایک سبق بن جاتا ہے۔ ہر سانس، ہر نظر، ہر جذبہ اللہ کے عشق کا پیغام پہنچاتا ہے۔

اے میرے رب! میری روح تیرے عشق میں ڈوب جائے، میری آنکھیں تیرے جمال کی روشنی دیکھیں، اور میرا دل تیرے حضور کی محبت سے سرشار ہو۔ میری ہر سانس تیرے ذکر کی خوشبو لے کر آئے، میری ہر مسکان تیری رضامندی کا آئینہ بن جائے، اور میری ہر سوچ صرف تیرے عشق میں ڈوب جائے۔

جب میں یہ سوچتا ہوں کہ میں تیرے لیے پیدا ہوا ہوں، تو میری زندگی کا ہر لمحہ عبادت، ہر عمل تیرے قربت کا ذریعہ، اور ہر دھڑکن تیرے عشق کی صدا بن جاتی ہے۔ اے اللہ! تیرے بغیر یہ دنیا خالی، یہ زندگی بے رنگ، اور یہ دل بے مقصد ہے۔ تیرے ساتھ ہر لمحہ مقدس، ہر شے روشنی، اور ہر سانس محبت سے معمور ہے۔

اللہ نے عالمین کو پیدا کیا تاکہ ہم تیرے قربت اور معرفت کے سفر میں ہر لمحہ تیری طرف بڑھیں۔ ہر لمحہ ایک دعا، ہر لمحہ ایک عشق، ہر لمحہ ایک قربت بن جائے۔ یہ زندگی، یہ کائنات، یہ ہر شے، سب تیرے لیے ہے، اے میرے خالق، اے میرے مالک، اے میرے رازداں!

## ہر شے میں اللہ کی موجودگی اور روحانی مقصد

اے دل! سنو..... سنو وہ خاموش صدا جو ہر شے میں چھپی ہے۔ ہر پھول کی خوشبو، ہر ندی کی روانی، ہر بادل کی گرج، ہر ستارے کی چمک، سب تمہیں یہ کہتے

ہیں:

''میں نے تمہیں پیدا کیا تا کہ تم میری محبت کو پہچانو، میری عبادت کرو، اور اپنی ہر سانس میں میرا ذکر بساؤ''۔

کائنات کے ہر گوشے میں ایک راز ہے، ہر منظر میں ایک سبق ہے۔ ہر پہاڑ کی بلندی، ہر سمندر کی وسعت، ہر آسمان کی روشنی، یہ سب اللہ کی حکمت کی گواہی دیتے ہیں۔

اے دل! تمہاری ہر دھڑکن، ہر سانس، ہر نظر، ہر جذبہ، سب اللہ کی قدرت کے تابع ہیں۔ تمہیں ہر لمحہ اپنے خالق کی طرف پلٹنے کا پیغام ملتا ہے، اور ہر لمحہ تمہیں اس کی محبت کی خوشبو سے معمور کیا جاتا ہے۔

جب انسان اپنی زندگی کو اللہ کی قربت کے لیے وقف کر دیتا ہے، تو ہر لمحہ نور، ہر خوشی رحمت، اور ہر غم حکمت بن جاتا ہے۔ ہر سانس، ہر نظر، ہر احساس اللہ کی محبت کا پیغام لے کر آتا ہے۔

اے میرے رب! میری روح تیرے عشق میں جھومے، میری آنکھیں تیرے جمال کی روشنی دیکھیں، اور میرا دل تیرے حضور کی محبت سے سرشار ہو۔ میری ہر مسکان تیری رضا کی عکاس ہو، میری ہر سوچ تیرے عشق میں ڈوبی ہو، اور میری ہر سانس تیرے ذکر کی خوشبو لے کر آئے۔

جب میں یہ جان لیتا ہوں کہ میں تیرے لیے پیدا ہوا ہوں، تو میری زندگی کا ہر لمحہ عبادت بن جاتا ہے، ہر عمل تیری قربت کا ذریعہ بن جاتا ہے، اور ہر دل کی دھڑکن تیرے عشق کی صدا سناتی ہے۔

اے اللہ! تیرے بغیر یہ دنیا ایک خالی منظر ہے، یہ زندگی بے رنگ، اور یہ دل بے مقصد ہے۔ تیرے ساتھ ہر لمحہ مقدس، ہر شے روشنی، اور ہر سانس محبت سے معمور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالمین کو پیدا کیا تا کہ ہم ہر لمحہ اس کے قربت اور معرفت کے سفر میں بڑھیں۔ ہر لمحہ ایک دعا، ہر لمحہ ایک عشق، اور ہر لمحہ ایک قربت بن جائے۔ یہ زندگی، یہ کائنات، یہ ہر شے، سب تیرے لیے ہے، اے میرے خالق، اے میرے مالک، اے میرے رازدان!

## اللہ کی محبت وحکمت

ہر پھول کی خوشبو، ہر روشنی کا جھلکنا، ہر ندی کی روانی، ہر ہوا کا سرسراہنا، کہتا ہے یہ سب، اے دل! سنو، جان لو، میں نے تمہیں پیدا کیا، بس مجھے پہچان لو۔

ہر پہاڑ کی بلندی، ہر سمندر کی وسعت، ہر ستارے کی چمک، ہر لمحے کی حقیقت، یہ سب اللہ کی حکمت کی زباں ہیں، ہر ذرّے میں اُس کی محبت کی جان ہیں۔

اے دل! سنو، تمہاری ہر دھڑکن، ہر سانس، ہر پلک کا جھپکنا، ہر آنکھ کی کشائش، سب اللہ کی قدرت کے زیرِ اثر ہے، ہر لمحہ اُس کی محبت کا پیغام ہے، ہر کلام ہے۔

اے میرے رب! میری روح تیرے عشق میں ڈوب جائے، میری ہر مسکان تیری رضا کی آئینہ ہو جائے، میری ہر سانس تیرے ذکر کی خوشبو لے کر آئے، میرا ہر لمحہ تیرے قربت کا سفر بن جائے۔

جب میں یہ جان لیتا ہوں کہ میں تیرے لیے پیدا ہوا، تو میری زندگی عبادت کا نور بن جاتی ہے، ہر عمل تیرے قربت کا ذریعہ، ہر دل کی دھڑکن تیرے عشق کی صدا بن جاتی ہے۔

اللہ نے عالمین کو پیدا کیا تا کہ ہم ہر لمحہ اس کے قربت اور معرفت کے سفر میں بڑھیں، ہر لمحہ دعا، ہر لمحہ عشق، ہر لمحہ محبت اور قربت کا راز ہو۔ یہ زندگی، یہ کائنات، یہ ہر شے، سب تیرے لیے ہے، اے میرے خالق، اے میرے مالک، اے میرے

رازدان، اے میرے رب!

## ہر شے میں اللہ کی موجودگی - روحانی راز

اے دل! سنو وہ خاموش صدا جو ہر لمحے، ہر شے میں چھپی ہے: ہر پھول کی خوشبو، ہر ندی کی روانی، ہر ستارے کی روشنی، ہر ہوا کی سرسراہٹ، یہ سب تمہیں یہ کہتے ہیں:

''میں نے تمہیں پیدا کیا تا کہ تم مجھے پہچانو، مجھے یاد رکھو، اور اپنی ہر سانس میں میری محبت بساؤ۔

ہر پہاڑ کی بلندی، ہر سمندر کی وسعت، ہر آسمان کی روشنی، ہر تارے کی چمک، یہ سب اللہ کی حکمت کی زباں ہیں، ہر ذرّے میں اُس کی محبت کی زبان ہے، ہر لمحے میں اُس کی صدا ہے۔

اے دل! غور کر، تمہاری ہر دھڑکن، ہر سانس، ہر پلک کا جھپکنا، ہر نظر، ہر خیال، سب اللہ کی قدرت کے تابع ہیں، ہر لمحہ تمہیں اپنے خالق کی معرفت کی طرف بلاتا ہے، ہر لمحہ تمہیں اُس کی محبت کی خوشبو سے معمور کرتا ہے۔

عبادت جو دل سے اللہ کی رضا کے لیے ہو، وہ عبادت ہے، وہ قربت ہے، وہ نور ہے۔

اے میرے رب! میری روح تیرے عشق میں گم ہو جائے، میری ہر مسکان تیرے رضا کا آئینہ بن جائے، میری ہر سانس تیرے ذکر کی خوشبو لے کر آئے، میرا ہر لمحہ تیرے قربت کا سفر بن جائے، میری ہر سوچ تیرے عشق میں ڈوبی ہو، اور میرا دل ہر لمحہ تیرے حضور جھومتا رہے۔

جب میں یہ جان لیتا ہوں کہ میں تیرے لیے پیدا ہوا ہوں، تو میری زندگی عبادت کا نور بن جاتی ہے، ہر عمل تیرے قربت کا ذریعہ، ہر دل کی دھڑکن تیرے عشق

کی صدا بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالمین کو پیدا کیا تا کہ ہم ہر لمحہ اس کے قربت اور معرفت کے سفر میں بڑھیں، ہر لمحہ دعا، ہر لمحہ عشق، ہر لمحہ محبت اور قربت کا راز ہو۔

یہ زندگی، یہ کائنات، یہ ہر شے، سب تیرے لیے ہے، اے میرے خالق، اے میرے مالک، اے میرے رازدان، اے میرے رب!

## عالمین کی تخلیق: اللہ کی محبت اور قربت

اے دل! سنو وہ خاموش صدا جو ہر لمحے، ہر شے میں گونجتی ہے: ہر پھول کی خوشبو، ہر ندی کی روانی، ہر بادل کی بارش، ہر ستارے کی روشنی، یہ سب تمہیں یہ پیغام دے رہے ہیں: ''میں نے تمہیں پیدا کیا تا کہ تم مجھے پہچانو، مجھے یاد رکھو، اور اپنی ہر سانس میں میری محبت بساؤ''۔

کائنات کے ہر گوشے میں ایک راز چھپا ہے، ہر منظر میں اللہ کی حکمت کا پیام ہے، ہر ذرّے میں اُس کی قدرت، ہر لمحے میں اُس کی صدا، اور ہر دل کی دھڑکن میں اُس کی محبت کی بازگشت ہے۔

اے دل! غور کر، تمہاری ہر سانس، ہر نظر، ہر پلک کا جھپکنا، ہر احساس، ہر خیال، سب اللہ کے علم اور قدرت کے تابع ہے۔

تمہارے ہر لمحے میں وہ موجود ہے، تمہیں ہر قدم پر اپنی قربت کی طرف کھینچ رہا ہے، اور ہر لمحہ تمہیں اپنی محبت کی خوشبو سے معمور کر رہا ہے۔

عبادت صرف نماز یا روزہ نہیں، ہر نیکی، ہر اچھا عمل، ہر حق کی پیروی، جو دل سے اللہ کی رضا کے لیے ہو، وہ عبادت ہے، وہ قربت ہے، وہ نور ہے۔

اے میرے رب! میری روح تیرے عشق میں جھومے، میری ہر مسکان تیرے رضا کا آئینہ ہو جائے، میری ہر سانس تیرے ذکر کی خوشبو لے کر آئے، میرا ہر

لمحہ تیرے قربت کا سفر بن جائے، میری ہر سوچ تیرے عشق میں ڈوبی ہو، اور میرا دل ہر لمحہ تیرے حضور جھومتا رہے۔

جب میں یہ جان لیتا ہوں کہ میں تیرے لیے پیدا ہوا ہوں، تو میری زندگی عبادت کا نور بن جاتی ہے، ہر عمل تیرے قربت کا ذریعہ، ہر دل کی دھڑکن تیرے عشق کی صدا بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالمین کو پیدا کیا تا کہ ہم ہر لمحہ اس کے قربت اور معرفت کے سفر میں بڑھیں، ہر لمحہ دعا، ہر لمحہ عشق، ہر لمحہ محبت اور قربت کا راز ہو۔ یہ زندگی، یہ کائنات، یہ ہر شے، سب تیرے لیے ہے، اے میرے خالق، اے میرے مالک، اے میرے رازدان، اے میرے رب! ہر لمحہ، ہر سانس، ہر جذبہ، بس تیرے لیے ہے، اے عشقِ مطلق، اے محبتِ لامحدود!

## ہر شے میں اللہ کی موجودگی اور عرفانی راز

اے دل! سنو..... وہ خاموش صدا جو ہر لمحے، ہر شے میں گونجتی ہے، ہر پھول کی خوشبو، ہر درخت کی ہریالی، ہر ندی کی روانی، ہر بادل کی بارش، ہر ستارے کی چمک، سب تمہیں یہی کہتے ہیں: ''میں نے تمہیں پیدا کیا، بس مجھے پہچانو'' اپنی ہر سانس، اپنی ہر دھڑکن، اپنی ہر سوچ میں ''میری محبت بساؤ''۔

ہر پہاڑ کی بلندی، ہر سمندر کی وسعت، ہر آسمان کی روشنی، ہر تارے کی جھلک، یہ سب اللہ کی حکمت کے پیغام ہیں، ہر ذرّے میں اُس کی قدرت، ہر لمحے میں اُس کی صدا، اور ہر دل کی دھڑکن میں اُس کی محبت کی بازگشت ہے۔ اے دل! غور کر، تمہاری ہر پلک کا جھپکنا، ہر نظر، ہر سانس، ہر احساس، ہر خیال، سب اللہ کے علم اور قدرت کے تابع ہیں۔

تمہاری ہر حرکت، تمہاری ہر سوچ، تمہیں ہر لمحہ اپنے قربت کی طرف کھینچ رہی ہے، اور ہر لمحہ تمہیں اپنی محبت کی خوشبو سے معمور کر رہی ہے۔

وہ قربت ہے، وہ نور ہے۔اے میرے رب! میری روح تیرے عشق میں جھومے، میری ہر مسکان تیرے رضا کا آئینہ ہو جائے، میری ہر سانس تیرے ذکر کی خوشبو لے کر آئے، میرا ہر لمحہ تیرے قربت کا سفر بن جائے، میری ہر سوچ تیرے عشق میں ڈوبی ہو، اور میرا دل ہر لمحہ تیرے حضور جھومتا رہے۔

جب میں یہ جان لیتا ہوں کہ میں تیرے لیے پیدا ہوا ہوں، تو میری زندگی عبادت کا نور بن جاتی ہے، ہر عمل تیرے قربت کا ذریعہ، ہر دل کی دھڑکن تیرے عشق کی صدا بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالمین کو پیدا کیا تا کہ ہم ہر لمحہ اس کے قربت اور معرفت کے سفر میں بڑھیں، ہر لمحہ دعا، ہر لمحہ عشق، ہر لمحہ محبت اور قربت کا راز ہو۔ یہ زندگی، یہ کائنات، یہ ہر شے، سب تیرے لیے ہے، اے میرے خالق، اے میرے مالک، اے میرے رازدان، اے میرے رب! ہر لمحہ، ہر سانس، ہر جذبہ، بس تیرے لیے ہے، اے عشقِ مطلق، اے محبتِ لامحدود!

## ہر شے میں اللہ کی موجودگی اور روحانی کیفیت

اے دل! سنو.....سنو وہ صدا جو ہر لمحے گونج رہی ہے، ہر پھول، ہر ندی، ہر درخت، ہر بادل تمہیں یہ کہہ رہا ہے: ''میں نے تمہیں پیدا کیا، بس مجھے پہچانو'' ''اپنی ہر سانس، اپنی ہر دھڑکن، اپنی ہر سوچ میں میری محبت بساؤ''۔

ہر پہاڑ کی بلندی، ہر سمندر کی وسعت، ہر آسمان کی روشنی، ہر تارے کی جھلک، یہ سب اللہ کی حکمت کے پیغام ہیں، ہر ذرّے میں اُس کی قدرت، ہر لمحے میں اُس کی صدا، اور ہر دل کی دھڑکن میں اُس کی محبت کی بازگشت ہے۔

اے دل! غور کر، تمہاری ہر پلک کا جھپکنا، ہر نظر، ہر سانس، ہر خیال، ہر احساس، سب اللہ کے علم اور قدرت کے تابع ہیں۔

تمہاری ہر حرکت تمہیں اپنے قربت کی طرف لے جاتی ہے، ہر لمحہ تمہیں اپنی محبت کی خوشبو سے معمور کرتی ہے۔

اے میرے رب! میری روح تیرے عشق میں جھومے، میری ہر مسکان تیرے رضا کا آئینہ بن جائے، میری ہر سانس تیرے ذکر کی خوشبو لے کر آئے، میرا ہر لمحہ تیرے قربت کا سفر بن جائے، میری ہر سوچ تیرے عشق میں ڈوبی ہو، اور میرا دل ہر لمحہ تیرے حضور جھومتا رہے۔

جب میں یہ جان لیتا ہوں کہ میں تیرے لیے پیدا ہوا ہوں، تو میری زندگی عبادت کا نور بن جاتی ہے، ہر عمل تیرے قربت کا ذریعہ، ہر دل کی دھڑکن تیرے عشق کی صدا بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالمین کو پیدا کیا تا کہ ہم ہر لمحہ اس کے قربت اور معرفت کے سفر میں بڑھیں، ہر لمحہ دعا، ہر لمحہ عشق، ہر لمحہ محبت اور قربت کا راز ہو۔

یہ زندگی، یہ کائنات، یہ ہر شے، سب تیرے لیے ہے، اے میرے خالق، اے میرے مالک، اے میرے رازدان، اے میرے رب! ہر لمحہ، ہر سانس، ہر جذبہ، بس تیرے لیے ہے، اے عشقِ مطلق، اے محبتِ لامحدود!

## ہر شے میں اللہ کی موجودگی اور ہر دل کی دھڑکن

اے دل! سنو، سنو وہ صدا جو ہر لمحے گونج رہی ہے، ہر پھول کی خوشبو، ہر درخت کی ہریالی، ہر ندی کی روانی، ہر بادل کی بارش، ہر ستارے کی چمک، سب تمہیں یہی کہتے ہیں: ''میں نے تمہیں پیدا کیا، بس مجھے پہچانو، اپنی ہر سانس، اپنی ہر دھڑکن، اپنی ہر سوچ میں میری محبت بساؤ''۔ ہر پہاڑ کی بلندی، ہر سمندر کی وسعت، ہر آسمان کی روشنی، ہر تارے کی جھلک، یہ سب اللہ کی حکمت کے پیغام ہیں، ہر ذرّے میں اُس کی قدرت، ہر لمحے میں اُس کی صدا، اور ہر دل کی دھڑکن میں اُس کی محبت کی بازگشت ہے۔

اے دل! غور کر، تمہاری ہر پلک کا جھپکنا، ہر نظر، ہر سانس، ہر احساس، ہر خیال سب اللہ کے علم اور قدرت کے تابع ہیں۔

تمہاری ہر حرکت، ہر سوچ، تمہیں اپنے قربت کی طرف لے جاتی ہے، ہر لمحہ تمہیں اپنی محبت کی خوشبو سے معمور کرتی ہے۔

اے میرے رب! میری روح تیرے عشق میں جھومے، میری ہر مسکان تیرے رضا کا آئینہ بن جائے، میری ہر سانس تیرے ذکر کی خوشبو لے کر آئے، میرا ہر لمحہ تیرے قربت کا سفر بن جائے، میری ہر سوچ تیرے عشق میں ڈوبی ہو، اور میرا دل ہر لمحہ تیرے حضور جھومتا رہے۔

جب میں یہ جان لیتا ہوں کہ میں تیرے لیے پیدا ہوا ہوں، تو میری زندگی عبادت کا نور بن جاتی ہے، ہر عمل تیرے قربت کا ذریعہ، ہر دل کی دھڑکن تیرے عشق کی صدا بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالمین کو پیدا کیا تاکہ ہم ہر لمحہ اس کے قربت اور معرفت کے سفر میں بڑھیں، ہر لمحہ دعا، ہر لمحہ عشق، ہر لمحہ محبت اور قربت کا راز ہو۔

یہ زندگی، یہ کائنات، یہ ہر شے، سب تیرے لیے ہے، اے میرے خالق، اے میرے مالک، اے میرے رازدان، اے میرے رب! ہر لمحہ، ہر سانس، ہر جذبہ، بس تیرے لیے ہے، اے عشقِ مطلق، اے محبتِ لامحدود!

# اللہ کی شانِ خالقیت

(وجود میں بھی اور عدم میں بھی)

اللہ کی خالقیت ایک ایسی حقیقت ہے جو وجود اور عدم دونوں کو اپنے احاطۂ قدرت میں لیے ہوئے ہے۔ وہی ذات ہے جو عدمِ محض سے وجود کو ظہور بخشتی ہے، اور پھر وجود کو اپنے حکم سے باقی رکھتی ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ، ہر لحظہ، اسی کی تخلیقی شان کا آئینہ دار ہے۔ عدم میں بھی اس کی قدرت کارفرما ہے اور وجود میں بھی اس کی حکمت جلوہ گر گویا جو کچھ ہے اور جو کچھ نہیں ہے، سب اسی کے ارادہ و اختیار کے تابع ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک وجود اور عدم کا فرق بھی ایک پردہ ہے، ورنہ حقیقت میں ہر شے کا قیام اللہ کی ذات سے ہے۔ جب بندہ اس راز کو سمجھنے لگتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اپنا وجود بھی عاریتی ہے، اصل حقیقت صرف خالق کی ہے۔ عدم اس کی قدرت کی خاموش گواہی ہے اور وجود اس کی قدرت کا بولتا ہوا اظہار۔ یہ ادراک انسان کو اپنے نفس کی نفی اور رب کی اثبات کی طرف لے جاتا ہے، جہاں "میں" مٹنے لگتا ہے اور "وہ" ظاہر ہونے لگتا ہے۔

یہی شعور بندے کے دل میں خشیت، محبت اور عاجزی پیدا کرتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا، اور جو کچھ ہے، وہ بھی اسی کی عطا ہے۔ پھر وہ اپنے رب کے حضور سراپا نیاز بن جاتا ہے، کیونکہ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ پیدا کرنا، باقی رکھنا اور فنا کرنا سب اسی کے اختیار میں ہے۔ اس طرح اللہ کی خالقیت کا یہ عرفانی فہم بندے کو حقیقتِ وجود کی گہرائیوں تک لے جاتا ہے، جہاں ہر طرف اسی کی قدرت اور وحدانیت کی تجلی دکھائی دیتی ہے۔

# اللہ کی تخلیق اور قدرت کی لازمی حقیقت

اللہ کی تخلیق اور اس کی قدرت ایک ایسی لازمی حقیقت ہے جو کائنات کے ہر ذرّے میں واضح نظر آتی ہے۔ زمین و آسمان کی وسعت، سورج اور چاند کا باقاعدہ نظام، پہاڑوں کی مضبوطی، دریاؤں کا بہاؤ اور انسان کی پیچیدہ ساخت یہ سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک عظیم اور حکمت والا خالق موجود ہے۔ ہر چیز اپنے مقررہ اصول کے تحت چل رہی ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ سب کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک مکمل اور باقاعدہ نظام کا حصہ ہے۔ اللہ کی قدرت نہ صرف کائنات کی تخلیق میں ظاہر ہوتی ہے بلکہ ہر لمحہ اس کی نگہبانی اور نظام کو قائم رکھنے میں بھی جلوہ گر ہے، جو انسان کو غور و فکر اور اپنے رب کی پہچان کی دعوت دیتی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝

(سورۃ الفرقان، 2:25)

ترجمہ: وہ جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین کی ہے اور جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا اندازہ ٹھیک ٹھیک مقرر کیا۔

تشریح: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مطلق خالقیت اور قدرت کی لازمی حقیقت کو واضح کرتی ہے:

1. مطلق خالقیت: اللہ تعالیٰ کا وجود اور خالق ہونا کسی چیز کے وجود یا عدم سے

مشروط نہیں۔ اگر کائنات نہ بھی ہوتی، تو اللہ اپنی ذات میں کامل خالق اور صاحب قدرت ہی رہتا۔

2. وجود اور عدم کی آزادی: اللہ تخلیق کے بغیر بھی وہ اپنی صفات میں کامل ہے۔ اس کی خالقیت کسی شے کی موجودگی یا غیر موجودگی سے محدود نہیں۔

3. انسان کے لیے سبق: یہ انسان کو اللہ کی عظمت اور اس کی ذات کی مکمل خودمختاری کا شعور دلاتی ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہر شے کی حقیقت اللہ کی مشیت کے تابع ہے، اور یہ مشیت اس کی ذات کی قدرت اور علم کے بغیر ممکن نہیں۔

## حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرُهُ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ، وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ، ثُمَّ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

(صحیح البخاري، باب بدء الخلق، حدیث نمبر: 3191)
(صحیح مسلم، حدیث: 2540)

ترجمہ: عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس وقت موجود تھا جب اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی، اور اس کا عرش پانی پر تھا، اس نے ہر چیز کو محفوظ شدہ تختی میں لکھا، پھر اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔

تشریح: یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی ازلیت اور اس کی مطلق خالقیت کو واضح کرتی

ہے۔ "کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ شَیْءٌ غَیْرُہٗ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے موجود ہے، جبکہ باقی ہر چیز حادث اور مخلوق ہے۔ یعنی کائنات کا وجود اللہ کے وجود کا محتاج ہے، مگر اللہ کسی چیز کا محتاج نہیں۔ یہی عقیدہ توحید کی بنیاد ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان واضح فرق قائم رکھا جائے۔

عرفانی اعتبار سے یہ حدیث انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ وجودِ حقیقی صرف اللہ کا ہے، اور باقی سب وجود اسی کے فیض سے قائم ہیں۔ جب بندہ اس حقیقت کو سمجھتا ہے تو اس کا دل دنیا کی ظاہری کثرت سے ہٹ کر وحدتِ حقیقی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کا آغاز اور انجام اسی ایک ذات کے ہاتھ میں ہے۔

اس حدیث میں تقدیر (قضاء وقدر) کا بھی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پہلے ہی لکھ دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کا نظام محض اتفاق نہیں بلکہ ایک حکیمانہ اور مقدر نظام کے تحت چل رہا ہے۔ یہ یقین بندے کے دل میں سکون، توکل اور اللہ پر کامل اعتماد پیدا کرتا ہے، اور وہ ہر حال میں اپنے رب کی حکمت پر راضی رہتا ہے۔

تشریح: حدیث یہ واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی اور صفات، مخلوق کے وجود یا عدم سے مشروط نہیں ہیں۔ اللہ کا وجود، علم، قدرت اور خالقیت، ہر زمان و مکان سے ماورا ہے۔ یہ انسان کو اللہ کی مطلق خودمختاری اور لازمی عظمت کی معرفت دیتی ہے۔

## وسعتِ قلب کی ایک کیفیت

وسعتِ قلب ایک ایسی باطنی کیفیت ہے جس میں انسان کا دل تنگی، حسد اور نفرت سے نکل کر کشادگی، صبر اور محبت کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت میں

انسان دوسروں کی غلطیوں کو برداشت کرنے لگتا ہے، معاف کرنے میں سکون محسوس کرتا ہے اور ہر حال میں خیر ہی دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ دل کی وہ وسعت ہے جو انسان کو چھوٹے چھوٹے دکھوں اور شکایتوں سے بلند کر دیتی ہے، اور اس کے اندر ایک نرم مزاجی اور اطمینان پیدا کرتی ہے جو اس کے کردار میں نمایاں نظر آتی ہے۔

جب دل وسیع ہو جاتا ہے تو انسان کا رویہ بھی بدل جاتا ہے؛ وہ دوسروں کے لیے آسانی پیدا کرتا ہے، سختی کے بجائے نرمی اختیار کرتا ہے اور اپنے رب پر کامل بھروسا رکھتا ہے۔ ایسی کیفیت میں انسان دنیا کے مسائل کو بھی ایک آزمائش سمجھ کر صبر سے قبول کرتا ہے اور شکر گزاری کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔ وسعتِ قلب دراصل روح کی وہ پاکیزگی ہے جو انسان کو نہ صرف دوسروں کے قریب کرتی ہے بلکہ اسے اللہ کی قربت کا بھی احساس دلاتی ہے۔

## اللہ کی خالقیت: وجود اور عدم میں بھی

اللہ کی خالقیت ایک ایسی مطلق حقیقت ہے جو وجود اور عدم دونوں پر محیط ہے۔ وہی ذات ہے جو عدم سے وجود کو پیدا کرتی ہے اور وجود کو دوبارہ عدم میں لوٹانے پر بھی کامل قدرت رکھتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز خواہ وہ نظر آئے یا پوشیدہ ہو اسی کے حکم سے وجود میں آتی ہے اور اسی کے اذن سے فنا ہوتی ہے۔ اس کی خالقیت کسی مادی وسیلے یا وقت کی پابند نہیں، بلکہ اس کا ''کن فیکون'' ہر شے کے ظہور اور زوال کا سرچشمہ ہے۔ انسان جب اس حقیقت پر غور کرتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کا اپنا وجود بھی ایک عطیہ ہے، اور اس کا ہر لمحہ اسی خالقِ حقیقی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

اے میرے رب! میں تجھ پر نظر رکھوں، تجھ پر بھروسہ کروں، تجھ پر عشق کروں، کیونکہ تو ہر شے سے آزاد، ہر حالت میں کامل، اور ہر لمحہ اپنے وجود کی روشنی میں قائم ہے۔

## ہر شے کے بغیر بھی اللہ کی کامل عظمت

ہر شے کے بغیر بھی اللہ کی کامل عظمت اپنی جگہ قائم ودائم ہے، کیونکہ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں بلکہ ہر چیز اسی کی محتاج ہے۔ کائنات کا وجود، اس کی وسعتیں اور اس کی خوبصورتی یہ سب اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں، مگر اس کی عظمت ان سب سے ماورا ہے۔ اگر کچھ بھی نہ ہو، نہ زمان ہو نہ مکان، تب بھی اللہ اپنی ذات میں کامل، ازلی اور ابدی ہے، اور اس کی بڑائی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

انسان جب اس حقیقت پر غور کرتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اللہ کی شان کسی ظاہری وجود یا مخلوق سے وابستہ نہیں۔ وہ ہر حالت میں عظیم ہے، چاہے کچھ ہو یا نہ ہو۔ یہی ادراک انسان کے دل میں عاجزی، یقین اور سچی بندگی پیدا کرتا ہے، اور اسے یہ سمجھ آتی ہے کہ اصل طاقت، عزت اور کمال صرف اسی ذات کے لیے ہے جو ہر شے سے بے نیاز اور ہر چیز پر قادر ہے۔

## زمین وآسمان کے بغیر بھی اللہ کی کامل عظمت

اللہ کی عظمت زمین وآسمان کی موجودگی کی محتاج نہیں، بلکہ وہ تو ازل سے کامل اور بے نیاز ہے۔ کائنات کا ہونا یا نہ ہونا اس کی شانِ ربوبیت میں کوئی کمی یا اضافہ نہیں کرتا، کیونکہ وہ خود اپنی ذات میں کامل ہے۔ زمین وآسمان تو اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں، مگر اس کی عظمت ان سے پہلے بھی تھی اور ان کے بعد بھی رہے گی۔ انسان جب اس حقیقت کو سمجھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی بڑائی کسی مخلوق یا ظاہری نظام پر منحصر نہیں، بلکہ وہ ہر حال میں عظیم، برتر اور لامحدود قدرت والا ہے۔

## اللہ کی کامل عظمت کی معرفت

اللہ کی کامل عظمت کی معرفت انسان کے دل و عقل کو روشن کر دیتی ہے اور اسے اپنی حقیقت کا صحیح ادراک عطا کرتی ہے۔ جب انسان کائنات کی نشانیوں پر غور کرتا ہے اور اپنے اندر جھانکتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات ہر حد اور تصور سے بلند ہے۔ اس کی عظمت نہ صرف اس کی تخلیق میں ظاہر ہے بلکہ اس کی صفاتِ کاملہ علم، قدرت، رحمت اور حکمتمیں بھی نمایاں ہے۔ حقیقی معرفت یہ ہے کہ انسان اپنی عاجزی کو پہچانے اور اللہ کی بے پایاں بزرگی کے سامنے سر جھکا دے، کیونکہ اسی ادراک میں دل کا سکون، روح کی پاکیزگی اور زندگی کا اصل مقصد پوشیدہ ہے۔

## اللہ کی کامل عظمت ایک وجدانی کیفیت

اللہ کی کامل عظمت ایک وجدانی کیفیت ہے جو الفاظ سے زیادہ دل میں محسوس کی جاتی ہے۔ جب انسان خاموشی میں کائنات پر غور کرتا ہے یا اپنے باطن کی گہرائیوں میں جھانکتا ہے تو اسے ایک ایسی ہیبت اور محبت کا احساس ہوتا ہے جو اسے اپنے خالق کی طرف کھینچتا ہے۔ یہ کیفیت عقل کی حدوں سے آگے بڑھ کر دل پر اثر انداز ہوتی ہے، جہاں انسان خود کو بے بس اور اللہ کو ہر شے پر قادر پاتا ہے، اور اسی احساس میں ایک عجیب سا سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔

یہ وجدانی ادراک انسان کو غرور سے پاک کرتا اور عاجزی سے بھر دیتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ اصل بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کا اپنا وجود محض ایک امانت ہے۔ اس کیفیت میں عبادت محض ایک فرض نہیں رہتی بلکہ ایک محبت بھرا تعلق بن جاتی ہے، جہاں بندہ اپنے رب کے قرب کو محسوس کرتا ہے۔ یہی احساس انسان کی زندگی کو معنی دیتا ہے اور اسے ہر حال میں اللہ کی رضا کی طرف مائل رکھتا ہے۔

## اللہ کی کامل عظمت اور ایک فکری شعور

اللہ کی کامل عظمت کا ادراک جب فکری شعور کے ساتھ جڑتا ہے تو انسان کی سوچ میں ایک گہری تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ وہ کائنات کے نظام، اس کے نظم وضبط اور اس کی حکمت پر غور کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ سب کسی بے مقصد اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک علیم وحکیم خالق کی نشانی ہے۔ ایسا شعور انسان کو اندھی تقلید سے نکال کر غور وفکر، تدبر اور حقیقت کی تلاش کی طرف لے جاتا ہے، جہاں وہ ہر شے میں اللہ کی قدرت اور حکمت کے آثار دیکھنے لگتا ہے۔

یہ فکری بیداری انسان کے عمل اور رویے کو بھی سنوار دیتی ہے۔ وہ اپنی زندگی کو ایک ذمہ داری کے طور پر دیکھتا ہے اور اپنے فیصلوں میں عدل، دیانت اور توازن کو اختیار کرتا ہے۔ اللہ کی عظمت کا شعور اسے غرور سے بچاتا اور عاجزی کی طرف مائل کرتا ہے، جبکہ اسے یہ احساس بھی دلاتا ہے کہ اس کا ہر عمل ایک بڑے مقصد کا حصہ ہے۔ یوں یہ ادراک نہ صرف انسان کی فکر کو روشن کرتا ہے بلکہ اس کی پوری زندگی کو ایک بامعنی سمت عطا کرتا ہے۔

## اللہ کی کامل عظمت کا روحانی اثر

اللہ کی کامل عظمت کا روحانی اثر انسان کے دل کو گہرائی سے بدل دیتا ہے، جہاں خوف اور محبت کا ایک حسین توازن پیدا ہوتا ہے۔ جب بندہ اس کی بڑائی اور قدرت کو محسوس کرتا ہے تو اس کے اندر ایک عاجزی جنم لیتی ہے، غرور ختم ہونے لگتا ہے اور دل نرمی اختیار کر لیتا ہے۔ یہ احساس انسان کو گناہوں سے دور اور نیکیوں کی طرف مائل کرتا ہے، کیونکہ وہ ہر لمحہ یہ شعور رکھتا ہے کہ وہ ایک ایسی ذات کے سامنے ہے جو ہر چیز پر قادر اور ہر حال سے باخبر ہے۔

یہ روحانی کیفیت انسان کو سکونِ قلب اور اطمینانِ روح عطا کرتی ہے۔ پریشانیوں اور آزمائشوں میں بھی وہ مایوس نہیں ہوتا بلکہ اللہ پر بھروسا رکھتا ہے، کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کی حکمت ہر حال میں بہتر ہے۔ اللہ کی عظمت کا یہ اثر انسان کے باطن کو پاکیزہ بناتا ہے اور اس کے کردار میں صبر، شکر اور محبت کو نمایاں کرتا ہے، یوں اس کی زندگی ایک متوازن اور بامقصد راستے پر گامزن ہو جاتی ہے۔

## ہر شے کے بغیر بھی اللہ کی کامل عظمت کی خوشبو

ہر شے کے بغیر بھی اللہ کی کامل عظمت کی خوشبو ایک ایسی روحانی حقیقت ہے جو محسوس تو کی جا سکتی ہے مگر بیان سے ماورا ہے۔ یہ خوشبو کسی مادی وجود کی محتاج نہیں، بلکہ دل کی گہرائیوں میں اس وقت اُترتی ہے جب انسان خود کو ہر سہارے سے خالی کر کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کیفیت میں نہ زمان و مکان کی قید رہتی ہے اور نہ ظاہری اسباب کی ضرورت بس ایک لطیف سا احساس ہوتا ہے کہ ایک عظیم، بے نیاز اور ہمیشہ رہنے والی ذات موجود ہے، جو ہر حال میں کامل ہے۔

یہ خوشبو انسان کے باطن کو معطر کر دیتی ہے، اس کے اندر سکون، یقین اور محبت کی ایک خاموش لہر پیدا ہوتی ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ اصل تعلق اسی ذات سے ہے جو ہر شے سے بالا اور ہر کمی سے پاک ہے۔ اس ادراک کے ساتھ زندگی کے دکھ ہلکے لگنے لگتے ہیں اور دل میں ایک گہرا اطمینان جنم لیتا ہے، جیسے روح اپنے اصل کی طرف لوٹنے کا راستہ پا گئی ہو۔

## اللہ کی کامل عظمت لامحدود

اللہ کی کامل عظمت لامحدود ہے، جس کی کوئی حد، انتہا یا پیمانہ انسانی تصور میں نہیں آ سکتا۔ اس کی بڑائی نہ وقت کی پابند ہے، نہ مکان کی قید میں آتی ہے، بلکہ وہ ہر حد

سے ماورا اور ہر تصور سے بلند ہے۔ کائنات کی وسعتیں، آسمانوں کی بلندی اور کہکشاؤں کی بے شمار تہیں بھی اس کی قدرت کے مقابلے میں محض ایک چھوٹا سا مظہر ہیں۔ اس کی عظمت کا کوئی آغاز نہیں اور نہ ہی کوئی انجام، کیونکہ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

یہ لامحدود عظمت انسان کے دل میں حیرت، عاجزی اور سکون پیدا کرتی ہے۔ جب بندہ اس حقیقت پر غور کرتا ہے تو اس کے تمام غرور ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ اپنی کمزوری کو پہچان لیتا ہے۔ اسی ادراک میں ایک عجیب سا روحانی اطمینان پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسی ذات موجود ہے جو ہر چیز پر محیط ہے، مگر خود کسی چیز کی محتاج نہیں۔ یہی احساس انسان کو ایمان، توکل اور بندگی کی گہرائیوں تک لے جاتا ہے۔

## ہر شے کے بغیر بھی اللہ کی کامل عظمت باقی

ہر شے کے بغیر بھی اللہ کی کامل عظمت باقی رہتی ہے، کیونکہ اس کی ذات کسی مخلوق یا نظام کی محتاج نہیں۔ اگر کائنات کا تصور بھی ختم ہو جائے، نہ زمین ہو نہ آسمان، نہ وقت ہو نہ مکان، تب بھی اس کی شانِ ربوبیت اور اس کی بے پایاں عظمت اپنی جگہ مکمل اور قائم رہے گی۔ وہ ازل سے موجود ہے اور ہر شے کا وجود اسی کے ارادے سے وابستہ ہے، مگر اس کا اپنا وجود کسی وابستگی کا محتاج نہیں۔

یہ حقیقت انسان کے اندر ایک گہرا فکری اور روحانی شعور پیدا کرتی ہے کہ اصل کمال صرف اسی ذات کے لیے ہے جو ہر کمی اور ہر حاجت سے پاک ہے۔ اس ادراک کے ساتھ دل میں عاجزی، یقین اور سکون پیدا ہوتا ہے، اور انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر اللہ کی عظمت ہمیشہ باقی رہنے والی حقیقت ہے جو کبھی زوال پذیر نہیں ہوتی۔

## ہر حال میں اللہ کی عظمت مکمل ہے

ہر حال میں اللہ کی عظمت مکمل ہے، کیونکہ اس کی شان کسی بدلتی ہوئی حالت، وقت یا مخلوق کی موجودگی کی محتاج نہیں۔ وہ ہر لحہ کامل، بے نیاز اور ہر نقص سے پاک ہے۔ چاہے کائنات کے حالات کیسے بھی ہوں، نظامِ عالم کیسے بھی تغیرات سے گزرے، اس کی عظمت میں نہ کبھی کمی آتی ہے اور نہ کوئی اضافہ ممکن ہے، کیونکہ کمال اس کی ذات کا ازلی وصف ہے۔

انسان جب اس حقیقت کو سمجھتا ہے تو اس کے دل میں ایک گہرا سکون اور اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ ہر حال میں ایک ایسی ذات موجود ہے جو ہر چیز پر کامل اختیار رکھتی ہے اور جس کا فیصلہ ہمیشہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہی شعور انسان کو اضطراب سے نکال کر یقین، صبر اور توکل کی راہ پر لے جاتا ہے، جہاں وہ ہر کیفیت میں اپنے رب کی عظمت کو محسوس کرتا ہے۔

## اللہ کی کامل عظمت کبھی ماند نہیں پڑتی

اللہ کی کامل عظمت کبھی ماند نہیں پڑتی، کیونکہ وہ کسی زمانے، روشنی یا تغیر کی محتاج نہیں۔ اس کی شان نہ وقت کے ساتھ کم ہوتی ہے اور نہ حالات کے بدلنے سے متاثر ہوتی ہے۔ کائنات کے تمام مناظر بدلتے رہتے ہیں، نسلیں آتی اور جاتی ہیں، مگر اس کی عظمت اپنی ازلی اور ابدی حیثیت کے ساتھ ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ وہی ذات ہے جس کا کمال ہر لمحے اپنی پوری شان کے ساتھ موجود رہتا ہے۔

یہ حقیقت انسان کو یہ شعور عطا کرتی ہے کہ اصل دوام صرف اللہ کی ذات کو حاصل ہے۔ جب بندہ اس ادراک تک پہنچتا ہے تو اس کے دل میں دنیا کی ناپائیداری واضح ہو جاتی ہے اور وہ اپنے رب کی طرف زیادہ متوجہ ہونے لگتا ہے۔

یہی احساس اسے یقین، سکون اور استقامت بخشتا ہے کہ وہ ایسی عظیم ہستی کے زیرِ سایہ ہے جس کی عظمت کبھی مدھم نہیں پڑتی۔

## عظمت الٰہی کا کامل وجدان

عظمتِ الٰہی کا کامل وجدان ایک ایسی باطنی کیفیت ہے جو الفاظ اور دلیل سے آگے، براہِ راست دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس حالت میں انسان کائنات کو صرف ایک نظام نہیں بلکہ ایک حکیم و قدیر خالق کی جلوہ گاہ کے طور پر دیکھنے لگتا ہے۔ ہر شے میں اسے ایک ہی حقیقت کی جھلک محسوس ہوتی ہے کہ سب کچھ اسی عظیم ذات کے قبضۂ قدرت میں ہے، جو ہر تصور سے بلند اور ہر کمی سے پاک ہے۔

یہ وجدان انسان کے اندر گہری عاجزی اور سکون پیدا کرتا ہے۔ دل کا اضطراب کم ہونے لگتا ہے اور ایک خاموش یقین جنم لیتا ہے کہ وہ کسی بے سہارا وجود نہیں بلکہ ایک لامحدود رحمت و قدرت رکھنے والی ذات کے زیرِ سایہ ہے۔ اس کیفیت میں عبادت محض رسم نہیں رہتی بلکہ ایک زندہ احساس بن جاتی ہے، جہاں بندہ اپنے رب کی عظمت کو اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور اسی احساس میں اس کی روح کو قرار ملتا ہے۔

اے انسان! ''میں نے تمہیں پیدا کیا، یا نہ کیا، میری عظمت، میری خالقیت، میری ذات کی کامل حقیقتہر حالت میں قائم اور لامحدود ہے''۔ اگر زمین، آسمان، یہ کائنات سب نہ بھی ہوتے، تو کیا اللہ کی قدرت میں کمی آ جاتی؟ نہیں! اللہ کی ذات مطلق ہے، ہر شے سے آزاد، ہر زمان و مکان سے ماورا، ہر وجود اور عدم سے بالاتر، اور ہر لمحہ اپنی ذات کی روشنی میں کامل ہے۔

یہ دنیا، یہ کائنات، یہ ہر لمحہ صرف تیرے وجود کی جھلک ہیں، لیکن تیرے وجود کا نور اور تیری خالقیت کی حقیقت ہر شے اور ہر لمحے سے ماورا ہے۔

## اللہ کی مطلق خالقیت کا عرفان

اللہ کی مطلق خالقیت کا عرفان اس ادراک کا نام ہے کہ ہر شے کا وجود اسی کی مشیت اور قدرت سے قائم ہے، اور اس کے بغیر کسی چیز کا وجود ممکن نہیں۔ وہی ذات ہے جو عدم سے وجود عطا کرتی ہے اور وجود کو فنا کرنے پر بھی مکمل اختیار رکھتی ہے۔ کائنات کی ہر حرکت، ہر نظام اور ہر ترتیب اسی کی تخلیقی حکمت کا مظہر ہے، جو کسی مددگار، سبب یا محتاجی سے پاک ہے۔

جب انسان اس حقیقت کو سمجھنے لگتا ہے تو اس کی نظر میں کائنات کی ہر چیز ایک امانت اور نشانی بن جاتی ہے۔ وہ اپنے وجود کو بھی ایک عطا سمجھتا ہے اور تکبر کے بجائے عاجزی اختیار کرتا ہے۔ یہ عرفان انسان کے دل میں یقین، توکل اور شکر پیدا کرتا ہے، اور اسے یہ احساس دلاتا ہے کہ اصل خالق صرف ایک ہی ہے، جس کی قدرت مطلق اور جس کی خالقیت ہر تصور سے بلند ہے۔

اے دل! جان لے کہ اللہ کی خالقیت، چاہے کچھ بھی پیدا ہو یا نہ ہو، ہمیشہ کامل، ہمیشہ نورانی، ہمیشہ لامحدود اور ہر چیز سے ماورا ہے۔ میرا دل، میری روح، میری ہر سانس، بس تیرے عشق، تیرے ذکر، تیرے قربت کے لیے ہے، اور ہر لمحہ میں، ہر نظر میں، ہر جذبے میں، میں تیری عظمت اور محبت کے سحر میں غرق ہوں۔

## انتہائی عرفانی و وجدان

انتہائی عرفانی و وجدانی کیفیت میں انسان الفاظ اور تصورات کی حدوں سے آگے نکل کر ایک خاموش شعور کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے، جہاں ہر شے ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی محسوس ہوتی ہے۔ اس حالت میں کائنات کا ہر منظر، ہر سکوت اور ہر حرکت ایک ہی پیغام دیتا ہے کہ ایک ایسی ذات موجود ہے جو ہر بیان

سے بلند، ہر حد سے ماورا اور ہر ادراک سے وسیع ہے۔ یہاں نہ دلیل کی ضرورت رہتی ہے نہ وضاحت کی بس ایک اندرونی یقین ہوتا ہے جو دل کو بھر دیتا ہے۔

اس وجدانی گہرائی میں انسان اپنے وجود کو بھی ایک عارضی پردہ سمجھنے لگتا ہے، اور اصل حقیقت کو صرف اس عظیم خالق میں دیکھتا ہے جو ہر شے کا سرچشمہ ہے۔ یہ احساس انسان کے اندر ایک ایسی نرمی، عاجزی اور سکون پیدا کرتا ہے کہ اس کی انا پگھلنے لگتی ہے اور دل ایک غیر معمولی اطمینان سے بھر جاتا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جہاں عرفان، محبت اور خاموشی ایک دوسرے میں مدغم ہو کر روح کو ایک نئی وسعت عطا کرتے ہیں۔

اگر زمین، آسمان، یہ کائنات سب نہ بھی ہوتے، تو کیا اللہ کی قدرت میں کمی آ جاتی؟ نہیں! اللہ کی ذات مطلق ہے، ہر شے سے آزاد، ہر زمان و مکان سے ماورا، ہر وجود اور عدم سے بالاتر، اور ہر لمحہ اپنی ذات کی روشنی میں کامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالمین کو پیدا کیا یا نہ کیا، اس کی خالقیت اور عظمت کبھی کم نہیں ہوتی۔ یہ دنیا، یہ کائنات، یہ ہر لمحہ صرف تیرے وجود کی جھلک ہیں،

لیکن تیرے وجود کا نور اور تیری خالقیت کی حقیقت ہر شے اور ہر لمحے سے ماورا ہے۔

## انسان کو خلق کیوں کیا گیا؟

اس سوال کا بنیادی جواب قرآنِ مجید میں بہت واضح انداز میں بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت اور معرفت کے لیے پیدا فرمایا۔ یعنی انسان کی تخلیق کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے، اس کی بندگی کرے اور اپنی زندگی کو اس کی رضا کے مطابق گزارے۔ عبادت صرف نماز اور مخصوص اعمال تک محدود نہیں بلکہ پوری زندگی میں اللہ کی اطاعت، اخلاق، نیکی اور حق پر قائم رہنے کا نام

ہے۔

اس کے ساتھ انسان کو زمین پر ایک ذمہ داری بھی دی گئی ہے، جسے خلافت کہا جاتا ہے۔ یعنی انسان کو یہ اختیار اور آزمائش دی گئی کہ وہ زمین میں عدل قائم کرے، خیر کو پھیلائے اور فساد سے بچے۔ اس طرح انسان کی زندگی ایک امتحان بھی ہے، جہاں اس کے اعمال، نیت اور رویے کے ذریعے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو کس حد تک سمجھتا اور پورا کرتا ہے۔

اے دل! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان میں نے انسان کو پیدا کیا، صرف میری عبادت کے لیے، اور میں مطلق خالق ہوں، چاہے وہ پیدا ہو یا نہ ہو"۔ اگر زمین، آسمان، یہ کائنات سب نہ بھی ہوتے، تو بھی اللہ کی ذات کامل، بے نیاز اور لا محدود رہتی۔ چاہے انسان ہوتا یا نہ ہوتا، چاہے جنات ہوتے یا نہ ہوتے، اللہ کی عظمت، قدرت اور علم ہر لمحہ قائم ہے، اور ہر شے اُس کے وجود کی روشنی کی جھلک ہے۔

## انسان کی تخلیق اور اللہ کی مطلق خالقیت

اللہ اپنی قدرت کاملہ کے اظہار سے فرماتا ہے کہ اے انسان! "میں نے انسان کو پیدا کیا، صرف میری عبادت کے لیے، اور میں مطلق خالق ہوں، چاہے وہ پیدا ہو یا نہ ہو"۔ اگر زمین، آسمان، یہ کائنات سب نہ بھی ہوتے، تو بھی اللہ کی ذات کامل، بے نیاز اور لا محدود رہتی۔ چاہے انسان ہوتا یا نہ ہوتا، چاہے جنات ہوتے یا نہ ہوتے، اللہ کی عظمت، قدرت اور علم ہر لمحہ قائم ہے، اور ہر شے اُس کے وجود کی روشنی کی جھلک ہے۔

انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت ہے، اور عبادت کی ہر شکل دل کی تسلیم اور اللہ کی رضا کی طلب سے مکمل ہوتی ہے۔

چاہے انسان پیدا ہو یا نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی مطلق خالقیت کبھی متاثر نہیں ہوتی۔

یہ عرفانی اور وجدانی حقیقت انسان کو یہ شعور دیتی ہے کہ ہر لمحہ اللہ کے عشق اور قربت کی جانب رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

## دل بیکراں کی آواز

اے دل! سنو، سنو وہ صدا جو ہر لمحے، ہر ذرّے میں گونج رہی ہے، ہر پھول کی خوشبو، ہر بادل کی رمق، ہر ستارے کی چمک، ہر ہوا کا سرسراہنا، یہ سب تجھے یہی کہتے ہیں:

اے دل! غور کر، ہر سانس، ہر دھڑکن، ہر خیال، سب کچھ اللہ کی قدرت کا مظہر ہے، ہر نیت، ہر عمل، ہر محبت اُس کی رضا کے لیے پیدا ہوئی۔ یہ دنیا اور ہر لمحہ بس ایک آئینہ ہے، تیرے خالق کی عظمت، اس کی محبت اور قربت کا۔

عبادت صرف نماز، روزہ یا ظاہری اعمال نہیں، بلکہ دل کی تسلیم، نیت کی خالصیت، اور علم و محبت سب عبادت کا حصہ ہیں۔ ہر لمحہ، ہر فکر، ہر سوچ تیرے خالق کی معرفت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

اے اللہ! تو ہی میرا سب کچھ، تو ہی میرا نور، میرا سکون، میری منزل، اور تیرے بغیر یہ دل کچھ بھی نہیں! اے اللہ! میں تیرے عشق میں فنا ہو جاؤں، میری ہر خواہش، ہر سوچ، ہر لمحہ تیرے نام ہو، میرا ہر عمل تیرے قربت کا آئینہ بن جائے، اور میری زندگی تیرے ذکر اور محبت کی روشنی میں ڈوب جائے۔ اے دل! جان لے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت ہے، اور عبادت صرف دل کی تسلیم اور اللہ کی رضا کی طلب ہے۔

چاہے انسان پیدا ہو یا نہ ہو، اللہ کی مطلق خالقیت کبھی کم نہیں ہوتی، یہ حقیقت روح کو سکون، دل کو نور، اور زندگی کو مقصد دیتی ہے۔

# اللہ کی قربت اور معرفت

اللہ کی قربت اور معرفت انسان کی روحانی زندگی کا سب سے بلند مقام ہے، جہاں بندہ اپنے رب کو صرف مانتا ہی نہیں بلکہ دل کی گہرائی سے پہچاننے اور محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ قربت ظاہری فاصلے کی بات نہیں بلکہ دل کے جھکاؤ، اخلاص اور مسلسل یاد سے پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان اپنی خواہشات کو اللہ کی رضا کے تابع کر دیتا ہے اور اپنے اعمال میں اخلاص اختیار کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک خاص سکون اور روشنی پیدا ہونے لگتی ہے، جو اسے اپنے خالق کے قریب کر دیتی ہے۔

معرفتِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کائنات کی ہر نشانی میں اللہ کی قدرت، حکمت اور رحمت کو پہچاننے لگے۔ یہ ادراک اسے غرور سے نکال کر عاجزی کی طرف لے جاتا ہے اور اس کے اندر شکر، صبر اور توکل پیدا کرتا ہے۔ جیسے جیسے یہ معرفت بڑھتی ہے، ویسے ویسے دل دنیا کی فانی چیزوں سے ہٹ کر اپنے اصل مقصد کی طرف مائل ہوتا جاتا ہے، اور انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ حقیقی سکون صرف اللہ کی قربت میں ہی ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت، معرفت، اور قربت کے لیے پیدا کیا۔
اللہ کی مطلق خالقیت انسان کی موجودگی یا غیر موجودگی سے متاثر نہیں ہوتی۔
یہ حقیقت انسان کو یاد دلاتی ہے کہ ہر لمحہ، ہر عمل، ہر نیت
اللہ کی رضا، قربت اور محبت کی طرف رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

# انسان کو شرفِ خلقیت کیوں بخشا گیا؟

انسان کو شرفِ تخلیق اس لیے عطا کیا گیا کہ اسے محض ایک عام مخلوق نہیں بلکہ عقل، شعور اور ارادہ رکھنے والی ذمہ دار ہستی بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کی صلاحیت، صحیح و غلط میں تمیز اور انتخاب کی آزادی دی تاکہ وہ اپنی زندگی کو شعوری طور پر حق اور خیر کے راستے پر لے جائے۔ یہی خصوصیات اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتی ہیں اور اسے زمین پر ایک خاص مقام عطا کرتی ہیں۔

اس شرف کا ایک اہم پہلو خلافت اور امتحان ہے۔ انسان کو زمین میں یہ ذمہ داری دی گئی کہ وہ عدل قائم کرے، اخلاقی اقدار کو اپنائے اور اللہ کی اطاعت کے ذریعے اپنی صلاحیتوں کو صحیح سمت میں استعمال کرے۔ یہ شرف دراصل ایک امانت ہے، جو انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد صرف دنیاوی فائدہ نہیں بلکہ ایک اعلیٰ روحانی اور اخلاقی ہدف کی تکمیل بھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ

(سورۃ البقرۃ:۳۰)

ترجمہ: اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔

تشریح: اس آیت میں انسان کو زمین پر ''خلیفہ'' یعنی اللہ کا نمائندہ اور نائب قرار دیا گیا ہے۔ شرفِ خلقیت کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو

صرف مادی دنیا کا حصہ نہیں بنایا بلکہ اسے زمین پر اللہ کے نمائندے کے طور پر مقام عطا کیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي اٰدَمَ

(بنی اسرائیل:70)

یعنی: ''اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت و شرف عطا کیا.....''

تفسیر و تشریح: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے مقام و مرتبہ کا ایک عظیم اعلان ہے۔ اللہ نے بنی آدم کو محض ایک مخلوق کے طور پر نہیں بلکہ عزت، شرف اور فضیلت کے ساتھ پیدا فرمایا۔ انسان کو عقل، شعور، بیان، اور انتخاب کی آزادی عطا کی گئی جو اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ کرامت انسان کی تخلیقی ساخت، اس کی ذمہ داری، اور اس کے مقصدِ حیات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

مفسرین کے مطابق ''تکریم' میں کئی پہلو شامل ہیں: انسان کو بہترین صورت میں پیدا کرنا، اسے زمین پر خلافت عطا کرنا، خشکی و تری میں اس کے لیے وسائل مہیا کرنا، اور اسے علم و معرفت کی صلاحیت دینا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں تصرف کا اختیار دیا تاکہ وہ عدل، خیر اور اصلاح کے ذریعے اپنی ذمہ داری ادا کرے۔ یہی تکریم اس کی آزمائش بھی ہے کہ وہ اس مقام کا صحیح استعمال کرتا ہے یا نہیں۔

عرفانی زاویے سے دیکھا جائے تو یہ آیت انسان کو اس کی اصل حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ وہ محض مٹی کا پتلا نہیں بلکہ اللہ کی ایک معزز مخلوق ہے جس میں روحِ الٰہی کی نسبت اور شعور کی روشنی موجود ہے۔ یہ شرف انسان کو عاجزی بھی سکھاتا ہے اور ذمہ داری بھی عطا کرتا ہے۔ جب انسان اپنی کرامت کو پہچان لیتا ہے تو وہ ظلم، فساد اور گناہ سے بچ کر شکر اور اطاعت کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

آخر میں یہ آیت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ انسان کی عزت اس کے مال، نسل یا طاقت میں نہیں بلکہ اس کے اخلاق، ایمان اور عملِ صالح میں ہے۔ جو شخص اللہ کی عطا

کردہ اس کرامت کا صحیح استعمال کرتا ہے، وہی حقیقی معنوں میں معزز ہے، اور جو اس سے غفلت برتتا ہے وہ اپنے مقام کو خود ضائع کر دیتا ہے۔

* انسان کی عقل، فہم، اختیار اور سوچنے کی طاقت اسی شرف کی دلیل ہے۔

* اللہ نے انسان کو زمین کی تخلیق میں ذمہ دار بنایا، اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی معرفت، عبادت اور اخلاقی ذمہ داری بھی عطا فرمائی۔

* اگر اللہ تعالیٰ نے انسان یا عالمین کو پیدا نہ کیا ہوتا، تب بھی وہ خالق مطلق رہتا۔ یعنی اللہ کی ذات کی برتری اور عظمت کسی مخلوق پر منحصر نہیں۔

یہ آیت انسان کو مقام اور ذمہ داری دونوں سکھاتی ہے: شرفِ خلقیت اس کی عزت اور ذمہ داری کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

## حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:

خَلَقَ اللهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ، طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا...

(صحيح البخاري، :3326 صحيح مسلم، :2841)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا، ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔

تشریح: یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص شرف اور امتیاز کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ "صورت" سے مراد اللہ کی صفات نہیں بلکہ وہ صفات ہیں جو اللہ نے انسان کو عطا کیں، جیسے سننا، دیکھنا، بولنا وغیرہ لیکن یہ سب محدود اور مخلوق کی حیثیت سے ہیں۔

اسی طرح قرآنِ کریم میں بھی انسان کی فضیلت بیان ہوئی ہے:

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ انسان مخلوقات میں سب سے اعلیٰ مقام رکھتا ہے کیونکہ اللہ نے اسے عقل، اختیار اور شرفِ ذمہ داری کے ساتھ پیدا کیا۔ یہ مقام اسے اللہ کی عبادت، اخلاق اور علم کے ذریعے اپنی حقیقت کے قریب لے جانے کی دعوت دیتا ہے۔

اس بابت میں ترمذی کی حدیث بیان کی جاتی ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ:مَا مِنْ شَيْءٍ أَكْرَمَ عَلَى اللهِ مِنَ الدُّعَاءِ

(سنن الترمذی، باب الدعوات، حدیث نمبر:2550)

ترجمہ:ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز محترم نہیں۔

تشریح: یہ حدیث دعا کی عظمت اور اس کے مقام کو نہایت واضح انداز میں بیان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سب سے زیادہ محبوب اس لیے ہے کہ اس میں بندہ اپنی عاجزی، محتاجی اور فقر کا اظہار کرتا ہے۔ دعا دراصل بندے اور رب کے درمیان ایک زندہ تعلق کا اظہار ہے، جہاں بندہ اپنی بے بسی کو تسلیم کر کے اپنے خالق کی طرف رجوع کرتا ہے۔

روحانی اعتبار سے دعا محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ دل کی کیفیت کا نام ہے۔ جب بندہ اخلاص کے ساتھ دعا کرتا ہے تو وہ اللہ کی قربت کو محسوس کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ دعا کو عبادت کی روح قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس میں بندہ اپنے رب

سے براہِ راست ہم کلام ہوتا ہے۔ دعا انسان کے باطن کو پاک کرتی ہے اور اس میں توکل اور یقین کو مضبوط بناتی ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بندے کو ہر حال میں دعا کا اہتمام کرنا چاہیے، خواہ حالات سازگار ہوں یا مشکل۔ دعا نہ صرف حاجات پوری کرنے کا ذریعہ ہے بلکہ یہ بندے کے مقام کو بھی بلند کرتی ہے۔ جو شخص کثرت سے دعا کرتا ہے، وہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ ہر لمحہ اپنے رب کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ یہی تعلق بندگی کی اصل روح ہے اور یہی انسان کی کامیابی کا راستہ ہے۔

## عرفانی انداز

اے دل! سن، انسان کو شرف کیوں ملا؟ کیونکہ اللہ نے اس کی روح میں نور ڈالا، اسے علم اور فہم عطا کی، اس کے اندر اختیار کی روشنی جگائی، اور اسے زمین کا نائب بنایا، تاکہ وہ زمین میں عدل، علم اور عبادت کی روشنی پھیلائے۔

انسان کی ہر سوچ، ہر عمل، ہر نیت، اس شرفِ خلقیت کا آئینہ ہے۔ یہی شرف اسے اللہ کے قریب لے جاتا ہے، یہی مقام اسے فرشتوں سے ممتاز کرتا ہے، اور یہی انسان کی زندگی کا اصل مقصد ہے: اللہ کی معرفت، قربت اور رضا۔

## شرف برتری

''شرف'' اور ''برتری'' اگرچہ ایک جیسے محسوس ہوتے ہیں، لیکن معنوی طور پر ان میں فرق ہے۔ شرف کسی کو دی گئی عزت، مقام یا فضیلت کو کہتے ہیں جو کسی حکمت، ذمہ داری یا خاص نسبت کی بنیاد پر عطا ہو۔ جبکہ برتری اکثر دوسروں کے مقابلے میں فوقیت یا بلند درجے کو ظاہر کرتی ہے۔ اسلامی فکر میں اصل اہمیت شرف کی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے اور انسان کے اخلاق، تقویٰ اور ذمہ داری سے جڑا

ہوتا ہے، نہ کہ محض مادی یا ظاہری برتری سے۔

انسان کو جو مقام دیا گیا ہے وہ شرف ہے، یعنی ایک امانت اور ذمہ داری والا مقام۔ اگر یہ شرف عاجزی، انصاف اور نیکی کے ساتھ استعمال ہو تو انسان حقیقی معنوں میں بلند ہو جاتا ہے، لیکن اگر اسے غرور یا برتری کے طور پر لیا جائے تو یہی مقام زوال کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لیے حقیقی شرف وہی ہے جو انسان کو عاجزی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرے، نہ کہ دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے کا ذریعہ بنے۔

اے دل! سنو، سنو وہ صدا جو ہر لمحے، ہر ذرّے میں گونج رہی ہے، ہر پھول کی خوشبو، ہر بادل کی رمق، ہر ستارے کی چمک، ہر ہوا کا سرسراہنا، یہ سب تجھے یہی کہتے ہیں: میں نے انسان کو پیدا کیا، زمین پر اپنا نائب بنایا، اور اسے شرفِ خلقیت عطا کیا، چاہے وہ پیدا ہوتا یا نہ ہوتا، میں ہمیشہ خالق مطلق رہتا۔

اگر زمین، آسمان، یہ کائنات سب نہ بھی ہوتے، اللہ کی ذات کامل، بے نیاز اور لامحدود قائم رہتی۔

انسان کے وجود سے نہ اللہ کی عظمت بڑھتی ہے، اور نہ اس کی مطلق خالقیت پر اثر پڑتا ہے، لیکن انسان کو شرف عطا کیا گیا، تاکہ وہ زمین میں علم، عدل، عبادت اور محبت کی روشنی پھیلائے۔

اے دل! دیکھ، انسان میں وہ نور ہے جو فرشتوں میں نہیں، وہ اختیار ہے جو مخلوقات میں منفرد ہے، وہ عقل ہے جو شرفِ خلقیت کی دلیل ہے، اور وہ محبت ہے جو اللہ کے قرب کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

## انسان کو شرف خلقیت بخشنے کا مقصد

انسان کو شرفِ تخلیق عطا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایک باشعور، ذمہ دار اور

اخلاقی طور پر جوابدہ مخلوق کے طور پر اپنی زندگی گزارے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل، ارادہ اور تمیز کی صلاحیت دے کر اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز فرمایا تاکہ وہ محض فطری جبلت کے تحت نہیں بلکہ شعور اور ہدایت کے ساتھ زندگی کا راستہ اختیار کرے۔

اس شرف کا اصل ہدف خلافت اور امتحان ہے، یعنی انسان زمین میں خیر، عدل اور اصلاح کو قائم کرے اور اپنی صلاحیتوں کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرے۔ یہ مقام انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ اس کی زندگی بے مقصد نہیں بلکہ ایک عظیم ذمہ داری ہے، جس میں اس کے ہر عمل کا حساب اور وزن موجود ہے۔

انسان کو شرفِ خلقیت اس لیے دیا گیا کہ وہ زمین پر اللہ کا نائب بنے، علم، عبادت، اخلاق اور محبت کے ذریعے اپنی زندگی کو مقصد عطا کرے۔

چاہے انسان پیدا ہو یا نہ ہو، اللہ کی مطلق خالقیت ہمیشہ قائم اور لامحدود ہے، لیکن شرفِ خلقیت انسان کو اللہ کے قرب اور معرفت کی طرف رہنمائی دیتا ہے۔

## انسان کی عظمت اور اللہ کی مطلق خالقیت

انسان کی عظمت دراصل اس کی تخلیق میں چھپی ہوئی ان صلاحیتوں اور ذمہ داریوں سے وابستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہیں۔ عقل، شعور، ارادہ اور اخلاقی تمیز وہ خصوصیات ہیں جو انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتی ہیں۔ اسی بنیاد پر انسان کو زمین میں خلافت کا مقام دیا گیا، جہاں وہ خیر، عدل اور اصلاح کے لیے کوشش کرتا ہے۔ اس کی عظمت اس بات میں نہیں کہ وہ خود کو بڑا سمجھے، بلکہ اس میں ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھے اور اپنی زندگی کو مقصد کے مطابق ڈھالے۔

اس کے مقابلے میں اللہ کی مطلق خالقیت وہ حقیقت ہے جو ہر تصور، ہر حد اور ہر محتاجی سے پاک ہے۔ وہی ذات ہے جس نے انسان سمیت پوری کائنات کو عدم سے وجود عطا کیا، اور ہر لمحہ اس کا نظام قائم رکھے ہوئے ہے۔ انسان کی عظمت ایک عطا

ہے، جبکہ اللہ کی خالقیت مطلق اور بے مثال ہے۔ جب انسان ان دونوں حقیقتوں کو سمجھ لیتا ہے تو اس کے اندر عاجزی، شکر اور توازن پیدا ہوتا ہے، اور وہ اپنی عظمت کو غرور کے بجائے ذمہ داری کے طور پر دیکھنے لگتا ہے۔

اگر زمین، آسمان، یہ کائنات سب نہ بھی ہوتے، اللہ کی ذات کامل، بے نیاز اور لامحدود قائم رہتی۔

انسان کے وجود سے نہ اللہ کی عظمت بڑھتی ہے، اور نہ اس کی مطلق خالقیت پر اثر پڑتا ہے، لیکن انسان کو شرف عطا کیا گیا، تاکہ وہ زمین میں علم، عدل، عبادت اور محبت کی روشنی پھیلائے۔ اے دل! دیکھ، انسان میں وہ نور ہے جو فرشتوں میں نہیں، وہ اختیار ہے جو مخلوقات میں منفرد ہے، وہ عقل ہے جو شرفِ خلقیت کی دلیل ہے، اور وہ محبت ہے جو اللہ کے قرب کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

## ہدایت الٰہی اور شرف انسان

ہدایتِ الٰہی اور شرفِ انسان ایک دوسرے سے گہرے طور پر جڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محض پیدا نہیں کیا بلکہ اسے عقل، شعور اور انتخاب کی آزادی عطا فرما کر ہدایت کی ضرورت بھی رکھی۔ اسی لیے انبیاء، آسمانی کتابیں اور نشانیاں بھیجیں تاکہ انسان حق اور باطل میں فرق کر سکے اور اپنی زندگی کو صحیح راستے پر چلا سکے۔ ہدایتِ الٰہی دراصل وہ روشنی ہے جو انسان کے اندر موجود صلاحیتوں کو درست سمت عطا کرتی ہے۔ انسان کا شرف اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ اس ہدایت کو قبول کرے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالے۔ اگر انسان ہدایت سے منہ موڑ لے تو اس کی صلاحیتیں اس کے لیے بوجھ بن سکتی ہیں، لیکن اگر وہ اللہ کی رہنمائی کو اختیار کرے تو وہ زمین میں خیر، عدل اور اصلاح کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس طرح ہدایتِ الٰہی انسان کے شرف کو حقیقی معنوں میں روشن اور بامقصد بناتی ہے۔

# اختلافِ خصلت اور اللہ کی حکمت

اختلافِ خصلت انسانوں کے مزاج، سوچ، صلاحیتوں اور رویّوں میں پائے جانے والے فرق کو کہتے ہیں، اور یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی حکمت کا ایک گہرا مظہر ہے۔ اگر تمام انسان ایک جیسے مزاج، ایک جیسی سوچ اور ایک ہی طرح کی صلاحیتوں کے حامل ہوتے تو زندگی کا نظام جامد اور بے رنگ ہو جاتا۔ مختلف خصلتیں ہی معاشرتی توازن، تعاون اور ترقی کا ذریعہ بنتی ہیں، جہاں ہر شخص اپنی الگ خصوصیت کے ذریعے زندگی کے نظام کو مکمل کرتا ہے۔

اللہ کی حکمت اس اختلاف میں یہ ہے کہ انسان ایک دوسرے کے محتاج رہیں، ایک دوسرے سے سیکھیں اور اجتماعی زندگی میں توازن قائم رہے۔ کوئی صابر ہے، کوئی تدبیر میں ماہر، کوئی علم میں آگے، اور کوئی خدمت میں نمایاں یہ سب اختلافات مل کر ایک مکمل انسانی معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔ اس طرح اختلافِ خصلت محض فرق نہیں بلکہ ایک حکیمانہ نظام ہے جو انسانوں کو باہمی ربط، سمجھ بوجھ اور تعاون کی طرف لے جاتا ہے۔

اللہ نے ہر انسان کو الگ الگ خصلت میں کیوں پیدا کیا؟

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ۝

(سورۃ البلد: ۴)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے انسان کو تگ و دو میں پیدا کیا۔

تشریح:: یہ آیت انسان کی تخلیق میں محنت، مختلف حالات، اور مختلف خصلتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ہر انسان کو الگ الگ خصلت، ظرف، اور ماحول میں پیدا کیا

گیا تا کہ وہ اپنی صلاحیتوں، عقل، اور نیت کے ذریعے اللہ کی عبادت، معرفت اور اخلاق میں ترقی کرے۔

اللہ تعالیٰ ہر انسان کی خصلت میں فرق رکھ کر اسے منفرد بناتا ہے، تا کہ:

1. ہر انسان اپنی زندگی میں اپنی طاقت اور ضعف کے مطابق امتحان دے۔
2. انسان ایک دوسرے سے سیکھے اور معاشرہ متنوع اور متوازن ہو۔
3. ہر شخص اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اللہ کی عبادت کرے اور اپنے رب کے نزدیک اپنا مقام پیدا کرے۔

## حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ قِيْلَ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَّنَعْلُهُ حَسَنَةً؟ قَالَ ﷺ: إِنَّ اللهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث: 265)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ کہا جاتا ہے: "ایک آدمی کو یہ پسند ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے

لگیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، تکبر حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر دیکھنا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام خوبصورتی اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں تکبر شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ خود "جمیل" ہے یعنی اس کی ذات، صفات اور افعال سب کامل حسن پر ہیں، اور وہ اپنے بندوں میں بھی پاکیزگی، ترتیب اور حسنِ اخلاق کو پسند فرماتا ہے۔

حدیث پاک میں صورت آدم کا ذکر

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: خَلَقَ اللهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ. طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا...

(صحیح البخاری، :3326 صحیح مسلم، :2841)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی (عطا کردہ) صورت پر پیدا فرمایا، ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا....."

تشریح: عَلٰى صُوْرَتِهٖ سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی جسمانی صورت ہے (العیاذ باللہ)، بلکہ اس سے مراد وہ شرف اور خصوصیات ہیں جو اللہ نے آدم علیہ السلام کو عطا فرمائیں۔ اہلِ علم کے مطابق اس میں دو اہم مفہوم ہیں:

1. اللہ نے آدم کو خاص عزت اور کامل انسانی ساخت کے ساتھ پیدا فرمایا۔
2. یا "صورت" سے مراد آدم کی وہ تخلیقی خصوصیت ہے جسے اللہ نے اپنی مشیت سے ممتاز بنایا۔

یہ حدیث اللہ کی خالقیت اور انسان کی تکریم کو ظاہر کرتی ہے کہ انسان محض ایک

مادی وجود نہیں بلکہ ایک معزز مخلوق ہے جسے خاص شان کے ساتھ پیدا کیا گیا۔

یہ احادیث ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کی منفرد خصلت، جسمانی، ذہنی اور اخلاقی خصوصیات اللہ کی حسنِ تدبیر اور جمال کی نشانی ہیں۔ اختلاف خصلت میں بھی اللہ کی حکمت پوشیدہ ہے، تاکہ ہر انسان اپنی ذات کے مطابق زندگی کے امتحان اور اللہ کی عبادت میں کامیاب ہو۔

اے دل! غور کر، ہر انسان کی خصلت میں اللہ کا نقش چھپا ہے۔ کچھ کو صبر، کچھ کو حکمت، کچھ کو شجاعت اور کچھ کو محبت عطا کی گئی۔ یہ اختلاف انسان کی کائناتی خوبصورتی ہے، ہر دل ایک رنگ، ہر روح ایک روشنی، ہر ذہن ایک نور۔

## انسانی خصلتیں امتحان کی صورت ہیں

انسانی خصلتیں دراصل امتحان کی ایک صورت ہیں، جن کے ذریعے انسان کی شخصیت، نیت اور کردار کا اظہار ہوتا ہے۔ ہر انسان مختلف مزاج، عادات اور رجحانات کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے تاکہ اس کے اندر موجود اچھائی یا برائی عملی زندگی میں ظاہر ہو سکے۔ غصہ، صبر، حسد، سخاوت، عاجزی یا تکبر یہ سب خصلتیں انسان کے لیے آزمائش بھی ہیں اور اس کی اصلاح کا ذریعہ بھی۔

یہ خصلتیں اس لیے امتحان ہیں کہ انسان کے پاس انتخاب کی آزادی ہے کہ وہ انہیں کس سمت میں استعمال کرتا ہے۔ اگر وہ اپنی اچھی خصلتوں کو نیکی، خدمت اور عدل کے لیے استعمال کرے تو وہ کامیاب قرار پاتا ہے، اور اگر برے رجحانات پر قابو نہ پائے تو وہ نقصان میں رہتا ہے۔ اس طرح انسانی خصلتیں دراصل ایک مسلسل امتحان ہیں جو انسان کے اندر چھپی ہوئی حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کے انجام کا تعین کرتی ہیں۔

ہر شخص اپنے رب کے نزدیک اپنے اعمال، نیت اور صبر کی بنیاد پر بلند ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ تنوع پیدا کیا تا کہ انسان اپنی محدود قوت کے ساتھ اپنے مقام کی تلاش کرے،

اللہ تعالیٰ نے ہمیں مختلف خصلتوں میں پیدا کیا تا کہ ہم اپنے اندر کی قوت پہچانیں، اپنے ضعف کو سمجھیں، اور ہر حال میں اپنے رب کے عشق میں غرق ہوں۔

اے اللہ! میری ہر خصوصیت تیرے مقصد کے لیے کام آئے، میری ہر کمی تیرے فضل اور محبت سے مکمل ہو، اور میری زندگی تیرے ذکر اور قربت میں رنگین ہو جائے۔

## اختلاف خصلت اور اللہ کی حکمت

اختلافِ خصلت یعنی انسانوں کے مزاج، سوچ، رجحانات اور عادات میں فرق، دراصل اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کا ایک گہرا مظہر ہے۔ یہ فرق محض اتفاق نہیں بلکہ ایک منظم نظام ہے جس کے ذریعے انسانی زندگی میں توازن، آزمائش اور ارتقاء پیدا ہوتا ہے۔ اگر سب انسان ایک جیسے مزاج کے ہوتے تو نہ معاشرتی تنوع ہوتا، نہ ایک دوسرے سے سیکھنے کا موقع، اور نہ ہی تعاون و ہم آہنگی کا نظام قائم رہتا۔

اللہ کی حکمت اس اختلاف میں یہ پوشیدہ ہے کہ انسان ایک دوسرے کے لیے ذریعۂ تکمیل بنیں۔ کوئی علم میں آگے ہے، کوئی صبر میں، کوئی تدبیر میں اور کوئی خدمت میں ممتاز یہ سب مل کر انسانی معاشرے کو مکمل کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ اختلاف انسان کے لیے ایک امتحان بھی ہے کہ وہ اپنے مزاج کو کس طرح سنبھالتا ہے، کس حد تک عدل اور اخلاق کو اپناتا ہے، اور کس طرح اپنی صلاحیتوں کو صحیح سمت میں استعمال کرتا ہے۔ اس طرح اختلافِ خصلت اللہ کی حکمت کے تحت ایک بامقصد اور متوازن نظام کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

اے دل! سن، سن وہ صدا جو ہر لمحے، ہر ذرّے میں گونج رہی ہے،

میں نے ہر انسان کو الگ الگ خصلت میں پیدا کیا، تا کہ وہ اپنی قوت، صبر، اور عقل کے مطابق تیرے قریب آئے، اور اپنے وجود کا مقصد سمجھے۔

کچھ کو صبر عطا کیا، کچھ کو حکمت، کچھ کو شجاعت اور کچھ کو محبت، ہر خصلت ایک روشنی ہے، ہر قلب ایک آئینہ، ہر انسان ایک منفرد تصویر ہے میرے حسنِ تدبیر اور محبت کا۔

اگر زمین، آسمان، یہ کائنات سب نہ بھی ہوتے، تو بھی میں خالق مطلق ہوں، میری عظمت اور قدرت کسی وجود پر منحصر نہیں، لیکن یہ اختلافِ خصلت میری حکمت کی نشانی ہے، تا کہ ہر انسان اپنی زندگی کے سفر میں اپنے رب کی معرفت، قربت اور رضا حاصل کرے۔

اے دل! ہر کمزوری، ہر طاقت، ہر نیک عمل تیری خصلت کا حصہ ہے، تجھے منفرد بناتا ہے، تا کہ تو اپنی زندگی کی روشنی اپنی خصلت کے مطابق پھیلائے، اپنی راہ میں اللہ کی رضا کو تلاش کرے، اور ہر عمل میں اپنی روح کو اللہ کے قربت میں بلند کرے۔

الحاصل یہ کہ: اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو الگ الگ خصلت میں پیدا کیا تا کہ:

1. انسان اپنی قوت، عقل اور صبر کے مطابق اپنی زندگی کے امتحان دے۔
2. ہر انسان اپنے رب کے نزدیک اپنی نیت، عمل اور اخلاق کے ذریعے مقام حاصل کرے۔
3. اختلافِ خصلت سے دنیا میں تنوع، سیکھنے اور معاشرتی توازن قائم رہے۔

یہ شرف انسان کو یاد دلاتا ہے کہ ہر شخص منفرد اور اہم ہے،
اور ہر خصلت اللہ کی حکمت، جمال اور قربت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

## عرفانی خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو الگ الگ خصلت میں پیدا کیا تا کہ:

1. انسان اپنی قوت، عقل اور صبر کے مطابق اپنی زندگی کے امتحان دے۔

2. ہر انسان اپنے رب کے نزدیک اپنی نیت، عمل اور اخلاق کے ذریعے مقام حاصل کرے۔

3. اختلافِ خصلت سے دنیا میں تنوع، سیکھنے اور معاشرتی توازن قائم رہے۔

یہ شرف انسان کو یاد دلاتا ہے کہ ہر شخص منفرد اور اہم ہے،
اور ہر خصلت اللہ کی حکمت، جمال اور قربت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

## ہر انسان ایک الگ نشانی

ہر انسان اپنی ذات میں ایک الگ نشانی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی تخلیقی قدرت اور حکمت کی منفرد مثال پیش کرتا ہے۔ شکل وصورت، مزاج، سوچ، صلاحیتیں اور زندگی کے تجربات یہ سب مل کر ہر انسان کو دوسروں سے جدا اور منفرد بناتے ہیں۔ یہ انفرادیت اس بات کا ثبوت ہے کہ خالقِ کائنات ایک ہی ہے، جو بے شمار تنوع کے ساتھ تخلیق فرماتا ہے مگر اس کے باوجود ہر تخلیق میں ایک خاص نظم اور مقصد پوشیدہ ہوتا ہے۔

یہ حقیقت انسان کو یہ احساس دلاتی ہے کہ اس کی زندگی محض اتفاق نہیں بلکہ ایک خاص مقصد کے تحت تشکیل دی گئی ہے۔ ہر انسان اپنے اندر ایک پیغام رکھتا ہے، جو اس کی سوچ، عمل اور کردار کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔ جب انسان اس انفرادیت کو سمجھتا ہے تو وہ خود کو ذمہ دار محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو مثبت طور پر استعمال کرے اور اپنی زندگی کو ایک بامعنی نشانی کے طور پر پیش کرے۔

اے دل..... کبھی غور کیا ہے؟ کیوں ہر چہرہ الگ ہے؟ کیوں ہر دل کی دھڑکن کا انداز جدا ہے؟ کیوں کسی کی آنکھوں میں صبر کا سمندر ہے اور کسی کے لہجے میں محبت کی بارش؟ کیوں کوئی خاموشی میں گہرا ہے۔

اور کوئی لفظوں میں روشن؟ کیوں کوئی نرم مٹی سا ہے اور کوئی پہاڑ کی طرح ثابت قدم؟ یہ سب اتفاق نہیں..... یہ سب حکمت ہے۔

رب نے انسان کو ایک ہی سانچے میں نہیں ڈھالا، بلکہ ہر روح کو الگ رنگ دیا، ہر دل کو الگ کیفیت دی، ہر مزاج کو الگ روشنی دی۔ کسی کو صبر دیا تا کہ وہ آزمائش میں چراغ بنے۔ کسی کو علم دیا تا کہ وہ جہالت کے اندھیروں کو چیر دے۔

کسی کو محبت دیتا کہ وہ ٹوٹے دلوں کو جوڑ دے۔ کسی کو شجاعت دیتا کہ وہ ظلم کے سامنے دیوار بن جائے۔

اے دل! تو کسی اور جیسا نہیں، اور یہی تیرا شرف ہے۔

اگر سب ایک جیسے ہوتے تو دنیا بے رنگ ہوتی، زندگی بے ذوق ہوتی، اور کائنات میں وہ تنوع نہ ہوتا جو ربّ کے حسن کی دلیل ہے۔ ہر انسان ایک الگ آیت ہے، ہر روح ایک الگ تفسیر، ہر زندگی ایک الگ پیغام۔

ربّ نے تجھے جو بنایا وہ غلطی نہیں وہ انتخاب ہے۔

تیری کمزوریاں بھی امتحان ہیں، تیری طاقتیں بھی ذمہ داری ہیں۔

کسی کی آزمائش غربت ہے، کسی کی آزمائش دولت۔ کسی کا امتحان خاموشی ہے، کسی کا امتحان شہرت۔

اختلافِ خصلت اصل میں اختلافِ امتحان ہے۔ اور امتحان قربت کا راستہ ہے۔

## عرفانی پہلو

''ہر انسان ایک الگ نشانی ہے'' کا عرفانی پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کو محض جسم یا فرد نہیں بلکہ ایک معنی خیز اشارہ سمجھنے لگتا ہے۔ اس ادراک میں وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ ہر شخص کے اندر ایک خاص تجلی، ایک مخصوص رنگ اور ایک منفرد پہلو رکھا گیا ہے جو اسے دوسرے سے جدا بھی کرتا ہے اور ایک بڑے کُل سے جوڑ بھی دیتا ہے۔ یہاں کثرت میں وحدت کا شعور پیدا ہوتا ہے، یعنی مختلف انسانوں کے پیچھے ایک ہی خالق

کی حکمت اور قدرت کا ظہور نظر آتا ہے۔

اس عرفانی کیفیت میں انسان اپنی انفرادیت کو غرور کے بجائے امانت سمجھتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اس کی صلاحیتیں، مزاج اور تجربات دراصل ایک بڑے روحانی نظام کا حصہ ہیں، جن کا مقصد صرف ذاتی نہیں بلکہ معنوی تکمیل بھی ہے۔ اس شعور کے ساتھ انسان میں عاجزی، حیرت اور ایک خاموش وابستگی پیدا ہوتی ہے، جیسے وہ خود بھی ایک پیغام ہو جو کسی عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہو۔

اے سالکِ راہِ حق..... جب تُو اپنے اندر جھانکتا ہے تو تُو اپنی خصلت نہیں دیکھتا، بلکہ ربّ کی تقسیم دیکھتا ہے۔ وہ چاہتا تو سب کو فرشتہ بنا دیتا، مگر اس نے انسان بنایا جس میں خواہش بھی ہے اور تقویٰ کی صلاحیت بھی۔

یہی کشمکش انسان کو بلند کرتی ہے۔

ہر خصلت دراصل ربّ کی کسی صفت کا عکس ہے۔

تیرا صبر اس کے حلم کی جھلک ہے۔

تیری محبت اس کی رحمت کی پرچھائیں ہے۔ تیرا عدل اس کی حکمت کا سایہ ہے۔ تو مکمل نہیں مگر مکمل کی طرف سفر میں ہے۔

## دل کی گہرائی سے ایک عاشق کا اظہار

دل کی گہرائی سے ایک عاشق کا اظہار لفظوں میں سمٹتا ضرور ہے مگر مکمل بیان نہیں ہو پاتا، کیونکہ سچی محبت صرف زبان نہیں بلکہ ایک کیفیت ہوتی ہے جو اندر سے ابھرتی ہے۔ عاشق کے دل میں ایک ایسی بے قراری اور سکون ساتھ ساتھ موجود ہوتا ہے جسے وہ خود بھی پوری طرح سمجھ نہیں پاتا۔ ہر سانس میں یاد، ہر خاموشی میں احساس اور ہر لمحے میں ایک پوشیدہ وابستگی جھلکتی رہتی ہے۔

یہ اظہار کبھی آنکھوں کی نمی میں ظاہر ہوتا ہے، کبھی خاموش دعا میں اور کبھی بے

ساختہ ذکر میں۔ عاشق کے لیے محبوب صرف ایک تصور نہیں رہتا بلکہ اس کی پوری زندگی کا مرکز بن جاتا ہے۔ اس کی خوشی محبوب کی رضا سے جڑ جاتی ہے اور اس کی بے قراری اسی کے قرب کی تلاش میں ڈھل جاتی ہے۔ یہی دل کی گہرائی سے نکلنے والا سچا اظہار ہوتا ہے جو دکھاوا نہیں بلکہ ایک خاموش سچائی ہوتی ہے۔

اے میرے رب.....تو نے مجھے کسی اور جیسا نہیں بنایا، تو نے مجھے میری طرح بنایا۔

میرے اندر جو نرمی ہے وہ تیری عطا ہے۔

میرے اندر جو کمزوریاں ہیں وہ بھی تیرا دیا ہوا امتحان ہیں۔

کبھی میں خود سے ناراض ہو جاتا ہوں، کبھی اپنی کمیوں پر رو دیتا ہوں، مگر جب سوچتا ہوں کہ یہ سب تیری تقسیم ہے تو میرا دل جھک جاتا ہے۔

اے اللہ.....اگر تو چاہتا تو مجھے کسی اور جیسا بنا دیتا، مگر تو نے مجھے میری خصلت کے ساتھ چُنا۔ اب میں شکایت نہیں کروں گا۔

میں اپنی طبیعت کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ میری نرمی تیرے لیے ہو، میری سختی تیرے لیے ہو، میری خاموشی تیرے لیے ہو، میری گفتگو تیرے لیے ہو۔

اے ربّ.....میری ہر خصلت کو اپنی رضا کا ذریعہ بنا دے۔

میں جیسا بھی ہوں تیرا ہوں۔ اور یہی میری سب سے بڑی پہچان ہے۔

# تخلیق انسان-مشیئت الٰہی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے مقصد نہیں پیدا فرمایا بلکہ اسے ایک عظیم اور با مقصد سفر کے لیے وجود بخشا، اور وہ مقصد ہے اپنے خالق کی معرفت حاصل کرنا۔ انسان کی تخلیق کا اصل راز یہ ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے، اس کی صفات کو سمجھے، اور اس کی قدرت و حکمت کے آثار کو اپنی زندگی میں محسوس کرے۔ کائنات کی ہر نشانی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان اپنی نظر کو صرف ظاہری دنیا تک محدود نہ رکھے بلکہ اس کے پیچھے کارفرما ربانی نظام کو پہچاننے کی کوشش کرے۔ یہی معرفت انسان کے وجود کو معنی اور مقصد عطا کرتی ہے۔

جب انسان اللہ کی معرفت حاصل کرتا ہے تو اس کی زندگی کا رخ بدل جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ وہ خود اپنی ذات میں کچھ نہیں، بلکہ ہر لمحہ اپنے خالق کا محتاج ہے۔ یہ شعور اس کے اندر عاجزی، شکر اور محبت پیدا کرتا ہے، اور وہ اپنی ہر سانس کو اللہ کی یاد کے ساتھ جوڑنے لگتا ہے۔ معرفتِ الٰہی انسان کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے، جہاں وہ اپنے رب کے قرب کا احساس کرتا ہے اور اس کی رضا کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بنا لیتا ہے۔

## توحید، اللہ کی وحدانیت کا پرچار

توحید یعنی اللہ کی وحدانیت کا پرچار اسلام کا بنیادی پیغام ہے، جو یہ اعلان کرتا ہے کہ کائنات کا خالق، مالک اور معبود صرف ایک اللہ ہے۔ وہی ذات ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتی ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور جو ہر کمی، حاجت اور محدودیت سے پاک ہے۔ توحید انسان کو اس بات کا شعور دیتی ہے کہ عبادت، دعا اور مکمل اعتماد صرف

اسی ایک رب کے لیے ہونا چاہیے۔

توحید کا پرچار دراصل انسان کو شرک، غلط وابستگیوں اور باطل تصورات سے آزاد کر کے ایک سچی اور واضح حقیقت کی طرف لے جاتا ہے۔ جب انسان اس وحدانیت کو دل سے قبول کر لیتا ہے تو اس کی زندگی میں توازن، سکون اور مقصدیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ہر عمل میں اللہ کی رضا کو سامنے رکھتا ہے اور اپنی پوری زندگی کو اسی ایک حقیقت کے گرد منظم کر لیتا ہے کہ عبادت اور حاکمیت صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔

جب میں نے فکر کیا..... اللہ تعالیٰ نے مجھے کس مقصد کے لیے پیدا کیا؟

تو پردہ غیب سے ایک صدا آئی:

''اے حافظؔ! میں نے تجھے اس لیے پیدا کیا کہ تو ہمہ وقت میری رنگا رنگ صفات کا ذکر کرتا رہ، اور میری توحید اور وحدانیت کا پرچار کرتا رہے۔

یہی تیری پیدائش کا اصل مقصد ہے۔

تب میری روح میں روشنی ہوئی، میری زندگی کے مقصد کا پتہ چلا، اور میں کامیاب ہوا۔

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت اور ''توفیق کاملہ'' سے ہوا۔

میں نہ کل کچھ تھا، نہ آج کچھ ہوں، نہ ماضی میں، نہ حال میں، نہ مستقبل میں نہ میری کوئی حیثیت ہے۔

یہ سب میرے رب کا فضل ہے، اور میرا اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین ہے کہ وہ ہمیشہ میرے احساس میں ہے، اور میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میں نے اپنے رب کے سوا کسی اور کو نہ اتنا وفادار پایا، نہ اتنا درگزر کرنے والا، نہ اتنا گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والا۔

وہ ہے ''بن سَعیان'' بھی، وہ ہے ''نہاں'' بھی، وہ ہے ''ظاہر'' بھی، وہ ہے ''باطن'' بھی، ادھر بھی وہ ہے، اُدھر بھی وہ ہے۔

اس کی ذات کاملہ کا جلوہ ہر چار سو ہے، اور اس کی صفات بے حد و بے انتہا ہیں۔
ہر لمحہ، ہر سانس، ہر فکر میری زندگی کے مقصد کی گواہی دیتی ہے: اللہ تعالیٰ کی توحید اور وحدانیت کا ذکر۔

اے طالب مولیٰ تعالیٰ جان لے کہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد اللہ کی توحید، وحدانیت اور صفات کا ذکر کرنا ہے۔

انسان کا وجود اللہ کی رحمت اور توفیق کاملہ سے کامیاب ہوتا ہے۔

ہر لمحہ، ہر کیفیت، ہر احساس اللہ کی موجودگی کا آئینہ ہے۔

انسان اپنی ذات میں کچھ نہیں، سب کچھ اللہ کے فضل اور احسان سے ہے۔

## اللہ ہر حالت میں انسان کے قریب ہے

اللہ تعالیٰ ہر حال میں انسان کے قریب ہے، چاہے انسان خوشی میں ہو یا غم میں، تنہائی میں ہو یا مجمع میں۔ اس کی قربت کسی جگہ، وقت یا فاصلے کی محتاج نہیں، کیونکہ وہ اپنی قدرت اور علم کے اعتبار سے ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے۔ انسان کے دل کی ہر دھڑکن، ہر خیال اور ہر کیفیت اس کے علم میں ہے۔ یہی قربت انسان کو یہ احساس دلاتی ہے کہ وہ کبھی بھی تنہا نہیں، بلکہ ایک ایسی ہستی کے زیرِ نگرانی ہے جو اس سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والی ہے۔

یہی شعور انسان کے دل میں سکون، اعتماد اور توکل پیدا کرتا ہے۔ جب انسان یہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب ہر وقت اس کے ساتھ ہے تو وہ خوف، مایوسی اور اضطراب سے نکل کر امید اور یقین کی کیفیت میں آ جاتا ہے۔ وہ اپنے دکھ اور خوشی دونوں میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور ہر معاملے میں اسی پر بھروسہ کرتا ہے۔ یہ احساسِ قرب بندے کو گناہوں سے روکتا ہے اور نیکی کی طرف مائل کرتا ہے، کیونکہ وہ ہر وقت اپنے رب کی موجودگی کا ادراک رکھتا ہے۔

1. انسان کی اصل شناخت اللہ کی توحید، وحدانیت اور صفاتِ کاملہ کے ذکر میں ہے۔

2. زندگی کا مقصد رب کی معرفت، عشق اور ذکر میں غرق ہونا ہے۔

3. انسان کی تمام حیثیت، طاقت، علم اور موجودگی اللہ کے فضل و کرم سے ہے۔

4. اللہ تعالیٰ ہر لمحہ ہر حالت میں انسان کے قریب ہے، اور وہی انسان کی رہنمائی، مدد اور حفاظت کا سرچشمہ ہے۔

## غلبہ عشقِ الٰہی اور معرفتِ

غلبۂ عشقِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی وہ بلند روحانی کیفیت ہے جہاں انسان کا دل اللہ کی محبت سے اس طرح بھر جاتا ہے کہ دنیا کی رغبتیں ثانوی ہو جاتی ہیں۔ اس حالت میں عبادت صرف ایک عمل نہیں رہتی بلکہ ایک اندرونی کشش بن جاتی ہے، جہاں بندہ اپنے رب کی طرف مسلسل مائل رہتا ہے۔ یہ عشق انسان کے اندر عاجزی، نرمی اور ایک گہرا سکون پیدا کرتا ہے، جو اسے ہر حال میں اپنے خالق سے جوڑے رکھتا ہے۔

معرفتِ الٰہی اس عشق کی گہرائی کو اور روشن کر دیتی ہے، جہاں انسان کائنات کی ہر نشانی میں اپنے رب کی قدرت، حکمت اور رحمت کو پہچاننے لگتا ہے۔ یہ شعور اسے غفلت سے نکال کر بیداری کی طرف لے جاتا ہے، اور اس کی سوچ میں وسعت پیدا کرتا ہے۔ جب عشق اور معرفت ایک ساتھ غالب آ جائیں تو انسان کی زندگی ایک ایسی روشنی میں ڈھل جاتی ہے جو اسے مقصد، سمت اور حقیقی سکون عطا کرتی ہے۔

اے دل! سن، سن وہ صدا جو پردۂ غیب سے آئی، جب میں نے پوچھا: اے حافظ! اللہ تعالیٰ تجھے کس مقصد کے لیے پیدا کیا؟ تو نورانی صدا نے کہا: اے بندے! میں نے تجھے اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا، تاکہ تو میرے اسماء و صفات کو پہچانے،

میری قدرت کے جلووں میں کھو جائے، اور تیرے دل کی ہر دھڑکن میرے ذکر سے معمور ہو جائے۔ میں نے تجھے اس لیے نہیں بنایا کہ تو دنیا کی کثرت میں گم ہو جائے، بلکہ اس لیے کہ تو میری طرف رجوع کرے اور میری محبت کو اپنی اصل زندگی بنا لے۔

پھر وہ صدا مزید گونجی: میں نے تجھے اس لیے پیدا کیا کہ تو میرے قرب کا طالب بنے، میرے عشق میں فنا ہو کر اپنی ذات کی نفی کر دے اور میری رضا کو اپنی رضا بنا لے۔ جب تو مجھے پہچان لے گا تو تیرا دل سکون پا جائے گا، تیری روح نور سے بھر جائے گی، اور تیرا ہر عمل میری یاد کے ساتھ جڑ جائے گا۔ یہی تیری تخلیق کا راز ہے اور یہی تیری نجات کا راستہ ہے کہ تو مجھے پہچانے اور میری طرف لوٹ آئے۔

تب روشنی ہوئی، تب دل کے اندر سکون جاگا، تب زندگی کا مقصد میری روح میں اتر آیا، اور میں نے جان لیا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی توفیقِ کاملہ سے ہے۔ میں نہ کل کچھ تھا، نہ آج کچھ ہوں، اور نہ ہی مستقبل میں میری کوئی مستقل حیثیت ہے، کیونکہ میری اصل حقیقت صرف فقر اور احتیاج ہے۔ ہر عطا اسی کی ہے، ہر سانس اسی کی امانت ہے، اور ہر لمحہ اسی کے فضل کا محتاج ہے۔ جب دل سے "میں" کا غرور ٹوٹتا ہے تو بندہ سمجھتا ہے کہ اصل مالک صرف وہی ہے، اور باقی سب اس کی عطا کردہ جھلکیاں ہیں۔

اے دل! غور کر..... میں نے اپنے رب کے سوا کسی کو نہ اتنا وفادار پایا، نہ اتنا درگزر کرنے والا، نہ اتنا گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والا۔ وہی ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، وہی قریب بھی ہے اور محیط بھی، اس کی ذات ہر طرف جلوہ گر ہے اور اس کی صفات بے حد و بے شمار ہیں۔ جب بندہ اس حقیقت کو محسوس کرتا ہے تو اس کی روح جھک جاتی ہے، اس کا دل نرم ہو جاتا ہے، اور اس کی ہر سانس ذکرِ الٰہی سے ہم آہنگ ہونے لگتی ہے۔ پھر وہ پکار اٹھتا ہے کہ میرے لیے تیرے سوا کوئی سہارا نہیں، تو ہی میرا نور ہے، تو ہی میری منزل ہے، اور تو ہی میری اصل حقیقت ہے۔

# انسان کی اصل شناخت

انسان کی اصل شناخت اس کے جسم، رنگ، نسل یا دنیاوی مقام میں نہیں بلکہ اس کی روح، اس کے ایمان اور اس کے اخلاق میں پوشیدہ ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا، یعنی ایسی مخلوق جو سوچنے، سمجھنے، انتخاب کرنے اور حق و باطل میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی صلاحیت کی بنیاد پر اس کی اصل پہچان اس کے اعمال اور اس کے کردار سے جڑی ہوئی ہے۔ جو انسان سچائی، عدل، رحم اور اخلاص کو اختیار کرتا ہے وہ اپنی اصل انسانیت کے قریب ہوتا ہے۔

عرفانی نقطۂ نظر سے انسان کی اصل شناخت یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے اور اسی کی طرف رجوع کرے۔ جب انسان اپنی حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض مٹی کا پتلا نہیں بلکہ ایک روحانی امانت کا حامل ہے۔ یہی شعور اسے تکبر سے نکال کر عاجزی، محبت اور خدمتِ خلق کی طرف لے جاتا ہے۔ اصل انسان وہی ہے جو اپنے رب کی پہچان میں اپنی پہچان تلاش کرے اور اپنی زندگی کو اسی معرفت کے نور سے منور کرے۔

1. انسان کی اصل شناخت اللہ کی توحید، وحدانیت اور صفاتِ کاملہ کے ذکر میں ہے۔
2. زندگی کا مقصد رب کی معرفت، عشق اور ذکر میں غرق ہونا ہے۔
3. انسان کی تمام حیثیت، طاقت، علم اور موجودگی اللہ کے فضل و کرم سے ہے۔
4. اللہ تعالیٰ ہر لمحہ، ہر حالت میں انسان کے قریب ہے، اور وہی انسان کی رہنمائی، مدد اور حفاظت کا سرچشمہ ہے۔

# شوقِ معرفتِ الٰہی

اے دل! سن، سن وہ صدا جو پردۂ غیب سے آئی، جب میں نے پوچھا: اے حافظؔ! اللہ تعالیٰ تجھے کس مقصد کے لیے پیدا کیا؟ تو نور کی گونج نے کہا: ''اے حافظؔ! میں نے تجھے اس لیے پیدا کیا کہ تو میری معرفت کی تلاش میں سرگرداں رہے، میرے اسماء وصفات کے جلووں میں غور کرے، اور میری وحدانیت کے نور کو اپنے دل میں بسائے۔ تو اپنی زبان سے میرے ذکر کو زندہ رکھے اور اپنے عمل سے میری توحید کا اعلان کرے، تاکہ تیرے وجود سے میرے جمال وجلال کی گواہی بلند ہو۔''

پھر وہ صدا مزید گونجی: ''تیری اصل حقیقت یہ ہے کہ تو میرے لیے جیۓ اور میرے لیے ہی فنا ہو۔ جب تو میری طرف رجوع کرے گا تو تیرے دل سے غفلت کے پردے ہٹ جائیں گے، اور تیرے اندر شوقِ معرفت ایک ایسی روشنی بن جائے گا جو تجھے ہر لمحہ میرے قریب کرتا رہے گا۔ یہی تیری پیدائش کا راز ہے کہ تو مجھے پہچانے، مجھے یاد کرے، اور میری وحدانیت کے نور کو دنیا میں پھیلائے۔''

تب روشنی نے دل کے پردوں کو چیر دیا، تب زندگی کی حقیقت روح کی گہرائیوں میں اتر آئی، اور بندہ یہ جان گیا کہ کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی توفیق کا ملہ سے ہے۔ میں نہ کل کچھ تھا، نہ آج کچھ ہوں، اور نہ ہی مستقبل میں میری کوئی مستقل حیثیت ہے، کیونکہ میری اصل حقیقت محض فقر اور احتیاج ہے۔ ہر شے اسی کی عطا ہے، ہر لمحہ اسی کے فضل کا مظہر ہے، اور ہر سانس اسی کی امانت ہے۔ جب انسان اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کے اندر سے "میں" کا غرور ٹوٹ جاتا ہے اور بندگی کا نور پیدا ہو جاتا ہے۔

اے دل! غور کر..... میں نے اپنے رب کے سوا کسی کو نہ اتنا وفادار پایا، نہ اتنا درگزر کرنے والا، نہ اتنا گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والا۔ وہی ظاہر بھی ہے اور باطن

بھی، وہی قریب بھی ہے اور محیط بھی، اس کی ذات کا جلوہ ہر طرف جاری و ساری ہے، اور اس کی صفات بے حد و بے شمار ہیں۔ ہر لمحہ، ہر سانس اور ہر سوچ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ میرا سب کچھ اسی کے ذکر اور اسی کے عشق کے لیے ہے، اور اس کے سوا نہ کوئی سہارا ہے اور نہ کوئی پناہ۔ اے میرے رب! میری ہر سانس تیرے عشق میں رواں رہے، میرا ہر لمحہ تیرے قرب کی روشنی میں گزرے، میری ہر نیت تیرے نام کی آئینہ دار ہو، اور میری ہر سوچ تیرے وحدانیت کے جلوے کی عکاس ہو۔ تو ہی میرا نور ہے، تو ہی میری منزل ہے، اور تیرے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔

## میرا وجدان

میرا وجدان یہ ہے کہ انسان کی اصل شناخت اس کے جسم، مال یا دنیاوی مرتبے میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید، وحدانیت اور صفاتِ کاملہ کی معرفت میں پوشیدہ ہے۔ جب انسان اپنے رب کو پہچان لیتا ہے تو اس کی ذات کے اندر ایک نیا شعور جنم لیتا ہے جو اسے حقیقتِ حیات کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہی معرفت اسے اس کے اصل مقام سے روشناس کراتی ہے اور اس کے وجود کو مقصد و معنی عطا کرتی ہے۔

زندگی کا حقیقی مقصد رب کی معرفت، اس کی محبت اور اس کے ذکر میں غرق ہونا ہے۔ انسان کی ہر صلاحیت، ہر طاقت اور ہر نعمت دراصل اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا مظہر ہے، نہ کہ اس کی ذاتی ملکیت۔ جب بندہ اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کے اندر سے تکبر ٹوٹ جاتا ہے اور وہ شکر، عاجزی اور بندگی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

## عشقِ الٰہی کا غلبہ

اے دل! سن، سن وہ صدا جو پردۂ غیب سے آئی، جب میں نے پوچھا: اے حافظؔ! اللہ تعالیٰ تجھے کس مقصد کے لیے پیدا کیا؟ تو نور نے کہا: "اے حافظؔ! میں نے

تجھے اس لیے پیدا کیا کہ تو ہمہ وقت میری رنگا رنگ صفات کا ذکر کرے، میری وحدانیت کا اعلان کرے، اور میری توحید کے نور کو اپنے دل و زبان سے پھیلائے۔ یہی تیری تخلیق کا اصل راز اور تیری زندگی کا حقیقی مقصد ہے۔" پھر جب یہ حقیقت دل میں اتری تو گویا زندگی کے پردے چاک ہو گئے، اور دل کے اندر ایک نئی روشنی نے جنم لیا۔

تب روشنی نے دل کے پردوں کو چیر دیا، تب زندگی کی حقیقت روح کی گہرائیوں میں اتر آئی، اور بندہ اس یقین تک پہنچ گیا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی توفیقِ کاملہ سے ہے۔ میں نہ کل کچھ تھا، نہ آج کچھ ہوں، اور نہ ہی مستقبل میں میری کوئی مستقل حیثیت ہے، کیونکہ ہر شے اسی کی عطا، اسی کا فضل اور اسی کی قدرت کا ظہور ہے۔ جب انسان اس حقیقت کو جان لیتا ہے تو اس کے اندر سے خودی کا زعم مٹ جاتا ہے اور بندگی کا نور پیدا ہو جاتا ہے۔

اے دل! غور کر..... میں نے اپنے رب کے سوا کسی کو نہ اتنا وفادار پایا، نہ اتنا درگزر کرنے والا، نہ اتنا گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والا۔ وہی ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، وہی قریب بھی ہے اور محیط بھی، اس کی ذات کا جلوہ ہر طرف جاری و ساری ہے، اور اس کی صفات بے حد و بے شمار ہیں۔

ہر لمحہ، ہر سانس اور ہر سوچ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ میرا سب کچھ اسی کے ذکر اور اسی کے عشق کے لیے ہے، اور اس کے سوا نہ کوئی پناہ ہے اور نہ کوئی آس۔ اے میرے رب! میری ہر سانس تیرے عشق میں رواں رہے، میرا ہر لمحہ تیرے قرب کی روشنی میں گزرے، میری ہر نیت تیرے نام کی آئینہ دار ہو، اور میری ہر سوچ تیرے وحدانیت کے جلوے کی عکاس ہو۔ تو ہی میرا نور ہے، تو ہی میری منزل ہے، اور تیرے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔

# زندگی کا اصل مقصد

زندگی کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی اصل شناخت کو پہچانے، اور وہ شناخت اللہ تعالیٰ کی توحید، وحدانیت اور صفاتِ کاملہ کے ذکر میں پوشیدہ ہے۔ انسان کی تمام حیثیت، طاقت، علم اور موجودگی دراصل اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے، نہ کہ اس کی ذاتی ملکیت۔ جب بندہ اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کے اندر سے غرور ٹوٹ جاتا ہے اور وہ عاجزی، شکر اور بندگی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ یہی شعور اسے اپنی اصل منزل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

زندگی کا مقصد رب کی معرفت، اس کی محبت اور اس کے ذکر میں غرق ہونا ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جو انسان کے وجود کو روشنی، سکون اور معنویت عطا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر لمحہ اور ہر حالت میں انسان کے قریب ہے، اور وہی اس کی رہنمائی، مدد اور حفاظت کا حقیقی سرچشمہ ہے۔ جب یہ یقین دل میں اتر جاتا ہے تو بندہ ہر خوف اور اضطراب سے آزاد ہو کر اپنے رب پر کامل بھروسہ کرنے لگتا ہے۔

شرفِ زندگی کا اصل راز اللہ کی یاد اور اس کی وحدانیت کے ذکر میں ہے۔ جب دل اللہ کے ذکر سے معمور ہو جاتا ہے تو زندگی کے ہر لمحے میں ایک نئی روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ کی یاد اس کی قربت کا گواہ بن جاتی ہے، اور بندہ محسوس کرتا ہے کہ ہر سانس، ہر دھڑکن اور ہر خیال اسی کے ذکر سے جڑا ہوا ہے۔ یہ کیفیت انسان کے اندر ایک ایسا روحانی سکون پیدا کرتی ہے جو اسے دنیا کی بے ثباتی سے نکال کر حقیقتِ ابدی سے جوڑ دیتی ہے۔

اے میرے رب! تو نے میرے دل کو یہ عطا کیا، یہ روشنی، یہ محبت، یہ شوق کہ میں تیرے سوا کچھ نہ دیکھوں، تیرے سوا کچھ نہ چاہوں، تیرے سوا کچھ نہ جانوں۔ میری ہر دعا تیرے لیے ہے، میرا ہر سکون تیرے قرب میں ہے، میری ہر

خواہش تیرے عشق میں بہہ گئی، اور میری ہر کمی تیرے فضل سے مکمل ہو رہی ہے۔

اے رب! تو ہی میرا نور ہے، تو ہی میری منزل ہے، تو ہی میری ہر خوشی اور سکون ہے، اور تیرے بغیر یہ دل، یہ جان، یہ زندگی کچھ بھی نہیں۔ اب ہر لمحہ، ہر سانس، ہر سوچ میرے دل میں تیرے عشق کا موجزن سمندر ہے،

اور میری ہر کیفیت تیرے حضور جھک کر یہ کہتی ہے: ''اے میرے رب! میں تیرے عشق میں غرق ہوں، اور تیرے سوا کسی پر نظر نہیں، تیرے سوا کسی کا جذبہ میرے دل میں نہیں''۔

## ہر لمحہ اللہ کی موجودگی کا احساس

ہر لمحہ اللہ کی موجودگی کا احساس ایک ایسا روحانی شعور ہے جو بندے کے دل میں محبتِ الٰہی کی صورت میں موجزن ہو جاتا ہے۔ یہ محبت کوئی عام جذباتی کیفیت نہیں بلکہ ایک نورانی جذبہ ہے جو انسان کے باطن کو بیدار کرتا ہے اور اسے اس حقیقت سے روشناس کراتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب کی نگرانی اور اس کے علم کے حصار میں ہے۔ جب یہ احساس دل میں اترتا ہے تو انسان کی سوچ، اس کا زاویۂ نظر اور اس کا طرزِ زندگی سب بدل جاتا ہے۔

یہ عشق ہر سانس، ہر لمحہ اور ہر سوچ میں اللہ کی موجودگی کا شعور پیدا کرتا ہے۔ بندہ دیکھتا ہے کہ وہ تنہا نہیں، بلکہ ایک ایسی ہستی کے ساتھ جڑا ہوا ہے جو اس کے دل کے حال سے بھی واقف ہے اور اس کی ہر ضرورت کا علم رکھتی ہے۔ اسی شعور کے ساتھ انسان کی زندگی کا اصل مقصد واضح ہوتا ہے کہ وہ اس محبتِ الٰہی میں غرق ہو کر اپنے رب کے قرب میں زندگی گزارے۔

جب محبتِ رب دل میں راسخ ہو جاتی ہے تو دل کی ہر کمی مکمل ہونے لگتی ہے۔ دنیاوی خواہشات کی بے چینی ختم ہو جاتی ہے اور ایک گہرا روحانی سکون نصیب ہوتا

ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ نورانی ہو جاتا ہے، کیونکہ اب ہر عمل، ہر خیال اور ہر احساس اللہ کی یاد سے منسلک ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت انسان کو حقیقی اطمینان اور دائمی سکون عطا کرتی ہے، جو صرف قربِ الٰہی میں ہی ممکن ہے۔

## دل کی روشنی

تب سے، اے دل! محبتِ الٰہی کا جذبہ میرے اندر موجزن ہو گیا، اور ہر سانس، ہر لمحہ، ہر خیال میرے رب کی یاد اور اس کی قربت کا گواہ بن گیا۔ یہ عشق محض لفظوں کی حد تک نہ رہا اور نہ ہی ظاہری اظہار تک محدود رہا، بلکہ یہ دل کی گہرائیوں میں اتر کر ہر دھڑکن، ہر نیت اور ہر سوچ میں رچ بس گیا۔ اب زندگی کا ہر لمحہ ایک آئینہ بن چکا ہے جس میں صرف اسی کی یاد جھلکتی ہے، اور ہر عمل اسی کے ذکر کی خوشبو سے معطر ہو گیا ہے۔

اے میرے رب! تو نے میرے دل کو یہ روشنی عطا فرمائی، یہ شوق، یہ رغبت اور یہ جذبہ کہ میں تیرے سوا کسی کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ میری ہر دعا تیرے لیے ہے، میرا ہر سکون تیرے قرب میں ہے، اور میری ہر خواہش تیرے عشق میں فنا ہو چکی ہے۔ اب یہ دل تیرے سوا کسی اور کی طلب نہیں رکھتا، اور نہ ہی کسی اور کی محبت میں قرار پاتا ہے۔ تو ہی میرا نور ہے، تو ہی میری منزل ہے، اور تیرے بغیر یہ دل، یہ جان اور یہ زندگی سب بے معنی ہیں۔

## محبتِ الٰہی کا روحانی جذبہ

محبتِ الٰہی ایک ایسا روحانی جذبہ ہے جو دل کے ہر گوشے میں موجزن ہو جاتا ہے اور انسان کے باطن کو ایک نئی روشنی عطا کرتا ہے۔ یہ کوئی عارضی کیفیت نہیں بلکہ ایک ایسی داخلی بیداری ہے جو انسان کے احساس، سوچ اور شعور کو بدل دیتی ہے۔

جب یہ محبت دل میں جگہ بناتی ہے تو انسان اپنے رب کی طرف مسلسل متوجہ رہتا ہے اور اس کی یاد اس کی فطرت کا حصہ بن جاتی ہے۔

یہ عشق انسان کی ہر نیت، ہر عمل اور ہر سانس میں اللہ کی موجودگی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ بندہ دیکھتا ہے کہ وہ کسی لمحے بھی تنہا نہیں، بلکہ ہر حال میں اپنے رب کے علم اور اس کی رحمت کے سائے میں ہے۔ یہی شعور اس کی زندگی کو مقصدیت عطا کرتا ہے اور اسے بے راہ روی سے بچا کر سیدھے راستے کی طرف لے جاتا ہے۔

انسان کی اصل کامیابی اور حقیقی سکون اسی محبتِ الٰہی میں غرق ہونے میں ہے۔ جب دل رب کی محبت سے بھر جاتا ہے تو دنیا کی بے چینی اور اضطراب کم ہو جاتا ہے اور ایک گہرا اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ محبتِ رب دل کی ہر کمی کو پورا کر دیتی ہے اور زندگی کے ہر لمحے کو نور، سکون اور معنویت سے بھر دیتی ہے۔

## ایک گہرا روحانی احساس

یہیں سے، اے دل! میرا روحانی اور فکری سفر شروع ہوا، نہ مجھے راستہ معلوم تھا اور نہ منزل کی پوری خبر، مگر میرے دل کو یہ اطمینان حاصل تھا کہ میرا اللہ، میرا خالق، میرا مالک اور میرا حقیقی رب میرے ساتھ ہے۔ وہی وحدہٗ لاشریک ہے جس نے مجھے اپنے ذکر کی طرف بلایا اور میں نے صدقِ دل سے اس کی طرف رجوع کیا۔ جب بندہ سچے دل سے اپنے رب کی طرف پلٹتا ہے تو پھر اس کے اندر ایک نئی روشنی جنم لیتی ہے جو اس کی پوری سوچ اور احساس کو بدل دیتی ہے۔

تب اس نے میرے دل کو منور کر دیا اور مجھے خوف و غم سے آزاد کر دیا، جیسا کہ دل میں یہ یقین اتر گیا کہ "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ"۔ میری ہر پریشانی، ہر اضطراب اور ہر خوف اس کے ذکر کی روشنی میں سکون اور اطمینان میں بدل گیا۔ اب ہر لمحہ، ہر سانس اور ہر سوچ میرے رب کی قربت اور اس کی وحدانیت کی

گواہی دیتی ہے، اور میرا دل یقین کے ایک ایسے سمندر میں بہنے لگا ہے جہاں صرف اس کی ذات کا نور ہے۔

اے دل! یہی وہ مقام ہے جہاں سے میری روح کا سفر شروع ہوا، یہی میری معرفت کا آغاز ہے اور یہی میری حقیقت کا انکشاف ہے۔ ہر لمحہ ایک نیا سبق ہے، ہر سانس ایک نیا نور ہے، اور ہر فکر ایک نئی سمت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ یہ سب میرے رب کے فضل، اس کی حکمت اور اس کی قربت کا نتیجہ ہے کہ اس نے میرے دل کو اپنی محبت، اپنے حضور اور اپنی معرفت سے آباد کر دیا۔

## خلاصہ روحانیت

روحانی سفر کی اصل شروعات اس وقت ہوتی ہے جب انسان صدقِ دل سے اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب بندہ اپنی کمزوری، احتیاج اور فقر کو پہچان لیتا ہے اور اس کے دل میں یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ اس کا حقیقی سہارا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس رجوع کے بعد انسان کی سوچ کا زاویہ بدل جاتا ہے اور اس کے اندر ایک نئی بیداری جنم لیتی ہے جو اسے حقیقت کی طرف لے جاتی ہے۔

دل کو حقیقی سکون اور خوف سے نجات صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قربت کے احساس سے حاصل ہوتی ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے رب کے علم، قدرت اور رحمت کے دائرے میں ہے تو اس کے اندر سے بے چینی اور اضطراب ختم ہونے لگتا ہے۔ یہی یقین اس کے دل کو اطمینان اور اس کی روح کو سکون عطا کرتا ہے۔

انسان کی فکری اور روحانی رہنمائی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ جب اللہ اپنی رحمت سے دل کو ہدایت عطا کرتا ہے تو انسان حق و باطل میں فرق کرنے لگتا ہے اور اس کی سوچ درست سمت اختیار کر لیتی ہے۔

# ذکر، فکر اور رجوع الی اللہ

روحانی سفر کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان اور اس کی معرفت ہے۔ جب انسان دل کی گہرائی سے یہ حقیقت تسلیم کر لیتا ہے کہ کائنات کا ہر نظام ایک ہی خالق کے قبضۂ قدرت میں ہے تو اس کے اندر ایک نئی بیداری پیدا ہوتی ہے۔ یہی بیداری اسے غفلت سے نکال کر ذکر، فکر اور رجوع الی اللہ کی طرف لے جاتی ہے۔ روحانی سفر دراصل اسی شعور کا نام ہے جس میں بندہ اپنے رب کی طرف مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔

اللہ کی وحدانیت کا ادراک انسان کے دل کو سکون اور اطمینان عطا کرتا ہے۔ جب بندہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی حقیقی مددگار، محافظ اور معبود نہیں تو اس کے اندر سے خوف، اضطراب اور بے چینی ختم ہونے لگتی ہے۔ وہ ہر حال میں اپنے رب پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی کو اپنا سہارا سمجھتا ہے۔ یہی توحید کا عملی اثر ہے جو انسان کی زندگی کو پرسکون اور متوازن بنا دیتا ہے۔

روحانی سفر کا کمال یہ ہے کہ انسان ہر لمحہ اللہ کی طرف متوجہ رہنے لگتا ہے۔ اس کی سوچ، اس کے اعمال اور اس کی نیتیں سب اسی ایک مرکز کی طرف مائل ہو جاتی ہیں۔ وحدانیت کا شعور اسے کثرت کے پردوں سے نکال کر وحدت کی حقیقت تک پہنچاتا ہے، جہاں وہ ہر چیز میں اپنے رب کی قدرت اور رحمت کو دیکھتا ہے۔ یہی مقام روحانی ترقی اور حقیقی معرفت کا آغاز ہے۔

## یہی سے میرا روحانی اور فکری سفر شروع

یہیں سے، اے دل! میرا روحانی اور فکری سفر شروع ہوا، نہ راستہ معلوم تھا اور نہ

منزل کی پوری خبر، مگر دل اس یقین سے مطمئن تھا کہ میرا اللہ، میرا خالق، میرا مالک، میرا وارث اور میرا حقیقی پالنے والا ہر لمحہ میرے ساتھ ہے۔ وہی وحدہٗ لاشریک ہے جس نے مجھے اپنی طرف بلایا، اور میں نے صدقِ دل سے اس کی طرف رجوع کیا۔ جب بندہ خلوص کے ساتھ اپنے رب کی طرف پلٹتا ہے تو اس کے دل میں ایک ایسی روشنی اترتی ہے جو اس کے اندھیروں کو بدل کر اطمینان میں تبدیل کر دیتی ہے۔

تب اس نے میرے دل کو نور سے بھر دیا اور مجھے خوف وحزن سے آزاد کر دیا، جیسا کہ دل میں یہ یقین راسخ ہو گیا کہ "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"۔ میری ہر فکر، ہر اضطراب اور ہر تشویش اس کے ذکر کی روشنی میں سکون اور اطمینان میں ڈھل گئی۔ اب ہر لمحہ، ہر سانس اور ہر سوچ میرے رب کی قربت اور اس کی وحدانیت کا آئینہ بن چکی ہے، اور دل یقین کے ایک ایسے سمندر میں بہنے لگا ہے جہاں صرف سکون اور توکل کی لہریں ہیں۔

یہیں سے میری روح کا سفر شروع ہوا، یہی میری معرفت کا آغاز ہے، اور یہی وہ لمحہ ہے جہاں دل اللہ کی محبت، اس کے حضور اور اس کی صفاتِ کاملہ میں غرق ہونے لگتا ہے۔ ہر لمحہ ایک نیا سبق ہے، ہر سانس ایک نیا نور ہے، اور ہر فکر ایک نئی سمت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ یہ سب میرے رب کے فضل، اس کی حکمت اور اس کی قربت کا نتیجہ ہے، جو دل کو مسلسل روشنی اور زندگی کو مقصد عطا کرتا ہے۔

اے دل! یاد رکھ، یہ سفر نہ ختم ہونے والا ہے اور نہ اس کی کوئی آخری حد ہے، کیونکہ یہ عشقِ الٰہی کا سفر ہے۔ یہ وہ راہ ہے جہاں خوف کی جگہ سکون، اضطراب کی جگہ اطمینان اور بے یقینی کی جگہ یقین کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ اور یہی قلبی سکون دراصل قربِ الٰہی کی سب سے بڑی نشانی ہے۔

# تخلیق انسان کا مقصد اوّل کیا ہے؟

انسانی پیدائش کا مقصدِ اوّل بندگیِ الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں محض کھیل تماشے یا بے مقصد وجود کے طور پر نہیں بھیجا بلکہ ایک عظیم ذمہ داری کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، اور وہ ذمہ داری اپنے خالق کی پہچان، اس کی اطاعت اور اس کی بندگی ہے۔ بندگی کا مطلب صرف عبادات ادا کرنا نہیں بلکہ پوری زندگی کو اللہ کے احکام کے تابع کر دینا ہے، تاکہ انسان کا ہر عمل اس کے رب کی رضا کے مطابق ہو۔

جب انسان اپنی اصل حقیقت کو سمجھ لیتا ہے کہ وہ عبد (بندہ) ہے تو اس کے اندر سے غرور اور خود پسندی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اپنی مرضی کو نہیں بلکہ اپنے رب کی مرضی کو ترجیح دیتا ہے۔ یہی شعور اسے ایک متوازن، پرسکون اور بامقصد زندگی عطا کرتا ہے۔ بندگی دراصل انسان کے وجود کی معراج ہے، کیونکہ اسی میں اس کی کامیابی، نجات اور حقیقی عزت پوشیدہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

(سورۃ الذاریات:۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

تشریح: یہ آیت صاف ظاہر کرتی ہے کہ انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد اللہ کی عبادت ہے۔ عبادت صرف ظاہری اعمال (نماز، روزہ) تک محدود نہیں بلکہ دل کی تسلیم، علم، اعمال، اخلاق اور اللہ کی رضا کی تلاش بھی عبادت میں شامل ہے۔

یہ عبادت انسان کو اللہ کے قریب کرتی ہے اور اس کی زندگی کا مقصد واضح کرتی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انسان یا جنات کو پیدا نہ کیا ہوتا، تب بھی وہ خالق مطلق رہتے۔ یعنی اللہ کی ذات کی عظمت، قدرت، علم اور کامل ہونا کسی مخلوق پر منحصر نہیں ہے۔

## حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: قَالَ اللهُ تَعَالَى: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ...

(صحيح البخاري: 1904 صحيح مسلم، :1151)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بنی آدم کے تمام اعمال اسی (بندے) کے لیے ہیں، سوائے روزے کے، کیونکہ وہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، اور روزہ (گناہوں سے) ڈھال ہے.....''

تشریح: یہ حدیثِ قدسی روزے کی ایک منفرد شان کو ظاہر کرتی ہے۔ عام اعمال میں کچھ نہ کچھ ریا (دکھاوا) کا امکان ہوتا ہے، لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان ایک خفیہ راز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف خاص منسوب فرمایا: "فَإِنَّهُ لِي" یعنی "یہ خاص میرے لیے ہے"۔

عرفانی نقطۂ نظر سے روزہ نفس کی تربیت اور روح کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ جب بندہ کھانے، پینے اور خواہشات سے رک جاتا ہے تو وہ اپنے نفس کو مغلوب کر کے اللہ کی رضا کو مقدم کرتا ہے۔ یہی کیفیت بندے کو اخلاص کے اعلیٰ درجے تک پہنچاتی

ہے، جہاں وہ ہر عمل صرف اللہ کے لیے کرنے لگتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روزے کا اجر خود عطا فرمائے گا، جس کی کوئی حد متعین نہیں۔ یہ بندے کے لیے ایک عظیم بشارت ہے کہ اگر وہ اخلاص کے ساتھ عبادت کرے تو اللہ کی طرف سے بے حساب انعامات اس کے منتظر ہیں۔ یہی اخلاص اور للّٰہیت دراصل بندگی کی روح ہے، جو انسان کو قربِ الٰہی کی بلند منازل تک پہنچاتی ہے۔

## عارفانہ انداز

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی معرفت اور قربت کے لیے پیدا فرمایا ہے، اور اسی کی روح میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے کی فطری خواہش ودیعت کر دی ہے۔ انسان کا باطن دراصل ایک ایسا آئینہ ہے جو اپنے خالق کی پہچان چاہتا ہے۔ جب یہ خواہش بیدار ہوتی ہے تو انسان علم، محبت اور عرفان کے راستوں پر گامزن ہو کر اپنے رب کی قربت کی طرف سفر شروع کرتا ہے، اور یہی سفر اس کی اصل روحانی حقیقت کو آشکار کرتا ہے۔

اگر دل کی آنکھ سے دیکھا جائے تو ہر انسان کی تخلیق ایک عظیم اور نورانی منصوبے کا حصہ نظر آتی ہے، جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے کلام، اس کی قدرت اور اس کے جمال کا مشاہدہ اور اس کی بندگی ہے۔ انسان کا علم، اس کی محبت، اس کی فکر اور اس کے اعمال دراصل اسی ایک مرکز کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، جہاں اسے اپنے وجود کا اصل راز ملتا ہے۔ جب انسان اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کی پوری زندگی ایک شعوری عبادت میں ڈھل جاتی ہے، اور وہ ہر شے میں اپنے رب کی تجلیات کو دیکھنے لگتا ہے۔

# میرے دل کی گہرائی اور جذبات

اے دل! تو اسی کا ہے، اسی کی بندگی کے لیے وجود میں آیا ہے، اور تیری ہر دھڑکن اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ تیرا اصل تعلق تیرے خالق و مالک سے ہے۔ دنیا کی ہر خوشی اور ہر غم، ہر لمحہ اور ہر سانس تجھے اسی کی یاد دلاتی ہے، تاکہ تو غفلت کے پردوں سے نکل کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اگر یہ کائنات نہ بھی ہوتی، زمین و آسمان نہ بھی ہوتے، تب بھی اس کی عظمت و جلال میں کوئی کمی نہ آتی، کیونکہ وہ ہر شے سے بے نیاز اور ہر کمال کا مالک ہے۔

انسان کی حقیقت یہی ہے کہ وہ اپنے رب کے لیے پیدا کیا گیا ہے، نہ کہ محض دنیا کی لذتوں میں گم ہونے کے لیے۔ اسی شعور کے ساتھ جب دل بیدار ہوتا ہے تو اس کی ہر سانس ذکر بن جاتی ہے، ہر سوچ نور بن جاتی ہے، اور ہر لمحہ عبادت کی کیفیت اختیار کر لیتا ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے عشق میں ایسا غرق کر دے کہ ہماری ہر خواہش، ہر نیت اور ہر عمل تیرے ہی لیے ہو جائے، اور ہماری زندگی تیرے ذکر، تیری محبت اور تیری رضا کا آئینہ بن جائے۔

# اللہ کی حاکمیت اور ہر شے پر قدرت

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کامل اور مطلق ہے، وہی اس کائنات کا حقیقی بادشاہ اور فرمانروا ہے۔ زمین و آسمان، زمان و مکان، زندگی و موت سب اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ اس کی اجازت کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا، اور نہ ہی کوئی واقعہ اس کی مشیت کے بغیر رونما ہو سکتا ہے۔ اس کی حکومت کسی حد، کسی قانون اور کسی شریک کی محتاج نہیں، بلکہ ہر قانون اسی کے حکم سے قائم ہے اور ہر نظام اسی کے ارادے سے چل رہا ہے۔

اللہ کی قدرت ہر شے کو محیط ہے، وہ عدم سے وجود پیدا کرنے والا ہے اور وجود کو باقی رکھنے والا بھی۔ اس کے لیے ناممکن کا کوئی تصور نہیں، کیونکہ وہ "کُنْ فَیَکُوْنُ" کا مالک ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس کہتا ہے "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے۔ یہی یقین بندے کے دل میں توکل، سکون اور یقین پیدا کرتا ہے، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز پر قادر ہے، ہر مشکل کو آسان کر سکتا ہے، اور ہر ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔ یہی شعور انسان کو اللہ کی طرف جھکاتا ہے اور اسے حقیقی بندگی اور اطاعت کی طرف لے جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۶۲﴾

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

(سورۃ الزمر، 62:39)

تشریح: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مطلق تخلیق اور مالکیت کو واضح کرتی ہے۔

1. تخلیق کی حقیقت: اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اپنے حکم اور قدرت سے پیدا کرتا ہے۔

کائنات کا ہر ذرّہ، ہر پہلو، ہر لمحہ، اسی کی تخلیق کا مظہر ہے۔

2۔ مالکیت: اللہ تعالیٰ صرف پیدا کرنے والا نہیں بلکہ سب پر حاکم اور نگہبان بھی ہے۔ یہ مالکیت انسانی مفہوم کی طرح محدود نہیں بلکہ ہر شے کے نظم، حفاظت، اور وجود کو برقرار رکھنے والی ہے۔

3۔ انسان کے لیے سبق: اس آیت سے انسان کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اس کی ذات پر توکل رکھے، اور ہر شے کو اللہ کی مشیت میں سمجھے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۶

(سورۃ المجادلہ:6)

ترجمہ: ''جس دن اللہ ان سب کو (قبروں سے) اٹھائے گا، پھر انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔ اللہ نے ان (اعمال) کو شمار کر رکھا ہے اور وہ (خود) انہیں بھول گئے ہیں، اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔''

شرح: یہ آیت قیامت کے دن کی ایک نہایت ہولناک اور بیدار کن منظر کشی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ان کے ایک ایک عمل کو ان کے سامنے ظاہر کر دے گا۔ انسان دنیا میں بہت سے اعمال کو بھول جاتا ہے یا انہیں معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر عمل محفوظ اور گنا ہوا ہے۔ یہ بات بندے کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ اس کی زندگی کا کوئی لمحہ بے حساب نہیں۔

أَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ میں ایک گہرا پیغام ہے کہ انسان کی بھول اور غفلت کے باوجود اللہ کا علم کامل اور محیط ہے۔ جو باتیں انسان کے ذہن سے مٹ جاتی ہیں، وہ بھی

اللہ کے علم میں محفوظ رہتی ہیں۔ یہی شعور انسان کے اندر ذمہ داری، احتساب اور تقویٰ پیدا کرتا ہے، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ ہر قول و فعل ایک دن اس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ امطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا، جاننے والا اور گواہ ہے۔ کوئی عمل، کوئی نیت، کوئی خیال بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ عرفانی لحاظ سے یہ آیت بندے کے اندر ''احساسِ حضور'' پیدا کرتی ہے، یعنی وہ ہر وقت اپنے رب کو اپنے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ یہی کیفیت انسان کو گناہوں سے بچاتی اور نیکیوں کی طرف راغب کرتی ہے، اور وہ اپنی زندگی کو اللہ کی رضا کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔

## حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: كَتَبَ اللهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ

(صحیح مسلم، حدیث نمبر:2653)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں، اور اس کا عرش پانی پر تھا۔''

تشریح: یہ روایت اللہ تعالیٰ کی کامل خالقیت اور اس کے علمِ محیط کو بیان کرتی ہے۔ اللہ نہ صرف ہر چیز کا خالق ہے بلکہ وہ ہر چیز کے احوال، حرکات اور انجام سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ اس کا علم زمان و مکان کی حدود سے ماورا ہے، اور اس کی گواہی ہر شے پر قائم ہے۔

عرفانی اعتبار سے بندہ جب اس حقیقت کو سمجھتا ہے کہ اس کا رب ہر لمحہ اس پر ناظر اور اس کے اعمال کا گواہ ہے، تو اس کے دل میں ایک خاص کیفیتِ حضوری پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ تنہائی میں بھی اپنے رب کو حاضر و ناظر جانتا ہے اور اپنے اعمال کو سنوارنے لگتا ہے۔ یہی احساس تقویٰ کی بنیاد بنتا ہے۔

یہ تعلیم انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ کائنات کا ہر نظام اللہ کے علم اور قدرت کے تحت چل رہا ہے۔ کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں، اور کوئی عمل اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔ یہی یقین بندے کو اللہ کی طرف متوجہ رکھتا ہے اور اسے ایک بامقصد، بااخلاص اور متوازن زندگی گزارنے کی طرف رہنمائی دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر ذرے میں اپنی نشانی چھپائے ہوئے ہے۔ پہاڑ کی بلندی، سمندر کی گہرائی، فلک کی گردش، یہ سب اللہ کی تخلیق کی تابناکی ہیں۔

عرفان کے مطابق انسان جب کائنات کی ہر شے میں اللہ کی نشانی دیکھتا ہے، تو اس کا دل اللہ کی محبت اور معرفت سے معمور ہو جاتا ہے۔ تخلیق اور مالکیت کا یہ راز انسان کو عاجزی، توکل، اور شکر گزاری کی طرف لے جاتا ہے۔

## دل کی گہرائی اور جذباتی انداز

اے دل! غور کرو، ہر پھول کی خوشبو، ہر بارش کی بوند، ہر ہوا کی حرکت، سب اللہ کی محبت اور قدرت کی عکاسی کرتی ہے۔

جب میں اپنے دل کی گہرائیوں سے سوچتا ہوں، تو ہر شے مجھے اللہ کی عظمت کی

یاد دلاتی ہے۔ ہر نظر جو میں کائنات پر ڈالتا ہوں، ہر سانس جو میں لیتا ہوں، یہ سب مجھے یہ بتاتے ہیں کہ میں اللہ کی تخلیق کا ایک چھوٹا سا حصہ ہوں، اور وہ میری ہر حالت کا مالک ہے۔ اے میرے رب! میری آنکھیں، میرے دل، میرے وجود، سب تیرے لیے حیرت و محبت سے بھر جائیں، کیونکہ تو ہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔

## ہر ذرّے میں چھپی اللہ کی عظمت

کائنات کی ہر ہوا، ہر روشنی، ہر بارش کی بوند، اور ہر پھول کی خوشبو میں وہی چھپا ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ ہر پہاڑ کی بلندی، ہر سمندر کی گہرائی، ہر ستارہ جو آسمان پر ٹمٹماتا ہے، یہ سب اُس کی قدرت کے نقوش ہیں۔

اے دل! جب تو زمین کی نرم مٹی میں ہاتھ ڈالے، ہر ذرّے کو محسوس کر، تو جان لے کہ وہی ہر ذرے کا مالک ہے، وہی ہر حرکت کا نگہبان ہے۔

جب شب کی خاموشی میں چاند کی روشنی دل پر پڑتی ہے، اور ہوا درختوں کی شاخوں سے سرگوشی کرتی ہے، تو یہ سب ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم اُس کی تخلیق کے مظاہر کے سامنے عاجز ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر لمحہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے، اور ہر شے اُس کی مشیت کے تحت حرکت کرتی ہے۔ وہی ہمیں زندگی کی ہستی عطا کرنے والا، اور ہر آزمائش میں ہمارا مددگار ہے۔

اے اللہ! تو ہی میرا خالق، میرا مالک، میرا رازدان اور میرا ہر حال میں مددگار ہے۔ تیرے بغیر یہ دنیا ایک خالی کائنات ہے، اور تیرے ساتھ ہر لمحہ ایک نعمت ہے، ہر شے ایک نشان ہے، اور ہر لمحہ تیری محبت کا پیامبر ہے۔

# اللہ احد ہے- اور احدیت کیا ہے؟

''اللہ اَحد'' ہے یعنی وہ اپنی ذات، صفات اور ربوبیت میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، کوئی مثل نہیں، اور کوئی اس کے برابر نہیں۔ ''احد'' کا مفہوم صرف ''ایک'' ہونا نہیں بلکہ ایسی وحدت ہے جس میں کسی قسم کی کثرت، تقسیم یا شراکت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

''احدیت'' اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس میں اس کی ذات ہر اعتبار سے تنہا اور بے مثال ہے۔ اس کی ذات نہ کسی جز سے مرکب ہے، نہ کسی محتاجی کی پابند، اور نہ ہی کسی دوسری ہستی سے وابستہ۔ وہ اپنی صفات میں بھی کامل ہے؛ اس کی رحمت، قدرت، علم، حیات سب ازلی اور ابدی ہیں، مگر یہ سب اس کی ذات میں کسی تعدد یا بکھراؤ کا باعث نہیں بنتیں بلکہ ایک ہی کامل حقیقت کا اظہار ہیں۔

عرفانی نقطۂ نظر سے احدیت کا مطلب یہ ہے کہ حقیقتِ وجود میں اصل صرف اللہ ہے، اور باقی ہر شے اس کے ارادے اور تخلیق سے وابستہ ہے۔ بندہ جب اس حقیقت کو سمجھتا ہے تو اس کے دل سے کثرت کے پردے اٹھنے لگتے ہیں اور وہ ہر شے میں ایک ہی رب کی کارفرمائی دیکھنے لگتا ہے۔ یہی شعور اسے توحید کے اعلیٰ مقام تک لے جاتا ہے جہاں ہر طرف صرف ''وہی'' نظر آتا ہے، اور ہر نسبت اسی کی طرف لوٹتی ہے۔

اللہ احد ہے یعنی اللہ ایک ہے، یکتا ہے، اس کا کوئی شریک، ہمسر یا مثال نہیں ہے۔ احدیت اللہ کی وہ صفت ہے جس میں اس کی ذات ہر طرح کی کثرت، تقسیم اور شراکت سے پاک ہے۔ نہ اس جیسا کوئی ہے، نہ اس کا کوئی حصہ، وہ اپنی ذات اور صفات میں بالکل منفرد ہے۔

سوال 1: اللہ کے لیے ''احد'' کا لفظ کیا معنی رکھتا ہے؟

جواب: ''احد'' کا معنی ہے ایسا ایک جس کی کوئی مثال، نظیر، مثل، جز، شریک یا تقسیم نہ ہو۔ اللہ کی احدیت کا مطلب یہ ہے کہ: وہ عدد میں ایک نہیں بلکہ وحدانیتِ مطلق ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١

آپ فرمادیں (محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم): وہ اللہ ایک ہے۔

(سورۃ الاخلاص: 1)

یہ آیت توحید کے بنیادی عقیدے کا نہایت جامع اور واضح اعلان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ لوگوں سے صاف الفاظ میں کہہ دیں کہ اللہ ایک ہے۔

قُلْ (فرمادیجیے)۔

یہ لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ توحید کا پیغام براہِ راست اللہ کی طرف سے ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ وحی کے مطابق اعلان فرماتے ہیں۔

وَ اللّٰهُ اَحَدٌ

''اللہ'': وہ ذات جو عبادت کے لائق ہے، جو سب کی خالق اور مالک ہے۔

''احد'': یعنی یکتا، بے مثال، جس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ اختیار میں۔

یہ لفظ ''واحد'' سے بھی زیادہ جامع ہے، کیونکہ ''احد'' کامل یکتائی کو ظاہر کرتا ہے، ایسی یکتائی جس میں کسی قسم کی تقسیم یا شراکت ممکن نہیں۔

## عقیدے کا خلاصہ

یہ آیت اعلان کرتی ہے کہ: اللہ اپنی ذات میں یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک،

ہمسر یا برابر نہیں ہے۔

یہ آیت اسلامی عقیدے کی بنیاد کو واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور اختیارات میں مکمل طور پر یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک، ہمسر یا برابر نہیں ہے، نہ ہی اس کی الوہیت میں کوئی حصہ دار ہے۔ وہی خالق، مالک اور پوری کائنات کا حقیقی حاکم ہے، اور اس کی وحدانیت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

اس عقیدے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تمام عبادت، دعا، سجدہ، امید اور بھروسہ صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہو۔ انسان اپنی زندگی کے ہر معاملے میں اسی پر توکل کرے اور اسی سے مدد طلب کرے، کیونکہ حقیقی نفع ونقصان صرف اسی کے اختیار میں ہے۔

ایک وجدانی تفسیر: آپ فرمادیں: وہ اللہ ایک ہے۔ (سورۃ الاخلاص:1)

یہ صرف ایک آیت نہیں، یہ دل کی دھڑکن ہے؛ یہ کائنات کی سب سے سادہ اور سب سے گہری سچائی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی حضرت ''محمد رسول اللہ'' ﷺ سے فرماتا ہے کہ ''کہہ دیجئے''، تو گویا ساری انسانیت کو صدا دی جارہی ہے کہ سنو! حقیقت ایک ہے، مرکز ایک ہے، سہارا ایک ہے۔

## ''قُل'' اعلانِ یقین

''کہہ دیجئے'' میں عجب شان ہے۔ یہ خاموشی کو توڑنے کا حکم ہے، یہ شک کے اندھیروں میں روشنی جلانے کا اذن ہے۔ گویا نبی ﷺ کے لبوں سے نکلنے والا ہر لفظ دلوں کے پردے ہٹا دیتا ہے۔ یہ اعلان ہے کہ سچائی کسی فلسفے کی محتاج نہیں، وہ خود اپنی دلیل ہے۔

**ھُو**: ''وہ'' ایک ایسا اشارہ جو ہر حد سے ماورا ہے۔

نہ آنکھ اسے دیکھ سکتی ہے، نہ خیال اسے گھیر سکتا ہے، مگر دل جانتا ہے کہ وہ ہے۔

جب انسان تنہائی میں اپنے باطن کی گہرائی میں اُترتا ہے تو ایک لطیف سی موجودگی محسوس کرتا ہے، وہی ''ھُوَ'' ہے۔ ''اللہ'' معبودِ برحق۔

اللہ وہ ذات ہے جس کے آگے سب جھکتے ہیں، چاہے شعوری طور پر یا لاشعوری طور پر۔ ہوا کا چلنا، دل کا دھڑکنا، آنکھ کا جھپکنا سب اسی کے حکم کے تابع ہیں۔

یہ نام لیتے ہی دل کو سکون ملتا ہے، جیسے بکھری ہوئی سوچیں ایک مرکز پر جمع ہو جائیں۔

## أَحَدٌ یکتائی کا راز

''احد'' ایسی یکتائی جس میں کوئی شراکت ممکن ہی نہیں۔ نہ اس جیسا کوئی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا۔ وہ اپنی ذات میں مکمل، اپنی صفات میں کامل، اپنی قدرت میں بے مثال ہے۔ وجدانی طور پر ''احد'' کا مطلب یہ ہے کہ دل کے تخت پر صرف ایک کا حق ہے۔ جب انسان اس راز کو پالیتا ہے تو اس کے خوف مٹ جاتے ہیں، کیونکہ اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ طاقت کا سرچشمہ ایک ہے۔

اس کی امیدیں مضبوط ہوجاتی ہیں، کیونکہ دینے والا ایک ہے۔

اس کی محبت پاک ہوجاتی ہے، کیونکہ اصل محبوب ایک ہے۔

## روحانی انجام

''قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ'' دراصل دل کو آزاد کرنے کا پیغام ہے۔

یہ بتاتا ہے کہ انسان کو بکھرنے کی ضرورت نہیں، اسے کئی سہاروں کی تلاش میں سرگرداں ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

مرکز ایک ہے اور جب مرکز ایک ہوجائے تو زندگی میں سکون اتر آتا ہے۔

پھر دل کی گہرائی سے ایک سرگوشی سنائی دیتی ہے:

''وہ ایک ہے اور میں اسی ایک کا ہوں''۔

اور یہی احساس توحید کا وجدانی ذوق ہے، جو انسان کو دنیا کی کثرت میں بھی وحدت کا نور دکھا دیتا ہے۔

سوال 2: کیا ''احد'' اور ''واحد'' میں فرق ہے؟

جواب: جی ہاں، بڑا لطیف فرق ہے۔

واحد اس ایک کو کہتے ہیں جس کے مانند دوسرا فرض کیا جا سکتا ہو۔

احد وہ ایک ہے جس کا دوسرا فرض ہی نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ واحد بھی ہے، مگر احد اس لیے ہے کہ اس کی ذات میں کسی قسم کی کثرت، ترکیب یا تعدد کا تصور ممکن ہی نہیں۔

سوال 3: اللہ کی احدیت کن چیزوں کی نفی کرتی ہے؟

جواب: احدیت ان تمام چیزوں کی نفی کرتی ہے: ذات میں شریک کی، صفات میں مشابہت کی، فعال میں معاون کی، ارادہ میں مقابل کی، وجود میں ہمسر کی۔

قرآن فرماتا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ

اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ (الشوریٰ: 11)

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی بے مثال ذات کا اعلان ہے۔

اس جیسی کوئی چیز نہیں، یعنی نہ اس کی ذات کسی کے مشابہ ہے، نہ اس کی صفات، نہ اس کی قدرت۔ عقیدے کا مفہوم: اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں منفرد ہے۔

مخلوق کی کوئی چیز اس کے برابر یا اس جیسی نہیں ہو سکتی۔

جو کچھ ہم دیکھتے، سوچتے یا تصور کرتے ہیں، وہ سب مخلوق کے دائرے میں آتا ہے اور اللہ اس دائرے سے ماورا ہے۔

یہ آیت توحید کی حفاظت کرتی ہے۔ یہ ہمیں سکھاتی ہے کہ اللہ کو انسانی پیمانوں پر

نہیں ناپا جاسکتا۔ اس کی مثال تلاش کرنا ہی غلط ہے، کیونکہ وہ مثالوں سے بلند ہے۔

## وجدانی پہلو:

جب دل اس آیت پر غور کرتا ہے تو ایک عجیب سا ادب پیدا ہوتا ہے۔

انسان سمجھ جاتا ہے کہ اس کی عقل محدود ہے، اور اللہ کی حقیقت لامحدود۔

ہم جب کسی چیز کو خوبصورت کہتے ہیں تو وہ خوبصورتی بھی اسی کی دی ہوئی ہے، مگر وہ خود اس سے کہیں بڑھ کر حسن و جمال والا ہے۔

ہم جب کسی کو طاقتور کہتے ہیں تو وہ طاقت بھی اسی کی عطا ہے، مگر اس کی قدرت بے پایاں ہے۔ گویا جو کچھ بھی کائنات میں ہے وہ اس کی نشانی ہے، مگر اس کی ذات کسی نشانی کی محتاج نہیں۔

روحانی اثر: یہ آیت انسان کو دو باتیں سکھاتی ہے:

1. عاجزی کہ ہم اپنی عقل کو حد سے آگے نہ بڑھائیں۔
2. خالص توحید کہ دل میں کسی کو اللہ کے برابر نہ ٹھہرائیں۔

جب انسان اس حقیقت کو پالیتا ہے تو اس کا دل مخلوق کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ اصل قدرت اور عظمت صرف ایک ہی ذات کے پاس ہے اور اس جیسا کوئی نہیں ہے۔ تب روح خاموشی سے گواہی دیتی ہے:

''وہ بے مثال ہے، اور اسی بے مثال کی طرف میرا دل جھکتا ہے''۔

سوال 4: کیا اللہ کی احدیت صرف عقیدہ ہے یا حقیقت بھی؟

جواب: اللہ کی احدیت محض ذہنی تصور نہیں بلکہ وجودی حقیقت ہے۔ ہر موجود چیز اپنے وجود میں محتاج ہے، اپنی بقا میں محتاج ہے اور محتاج احد نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا غنی بالذات صرف اللہ ہے۔

سوال 5: احدیت اور توحید میں کیا فرق ہے؟

جواب: توحید بندے کا اقرار ہے، احدیت اللہ کی حقیقت ہے۔ بندہ توحید مانتا ہے، مگر اللہ احد ہے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔

سوال 6: کیا عقل اللہ کی احدیت کو مکمل طور پر سمجھ سکتی ہے؟

جواب: نہیں۔ عقل وحدت کو عدد میں سمجھتی ہے اور احدیت عدد سے ماورا ہے، اسی لیے احدیت سمجھی نہیں جاتی، تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ ایمان کا مقام ہے، فلسفہ کا نہیں۔

سوال 7: احدیت کا تعلق صفات کے ساتھ کیسے ہے؟

جواب: اللہ کی صفات متعدد نظر آتی ہیں مگر ذات میں کوئی کثرت پیدا نہیں کرتیں کیونکہ علم بھی وہی، قدرت بھی وہی، حیات بھی وہی، یہی وجہ ہے کہ احدیت میں صفات جمع ہو کر بھی وحدت کو نہیں توڑتیں۔

سوال 8: احدیت کا تعلق مخلوق سے کیسے ظاہر ہوتا ہے؟

جواب: مخلوق میں کثرت ہے، مگر یہ کثرت اللہ کی احدیت کی دلیل ہے، اس کی نفی نہیں، جیسے سورج ایک ہو اور اس کی کرنیں بہت ہوں، ویسے ہی احد ذات سے کائنات کی کثرت ظاہر ہوئی۔

سوال 9: صوفیاء کے نزدیک احدیت کیا ہے؟

جواب: صوفیاء فرماتے ہیں: احدیت وہ مقام ہے جہاں نام، صفت، اشارہ سب خاموش ہو جاتے ہیں۔ وہاں نہ ''میں'' باقی رہتا ہے، نہ ''تو''۔ یہ مقام فنا فی التوحید کا ہے۔

سوال 10: بندے پر احدیت کا اثر کیا ہونا چاہیے؟

جواب: اگر بندہ اللہ کو احد تسلیم کر لے تو دل میں غیر کی جگہ نہیں رہتی، عمل میں ریا ختم ہو جاتی ہے اور خوف و امید صرف اللہ سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ یہی احدیت کا عملی ثمر ہے۔

# اللہ کی شانِ احدیت

(ایک پُرشکوہ باطنی سفرنامہ)

یہ وہ لمحہ تھا جب دل کے افق پر کثرت کے سارے پردے دھندلا گئے، اور فکر کے تمام راستے ایک ہی سمت میں سمٹ آئے۔ میں نے اپنے اندر جھانکا تو ہر خیال، ہر احساس، ہر ادراک ایک ہی نکتے پر آ کر ٹھہر گیا ''احد''۔ نہ کوئی شریک، نہ کوئی مثال، نہ کوئی مقابل..... بس ایک ایسی حقیقت جو ہر تصور سے ماورا، ہر تعریف سے بلند اور ہر گمان سے پاک تھی۔

اس باطنی سفر میں میں نے دیکھا کہ وجود کی ہر لہر اسی ایک حقیقت کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کائنات کی وسعتیں گویا ایک ہی صدا دے رہی تھیں: ''وہ ایک ہے''۔ ہر ستارہ، ہر ذرہ، ہر سانس اس کی وحدت کا خاموش اعلان تھا۔ دل نے جب اس صدا کو سنا تو سکون کی ایک ایسی کیفیت اتر آئی جس میں سوال ختم ہو گئے اور جواب خود نور بن کر ظاہر ہونے لگے۔

پھر شعور نے یہ سمجھا کہ احدیت صرف ایک عقیدہ نہیں بلکہ ایک مشاہدہ ہے ایسا مشاہدہ جو دل کو بکھرنے نہیں دیتا۔ جب بندہ اس حقیقت کے قریب ہوتا ہے تو اس کے اندر سے ''میں'' کا بوجھ ہلکا ہونے لگتا ہے اور ''وہ'' کی روشنی غالب آ جاتی ہے۔ ہر نسبت، ہر تعلق، ہر امید اسی ایک مرکز کی طرف لوٹتی ہے، جہاں نہ تعدد ہے نہ تقسیم، صرف کامل وحدت ہے۔

اور اسی مقام پر دل نے خاموشی سے کہا: ''یہی آغاز بھی ہے اور یہی انجام بھی''۔ نہ راستہ باقی رہا، نہ منزل کا بوجھ بس ایک ہی حقیقت رہ گئی: اللہ احد ہے، اور ہر شے اسی کی طرف لوٹنے والی ہے۔

## ۱۔ درِ طلب پر پہلی دستک

میں دیر تک خاموش کھڑا رہا، جیسے وقت بھی رُک گیا ہو۔ وہ صدا میرے اندر کسی گہرے زخم پر مرہم بن کر اُتری تھی۔ پہلی بار محسوس ہوا کہ بکھراؤ صرف باہر نہیں تھا، اندر بھی ایک خلا تھا جسے دنیا کی کوئی چیز بھر نہیں سکتی تھی۔ ہر خواہش، ہر دوڑ، ہر پہچان جیسے ایک دھوکہ لگنے لگی اور اس دھوکے کے پیچھے پہلی بار سچ کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی۔

پھر رفتہ رفتہ دل نے سیکھنا شروع کیا کہ اصل طلب کہاں ہے۔ وہ جو ''احد'' ہے، وہ باہر نہیں، وہ دل کے اس سکوت میں ہے جہاں انسان اپنی انا کو خاموش کرتا ہے۔ اس لمحے سمجھ آیا کہ اصل سفر باہر کی دنیا سے نہیں، اندر کی سمت ہے۔ جہاں انسان اپنے رب کو نہیں ڈھونڈتا، بلکہ اپنے اندر سے پردے ہٹاتا ہے۔

جب میں نے خود کو دیکھا تو میں بکھرا ہوا تھا۔
خواہشوں کے ہجوم میں، خیالوں کی گرد میں، نام و نمود کی دھند میں۔
پھر ایک شب، جب تنہائی نے مجھے میرے روبرو کیا،
دل کے اندر سے ایک صدا آئی: ''وہ ایک ہے..... احد ہے.....''
یہ لفظ نہیں تھا، یہ نور تھا جو سینے میں اتر کر روح کو جگا گیا۔

## ۲۔ اَحدیّت کا پہلا ادراک

احدیت کا پہلا ادراک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر تصورِ کثرت سے ماورا ہے۔ واحدیت میں اگرچہ صفات اور مظاہر کی نسبت سے کثرت کا ایک فہم آتا ہے، مگر احدیت اس نسبت سے بھی بلند ہے۔ وہ ایسی وحدت ہے جس میں نہ حصے ہیں، نہ جہات، نہ کوئی حد بندی۔ عقل یہاں پہنچ کر خاموش ہو جاتی ہے، کیونکہ جس حقیقت کا

کوئی مقابل نہ ہو، اسے کسی پیمانے سے ناپا نہیں جا سکتا۔

وہ ذات نہ کسی علت کی محتاج ہے اور نہ کسی نظامِ کائنات میں قید ہوتی ہے۔ اس کے لیے نہ اجتماع کا تصور ہے نہ افتراق کا، نہ اضافہ ممکن ہے نہ کمی۔ وہ ہر تعلق، ہر نسبت اور ہر تعریف سے پاک ہو کر بھی تمام وجود کا سرچشمہ ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بندہ فہم سے آگے بڑھ کر صرف عاجزی کے سجدے میں جھک جاتا ہے۔

واحدیت میں کثرت کا عکس ہوتا ہے، مگر احدیت تو ہر نسبت سے پاک ہے۔

وہ نہ کسی کا محتاج، نہ کسی کو محتاج بنانے والا (محتاجی کے معنی میں)؛ وہ نہ جمع میں آتا ہے، نہ تقسیم میں بٹتا ہے۔

اَحد (یکتا، یگانہ، فردِ واحد ذات) یعنی وہ تنہا حقیقت جس کے سامنے ہر تصور ٹوٹ جاتا ہے۔ میں نے سوچا: کیا میں اسے پا سکتا ہوں؟

جواب آیا: ''پا کر نہیں، مٹ کر''۔

## ۳۔ ذکر سے فکر تک

میں نے محسوس کیا کہ ذکر اب صرف الفاظ نہیں رہا، بلکہ ایک کیفیت بن رہا ہے جو زبان سے نکل کر وجود میں پھیل رہی ہے۔ پہلے زبان کہتی تھی، پھر دل گواہی دیتا تھا، پھر سانس خود ہی اس یاد میں ڈھلنے لگی۔ ہر لمحہ ایک لطیف سا احساس تھا کہ میں کہہ نہیں رہا، بلکہ کچھ مجھ میں کہلوایا جا رہا ہے۔

پھر رفتہ رفتہ لفظ اپنی شکل کھونے لگے۔ ''ہُو'' اور ''اَحد'' صرف صدا نہیں رہے، ایک اندرونی سکوت میں بدل گئے۔ نہ سوچ باقی رہی، نہ تعبیر، بس ایک خاموش حضوری رہ گئی جس میں نہ بولنے کی حاجت تھی، نہ سمجھانے کی۔ صرف ایک گہرا احساس کہ میں اپنے مرکز کے قریب ہو گیا ہوں۔

میں نے اُس کا نام پہلے زبان سے لیا، پھر دل سے، پھر سانس سے۔

ہر سانس کہتی: ''ھُو.....'' ہر دھڑکن کہتی: ''اَحد.....'' آہستہ آہستہ الفاظ گرنے لگے، اور صرف حضوری باقی رہ گئی۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ باہر نہیں، اندر بھی نہیں، بلکہ ہر جہت سے ماورا ہے، پھر بھی ہر شے سے قریب تر۔

## ۴۔ تجلی کا لمحہ

ایک لمحے میں سب فاصلے مٹ گئے، جیسے ذہن کی ساری لہریں ایک ہی سکون میں ڈوب گئیں۔ نہ ماضی کی گونج باقی رہی، نہ مستقبل کی پرچھائیں۔ وقت اپنی رفتار کھو بیٹھا، اور ادراک کی ہر کوشش بے معنی ہو گئی۔ صرف ایک ایسی خاموشی تھی جو بھاری بھی نہیں تھی اور خالی بھی نہیں۔ بلکہ بھرپور، جیسے وجود خود اپنے مرکز میں آ کر ٹھہر گیا ہو۔

اس کیفیت میں نہ دیکھنے والا باقی تھا، نہ دکھائی دینے والی کوئی شے۔ صرف ایک ایسی حضوری تھی جسے نہ بیان کیا جا سکتا تھا نہ محدود کیا جا سکتا تھا۔ وہ نور نہ کسی سمت میں تھا، نہ کسی شکل میں، مگر ہر چیز کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔ وہاں ''میں'' اور ''وہ'' کا فرق بھی دھندلا گیا، اور صرف ایک لطیف سا شعور باقی رہ گیا کہ سب کچھ ایک ہی حقیقت کے اندر ساکت ہے۔

ایک لمحہ آیا جب خیال بھی خاموش ہو گیا۔ نہ سوال رہا، نہ جواب۔ بس ایک نور بے رنگ، بے صورت، بے مثال۔ میں نے نہ آنکھ سے دیکھا نہ ذہن سے سمجھا، بلکہ دل کے ٹوٹنے میں اُسے پایا۔

اَحدیّت کی تجلی کسی شکل میں نہیں آتی، وہ شکلوں کو مٹا دیتی ہے۔

## ۵۔ فنا کا سمندر

میں اس خیال کو دلکش انداز میں بیان تو کر سکتا ہوں، مگر یہاں ایک نکتہ ضروری

ہے: ''فنا'' یا ''قطرہ سمندر میں گم ہو جانا'' جیسے استعارے صوفیانہ ادب میں کیفیت کے اظہار کے لیے آتے ہیں، لیکن انہیں حقیقی وجودی تحلیل (یعنی انسان کا حقیقتاً مٹ جانا یا الگ وجود ختم ہو جانا) کے طور پر لینا درست نہیں ہوتا۔ اسلامی عقیدے میں انسان کا وجود باقی رہتا ہے، البتہ اس کی اَنا، تکبر اور خود پسندی ٹوٹتی ہے۔

اسی کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کے متن کو یوں بہتر انداز میں بیان کیا جا سکتا ہے:

میں ایک قطرہ تھا، اپنی پہچان اور اپنی انفرادیت پر نازاں، اپنے ہونے کے احساس میں مطمئن۔ لیکن جب معرفت کی جھلک نصیب ہوئی تو یہ سمجھ آیا کہ قطرہ اپنی حقیقت میں سمندر سے جدا نہیں، بلکہ اسی کے نظام کا ایک حصہ ہے۔ اس ادراک نے انا کو نہیں مٹایا، بلکہ اس کی حد کو واضح کر دیا- کہ اصل عظمت میرے ہونے میں نہیں، بلکہ اس کے عطا کرنے میں ہے۔

پھر احساس یہ ہوا کہ سمندر میں گم ہونا دراصل اپنی حقیقت کو کھو دینا نہیں، بلکہ اپنی حقیقت کو اس کے صحیح مقام پر دیکھ لینا ہے۔ قطرہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے، مگر اب اس میں غرور نہیں رہتا- صرف شکر اور عاجزی رہ جاتی ہے کہ وہ وجود بھی اسی کے کرم سے ہے۔

مگر جب اُس احد کے سمندر میں اترا تو معلوم ہوا کہ قطرہ کبھی تھا ہی نہیں، سب سمندر ہی تھا۔ یہ فنا تھی، مگر خوفناک نہیں؛ یہ مٹنا تھا، مگر کھونا نہیں؛ یہ خود سے نکلنا تھا تاکہ اصل میں داخل ہو سکوں۔

## ۶۔ وجدانی سرور

اب نہ میں پہلے جیسا رہا نہ دنیا ویسی لگی۔ ہر چہرے میں اُسی کی جھلک، ہر آواز میں اُسی کی بازگشت، ہر ذرّے میں اُسی کا راز ہے۔

مگر احدیت کا کمال یہ ہے کہ وہ کسی میں حل نہیں ہوتی، سب کو پیدا کر کے بھی سب سے جدا رہتی ہے۔ یہی حیرت ہے، یہی عرفان ہے، یہی وجد کا نقطۂ کمال ہے۔

## ۷۔ بقا بعد از فنا

جب ''میں'' کا بوجھ ہلکا ہوا تو اندر ایک عجیب سا سکون باقی رہ گیا، جیسے شور کے بعد اچانک فضا صاف ہو جائے۔ نہ اپنی بڑائی کا خیال رہا، نہ کسی بات کو ثابت کرنے کی جلدی۔ دل اب کسی مقابلے میں نہیں تھا، بس ایک خاموش فہم میں ٹھہرا ہوا تھا۔

یہ کیفیت دراصل باطن کی وہ سادگی ہے جہاں انسان خود کو مرکز نہیں سمجھتا، بلکہ ایک بندے کے طور پر اپنی حد کو پہچان لیتا ہے۔ یہاں نہ انکار ہوتا ہے نہ دعویٰ، صرف ایک نرم سی قبولیت رہ جاتی ہے اور اسی میں دل کو قرار ملتا ہے کہ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے جس کے سامنے ہر چیز جھکی ہوئی ہے۔

جب ''میں'' مٹ گیا تو سکون باقی رہ گیا۔

نہ دعویٰ، نہ دلیل، نہ اظہار کی خواہش۔

بس خاموشی جو عبادت بن گئی۔ اب سفر ختم نہیں ہوا، بلکہ آغاز ہوا ہے۔

ہر دن نیا عرفان، ہر لمحہ نئی حضوری، ہر سانس ایک سجدہ۔

''اختتامی سرگوشی'' اَحدیّت کا سفر لفظوں میں مکمل نہیں ہو سکتا، کیونکہ جہاں اَحد کا نور ظاہر ہوتا ہے وہاں بیان کی حد ختم ہو جاتی ہے۔

میں نے جو پایا وہ علم نہیں حال ہے، وہ دلیل نہیں دید ہے، وہ خواب نہیں حضوری ہے۔ اور اب دل گواہی دیتا ہے: وہ اَحد ہے نہ اُس جیسا کوئی، نہ اُس کے سوا کوئی۔

میں کچھ نہیں، وہی سب کچھ ہے۔ یہی میرا سفر، یہی میرا عرفان، یہی میرا سکون شانِ اَحدیّت میں فنا ہو کر اُسی میں باقی رہنا۔

## ۸۔ حیرت کی وادی

جب دل میں معرفت کی کوئی جھلک اترتی ہے تو انسان کے اندر ایک نئی قسم کی حیرت جاگ اٹھتی ہے۔ یہ وہ حیرت نہیں جو لاعلمی سے پیدا ہو، بلکہ وہ خاموش آگہی ہے جو ہر چیز کو ایک نئے زاویے سے دکھاتی ہے۔ یہاں علم ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس کی سمت بدل جاتی ہے۔ الفاظ اپنی حد کو پہنچ کر خاموشی میں ڈھل جاتے ہیں، اور سمجھنے کی جگہ محسوس کرنے کی کیفیت جنم لیتی ہے۔

اس مقام پر کتابیں بند نہیں ہوتیں بلکہ ان کی حقیقت کھلنے لگتی ہے۔ انسان کو یہ ادراک ہوتا ہے کہ اصل علم صرف معلومات نہیں، بلکہ ایک اندرونی بیداری ہے جو دل کو جھکا دیتی ہے۔ حیرت کی اس وادی میں عقل اپنی حد کو پہچان لیتی ہے، اور بندہ اس حقیقت کے سامنے عاجز ہو کر خاموشی میں سیکھنے لگتا ہے۔

جب احدیت کا نور دل میں ٹھہرتا ہے تو علم کی ساری کتابیں اپنے آپ بند ہو جاتی ہیں۔

کیونکہ وہاں سوال جل جاتے ہیں اور جواب بھی راکھ ہو جاتے ہیں۔

سالک ایک ایسی وادی میں داخل ہوتا ہے جہاں صرف حیرت رہتی ہے، مگر یہ لاعلمی کی حیرت نہیں، یہ قرب کی حیرت ہے۔

وہ دیکھتا ہے کہ ہر شے قائم ہے مگر کسی کی اپنی حیثیت نہیں۔

سب اُس کے قائم رکھنے سے قائم، سب اُس کے چاہنے سے ظاہر ہیں۔

اور دل کہتا ہے: ''تو احد ہے..... میں صرف گواہ ہوں''۔

## ۹۔ سکوت کا مقام

اس کیفیت کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جب انسان کا اندرونی شور تھم جاتا ہے تو وہ

ایک گہری خاموشی سے آشنا ہوتا ہے۔ یہ وہ لمحہ ہے جہاں الفاظ اپنی حد پار نہیں کر پاتے، اور سوچ بھی اپنی رفتار کھو دیتی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ذکر ختم ہو گیا، بلکہ اس کا اظہار ایک اور سطح پر منتقل ہو جاتا ہے- جہاں زبان کی حرکت کے بغیر بھی یاد کی کیفیت باقی رہتی ہے۔

اس مقام پر انسان اپنی محدود سمجھ سے آگے بڑھ کر ایک سادہ سی بیداری میں آ جاتا ہے۔ نہ دعویٰ رہتا ہے، نہ کوشش کا بوجھ، صرف ایک نرم سا سکون ہوتا ہے جو دل کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یہ خاموشی دراصل خالی پن نہیں، بلکہ ایک ایسا ٹھہراؤ ہے جہاں انسان اپنی حقیقت کو زیادہ وضاحت سے محسوس کرتا ہے۔

بس ایک سکوت جو بولتا ہے۔ یہ سکوت احدیت کا دروازہ ہے، جہاں بندہ نہ دیکھنے والا رہتا ہے نہ دیکھا جانے والا، بلکہ صرف حضوری باقی رہتی ہے۔

یہاں دعا بھی بدل جاتی ہے، الفاظ کی جگہ آنسو آ جاتے ہیں، اور آنسو بھی آخرکار نور میں ڈھل جاتے ہیں۔

## ۱۰۔ عبدیت کی معراج

اَحدیت کا ادراک انسان کو کسی بلند دعوے یا خود فہمی کی طرف نہیں لے جاتا، بلکہ اسے اپنی حقیقت کے اور قریب کر دیتا ہے۔ جیسے جیسے معرفت کی روشنی بڑھتی ہے، ویسے ویسے بندہ یہ سمجھتا جاتا ہے کہ اس کی اصل پہچان اختیار میں نہیں بلکہ احتیاج میں ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ جو کچھ بھی اسے ملا ہے وہ عطا ہے، اور عطا ہمیشہ دینے والے کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے، لینے والے کی نہیں۔

اسی شعور کے ساتھ عبدیت اور گہری ہو جاتی ہے۔ انسان جتنا زیادہ حقیقت کے قریب آتا ہے، اتنا ہی اپنے آپ کو کم اور اپنے رب کو زیادہ پہچانتا ہے۔ یہاں علم غرور نہیں بناتا بلکہ جھکا دیتا ہے، اور عرفان تکبر نہیں لاتا بلکہ عاجزی کو مضبوط کرتا ہے۔ یہی

وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنے ہونے میں نہیں بلکہ اپنے نہ ہونے کے احساس میں سکون پاتا ہے، اور یہی عبدیت کی اصل معراج ہے۔

اَحدیت کا ادراک انسان کو خدائی کا دعویٰ نہیں دیتا، بلکہ عبدیت میں اور جھکا دیتا ہے۔ جتنا عرفان بڑھتا ہے اتنی عاجزی گہری ہوتی ہے۔ سالک سمجھ لیتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا، اور جو کچھ بھی ہے اُسی کے فیض سے ہے۔

## ۱۱۔ کثرت میں وحدت کا دیدار

اب دنیا وہی ہے، مگر دیکھنے والی آنکھ بدل گئی ہے۔ پہلے جو چیزیں بکھری ہوئی اور بے ربط محسوس ہوتی تھیں، اب ان کے درمیان ایک ترتیب اور معنویت جھلکنے لگی ہے۔ ہر منظر اپنی الگ حیثیت کے باوجود کسی ایک ہم آہنگی کی طرف اشارہ کرتا محسوس ہوتا ہے، جیسے کثرت کے پیچھے کوئی واحد نظم خاموشی سے کارفرما ہو۔

اس تبدیلی میں اصل فرق باہر نہیں، اندر کے ادراک میں آتا ہے۔ اشیاء اپنی جگہ وہی رہتی ہیں، مگر ان کے درمیان تعلق سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ تنوع اپنی جگہ قائم رہ کر بھی ایک بڑے نظام کا حصہ ہے، اور دیکھنے والا اس نظام کی وحدت کو مختلف صورتوں میں پہچاننے لگتا ہے۔

بازار کی رونق ہو یا تنہائی کی رات، غم کی گھڑی ہو یا خوشی کا لمحہ، ہر حال میں وہی جلوہ گر ہے۔ مگر احدیت کا راز یہ ہے کہ وہ کسی میں محدود نہیں، نہ کسی صورت میں مقید۔ وہ سب کے ساتھ ہے مگر کسی کا حصہ نہیں۔

## ۱۲۔ آخری منزل بے منزل سفر

یہ سفر کسی ایک آخری مقام پر ختم نہیں ہوتا، کیونکہ جس حقیقت کی طرف یہ اشارہ کرتا ہے وہ خود حد و انتہا سے ماورا ہے۔ انسان جتنا آگے بڑھتا ہے، اتنا ہی یہ ادراک

گہرا ہوتا جاتا ہے کہ مکمل ادراک کبھی ایک ہی لمحے میں سمیٹا نہیں جا سکتا۔ ہر سمجھ کے ساتھ ایک نئی وسعت سامنے آتی ہے، اور ہر وسعت انسان کو مزید عاجزی کی طرف لے جاتی ہے۔

اس راہ میں ہر لمحہ ایک تازہ فہم بن جاتا ہے، مگر یہ فہم تکبر نہیں لاتا بلکہ حیرت میں اضافہ کرتا ہے۔ زندگی ایک مسلسل بیداری کی صورت اختیار کر لیتی ہے، جہاں ہر سانس میں یاد کا ایک نیا رنگ محسوس ہوتا ہے۔ یوں یہ سفر ختم ہونے کے بجائے ایک جاری حقیقت بن جاتا ہے۔جس میں بندہ اپنی منزل کو نہیں پاتا، بلکہ اپنی بندگی کو اور زیادہ واضح طور پر پہچانتا جاتا ہے۔

سالک اب جانتا ہے کہ پہنچ جانا بھی ایک وہم ہے، اصل حقیقت تو عشق میں، عاجزی میں، حیرت میں چلتے رہنا ہے۔

''اختتامیہ سرگوشی'' احدیت کا نور نہ آنکھوں میں سماتا ہے نہ لفظوں میں۔

وہ دل کے ٹوٹنے میں اترتا ہے، اور روح کے جھکنے میں ظاہر ہوتا ہے۔ میں اب بھی مسافر ہوں، مگر راستہ بدل گیا ہے۔

اب ہر قدم سجدہ ہے، ہر سانس دعا، ہر لمحہ اُس کی طرف واپسی۔ وہ احد ہے بے مثل، بے مثال، بے نیاز۔

اور میں ایک سایہ، جو اُس کے نور سے وجود پاتا ہے، اور اُسی نور میں آخر کار گم ہو جاتا ہے۔

## ۱۳۔ دریائے تسلیم

جب دل میں سمجھ کی یہ جھلک گہری ہو جاتی ہے تو انسان کے اندر خواہش کا زاویہ بدلنے لگتا ہے۔ پہلے ہر چیز اپنی مرضی کے مطابق دیکھنے اور حاصل کرنے کی طلب ہوتی ہے، مگر آہستہ آہستہ یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ علم اور حکمت صرف اپنی خواہش

کے دائرے تک محدود نہیں۔ زندگی کے حالات، فیصلے اور راستے ایک بڑے نظم کے تحت ہیں جسے مکمل طور پر سمجھ لینا انسان کے بس میں نہیں۔

اسی شعور کے ساتھ دل میں تسلیم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ تسلیم بے بسی نہیں، بلکہ اعتماد کی ایک شکل ہے- ایسا اعتماد جو انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ بہتر وہی ہے جو اس کے علم سے بلند ہے۔ یوں بندہ اپنی چاہتوں کے بوجھ سے ہلکا ہو کر ایک ایسے سکون میں آ جاتا ہے جہاں اپنی خواہش کی شدت کم ہو جاتی ہے اور حکمتِ الٰہی پر بھروسہ مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔

جب احدیت کی روشنی دل میں رچ بس جاتی ہے تو ارادہ بھی بدل جاتا ہے۔ پہلے میں چاہتا تھا کہ میری مرضی پوری ہو، اب دل کہتا ہے: ''جو تو چاہے وہی بہتر ہے''۔ یہ تسلیم کا دریا ہے، جہاں خواہشیں تیرتی نہیں، ڈوب جاتی ہیں اور سکون سطح پر آ جاتا ہے۔ یہاں شکوہ مٹ جاتا ہے، سوال تحلیل ہو جاتے ہیں، اور تقدیر بھی رحمت دکھائی دیتی ہے۔

## ۱۴۔ سوزِ محبت

اَحدیت کا ادراک ایک ایسا احساس ہے جو دل میں گرمی تو پیدا کرتا ہے مگر اضطراب نہیں لاتا۔ یہ وہ کیفیت ہے جو انسان کے اندر کی الجھنوں کو جلا کر نہیں مٹاتی، بلکہ انہیں صاف کر کے ایک نئی وضاحت عطا کرتی ہے۔ اس میں سوز تو ہے، مگر ایسا سوز جو دل کو بے چین کرنے کے بجائے اسے بیداری اور نرمی کی طرف لے جاتا ہے۔

یہ محبت انسان کے اندر کی سختیوں کو پگھلا دیتی ہے اور اس کے احساسات کو ایک ہموار سمت دے دیتی ہے۔ یہاں جذبہ اندھا نہیں رہتا، بلکہ شعور کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔ یوں یہ کیفیت انسان کو نہ تو غافل کرتی ہے اور نہ ہی مغلوب، بلکہ اسے اپنے اندر ایک ایسی صفائی عطا کرتی ہے جو سوچ، احساس اور عمل تینوں میں اعتدال پیدا کر دیتی

ہے۔

اَحدیّت کا عرفان ٹھنڈا نہیں ہوتا، وہ آگ بھی ہے مگر جلانے والی نہیں، صاف کرنے والی ہے۔ یہ آگ دل کی زنگار کو جلا دیتی ہے، انا کی سختی کو پگھلا دیتی ہے، اور روح کو شفاف کر دیتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ محبت میں جل کر میں ہلکا ہو گیا، اور جب ہلکا ہوا تو اُسی کی طرف اٹھ گیا۔

## ۱۵۔ وقت سے ماورا لمحہ

ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے جب وقت رک سا جاتا ہے۔ نہ ماضی کی گرفت، نہ مستقبل کی فکر۔ بس حال اور اُس حال میں اُس کی حضوری۔ یہ لمحہ مختصر نہیں ہوتا، یہ ازل سے ابد تک پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اَحدیّت کا راز یہی ہے کہ وہ زمانے سے پہلے بھی ہے اور زمانے کے بعد بھی۔

کبھی کبھی سالک کے ادراک میں ایک ایسی کیفیت بھی آتی ہے جہاں لمحہ اپنی عام رفتار کھو دیتا ہے۔ ماضی کی بازگشت مدھم ہو جاتی ہے اور مستقبل کی فکر اپنی شدت کھو دیتی ہے۔ اس خاموش وقفے میں ذہن ایک غیر معمولی سکون سے آشنا ہوتا ہے، جہاں ہر چیز اپنی جگہ موجود ہوتے ہوئے بھی کسی دباؤ کے بغیر محسوس ہوتی ہے۔

اس حالت میں انسان وقت کے بوجھ سے نہیں بلکہ موجودگی کے احساس سے جڑ جاتا ہے۔ یہ کوئی مستقل ٹھہراؤ نہیں ہوتا، بلکہ ایک لطیف سا تجربہ ہے جو یہ یاد دلاتا ہے کہ زندگی صرف گزرنے کا نام نہیں، بلکہ ہر لمحے کو شعور کے ساتھ جینے کا نام بھی ہے۔

## ۱۶۔ نور کی گواہی

اب میں دلیل سے نہیں دل سے گواہی دیتا ہوں۔ ہر شے کی فنا اُس کی بقا کی خبر دیتی ہے۔ ہر تبدیلی اُس کے ثبات کی علامت ہے۔

میں جب اپنے وجود کو دیکھتا ہوں تو وہ ایک سایہ محسوس ہوتا ہے، اور جب اُس کی طرف دیکھتا ہوں تو اصل حقیقت نظر آتی ہے۔

اس مقام پر گواہی عقل کے خشک استدلال سے نکل کر دل کے زندہ شعور میں ڈھل جاتی ہے۔ اب سالک حقائق کو صرف سوچ کر نہیں سمجھتا بلکہ انہیں ایک اندرونی یقین کے ساتھ محسوس کرنے لگتا ہے۔ ہر وہ چیز جو بدلتی ہے، خود اپنے اندر یہ اشارہ رکھتی ہے کہ کوئی ایسی حقیقت بھی ہے جو تبدیلی سے ماورا ہے- ورنہ تبدیلی کا مفہوم ہی باقی نہ رہتا۔

یوں کائنات کی ہر حرکت، ہر فنا اور ہر تغیر ایک بڑے نظم کی طرف اشارہ بن جاتا ہے۔ عارف یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ظاہری عدمِ ثبات کے پیچھے ایک ایسا ثبات کارفرما ہے جو خود کسی تبدیلی کا محتاج نہیں۔ یہی شعور دل میں ایک خاموش مگر مضبوط گواہی پیدا کرتا ہے جو الفاظ کی محتاج نہیں رہتی، بلکہ خود ایک اندرونی یقین بن کر انسان کے وجود میں بس جاتی ہے۔

## ۱۷۔ بے خودی کی سرحد

یہاں پہنچ کر میں خود کو یاد نہیں رکھتا۔ نہ نام، نہ مرتبہ، نہ پہچان۔

صرف ایک خاموش سرور، ایک بے نام قربت، ایک ایسی روشنی جو اندر سے باہر تک پھیل جاتی ہے۔ یہ بے خودی گمراہی نہیں، بلکہ اصل خودی کی بازیافت ہے کیونکہ جب ''میں'' ہٹتا ہے تب ہی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

میں اس کیفیت کو اس طرح بیان کروں گا کہ یہاں عارف ن اپنی خودی کے بوجھ سے آزاد ہو کر ایک سادہ ادراک میں آ جاتا ہے۔ نہ نام کی اہمیت رہتی ہے، نہ مقام کی کشش، نہ کسی پہچان کا دباؤ۔ جو کچھ تھا وہ پس منظر میں چلا جاتا ہے، اور ایک ایسا سکون سامنے آتا ہے جس میں عارف اپنے آپ کو مرکز نہیں سمجھتا بلکہ وجود کو ایک

وسیع تر حقیقت کے حصے کے طور پر دیکھتا ہے۔

یہ بے خودی دراصل مٹ جانے کا نام نہیں، بلکہ اضافی نسبتوں سے ہٹ جانے کا تجربہ ہے۔ انسان اپنی مصنوعی شناختوں سے اوپر اٹھ کر اپنی اصل حدود کو پہچاننے لگتا ہے۔ اسی ادراک میں ایک ہلکی سی آزادی محسوس ہوتی ہے، جہاں نہ انکار کا بوجھ رہتا ہے نہ دعوے کی ضرورت، صرف ایک سادہ سا شعور باقی رہ جاتا ہے کہ سب کچھ اپنی جگہ پر ہے، اور سالک اپنی جگہ پر۔

## ۱۸۔ ازل کی بازگشت

کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سفر نیا نہیں، بلکہ بہت پرانا ہے۔

جیسے روح نے کبھی اُس کی حضوری میں کوئی عہد کیا تھا، اور اب ہر سجدہ اُسی وعدے کی یاد ہے۔

اَحدیّت کی شان یہی تو ہے، وہ ابتدا سے پہلے بھی تھی اور انتہا کے بعد بھی رہے گی۔

کبھی کبھی عارف کے اندر ایک ایسا احساس ابھرتا ہے جیسے یہ سب کچھ بالکل نیا نہیں بلکہ کسی بہت پرانی واقفیت کی بازگشت ہو۔ راستے، کیفیتیں اور اندرونی کیفیات اجنبی نہیں لگتیں بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دل پہلے بھی کسی نہ کسی صورت میں انہیں جانتا رہا ہے، مگر اب وہ یاد دھند سے نکل کر شعور کے قریب آ رہی ہے۔

یہ احساس دراصل سالک کے اندر موجود فطری رجحان کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی اصل کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ زندگی کا یہ سفر بظاہر آگے بڑھتا ہے، مگر اندر سے ایک مسلسل یاد دہانی بھی ساتھ چلتی رہتی ہے کہ انسان محض نئی تلاش میں نہیں، بلکہ اپنی اصل سے دوبارہ جڑنے کے ایک گہرے شعور میں ہے۔

## ۱۹۔آخری سرحد لا حد

میں جتنا آگے بڑھتا ہوں اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ راستہ ختم نہیں ہوتا۔
ہر منزل کے بعد ایک اور در کھل جاتا ہے، ہر معرفت کے بعد ایک اور حیرت۔
اَحدیّت کی کوئی حد نہیں، اور اسی بے حدی میں دل کو قرار ملتا ہے۔
آخری نغمہ: اب میں کچھ نہیں مانگتا، سوائے اُس کے۔ نہ دنیا، نہ نام، نہ تعریف۔
بس یہی کہ میرا دل اُس کے نور سے خالی نہ ہو، میری سانس اُس کی یاد سے جدا نہ ہو، اور میرا سفر اُسی کی طرف جاری رہے۔
وہ احد ہے اور میں اُس کا بندہ۔ وہ باقی ہے اور میں اُس کی رحمت کا محتاج۔
اسی محتاجی میں میرا فخر ہے، اسی فنا میں میری بقا، اور اسی احدیت میں میرا ابدی سکون ہے۔

جتنا سالک اس فہم و ادراک کے سفر میں آگے بڑھتا ہے، اتنا ہی یہ حقیقت واضح ہوتی جاتی ہے کہ یہ راستہ کسی آخری حد پر آ کر نہیں رکتا۔ ہر منزل ایک نئی وسعت کی طرف اشارہ کرتی ہے، اور ہر سمجھ ایک نئے سوال کو جنم دیتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے حقیقت کی تہیں ختم ہونے کے بجائے اور زیادہ گہری اور وسیع ہوتی جا رہی ہوں۔

اس تجربے میں سالک یہ سیکھتا ہے کہ بعض حقیقتیں مکمل حاصل ہونے کے لیے نہیں، بلکہ مسلسل سمجھنے کے لیے ہوتی ہیں۔ راستہ ختم نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ منزل نہیں، بلکہ یہ کہ ادراک کی وسعت محدود پیمانوں میں سمیٹی نہیں جا سکتی۔ اسی مسلسل وسعت میں سالک کی سوچ زیادہ نرم، زیادہ عاجز اور زیادہ بیدار ہوتی چلی جاتی ہے۔

## ۲۰۔حجابوں کے پار

پھر ایک مرحلہ آیا جب میں نے محسوس کیا کہ حجاب باہر نہیں تھے، وہ میرے اندر

تھے۔

خیال کا حجاب، خوف کا حجاب، اپنی نیکی پر ناز کا حجاب۔ احدیت کی تجلی نے آہستہ آہستہ یہ پردے اٹھائے، اور میں نے دیکھا کہ جسے میں ''میں'' سمجھتا تھا وہ محض ایک سایہ تھا۔ نور آیا اور سایہ خود بخود مٹ گیا۔

پھر ایک مرحلہ ایسا آیا جب یہ احساس گہرا ہوا کہ پردے باہر کی دنیا میں نہیں تھے، بلکہ اندر کی تہوں میں موجود تھے۔ جن رکاوٹوں کو میں حالات یا فاصلے سمجھ رہا تھا، وہ دراصل میری اپنی سمجھ، میرے تصورات اور میرے اندر کے محدود زاویے تھے۔ حقیقت ہمیشہ قریب تھی، مگر اسے دیکھنے کی آنکھ کبھی مکمل طور پر صاف نہیں تھی۔

اس ادراک کے ساتھ ایک نئی نرمی پیدا ہوتی ہے سالک دوسروں کو کم اور اپنے اندر جھانکنے لگتا ہے۔ اسے سمجھ آتی ہے کہ دیکھنے کی صلاحیت صرف آنکھوں کا مسئلہ نہیں، بلکہ دل کی صفائی کا بھی معاملہ ہے۔ یوں ہر پردہ دراصل ایک اشارہ بن جاتا ہے کہ اصل کام باہر کو بدلنا نہیں، بلکہ اپنے اندر کے زاویوں کو درست کرنا ہے۔

## ۲۱۔ دریائے شکر

اب ہر حال میں شکر ہے۔ غم آئے تو اُس کی حکمت پر شکر، خوشی آئے تو اُس کی عطا پر شکر۔ کیونکہ احدیت کا عرفان یہ سکھاتا ہے کہ سب کچھ اُسی کی طرف سے ہے، اور ہر عطا کسی نہ کسی حکمت کی نشانی ہے۔ میں نے سیکھ لیا کہ شکایت دل کو تنگ کرتی ہے، اور شکر دل کو وسیع کرتی ہے۔

اس کیفیت میں سالک کا زاویۂ نظر بدل جاتا ہے، اور حالات کو صرف خوشی یا غم کے پیمانے سے نہیں پرکھتا۔ ہر تجربہ اپنے اندر کوئی نہ کوئی سبق اور حکمت لیے ہوتا ہے، جسے سمجھنے کے بعد دل میں ایک نرم سی قبولیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یوں زندگی کے اتار چڑھاؤ ایک بے ترتیب بوجھ نہیں رہتے بلکہ ایک مربوط سفر کا حصہ محسوس ہونے لگتے

ہیں۔

اس شعور کے ساتھ شکر ایک عادت نہیں بلکہ ایک فہم بن جاتا ہے۔ خوشی میں انسان عطا کو پہچانتا ہے، اور آزمائش میں وہی عطا کسی گہری حکمت کی صورت سامنے آتی ہے۔ نتیجتاً دل میں شکایت کی جگہ ایک ایسا سکون آ جاتا ہے جو حالات سے نہیں بلکہ اندرونی سمجھ سے جنم لیتا ہے، اور یہی کیفیت سالک کو زیادہ متوازن اور مطمئن بنا دیتی ہے۔

## ۲۲۔ قلب کی بیداری

دل اب غفلت میں نہیں سوتا۔ ہر منظر میں نشانیاں دیکھتا ہے، ہر آواز میں پیغام سنتا ہے، ہر لمحے میں حضوری تلاش کرتا ہے۔ یہ بیداری شور سے نہیں آتی، خاموشی سے آتی ہے۔

جب اندر سکوت اترتا ہے تو احدیت کی سرگوشی صاف سنائی دیتی ہے: ''میں قریب ہوں..... بہت قریب''۔

قلب کی بیداری دراصل ادراک کی اس حالت کا نام ہے جہاں سالک کی توجہ محض ظاہری چیزوں تک محدود نہیں رہتی۔ دل ایک نرم سی حساسیت کے ساتھ زندگی کے ہر پہلو کو دیکھنے لگتا ہے، اور معمولی سے معمولی منظر بھی سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی معنی ضرور موجود ہے۔ اس طرح دنیا ایک بے مقصد شور نہیں رہتی بلکہ اشاروں اور معانی سے بھری ہوئی محسوس ہونے لگتی ہے۔

اس کیفیت میں سالک لمحہ موجود کے ساتھ زیادہ جڑ جاتا ہے۔ وہ ماضی کی گرفت اور مستقبل کی بے چینی سے نکل کر ہر وقت کو شعور کے ساتھ جینے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں دل ایک مسلسل بیداری میں رہتا ہے، جہاں ہر احساس، ہر آواز اور ہر منظر سالک کو اپنی موجودگی اور فہم کے ساتھ زندگی کو زیادہ گہرائی سے محسوس کرنے کی دعوت دیتا

ہے۔

## ۲۳۔فنا سے بقا تک

پہلے میں فنا سے ڈرتا تھا، مگر اب جان لیا ہے کہ یہی راستہ ہے۔
فنا یعنی اپنی مرضی چھوڑ دینا، اپنی بڑائی مٹا دینا، اپنی نسبتیں بھلا دینا۔
اور بقا یعنی اُس کے ساتھ جڑ جانا، اُس کے نور میں زندہ ہو جانا۔
یہی اصل زندگی ہے، باقی سب گزرگاہیں ہیں۔

''فنا سے بقا تک'' کا مفہوم صوفیانہ ادب میں عموماً اس داخلی تبدیلی کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں انسان اپنی خودغرضی، انا اور محدود تصورِ ذات کو کمزور کرتا ہے۔ اس مرحلے کو "فنا" کہا جاتا ہے، یعنی وہ کیفیت جہاں انسان اپنی خود پسندی اور انا پرستی سے اوپر اٹھ کر عاجزی اور تسلیم کی طرف آتا ہے۔ یہ دراصل شخصیت کی صفائی اور اخلاقی تطہیر کا ایک مرحلہ ہوتا ہے، نہ کہ وجود کا مٹ جانا۔

اس کے بعد ''بقا'' کی کیفیت بیان کی جاتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی اصلاح اور بیداری کے بعد ایک متوازن اور باشعور زندگی اختیار کرتا ہے۔ اس حالت میں اس کا رویہ زیادہ پرامن، شکرگزار اور ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ اپنی ذات میں نہیں الجھتا بلکہ اپنے عمل اور اخلاق کے ذریعے بہتر انسان بن کر معاشرے میں کردار ادا کرتا ہے۔

## ۲۴۔ابدی حضوری

اب سفر رُکا نہیں، مگر بے چین بھی نہیں ہے۔
ہر دن ایک نیا ادراک، ہر رات ایک نئی روشنی ہے۔
میں جانتا ہوں کہ احدیت کی گہرائی کبھی مکمل نہیں سمجھی جا سکتی، مگر یہی نہ سمجھ پانا

سب سے بڑا عرفان ہے۔ کیونکہ جہاں عقل رک جائے وہیں دل جھک جاتا ہے، اور جھکنا ہی اصل بلندی ہے۔

## ۲۵۔ آخری اعتراف

اے اَحد! تو بے مثال، بے نیاز، بے حد۔

میں تیری رحمت کا محتاج، تیری عطا کا امیدوار، تیری حضوری کا طلبگار۔

اگر میرا دل کبھی بھٹک جائے تو اُسے پھر اپنی طرف موڑ لینا، اگر میری نظر دھندلا جائے تو اُسے اپنے نور سے روشن کر دینا۔

میرا آغاز بھی تو، میرا انجام بھی تو، میرا سفر بھی تو، میری منزل بھی تو۔

ابدی حضوری کا احساس اس کیفیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں زندگی ایک مسلسل بیداری میں ڈھل جاتی ہے۔ نہ سفر رکتا ہے اور نہ ہی اس میں بے چینی رہتی ہے، بلکہ ایک ایسا سکون پیدا ہو جاتا ہے جو حرکت کے ساتھ بھی قائم رہتا ہے۔ انسان وقت کو ایک دباؤ کے طور پر نہیں بلکہ ایک بہتے ہوئے تجربے کے طور پر دیکھنے لگتا ہے۔

اس حالت میں ہر دن ایک نئے فہم کی علامت بن جاتا ہے اور ہر رات ایک خاموش تفکر کا موقع۔ زندگی کی یہ روانی سالک کو یہ سکھاتی ہے کہ سکون کا مطلب ٹھہر جانا نہیں بلکہ شعور کے ساتھ چلتے رہنا ہے۔ یوں موجودگی کا احساس مستقل ہو جاتا ہے، اور ہر لمحہ ایک نئے ادراک کی صورت سامنے آتا رہتا ہے۔

## اختتامی پکار

اے شانِ احدیت کے مالک! میرے اندر وہ نور قائم رکھ جو مجھے تیرے سوا کسی کا محتاج نہ کرے۔ میری زبان کو سچائی، میرے دل کو عاجزی، اور میری روح کو تیری محبت عطا کر۔

کہ آخر کار جب سب پردے گر جائیں، اور سب آوازیں خاموش ہو جائیں، تب بھی ایک صدا باقی رہے۔

''تو احد ہے.....تو ہی کافی ہے.....تو ہی باقی ہے.....اور اسی یقین میں میرا ابدی سکون پوشیدہ ہے''۔

اے اَحد! تو بے مثال ہے، تیرے جیسا کوئی نہیں۔ تو ہر نسبت سے بلند ہے، ہر تصور سے ماورا ہے۔ تیری ذات کسی مثال، کسی پیمانے اور کسی حد میں نہیں آتی، کیونکہ ہر حد تیرے پیدا کیے ہوئے دائرے میں ہے۔

تو بے نیاز ہے، اور ہر چیز تیرے ہی محتاج ہے۔ نہ تیری عظمت میں کوئی کمی ہے، نہ تیرے اختیار میں کوئی شریک۔ سب کچھ تیرے حکم اور تیری مشیت کے تابع ہے، اور ہر وجود تیری ہی عطا کا محتاج ہے۔

## ۲۶۔ نور کا سمندر

جب دل مسلسل اُس کی طرف متوجہ رہتا ہے تو محسوس ہوتا ہے جیسے ایک سمندر اندر ہی اندر موجزن ہے۔

یہ پانی کا سمندر نہیں، یہ نور کا سمندر ہے بے کنار، بے ساحل، بے حد۔

میں ایک قطرہ بن کر اُترا، مگر وہاں قطرہ رہنا ممکن نہ تھا۔ یا تو الگ رہ کر خشک ہو جاتا، یا سمندر میں گم ہو کر وسعت پا لیتا۔ میں نے گم ہونا چُن لیا۔

اس کیفیت کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جب دل کسی اعلیٰ شعور اور یاد میں مسلسل متوجہ رہتا ہے تو اندر ایک غیر معمولی سکون اور وسعت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ یہ احساس سالک کو اپنے اندر ایک گہرائی سے روشناس کراتا ہے، جہاں خیالات کی سطح پر ہلچل کم ہو جاتی ہے اور ایک ہموار سی بیداری قائم رہتی ہے۔

اس اندرونی تجربے میں سالک خود کو زیادہ مربوط اور متوازن محسوس کرتا ہے۔

جذبات اور سوچ ایک انتشار کے بجائے ایک سمت اختیار کر لیتے ہیں، اور زندگی کا ہر لمحہ زیادہ بامعنی محسوس ہونے لگتا ہے۔ یوں یہ کیفیت انسان کو اپنی داخلی دنیا کو بہتر طور پر سمجھنے اور اس میں سکون تلاش کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

## ۲۷۔ حقیقتِ عبدیت

اَحدیّت کی معرفت کا کمال

یہ نہیں کہ بندہ خود کو کچھ سمجھنے لگے، بلکہ یہ ہے کہ وہ خود کو کچھ بھی نہ سمجھے۔ جتنا نور بڑھتا ہے اتنی ہی عاجزی گہری ہوتی ہے۔

میں نے جان لیا کہ بندگی ہی آزادی ہے، جھکنا ہی بلندی ہے، اور مان لینا ہی پا لینا ہے۔

حقیقتِ عبدیت دراصل اسی شعور کا نام ہے کہ سالک اپنی اصل حیثیت کو پہچان لے۔ یعنی وہ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہے، اور اس کی ہر قوت، ہر صلاحیت اور ہر سانس عطا کردہ ہے۔ اس ادراک میں سالک کا اندر غرور سے خالی ہو کر عاجزی اور شکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اور یہی عبدیت کی بنیاد ہے۔

اَحدیت کی معرفت کا کمال یہ نہیں کہ انسان خود کو کسی بلند مقام پر محسوس کرے، بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنی حد کو اور زیادہ واضح طور پر پہچان لے۔ جتنا یہ شعور گہرا ہوتا ہے، اتنا ہی انسان کا دل نرم، اس کا رویہ متوازن اور اس کی زندگی زیادہ سادہ اور باوقار ہو جاتی ہے۔ یہی وہ حالت ہے جہاں علم عمل میں ڈھلتا ہے اور ادراک انسان کو عاجزی کے ساتھ جینے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔

## ۲۸۔ خاموش مکالمہ

اب دعا بھی بدل گئی ہے۔

پہلے میں مانگتا تھا، اب بس خاموش بیٹھ جاتا ہوں۔

اور اُس خاموشی میں ایک مکالمہ جاری رہتا ہے، بغیر لفظوں کے، بغیر آواز کے۔

دل کہتا نہیں، بس محسوس کرتا ہے کہ وہ سن رہا ہے۔

اب دعا کی کیفیت بھی بدل گئی ہے۔ پہلے وہ الفاظ کا ایک سلسلہ تھی، جو زبان سے ادا ہوتا تھا، مگر اب اس میں ایک خاموش فہم شامل ہو گیا ہے۔ انسان کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ صرف مانگنے والا نہیں رہتا، بلکہ ایک ایسی توجہ میں آ جاتا ہے جہاں دل کی حالت خود ایک عرض بن جاتی ہے۔

یہ خاموش مکالمہ کسی مخصوص الفاظ کا محتاج نہیں رہتا۔ کبھی شکر بن کر ظاہر ہوتا ہے، کبھی تسلیم کی صورت میں، اور کبھی ایک گہری امید کی شکل میں۔ یوں دعا بولنے سے زیادہ ایک جینے کا انداز بن جاتی ہے، جہاں انسان اپنی اندرونی کیفیت کے ذریعے اپنے رب سے ایک مسلسل تعلق میں رہتا ہے۔

## ۲۹۔ سایوں کا زوال

پہلے ڈر ساتھ چلتا تھا، مستقبل کی فکر، اور ماضی کی ندامت۔

مگر جب احدیت کا یقین جاگا تو ڈر سایہ بن کر پیچھے رہ گیا۔

کیونکہ جب وہی سب کچھ ہے تو پھر کس کا خوف؟ کس کا نقصان؟ کس کی محرومی؟ جو ہے اسی کا ہے، جو نہیں اُس کی حکمت میں ہے۔

''سایوں کا زوال'' کو اگر علامتی انداز میں دیکھا جائے تو یہ اس کیفیت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جہاں سالک کے اندر کے خوف، وہم اور غیر یقینی کے سائے کمزور پڑنے لگتے ہیں۔ پہلے جو چیزیں بڑی اور بھاری محسوس ہوتی تھیں، وہ آہستہ آہستہ اپنی شدت کھو دیتی ہیں، جیسے روشنی بڑھنے سے سایہ مدھم ہو جاتا ہے۔

اس ادراک کے ساتھ سالک زیادہ واضح اور متوازن سوچ کی طرف آتا ہے۔

اسے یہ سمجھ آتی ہے کہ بہت سی الجھنیں حقیقت سے زیادہ تصور کی پیداوار تھیں۔ جب فہم مضبوط ہوتا ہے تو اندیشوں کی گرفت کم ہو جاتی ہے، اور زندگی نسبتاً زیادہ سادہ، قابلِ فہم اور پرسکون محسوس ہونے لگتی ہے۔

## ۳۰۔ آخری نہیں، مسلسل سفر

میں اب بھی مسافر ہوں۔ ہر دن ایک نیا سوال، ہر رات ایک نئی روشنی۔

اَحدیّت کی معرفت کوئی منزل نہیں کہ جہاں پہنچ کر رُک جاؤں، یہ تو ایک ایسا سفر ہے جو ہر سانس کے ساتھ جاری ہے۔ ہر سجدہ ایک قدم، ہر آنسو ایک دروازہ، ہر شکر ایک نئی تجلی۔

''آخری نہیں، مسلسل سفر'' کا مطلب یہ ہے کہ زندگی اور ادراک کسی ایک نقطے پر آ کر ٹھہر نہیں جاتے۔ ہر تجربہ ایک نئی سمجھ کی طرف لے جاتا ہے، اور ہر سمجھ پھر مزید گہرائی کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ یوں یہ سلسلہ رُکنے کے بجائے آگے بڑھتا رہتا ہے، جیسے کوئی دریا ہو جو اپنی روانی کے ساتھ نئی وادیوں کی طرف بہتا رہتا ہے۔

اس تسلسل میں انسان سیکھتا ہے کہ اصل اہمیت کسی حتمی منزل کی نہیں بلکہ اس شعور کی ہے جس کے ساتھ وہ راستہ طے کر رہا ہے۔ ہر لمحہ ایک نیا زاویہ، ایک نئی بصیرت اور ایک نئی توجہ کا موقع بن جاتا ہے۔ اس طرح زندگی ایک بند اختتام کے بجائے ایک کھلی اور جاری حقیقت بن جاتی ہے، جہاں ہر قدم خود ایک معنی رکھتا ہے۔

## ۳۱۔ ازل سے ابد تک

کبھی دل میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ محبت نئی نہیں۔

شاید روح نے ازل میں اُس کے نور کو پہچانا تھا، اور اب ہر ذکر اُسی پہچان کی بازگشت ہے۔

وہ اَحد تھا، جب کچھ نہ تھا۔

وہ اَحد رہے گا، جب سب کچھ مٹ جائے گا۔

اور میں ایک لمحاتی وجود، جس کی حقیقت صرف اُس سے جڑی ہے۔

''آخری سرگوشیِ دل'' اے شانِ اَحدیّت! اگر کبھی میرا دل دنیا کی چمک میں کھو جائے تو اُسے اپنی یاد سے جگا دینا۔

اگر کبھی میں خود کو اہم سمجھ بیٹھوں تو مجھے میری حقیقت دکھا دینا۔

میرا سکون تیرے ذکر میں، میری عزت تیری بندگی میں، میری بقا تیری رضا میں۔ تو اَحد ہے، نہ تیرا ثانی، نہ تیرا شریک۔

اور میں تیری رحمت کا ایک محتاج سایہ، جو تیرے نور سے روشن ہے اور تیرے نور ہی میں آخر کار گم ہو جائے گا۔

یہی میرا سفر ہے، یہی میرا عرفان، یہی میرا وجد، اور یہی میرا ابدی سکون۔

''ازل سے ابد تک'' کا مفہوم اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کچھ نسبتیں انسانی وقت کے دائرے سے کہیں وسیع ہیں۔ سالک اپنی زندگی کو ابتدا اور انتہا کے پیمانوں سے دیکھتا ہے، مگر اس کے تجربے میں ایک ایسی وسعت بھی شامل ہے جو صرف لمحاتی وجود تک محدود نہیں رہتی۔ یہ احساس اسے کائنات کے تسلسل اور اس کے اندر پائے جانے والے نظم کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اس فہم کے ساتھ سالک یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وجود صرف ایک مختصر وقفہ نہیں بلکہ ایک بڑے تسلسل کا حصہ ہے۔ ہر آغاز اپنے اندر کسی اگلے مرحلے کی طرف اشارہ رکھتا ہے، اور ہر اختتام دراصل کسی نئی سمت کی ابتدا بن جاتا ہے۔ یوں سالک کی سوچ وقتی حدوں سے نکل کر ایک وسیع تر معنویت کو محسوس کرنے لگتی ہے، جہاں وقت ایک بہتے ہوئے سلسلے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

## ۳۲۔ دل کا قبلہ

اب میں نے جان لیا ہے کہ قبلہ صرف سمت کا نام نہیں، بلکہ دل کی جہت کا نام ہے۔ جب دل ہر خواہش سے ہٹ کر صرف اُسی کی طرف رخ کر لے، تو ہر سمت قبلہ بن جاتی ہے۔ چاہے ہجوم ہو یا تنہائی، روشنی ہو یا اندھیرا، اگر دل اُس کی طرف ہے تو راستہ درست ہے۔

''دل کا قبلہ'' سے مراد وہ اندرونی سمت ہے جس کی طرف سالک کا رجحان، محبت اور توجہ مسلسل قائم رہتی ہے۔ ظاہری طور پر قبلہ عبادت کے لیے ایک متعین سمت ہے، مگر باطنی طور پر دل کا قبلہ اس مرکزِ وابستگی کو ظاہر کرتا ہے جس پر انسان کی امیدیں، خوف اور اعتماد جڑے ہوتے ہیں۔

جب سالک کی سوچ اور ترجیحات درست سمت میں آ جاتی ہیں تو اس کا اندرونی انتشار کم ہو جاتا ہے۔ دل ایک بکھری ہوئی کیفیت کے بجائے ایک مرکز کے گرد مجتمع ہونے لگتا ہے۔ یہی داخلی استحکام انسان کو زیادہ متوازن، باشعور اور مقصدی زندگی کی طرف لے جاتا ہے، جہاں اس کی توجہ غیر ضروری الجھنوں سے ہٹ کر ایک واضح سمت میں مرکوز رہتی ہے۔

## ۳۳۔ باطن کی صفائی

اَحدیّت کا نور گندے ظرف میں نہیں ٹھہرتا۔

اس لیے دل کو دھونا پڑتا ہے۔

کبھی آنسوؤں سے، کبھی توبہ سے، کبھی خاموش پچھتاوے سے۔

جب دل نرم ہوتا ہے تو نور آسانی سے اترتا ہے، اور جب نور اترتا ہے تو دل آئینہ بن جاتا ہے۔

پھر اُس آئینے میں کوئی اور عکس باقی نہیں رہتا۔

باطن کی صفائی سے مراد سالک کے اندر سے ان الجھنوں، خواہشات کی شدت اور منفی رجحانات کا کم ہونا ہے جو اس کے شعور اور رویے کو متاثر کرتے ہیں۔ جب انسان اپنے اندر جھانک کر اپنی کمزوریوں اور غلط رجحانات کو پہچانتا ہے تو وہ رفتہ رفتہ زیادہ متوازن اور سادہ مزاج بنتا جاتا ہے۔

اس عمل کے نتیجے میں سالک کی سوچ زیادہ واضح ہو جاتی ہے اور اس کے فیصلوں میں اعتدال آ جاتا ہے۔ وہ دوسروں کے ساتھ بھی زیادہ نرم رویہ اختیار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں بے چینی کے بجائے سکون محسوس کرنے لگتا ہے۔ یوں باطنی صفائی انسان کو بہتر فہم، بہتر اخلاق اور بہتر طرزِ زندگی کی طرف لے جاتی ہے۔

## ۳۴۔ صبر کی چوٹیاں

یہ سفر صرف سرور کا نہیں، امتحان کا بھی ہے۔
کبھی تاخیر، کبھی محرومی، کبھی خاموشی۔
مگر صبر وہ سیڑھی ہے جو سالک کو بلندی تک لے جاتی ہے۔

جب دل شکایت چھوڑ کر انتظار کو عبادت بنا لے، تو احدیت کی روشنیاں اور گہری ہو جاتی ہیں۔

''صبر کی چوٹیاں'' سے مراد وہ بلند مراحل ہیں جہاں سالک مشکل حالات میں بھی اپنے رویے کو متوازن رکھتا ہے۔ صبر صرف انتظار یا خاموشی کا نام نہیں بلکہ ایک باشعور کیفیت ہے جس میں سالک حالات کے دباؤ کے باوجود اپنے ردِعمل کو سنبھال کر رکھتا ہے اور جلد بازی یا جذباتی فیصلوں سے بچتا ہے۔

جب انسان اس کیفیت کو اختیار کرتا ہے تو اس کی شخصیت میں مضبوطی اور استقامت پیدا ہوتی ہے۔ وہ مشکلات کو ٹوٹنے کا سبب نہیں بلکہ سیکھنے کا ذریعہ سمجھنے لگتا

ہے۔ یوں صبر انسان کو آہستہ آہستہ ایک ایسی ذہنی پختگی کی طرف لے جاتا ہے جہاں وہ حالات سے متاثر ہونے کے بجائے انہیں سمجھنے اور سنبھالنے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے۔

## ۳۵۔ رازِ قربت

قربت فاصلے مٹانے سے نہیں ملتی، قربت دل جھکانے سے ملتی ہے۔

وہ رگِ جاں سے بھی قریب ہے، مگر دل اگر غافل ہو تو فاصلہ خود پیدا ہو جاتا ہے۔ جب دل بیدار ہو جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی دور تھا ہی نہیں۔

''رازِ قربت'' سے مراد وہ باطنی کیفیت ہے جس میں انسان اپنے رب کے ساتھ تعلق کو زیادہ شعوری، گہرا اور مسلسل محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ قربت کسی جسمانی فاصلے کے کم ہونے کا نام نہیں، بلکہ دل کے جھکاؤ، توجہ اور وابستگی کے مضبوط ہونے کی علامت ہے۔

جب یہ احساس پیدا ہوتا ہے تو سالک کی زندگی میں ایک نرمی اور سنجیدگی آ جاتی ہے۔ وہ اپنے اعمال، نیت اور رویے میں زیادہ احتیاط اور بیداری اختیار کرتا ہے۔ یوں قربت کا یہ راز سالک کو اندرونی سکون، ذمہ داری اور ایک مستقل شعوری تعلق کی طرف لے جاتا ہے، جہاں اس کی سوچ اور عمل ایک بہتر سمت اختیار کر لیتے ہیں۔

## ۳۶۔ خودی کا تحلیل ہونا

پہلے میں خود کو ثابت کرنا چاہتا تھا، اب خود کو مٹانا چاہتا ہوں۔

کیونکہ احدیت کی روشنی میں خودی کا غرور سایہ بن جاتا ہے۔

جب میں نے اپنی بڑائی چھوڑی تو اندر سکون آ گیا۔

جب میں نے اپنی نسبتیں بھلائیں تو اصل نسبت مل گئی، اُسی سے۔

''خودی کا تحلیل ہونا'' سے مراد صوفیانہ اور فکری سطح پر یہ کیفیت ہے کہ انسان اپنی انا، خود پسندی اور "میں" کے احساس کو کمزور ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنی شخصیت یا ذمہ داری کھو دیتا ہے، بلکہ یہ کہ اس کے اندر سے وہ تکبر اور خود مرکزیت کم ہو جاتی ہے جو اکثر فیصلوں اور رویّوں کو متاثر کرتی ہے۔

جب یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے تو سالک زیادہ حقیقت پسند، متوازن اور عاجز ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو کائنات کے مرکز کے طور پر نہیں دیکھتا بلکہ ایک حصہ سمجھ کر زندگی کو بہتر انداز میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں اس کا رویہ زیادہ نرم، اس کا دل زیادہ وسیع اور اس کی سوچ زیادہ غیر جانبدار اور باشعور ہو جاتی ہے۔

## ۳۷۔ نور کی وراثت

اب یہ نور صرف میرا نہیں ہے۔ یہ ہر اُس دل کا حق ہے جو جھکنا جانتا ہے، جو ٹوٹنا قبول کرتا ہے، جو مان لیتا ہے کہ وہ خود کچھ نہیں ہے۔

اَحدیّت کی شان کسی ایک پر محدود نہیں، وہ سب کے لیے ہے مگر ظاہر اُس پر ہوتی ہے جو دل خالی کرے۔

''نور کی وراثت'' سے مراد وہ باطنی اور اخلاقی روشنی ہے جو ایک انسان کے اندر علم، ہدایت اور نیک عمل کے ذریعے پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کی شخصیت اور اثرات میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ کوئی مادی وراثت نہیں بلکہ ایک ایسی کیفیت ہے جو دل کی صفائی، سچائی اور نیکی کے تسلسل سے منتقل ہوتی ہے۔ یعنی انسان کے کردار میں جھلکتی ہے۔

جب سالک اس روشنی کو اپناتا ہے تو اس کی سوچ، گفتار اور عمل میں سچائی اور توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ دوسروں کے لیے بھلائی، رہنمائی اور سکون کا ذریعہ بنتا ہے۔ یوں ''نور کی وراثت'' دراصل ایک ایسی اخلاقی میراث ہے جو علم اور عمل کے

امتزاج سے نسل در نسل آگے بڑھ سکتی ہے۔

## ۳۸۔ بے نام سکون

آخر کار ایک کیفیت آتی ہے جسے نام نہیں دیا جا سکتا۔

نہ خوشی، نہ غم، نہ خوف، نہ خواہش۔

بس ایک سکون گہرا، خاموش، وسیع۔

یہی احدیت کی خوشبو ہے جو روح میں بس جاتی ہے۔

''بے نام بے لذت سکون'' اس کیفیت کی طرف اشارہ ہے جہاں سالک اندرونی شور اور خواہشات کی شدت سے نکل کر ایک خاموش، غیر متعین سی آسودگی محسوس کرتا ہے۔ یہ سکون کسی خاص خوشی یا جذبے پر مبنی نہیں ہوتا، نہ ہی اس میں کوئی نمایاں لذت یا جوش شامل ہوتا ہے، بلکہ یہ ایک ہموار سا ٹھہراؤ ہوتا ہے جو دل کی بے چینی کو کم کر دیتا ہے۔

اس حالت میں سالک کے احساسات زیادہ سادہ اور کم پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔ نہ شدید طلب باقی رہتی ہے اور نہ ہی مسلسل بے قراری۔ یوں زندگی ایک نرم رفتار اختیار کر لیتی ہے، جہاں سکون کسی نمایاں کیفیت کے طور پر نہیں بلکہ ایک پس منظر کی طرح موجود رہتا ہے، جو سالک کو اندرونی توازن فراہم کرتا ہے۔

## ۳۹۔ اختتامی نہی جاری سرگوشی

میں ابھی بھی مسافر ہوں۔ ہر سجدہ نئی ابتدا ہے، ہر دعا نیا دروازہ ہے۔

اَحدیّت کی معرفت کوئی کتاب نہیں جو ختم ہو جائے، یہ تو ایک سمندر ہے جس میں جتنا اترو اتنی ہی گہرائی ملتی ہے۔

''اختتامی نہیں، جاری سرگوشی'' اس کیفیت کی طرف اشارہ ہے جہاں انسان کا

اندرونی تجربہ کسی انجام پر آ کر رک نہیں جاتا، بلکہ ایک مسلسل شعور اور لطیف ادراک کی صورت میں جاری رہتا ہے۔ یہ کوئی حتمی اختتام نہیں بلکہ ایک نرم سی روانی ہے جو لمحہ بہ لمحہ انسان کے احساسات اور فہم کو نئی سمت دیتی رہتی ہے۔

اس حالت میں زندگی ایک بند باب کے بجائے ایک کھلی گفتگو بن جاتی ہے، جو خاموشی میں بھی جاری رہتی ہے۔ سالک ہر لمحے کو ایک نئے ادراک کے طور پر محسوس کرتا ہے، جہاں سوچ ختم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ سادہ اور گہری صورت میں بدلتی رہتی ہے۔ یوں یہ سرگوشی انسان کے اندر ایک مسلسل بیداری کو قائم رکھتی ہے۔

قلبی کیفیت:

اے احد! میرا دل تیرے نور سے زندہ رکھ، میری نگاہ تیرے سوا کسی پر نہ ٹھہرے، میری سانس تیرے ذکر سے جدا نہ ہو۔

اگر میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دینا، اگر میں ٹھہر جاؤں تو مجھے آگے بڑھا دینا۔

تو ہی آغاز، تو ہی انجام، تو ہی ظاہر، تو ہی باطن۔

اور میں تیری شانِ احدیت کا ایک محتاج گواہ، جو تیرے نور میں جیا، اور تیرے نور میں ہمیشہ کے لیے گم ہو گیا۔

''تو احد ہے..... تو ہی کافی ہے..... تو ہی باقی ہے.....''

''قلبی کیفیت'' سے مراد دل کی وہ اندرونی حالت ہے جو سالک کے احساسات، نیت، رجحان اور ذہنی سکون یا بے چینی کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ کیفیت ظاہری حالات سے زیادہ سالک کے باطن میں پیدا ہونے والے اثرات کا نتیجہ ہوتی ہے، جو اس کی سوچ اور رویے پر بھی اثر ڈالتی ہے۔

جب سالک کی قلبی کیفیت متوازن ہوتی ہے تو اس کی زندگی میں سکون، نرمی اور اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ حالات کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھنے لگتا ہے اور اس کے

فیصلوں میں جذباتی شدت کے بجائے فہم اور برداشت شامل ہو جاتی ہے۔ یوں قلبی کیفیت انسان کی مجموعی شخصیت اور طرزِ زندگی کی عکاسی کرتی ہے۔

## ۴۰۔ حضورِ دائمی

اب میں نے سمجھ لیا ہے کہ احدیت کا سفر کسی خاص لمحے کا نام نہیں، بلکہ حضورِ دائمی کا ذوق ہے۔

کھانا، پینا، چلنا، بولنا سب عبادت بن سکتے ہیں اگر دل اُس کی طرف متوجہ رہے۔ پھر دنیا رکاوٹ نہیں رہتی، وسیلہ بن جاتی ہے۔ ہر کام ایک سجدہ، ہر سانس ایک تسبیح۔

''حضورِ دوام اور احدیت کا سفر'' ایک علامتی تعبیر ہے جو سالک کے اندر پیدا ہونے والی مسلسل بیداری اور گہری توجہ کی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے۔ اس میں ''حضور'' سے مراد موجود لمحے کا شعوری احساس ہے، اور ''دوام'' اس تسلسل کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں یہ احساس وقتی نہیں رہتا بلکہ ایک مستقل رجحان بن جاتا ہے۔

''احدیت کا سفر'' اس فکری اور روحانی رجحان کو بیان کرتا ہے جس میں سالک کائنات کے بکھرے ہوئے مظاہر کے پیچھے ایک واحد نظم اور حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ سفر دراصل سالک کی سوچ کو وسعت دیتا ہے، اسے منتشر خیالات سے نکال کر زیادہ مربوط اور بامعنی ادراک کی طرف لے جاتا ہے، جہاں وہ ہر شے کو ایک مربوط نظام کے حصے کے طور پر دیکھنے لگتا ہے۔

## ۴۱۔ فقر کی دولت

میں نے دیکھا کہ جتنا خالی ہوا اتنا ہی مالا مال ہوا۔
جب میں نے اپنی خواہشیں چھوڑیں تو اُس کی رضا مل گئی۔

جب میں نے اپنی تدبیر کم کی تو اُس کی تقدیر کھل گئی۔

یہ فقر ہے مگر محتاجی نہیں؛ یہ بے نیازی ہے جو اُس پر یقین سے پیدا ہوتی ہے۔

''منتہائے دولتِ فقر'' سے مراد وہ بلند ترین کیفیت ہے جس میں سالک مادی یا ظاہری دولت کے بجائے دل کے استغنا اور بے نیازی کو اصل دولت سمجھنے لگتا ہے۔ یہاں ''فقر'' کا مطلب محتاجی نہیں بلکہ وہ باطنی کیفیت ہے جس میں انسان اپنی ضروریات، خواہشات اور وابستگیوں کو اعتدال میں رکھتا ہے اور دل کو غیر ضروری بوجھ سے آزاد کرتا ہے۔

اس مقام پر سالک کے اندر ایک ایسا سکون پیدا ہوتا ہے جو چیزوں کے کم یا زیادہ ہونے پر منحصر نہیں رہتا۔ وہ حالات سے کم متاثر ہوتا ہے اور اپنی داخلی کیفیت میں زیادہ استحکام محسوس کرتا ہے۔ یوں ''فقر'' دراصل ایک فکری اور اخلاقی وسعت بن جاتا ہے جو انسان کو سادگی، توازن اور ذہنی آزادی کی طرف لے جاتا ہے۔

## ۴۲۔ آنسوؤں کی زبان

کبھی کبھی دل اتنا بھر جاتا ہے کہ لفظ ساتھ نہیں دیتے۔

آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، اور آنسو ہی دعا بن جاتے ہیں۔

اَحدیّت کی بارگاہ میں خاموش آنسو ہزار لفظوں سے زیادہ بولتے ہیں۔ یہ ٹوٹنا کمزوری نہیں، یہ قربت کی علامت ہے۔

''بارگاہِ احد میں آنسوؤں کی زبان'' سے مراد وہ کیفیت ہے جہاں انسان کے جذبات اور احساسات لفظوں کے بجائے خاموشی اور آنسوؤں کے ذریعے اظہار پاتے ہیں۔ یہ کوئی کمزوری نہیں بلکہ ایک انتہائی نرم اور سچی حالت ہے جس میں دل اپنی تمام بوجھل کیفیت کو بغیر الفاظ کے بیان کرتا ہے۔

اس مقام پر سالک کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ہر بات کہنے کے لیے زبان ضروری

نہیں ہوتی، بلکہ بعض احساسات صرف دل کی سچائی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ آنسو یہاں ایک علامت بن جاتے ہیں اس اندرونی جھکاؤ اور نرمی کی، جو انسان کو اپنی حد اور اپنی وابستگی کا شعور دلاتی ہے۔ یوں یہ کیفیت الفاظ سے آگے بڑھ کر ایک خاموش اور گہرا داخلی اظہار بن جاتی ہے۔

## ۴۳۔ فنا کا استحکام اور استقامت

پہلے فنا ایک لمحہ تھا، اب کیفیت بن گئی ہے۔
میں خود کو ہر حال میں اسی کا محتاج دیکھتا ہوں۔
نہ اپنی طاقت پر بھروسا، نہ اپنی عقل پر غرور۔
جو کچھ ہے اسی کا ہے، جو نہیں اسی کی حکمت میں ہے۔

''فنا کا استحکام اور استقامت'' بظاہر ایک متضاد ترکیب ہے، لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب انسان اپنی انا، تکبر اور خود پسندی کو کمزور کر دیتا ہے تو اس کے اندر ایک نئی مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ یہاں ''فنا'' سے مراد اپنی محدود خودی سے نکل کر عاجزی اور حقیقت پسندی اختیار کرنا ہے، اور "استحکام" اس اندرونی پختگی کو ظاہر کرتا ہے جو اس عمل کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

اس حالت میں سالک حالات کے جھٹکوں سے کم متاثر ہوتا ہے اور اس کے اندر برداشت، صبر اور توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ جذباتی ردِعمل کے بجائے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے لگتا ہے۔ یوں یہ کیفیت انسان کو کمزور نہیں کرتی بلکہ اس کے اندر ایک ایسی استقامت پیدا کرتی ہے جو اسے زیادہ مضبوط، باشعور اور متوازن شخصیت میں ڈھال دیتی ہے۔

## ۴۴۔نور کا پھیلاؤ

اَحدیّت کا نور صرف دل میں بند نہیں رہتا، وہ کردار میں ظاہر ہوتا ہے۔
نرمی میں، درگزر میں، سچائی میں، امانت میں۔
اگر دل میں نور ہو اور عمل میں نہ ہو تو سمجھو ابھی سفر باقی ہے۔

''نور کا پھیلاؤ'' سے مراد وہ داخلی اثر ہے جو سالک کی سوچ اور احساسات سے نکل کر اس کے عمل، رویّے اور برتاؤ میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب سالک کے اندر کوئی مثبت فہم یا بیداری پیدا ہوتی ہے تو وہ صرف ذہن تک محدود نہیں رہتی، بلکہ اس کی گفتگو، فیصلوں اور روزمرہ تعامل میں بھی جھلکنے لگتی ہے۔

اس کیفیت میں کردار زیادہ متوازن اور ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ نرمی، سچائی، دیانت اور برداشت جیسے اوصاف انسان کی شخصیت کا حصہ بننے لگتے ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ محض احساس یا دعویٰ کافی نہیں، اصل اثر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب اندرونی فہم عملی زندگی میں ڈھل جائے، کیونکہ عمل ہی باطنی کیفیت کی اصل پہچان بنتا ہے۔

## ۴۵۔محبت کی وسعت

اب محبت محدود نہیں رہی، کیونکہ جب وہ اَحد ہے اور سب کا رب ہے، تو سب اُس کی مخلوق ہیں۔
ہر چہرہ قابلِ احترام، ہر دل قابلِ دعا ہے۔
اَحدیّت کا عرفان دل کو تنگ نہیں کرتا، وسیع کر دیتا ہے۔

''محبت کی وسعت'' سے مراد یہ ہے کہ انسان کا احساسِ وابستگی کسی ایک فرد، گروہ یا محدود دائرے تک محدود نہ رہے بلکہ اس کی نظر میں پوری مخلوق ایک ہی رب

کی تخلیق کے طور پر سامنے آئے۔ اس ادراک کے ساتھ سالک کی سوچ زیادہ جامع اور وسیع ہوجاتی ہے، اور وہ دوسروں کو بھی اسی تعلقِ تخلیق کے تناظر میں دیکھنے لگتا ہے۔

اس کیفیت میں محبت ایک ذاتی وابستگی کے بجائے ایک اخلاقی اور فکری وسعت اختیار کرلیتی ہے۔ سالک میں ہمدردی، برداشت اور احترام کے جذبات بڑھتے ہیں، اور وہ اختلاف کے باوجود دوسروں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں محبت ایک محدود جذبے کے بجائے ایک وسیع انسانی شعور کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔

## ۴۶۔ رازِ رضا

اب سب سے بڑی نعمت رضا ہے۔ چاہے حالات بدلیں، چاہے راستے مڑیں، دل کہتا ہے: ''جو تو چاہے وہی بہتر ہے''۔ یہی سکون کا سرچشمہ ہے، یہی احدیت کا عملی ثمر ہے۔

''رازِ رضا'' سے مراد وہ داخلی کیفیت ہے جس میں سالک اپنی خواہشات اور حالات کے بارے میں ایک پختہ قبولیت اور فہم پیدا کرتا ہے۔ یہ قبولیت محض خاموشی یا بے عملی نہیں ہوتی، بلکہ ایک شعوری رویہ ہوتا ہے جس میں سالک یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہر حالت کے پیچھے کوئی نہ کوئی حکمت اور ترتیب موجود ہے۔

اس کیفیت میں سالک کا ردِعمل زیادہ متوازن ہو جاتا ہے۔ وہ جلد بازی یا شدید جذباتی کیفیت کے بجائے صبر، غور اور اعتدال کو اختیار کرتا ہے۔ یوں ''رضا'' سالک کو حالات کے خلاف نہیں کرتی بلکہ اسے ان کے ساتھ بہتر ہم آہنگی پیدا کرنے اور ذہنی سکون حاصل کرنے کی طرف لے جاتی ہے۔

## ۴۷۔ واپسی کا شعور

ہر دن ختم ہوتا ہے اور رات آتی ہے، تو دل کو یاد آتا ہے کہ ایک دن یہ زندگی بھی

ختم ہو جائے گی۔ مگر خوف نہیں رہتا، کیوں کہ جس کی طرف واپسی ہے وہ احد ہے، رحیم ہے، کریم ہے، قریب ہے۔

''واپسی کا شعور'' سے مراد یہ ادراک ہے کہ انسان کا سفر خواہ کتنی ہی وسعت اختیار کر لے، اسے آخر کار اپنی اصل، اپنی حقیقت اور اپنے مرکز کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ احساس انسان کو زندگی کو ایک بامقصد تسلسل کے طور پر دیکھنے میں مدد دیتا ہے، جہاں ہر قدم صرف آگے بڑھنے کے لیے نہیں بلکہ اپنی سمت کو سمجھنے کے لیے بھی ہوتا ہے۔

اس شعور کے ساتھ سالک کی سوچ زیادہ سنجیدہ اور متوازن ہو جاتی ہے۔ وہ عارضی چیزوں کو مستقل سمجھنے کے بجائے ان کی محدود حیثیت کو پہچاننے لگتا ہے۔ یوں "واپسی" کا یہ احساس اسے اپنی ترجیحات درست کرنے، اپنے اعمال پر غور کرنے اور زندگی کو زیادہ بامعنی انداز میں گزارنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

## ۴۸۔ آخری نہیں، ابدی سفر

یہ داستان کسی بند انجام تک نہیں پہنچتی، کیونکہ جس حقیقت کی طرف یہ اشارہ کرتی ہے وہ خود حد و اختتام سے ماورا ہے۔ انسان جتنا بھی سمجھنے کی کوشش کرے، اتنا ہی یہ احساس گہرا ہوتا جاتا ہے کہ ہر فہم کے بعد ایک نئی وسعت موجود ہے۔ یوں یہ سفر کسی آخری پڑاؤ کے بجائے ایک مسلسل ادراک بن جاتا ہے۔

اس تسلسل میں اصل اہمیت اختتام کی نہیں بلکہ شعور کی ہے جو ہر لمحے انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ ہر تجربہ ایک نئی سمت کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور ہر ادراک مزید گہرائی کی دعوت دیتا ہے۔ اسی طرح زندگی ایک کھلے اور جاری فہم کی صورت اختیار کر لیتی ہے، جہاں ہر قدم خود ایک معنی رکھتا ہے اور ہر لمحہ ایک نئی بیداری کا دروازہ بن جاتا ہے۔

یہ داستان ختم نہیں ہوتی، کیونکہ احدیت کی شان لامتناہی ہے۔
میں آج بھی مسافر ہوں، کل بھی رہوں گا۔
ہر سانس ایک قدم، ہر سجدہ ایک بلندی، ہر شکر ایک نئی روشنی۔
''ابد کی گواہی''
اے اَحد! اگر میرا دل کبھی دنیا کی طرف جھک جائے تو اُسے اپنی طرف کھینچ لینا۔ اگر میں خود کو بھول جاؤں تو مجھے میری اصل یاد دلا دینا۔
تو ہی میرا نور، تو ہی میرا سکون، تو ہی میرا مقصد۔
میں آیا تیرے حکم سے، جیا تیرے سہارے، اور لوٹوں گا تیری طرف۔
اور جب سب آوازیں خاموش ہو جائیں گی، اور سب نام مٹ جائیں گے، تب بھی ایک حقیقت باقی رہے گی ''تو اَحد ہے..... تو ہی باقی ہے..... تو ہی ہمیشہ ہے.....'' اور اسی یقین میں میرا وجد، میرا عرفان، اور میرا ابدی سکون پوشیدہ ہے۔

## ۴۹۔ پردۂ لاتعین

اب سفر ایک ایسے مقام پر آ پہنچا ہے جہاں تعریف رُک جاتی ہے۔
اَحدیّت نہ صفت میں سماتی ہے نہ تصور میں۔ وہ لاتعین ہے، ہر تعیین سے ماورا۔
میں جتنا سمجھنا چاہتا ہوں اتنا ہی جان لیتا ہوں کہ سمجھنا ممکن نہیں۔
اور یہی نہ سمجھ پانا اصل سمجھ ہے۔
''پردۂ لاتعین'' ایک علامتی تعبیر ہے جو اس کیفیت کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں انسان کی محدود فکری تعریفیں اور اندازے اپنی حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ ''لاتعین'' سے مراد وہ دائرہ ہے جہاں اشیاء اور تصورات کو مکمل طور پر کسی ایک شکل، حد یا تعریف میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انسانی ادراک کی اس سرحد کو ظاہر کرتا ہے جہاں زبان اور تصور دونوں کمزور پڑ جاتے ہیں۔

اس کیفیت میں سالک یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہر حقیقت کو مکمل طور پر لفظوں یا تصورات میں سمیٹنا ممکن نہیں۔ اس ادراک کے ساتھ اس کی سوچ زیادہ محتاط اور عاجز ہوجاتی ہے، اور وہ جان لیتا ہے کہ بعض حقائق صرف اشاروں اور احساس کے ذریعے ہی قریب آسکتے ہیں، مکمل طور پر بیان نہیں کیے جاسکتے۔ یوں یہ ''پردہ'' دراصل انسانی سمجھ کی حد اور فہم کی وسعت دونوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

## ۵۰۔ مقامِ حیرتِ کاملہ

یہاں عقل سجدہ کرتی ہے، فلسفہ خاموش ہوجاتا ہے، اور منطق سر جھکا دیتی ہے۔
کیونکہ احدیت کا نور کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔
وہ خود دلیل ہے، خود گواہ ہے، خود حقیقت ہے۔
دل بس اتنا کہتا ہے: ''میں نے کچھ نہیں جانا، سوائے اس کے کہ تو احد ہے''۔

''مقامِ حیرتِ کاملہ'' سے مراد وہ فکری اور داخلی کیفیت ہے جہاں انسان کی سمجھ اپنی حد کو پہنچ کر خاموش ہوجاتی ہے، اور وہاں سے ایک گہری حیرت جنم لیتی ہے۔ یہ حیرت لاعلمی کی نہیں ہوتی، بلکہ اس شعور کی ہوتی ہے جو بہت کچھ سمجھ لینے کے بعد بھی یہ جان لیتا ہے کہ حقیقت اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے جتنا وہ سمیٹ سکا ہے۔

اس مقام پر سالک کی سوچ میں عاجزی اور وسعت دونوں پیدا ہوجاتی ہیں۔ وہ ہر شے کو حتمی طور پر بیان کرنے کے بجائے اس کے اشاروں اور پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں یہ کیفیت اسے تکبر سے نکال کر ایک نرم، متوازن اور گہری بیداری کی طرف لے جاتی ہے، جہاں سوال ختم نہیں ہوتے بلکہ زیادہ بامعنی ہوجاتے ہیں۔

## ۵۱۔ سرِ تسلیمِ خم

اب میں بحث نہیں کرتا، نہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں بس جھک جاتا

ہوں۔ جھکنے میں جو راحت ہے وہ جیتنے میں نہیں ہے۔

کیونکہ جھکنا اپنے آپ کو اُس کے حوالے کرنا ہے، اور حوالگی ہی اصل اطمینان ہے۔

''سرِ تسلیمِ خم'' اس کیفیت کی علامت ہے جس میں انسان اپنی انا اور ضد کو چھوڑ کر حقیقت کے سامنے جھکنے کو قبول کر لیتا ہے۔ یہ جھکاؤ کمزوری نہیں بلکہ شعور اور ادراک کی ایک بلند سطح ہے، جہاں سالک یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہر چیز اس کے اختیار اور فہم کے دائرے میں محدود نہیں۔

اس حالت میں سالک کا رویہ زیادہ نرم، متوازن اور حقیقت پسند ہو جاتا ہے۔ وہ حالات سے ٹکرانے کے بجائے ان کو سمجھنے اور قبول کرنے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ یوں یہ کیفیت اسے اندرونی سکون، استحکام اور ایک ایسی فکری وسعت عطا کرتی ہے جو اسے زندگی کے نشیب و فراز میں زیادہ پختگی کے ساتھ چلنے کے قابل بناتی ہے۔

## ۵۲۔ نورِ ازلی کی تجلی کی ایک جھلک

کبھی کبھی دل میں ایک ایسی روشنی ابھرتی ہے جو کسی سبب سے وابستہ نہیں ہوتی۔

نہ عبادت کی کثرت، نہ ریاضت کی شدت، بس اُس کی عطا۔

تب معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اُس کا فضل ہے، نہ میری محنت کا کمال۔

اَحدیّت کی شان یہی ہے، وہ بے نیاز ہو کر بھی عطا کرتی ہے۔

''نورِ ازلی کی تجلی کی ایک جھلک'' ایک علامتی بیان ہے جس سے مراد وہ لمحاتی احساس یا ادراک ہے جس میں انسان کو حقیقتِ کائنات کی وسعت اور اس کے پیچھے کارفرما نظم کی طرف ایک اشارہ سا محسوس ہوتا ہے۔ یہ جھلک مکمل ادراک نہیں بلکہ ایک وقتی فہم ہوتی ہے جو انسان کی سوچ کو زیادہ گہرائی اور وسعت کی طرف متوجہ کرتی

ہے۔

اس کیفیت میں سالک اپنی محدود سمجھ کو پہچاننے لگتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ ہر چیز کو مکمل طور پر سمیٹنا ممکن نہیں۔ اس ادراک کے ساتھ اس کی سوچ زیادہ متوازن اور سنجیدہ ہو جاتی ہے، اور وہ زندگی کو ایک وسیع تر تناظر میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہے، جہاں ہر تجربہ کسی بڑے نظام کا حصہ محسوس ہوتا ہے۔

## ۵۳۔ خاموش بقا

فنا کے بعد جو باقی رہتا ہے وہ خاموش بقا ہے۔
نہ دعویٰ، نہ اظہار، نہ دعوے کی خواہش۔
بس دل کا سکون اور ایک مسلسل حضوری۔
میں اب بھی دنیا میں ہوں، مگر دنیا دل میں نہیں۔

''خاموش بقا'' سے مراد وہ پائیدار کیفیت ہے جس میں انسان کی اندرونی اصلاح اور بیداری کے بعد اس کی شخصیت میں ایک مستقل سکون اور توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی شور یا نمایاں اظہار نہیں ہوتا، بلکہ ایک خاموش استحکام ہوتا ہے جو اس کے سوچنے، بولنے اور عمل کرنے کے انداز میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس حالت میں انسان کی زندگی زیادہ سادہ اور متوازن ہو جاتی ہے۔ وہ غیر ضروری الجھنوں اور شدید ردِعمل سے بچ کر زیادہ سمجھ داری اور تحمل کے ساتھ معاملات کو دیکھنے لگتا ہے۔ یوں ''خاموش بقا'' ایک ایسی اندرونی پختگی کی علامت ہے جو انسان کو مستقل مزاجی اور ذہنی سکون کی طرف لے جاتی ہے۔

## ۵۴۔ فکرِ احدیّت کا عملی عکس

اگر دل میں اُس کا نور ہے تو عمل میں بھی جھلکنا چاہیے۔

نرمی، عدل، سچائی، امانت، عفو۔

یہ سب احدیت کی روشنی کے آثار ہیں۔

کیونکہ جو اُس کو پہچان لے وہ اُس کی مخلوق سے بدسلوکی نہیں کر سکتا۔

''فکرِ اَحدیت کا عملی عکس'' سے مراد یہ ہے کہ سالک جو فکری اور ادراکی سطح پر وحدانیتِ حق کا شعور حاصل کرتا ہے، وہ محض ذہن یا احساس تک محدود نہ رہے بلکہ اس کے کردار، اخلاق اور روزمرہ زندگی میں واضح طور پر ظاہر ہو۔ یعنی عقیدہ یا فہم صرف نظری بات نہ ہو بلکہ عملی رویہ بن جائے۔

اس کیفیت کا عملی عکس سالک کی سادگی، سچائی، انصاف، عاجزی اور ذمہ داری میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنے تعلقات، فیصلوں اور برتاؤ میں توازن اور نرمی اختیار کرتا ہے، اور دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے خود پسندی کے بجائے حق اور اخلاق کو ترجیح دیتا ہے۔ یوں ''فکرِ اَحدیت'' ایک زندہ طرزِ عمل میں ڈھل کر انسان کی پوری شخصیت کو سنوار دیتی ہے۔

## ۵۵۔ آخری پردہ

آخر کار یہ احساس جاگتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں تھا۔

جو تھا وہ اُس کا عطیہ تھا۔

جو ہے وہ اُس کی امانت ہے۔

جو ہوگا وہ اُس کی مشیت ہے۔

یہی مکمل سپردگی ہے۔

''ازلی اعلان'' اے اَحد! تو نہ ابتدا میں محدود،

نہ انتہا میں مقید۔

تو نہ تصور میں آتا ہے نہ خیال میں سماتا ہے۔

میں نے تجھے پانے کی کوشش کی، مگر جان لیا کہ تُو پایا نہیں جاتا،
تُو عطا ہوتا ہے۔
میں نے تجھے سمجھنے کی چاہی، مگر جان لیا کہ تُو سمجھا نہیں جاتا، تُو مانا جاتا ہے۔

''ابدی سکوت'' اور اب لفظ ختم ہو رہے ہیں، کیونکہ جہاں اَحدیّت کا نور مکمل ہوتا ہے وہاں بیان کی ضرورت نہیں رہتی۔

بس دل کی ایک دھڑکن باقی ہے جو کہتی ہے: ''تو اَحد ہے..... تو بے مثال ہے..... تو ہی باقی ہے.....''

اور میں تیری شان کا ایک عاجز گواہ، جو تیرے نور سے پیدا ہوا، تیرے نور میں جیا، اور تیرے نور ہی میں ہمیشہ کے لیے گم ہو گیا۔

یہ سفر ختم نہیں ہوا کیونکہ احدیت لا انتہا ہے۔

اور جو لا انتہا ہو، اُس کا بیان بھی لا انتہا ہے۔

''آخری پردہ'' سے مراد وہ فکری اور داخلی ادراک ہے جہاں سالک اپنی محدود خودی اور وابستگیوں کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے لگتا ہے۔ اس احساس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنی عملی حیثیت یا ذمہ داری کھو دیتا ہے، بلکہ یہ کہ وہ اپنی انا اور خود پسندی کے دائرے کو سمجھ لیتا ہے اور اسے ایک محدود حیثیت میں دیکھنے لگتا ہے۔

اس کیفیت میں انسان کے اندر زیادہ عاجزی اور سنجیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی کامیابیوں یا ناکامیوں کو حتمی معنی دینے کے بجائے انہیں ایک بڑے تسلسل کا حصہ سمجھنے لگتا ہے۔ یوں یہ ادراک اسے زیادہ متوازن، حقیقت پسند اور باطن میں نرم مزاج بنا دیتا ہے، جہاں وہ خود کو مرکز کے بجائے ایک حصہ کے طور پر دیکھنے لگتا ہے۔

## ۵۶۔ سرزمینِ ساکن نور

اب دل ایک مقام پر ٹھہر جاتا ہے، جہاں نہ سوچ کی گنجائش رہتی ہے، نہ خواہش

کی سرکشی۔

ہر لمحہ اُس کی تجلی سے روشن ہے، اور ہر سانس اُس کے سکوت کا پیام لاتا ہے۔

یہاں وقت بھی رُک جاتا ہے، ہر لمحہ ازل و ابد کا آئینہ بنتا ہے، اور دل کہتا ہے:

''یہی میرا سکون، یہی میرا گھر ہے''۔

''سرزمینِ ساکنِ نور'' ایک علامتی تعبیر ہے جس سے مراد وہ داخلی کیفیت ہے جہاں انسان کی ذہنی بے چینی کم ہو کر ایک نسبتاً مستقل سکون اور ٹھہراؤ میں بدل جاتی ہے۔ اس مقام پر خیالات کی رفتار سست ہو جاتی ہے اور سالک اپنی توجہ کو زیادہ بکھرنے کے بجائے ایک مرکز کے قریب محسوس کرتا ہے۔

اس حالت میں سالک کے اندر ایک خاموش استحکام پیدا ہوتا ہے، جہاں وہ ہر چیز کو فوراً ردِعمل کے بجائے زیادہ غور اور توازن کے ساتھ دیکھنے لگتا ہے۔ یہ کیفیت دراصل ذہنی اور جذباتی ترتیب کی طرف اشارہ کرتی ہے، جس میں انسان زیادہ سادگی، وضاحت اور اندرونی سکون کے ساتھ زندگی کو محسوس کرنے لگتا ہے۔

## ۵۷۔ احدیت کے سمندر کی گہرائی

جب احدیت کے سمندر میں غوطہ لگایا تو معلوم ہوا کہ گہرائی کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔

ہر قدر، ہر لمحہ، ہر فکر ایک نئی تہہ کھولتی ہے۔

اور ہر تہہ کے نیچے صرف اُس کی لامتناہی ذات باقی رہتی ہے۔

یہی عرفان ہے، یہی وجد ہے، یہی عشق ہے جو کبھی مکمل نہیں ہوتا، مگر ہر لمحہ تازہ روشنی دیتا ہے۔

''اَحدیت کے سمندر کی گہرائی'' ایک علامتی بیان ہے جس سے مراد یہ فکری احساس ہے کہ حقیقتِ وجود کو مکمل طور پر سمیٹنا انسانی ادراک کی حد سے باہر ہے۔ یہ

گہرائی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جتنا سالک سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، اتنا ہی یہ شعور بڑھتا جاتا ہے کہ اصل حقیقت اس کی سمجھ سے کہیں وسیع تر ہے۔

اس ادراک کے ساتھ انسان میں ایک نرم سی عاجزی اور فکری وسعت پیدا ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز کو محدود تعریفوں میں قید کرنے کے بجائے اس کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں یہ ''گہرائی'' انسان کو تکبر سے نکال کر ایک متوازن، سنجیدہ اور زیادہ وسیع النظر فہم کی طرف لے جاتی ہے، جہاں سوالات کم نہیں ہوتے بلکہ زیادہ بامعنی ہو جاتے ہیں۔

## ۵۸۔ سایہ مٹا، نور بڑھا

میں نے دیکھا کہ خود کی پہچان صرف ایک پردہ ہے۔
جب یہ پردہ گرا تو دل میں اُس کا نور پھیل گیا، اور ہر خوف، ہر فریب، ہر غرور خود بخود مٹ گیا۔ اب زندگی ایک سلسلہ ہے۔
صرف اُس کی روشنی میں بہنے کا۔

''سایہ مٹا، نور بڑھا'' ایک علامتی تعبیر ہے جس سے مراد یہ ہے کہ جب سالک کے اندر سے خوف، وہم، بے یقینی یا الجھن کم ہونے لگتی ہے تو اس کی سوچ زیادہ واضح اور متوازن ہو جاتی ہے۔ ''سایہ'' یہاں ذہنی دھند، اضطراب یا منفی تصورات کی علامت ہے، جبکہ ''نور'' فہم، بیداری اور اندرونی وضاحت کو ظاہر کرتا ہے۔

اس کیفیت میں انسان کے فیصلے زیادہ سنجیدہ اور باشعور ہو جاتے ہیں۔ وہ حالات کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھنے لگتا ہے اور غیر ضروری الجھنوں سے نکل کر اصل بات پر توجہ دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یوں یہ تبدیلی دراصل ذہنی پختگی اور فکری وضاحت کی طرف اشارہ کرتی ہے، جہاں سالک زیادہ متوازن اور پرسکون انداز میں زندگی کو دیکھنے لگتا ہے۔

## ۵۹۔ اَحدیّت کی دعوت

ہر لمحہ ہمیں بلا رہا ہے، ہر سانس ہمیں اُس کی طرف کھینچ رہا ہے۔ پہلے ہم دور تھے، اب قریب ہیں، مگر قربت بھی حد سے ماورا ہے۔ یہ دعوت صرف لفظوں سے نہیں، بلکہ دل کے اندر سے محسوس ہوتی ہے۔ اور سالک جو اسے پہچان لے وہی اصل دولت پاتا ہے: ہر لمحہ اُس کی یاد میں غرق۔

''اَحدیت کی دعوت'' سے مراد کسی فکری یا روحانی تصور کے طور پر یہ احساس ہے کہ سالک کائنات کو ایک مربوط اور واحد حقیقت کے تناظر میں دیکھے، جہاں ہر شے ایک بڑے نظام کا حصہ ہے۔ اس دعوت کا تعلق سالک کی سوچ کو منتشر زاویوں سے نکال کر ایک مرکزی اور متوازن فہم کی طرف لانے سے ہوتا ہے۔

اس کے اثر سے سالک کی نظر زیادہ جامع اور سنجیدہ ہو جاتی ہے۔ وہ چیزوں کو الگ الگ اور بے ربط سمجھنے کے بجائے ان کے باہمی تعلق کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں یہ ''دعوت'' دراصل ایک فکری بیداری کی طرف اشارہ کرتی ہے جو انسان کو زیادہ گہرے غور، توازن اور وسیع نظر کی طرف لے جاتی ہے۔

## ۶۰۔ فنا فی اللہ

اب میں نے جان لیا کہ فنا ڈر نہیں ہے۔

فنا اپنی انا کا ٹوٹنا، اپنی خواہش کا ختم ہونا، اپنی معرفت کی حدود کو چھوڑ دینا ہے۔

اور بقا اُس کی حضوری میں جڑ جانا، اُس کے نور میں زندہ ہو جانا ہے۔

یہی وہ لمحہ ہے جب دل کہتا ہے: ''میں کچھ نہیں، اور سب کچھ وہی ہے''۔

یہ بات واضح کر دوں کہ "فنا فی اللہ" کو حقیقی طور پر مٹ جانا یا اپنی ہستی ختم ہو جانا سمجھنا درست نہیں۔ یہ ایک صوفیانہ تعبیر ہے جو انسان کی انا، خود پسندی اور خود مرکزیت

کے کم ہونے کی کیفیت کو بیان کرتی ہے۔

اب اس مفہوم کے ساتھ آپ کے جملے کو یوں سمجھا جا سکتا ہے:

اب میں نے جان لیا کہ ''فنا'' ڈر نہیں ہے، بلکہ ایک آزادی ہے- اپنی اَنا کے بوجھ سے آزادی، اپنی ضد اور خود ساختہ مرکزیت سے رہائی۔ جب یہ بوجھ ہلکا ہوتا ہے تو سالک خود کو کھوتا نہیں، بلکہ زیادہ واضح انداز میں پاتا ہے۔

اس کیفیت میں سالک کی سوچ زیادہ متوازن، اس کا دل زیادہ نرم اور اس کا رویہ زیادہ حقیقت پسند ہو جاتا ہے۔ یوں "فنا" نقصان نہیں بلکہ ایک داخلی صفائی ہے، جو انسان کو زیادہ سادہ، باوقار اور باشعور زندگی کی طرف لے جاتی ہے۔

## ۶۱۔ ابدی سکون

اب کوئی تڑپ باقی نہیں، کوئی طلب باقی نہیں۔

ہر لمحہ حضوری کا احساس ہے، ہر دھڑکن اُس کی تسبیح ہے۔

میں اب نہ زمانے میں ہوں، نہ مکاں میں، نہ خواہش میں، بس اُس کی حضوری میں ہوں۔ یہی اَحدیّت کا راز ہے، یہی وجدانی سکون، یہی عرفانی حقیقت، اور یہی ابدی منزل ہے۔

یہ کیفیت بظاہر مکمل ٹھہراؤ کی لگتی ہے، مگر اسے یوں سمجھنا زیادہ درست ہے کہ یہاں بے چینی کی شدت کم ہو جاتی ہے، نہ کہ زندگی کی حرکت یا شعور ختم ہو جاتا ہے۔ "ابدی سکون" کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کے اندر کوئی احساس یا خواہش باقی نہ رہے، بلکہ یہ کہ وہ خواہشات اب اس پر حاوی نہیں رہتیں۔

اس حالت میں سالک کے اندر ایک ہلکا سا اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ طلب موجود ہوتی ہے مگر بے قراری کے بغیر، اور زندگی جاری رہتی ہے مگر دباؤ کے بغیر۔ یوں یہ سکون جمود نہیں بلکہ ایک متوازن کیفیت ہے، جہاں انسان نہ خواہشات میں کھو جاتا

ہے اور نہ ہی ان سے مکمل کٹ جاتا ہے، بلکہ ایک درمیانی، باشعور راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

## ۶۲۔ سرِّ احد باطن کی آخری دہلیز

اب سفر ایک ایسی دہلیز پر ہے جہاں قدم رکھتے ہی وجود کی آواز مدھم ہو جاتی ہے۔

نہ جسم کی گرفت ہے، نہ فکر کی حد، نہ خواہش کی کوئی لہر۔
بس ایک گہرا سکوت ہے جو خود کلامی ہے۔
یہ سرِّ اَحد ہے، جہاں سالک سمجھتا نہیں، بس مان لیتا ہے۔

''سرِّ اَحد، باطن کی آخری دہلیز'' ایک نہایت باریک اور گہرا استعارہ ہے۔ مگر اسے ''آخری'' سمجھنا شاید جلدی ہو۔ انسانی ادراک کی کوئی حتمی سرحد متعین نہیں ہوتی؛ جو دہلیز آج آخری لگتی ہے، وہی کل کسی نئی وسعت کا دروازہ بن سکتی ہے۔

اس کیفیت میں عاف اپنی سمجھ کی حد کو پہچان لیتا ہے۔ نہ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ سب کچھ پا لیا، نہ یہ سمجھتا ہے کہ اب آگے کچھ نہیں۔ بلکہ ایک نرم سی خاموشی اور عاجزی پیدا ہوتی ہے، جہاں وہ جان لیتا ہے کہ حقیقت کو مکمل طور پر سمیٹنا ممکن نہیں۔ صرف اس کے قریب ہونے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ یہی شعور اسے متوازن رکھتا ہے: نہ غرور میں جانے دیتا ہے، نہ مایوسی میں، بلکہ ایک مسلسل، باشعور سفر میں قائم رکھتا ہے۔

## ۶۳۔ تجلی احد بے صورت بے رنگ بے بو

وہ نہ روشنی جیسا ہے نہ اندھیرے جیسا۔
نہ اتنا قریب کہ چھو لیا جائے، نہ اتنا دور کہ پایا نہ جائے۔
وہ ہر تشبیہ سے پاک، ہر مثال سے ماورا ہے۔

جب دل ہر تصور چھوڑ دیتا ہے تب ایک بے صورت تجلی اندر اترتی ہے۔
اور وہاں کوئی تصویر باقی نہیں رہتی، صرف حضوری۔

''تجلیِ اَحد بے صورت، بے رنگ، بے بُو'' ایک ایسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جو حواس اور الفاظ کی گرفت سے باہر ہے۔ انسان جن چیزوں کو پہچانتا ہے، وہ شکل، رنگ اور کیفیت کے ذریعے پہچانتا ہے، مگر یہاں معاملہ اس سے آگے کا ہے۔ یہ ادراک انسان کو اپنی فہم کی حد دکھاتا ہے کہ ہر وہ چیز جو بیان کی جا سکتی ہے، دراصل محدود ہے، اور جسے ''اَحد'' کہا جا رہا ہے وہ ہر حد سے ماورا ہے۔

جب یہ شعور دل میں اُترتا ہے تو عبد صادق کی سوچ میں ایک نئی نرمی پیدا ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز کو قطعی اور حتمی انداز میں بیان کرنے کے بجائے اس کے مختلف پہلوؤں کو دیکھنے لگتا ہے۔ یہ کیفیت اس کے اندر عاجزی کو جنم دیتی ہے، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ اس کی عقل اور زبان دونوں ایک خاص دائرے تک ہی ساتھ دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد جو رہ جاتا ہے وہ خاموش ادراک ہے۔

یہ خاموشی خالی پن نہیں بلکہ ایک بھرپور موجودگی کا احساس ہے۔ عبد صادق محسوس کرتا ہے کہ کچھ ہے جو ہر شے میں جاری ہے، مگر کسی ایک شکل میں بند نہیں۔ یہ کیفیت اسے بے چینی سے نکال کر ایک ہلکے سکون میں لے آتی ہے، جہاں وہ چیزوں کو پکڑنے کے بجائے انہیں ہونے دیتا ہے۔ یہی "بے صورت" ہونے کا پہلا ذوق ہے- کہ حقیقت کو محدود نہ کیا جائے۔

اس مرحلے پر عاف باللہ کے اندر ایک تبدیلی آتی ہے جو اس کے رویّے میں بھی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ وہ کم بولتا ہے مگر زیادہ سمجھتا ہے، کم دعویٰ کرتا ہے مگر زیادہ محسوس کرتا ہے۔ اس کے فیصلے زیادہ نرم اور متوازن ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ ہر چیز کو ایک وسیع تناظر میں دیکھنے لگتا ہے۔ یہ کیفیت اسے دوسروں کے ساتھ بھی زیادہ تحمل اور وسعت کے ساتھ جینے کا سلیقہ دیتی ہے۔

آخر کار یہ ادراک عارف باللہ کو ایک مسلسل سفر میں قائم رکھتا ہے، جہاں ہر لمحہ ایک نئی جھلک بن کر سامنے آتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ حقیقت کو مکمل طور پر پالینا ممکن نہیں، مگر اس کے قریب ہونے کی کیفیت خود ایک نعمت ہے۔ یوں "تجلیِ اَحد" کسی ایک لمحے کا تجربہ نہیں رہتی، بلکہ ایک جاری شعور بن جاتی ہے جو انسان کے دل، سوچ اور عمل تینوں میں آہستہ آہستہ رچ بس جاتی ہے۔

## ۶۴۔ لا کی وادی

سالک جب ''لا'' کی وادی میں داخل ہوتا ہے تو ہر جھوٹا سہارا گر جاتا ہے۔

لاقوت، لا اختیار، لا اَنا۔

پھر اسی ''لا'' کے بعد ایک اثبات جنم لیتا ہے وہی واحد حقیقت۔

یہ نفی کا دروازہ ہے جو اثبات کی روشنی تک لے جاتا ہے۔

''لا'' کی وادی ایک نہایت باریک اور گہرا استعارہ ہے۔ مگر اسے یوں سمجھنا ضروری ہے کہ یہ مکمل نفیِ وجود نہیں بلکہ نفیِ باطل سہارا ہے۔ جب سالک ''لا'' کے شعور میں داخل ہوتا ہے تو وہ ہر اُس چیز سے ہاتھ اٹھانا سیکھتا ہے جسے وہ اپنی طاقت، اختیار یا پہچان سمجھ بیٹھا تھا۔ یہاں ''لاقوت، لا اختیار، لا اَنا'' کا مطلب یہ نہیں کہ انسان بے عمل ہو جائے، بلکہ یہ کہ وہ اپنی محدود حیثیت کو پہچان لے۔

اس وادی میں داخل ہوتے ہی انسان کے وہ سہارے ٹوٹنے لگتے ہیں جو دراصل عارضی تھے۔ خود اعتمادی کی وہ شکل جو غرور میں بدل گئی تھی، اختیار کا وہ احساس جو حقیقت سے کٹا ہوا تھا، اور اَنا کا وہ خول جو انسان کو خود میں قید کیے ہوئے تھا۔ یہ ٹوٹنا تکلیف دہ محسوس ہو سکتا ہے، مگر اسی میں ایک نئی صفائی چھپی ہوتی ہے، جیسے بادل چھٹنے کے بعد آسمان صاف ہو جائے۔

یہاں ''لا'' دراصل انکار نہیں بلکہ ایک راستہ ہے۔ ایسا انکار جو حقیقت تک

پہنچنے کے لیے ضروری ہے۔ جب جھوٹے سہارے گر جاتے ہیں تو انسان خالی نہیں رہتا، بلکہ ایک نئی سادگی اور وضاحت کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے فیصلے اب دکھاوے یا خود پسندی سے نہیں بلکہ زیادہ حقیقت پسندانہ شعور سے جنم لیتے ہیں۔

اس کیفیت میں انسان کا رویہ بدل جاتا ہے۔ وہ اپنی کامیابی کو اپنی ذات کا کمال نہیں سمجھتا اور نہ ہی اپنی کمزوریوں سے مکمل ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے اندر ایک توازن پیدا ہوتا ہے جہاں وہ اپنی حد کو بھی جانتا ہے اور اپنی ذمہ داری کو بھی۔ یوں ''لا'' اسے بے بنیاد نہیں کرتا بلکہ زیادہ مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

آخر کار ''لا'' کی وادی ایک ایسے دروازے کی طرح ہے جو انسان کو خود فریبی سے نکال کر سچائی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ سفر ختم نہیں ہوتا، بلکہ یہی نفی آگے چل کر ایک مثبت ادراک میں بدل جاتی ہے- جہاں انسان نہ صرف یہ جانتا ہے کہ وہ کیا نہیں ہے، بلکہ یہ بھی سمجھنے لگتا ہے کہ اسے کیا ہونا چاہیے۔

## ۶۵۔ سوز و سرور کا امتزاج

یہاں درد بھی ہے اور راحت بھی۔
درد اپنی محدودیت کا شعور ہے۔
راحت اُس کی بے حدی کا یقین ہے۔
سالک روتا بھی ہے اور مسکراتا بھی ہے۔
کیونکہ وہ جان چکا ہے کہ ہر محرومی میں بھی اُسی کی حکمت پوشیدہ ہے۔

''سوز و سرور کا امتزاج'' ایک ایسی کیفیت کی علامت ہے جہاں دل میں نرمی بھی ہوتی ہے اور اطمینان بھی۔ سوز اس اندرونی حساسیت کو ظاہر کرتا ہے جو عارف کو بیدار رکھتی ہے- وہ احساس جو اسے بے حسی سے نکال کر معنی کی تلاش میں رکھتا ہے۔ جبکہ سرور اس سکون اور ہلکی سی خوشی کا نام ہے جو اس تلاش کے درمیان بھی دل کو

سنبھالے رکھتی ہے۔

یہ دونوں کیفیتیں بظاہر مختلف ہیں، مگر جب ایک ساتھ جمع ہوتی ہیں تو عارف کے اندر ایک متوازن حالت پیدا کرتی ہیں۔ نہ وہ صرف بے چینی میں ڈوبا رہتا ہے، نہ ہی صرف بے فکری میں کھو جاتا ہے۔ بلکہ ایک ایسا درمیانی راستہ اختیار کرتا ہے جہاں احساس بھی زندہ رہتا ہے اور سکون بھی قائم رہتا ہے۔

اس امتزاج کا اثر عارف کے رویّے میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کے درد کو محسوس کرتا ہے مگر اس میں ڈوبتا نہیں، اور خوشی کو محسوس کرتا ہے مگر اس میں بہک نہیں جاتا۔ اس کی سوچ میں گہرائی آتی ہے اور اس کے فیصلے زیادہ سنجیدہ اور متوازن ہو جاتے ہیں۔

یوں ''سوز و سرور کا امتزاج'' دراصل ایک پختہ داخلی کیفیت ہے جو انسان کو نہ صرف خود سے قریب کرتی ہے بلکہ اسے زندگی کے اتار چڑھاؤ میں ایک مستقل توازن بھی عطا کرتی ہے۔

## ٦٦۔ بے نام قربت احدیت

اب قربت کا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔
نہ فاصلے کی بات، نہ وقت کی حد۔
وہ رگِ جاں سے بھی قریب، مگر اپنی شان میں بے نیاز۔
دل بس یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ کبھی جدا تھا ہی نہیں۔

''بے نام قربتِ اَحدیت'' ایک ایسی لطیف کیفیت کی علامت ہے جسے کسی خاص عنوان، نسبت یا لفظ میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں قربت کسی فاصلے کے کم ہونے کا نام نہیں، بلکہ ایک اندرونی شعور ہے جہاں انسان خود کو ایک وسیع تر حقیقت کے ساتھ ہم آہنگ محسوس کرتا ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ اس کیفیت کو مکمل طور پر بیان کر

سکے۔

اس حالت میں نام، شناخت اور ظاہری حوالوں کی اہمیت کم ہونے لگتی ہے۔ انسان اپنی نسبتوں کو چھوڑتا نہیں، مگر ان میں الجھتا بھی نہیں۔ اس کے اندر ایک خاموش سا اطمینان پیدا ہوتا ہے جو کسی دعوے یا اظہار کا محتاج نہیں ہوتا، بلکہ اپنی سادگی میں خود مکمل محسوس ہوتا ہے۔

یہ قربت کسی خاص لمحے یا حالت تک محدود نہیں رہتی بلکہ ایک پس منظر کی طرح زندگی کے ساتھ چلتی ہے۔ عارف باللہ اپنے معمولات میں مصروف رہتے ہوئے بھی ایک ہلکی سی بیداری کو ساتھ محسوس کرتا ہے، جیسے دل کے اندر کوئی نرم سی روشنی مستقل موجود ہو۔

اس کیفیت کا اثر عارف باللہ کے کردار میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی گفتگو میں نرمی، اس کے فیصلوں میں توازن اور اس کے رویّے میں وسعت آ جاتی ہے۔ وہ دوسروں کے ساتھ تعلق میں زیادہ خلوص اور کم خود غرضی محسوس کرتا ہے، کیونکہ اس کی توجہ خود سے ہٹ کر ایک بڑے تناظر کی طرف ہو چکی ہوتی ہے۔

یوں ''بے نام قربتِ اَحدیت'' کوئی بیان کرنے کی چیز نہیں بلکہ جینے کی ایک کیفیت ہے- خاموش، غیر نمایاں مگر گہری- جو انسان کے دل، سوچ اور عمل تینوں میں آہستہ آہستہ سرایت کر جاتی ہے۔

## ۶۷۔ عبد کا اقرار

اے احد! میں نے بہت دعوے کیے، بہت جاننے کی کوشش کی، بہت سمجھنے کی چاہ کی۔

مگر اب جان لیا کہ میری اصل پہچان تیرا بندہ ہونا ہے۔

نہ میں کچھ تھا، نہ میں کچھ ہوں، نہ میں کچھ رہوں گا سوائے تیری نسبت کے۔

اے اَحد! میں نے بہت دعوے کیے، بہت جاننے کی کوشش کی، بہت سمجھنے کی چاہ کی۔ مگر ہر کوشش کے بعد یہی جانا کہ میری سمجھ محدود ہے اور تیری حقیقت بے حد۔ جو کچھ میں نے سمجھا، وہ بھی تیرے دیے ہوئے دائرے میں تھا، اور جو نہ سمجھ سکا، وہ بھی تیری ہی وسعت کا حصہ تھا۔

اب دل ایک اور طرح کے اقرار کی طرف مائل ہے۔ نہ دعویٰ، نہ اثبات کی ضد، نہ انکار کی الجھن۔ بس ایک سادہ سا اعتراف کہ میں سیکھنے والا ہوں، اور تو وہ حقیقت ہے جسے مکمل طور پر سمیٹنا ممکن نہیں۔ میری چاہ اب سمجھنے سے زیادہ جھکنے میں ہے، اور یہی جھکاؤ میرے لیے سکون کا سبب بن گیا ہے۔

میں نے جان لیا کہ اصل قریب ہونا علم کے بڑھنے میں نہیں، بلکہ دل کے نرم ہونے میں ہے۔ جب میں نے اپنی انا کو ہلکا کیا تو چیزیں واضح ہونے لگیں، اور جب خود کو مرکز سمجھنا چھوڑا تو ایک وسیع تر فہم سامنے آیا۔ یہ ادراک مجھے خاموش کرتا ہے، مگر اس خاموشی میں ایک عجیب سا اطمینان ہے۔

اب میری طلب بھی بدل گئی ہے۔ پہلے میں جاننا چاہتا تھا کہ سب کچھ کیا ہے، اب میں یہ چاہتا ہوں کہ میں خود کو اپنی حد میں پہچان لوں۔ یہی پہچان مجھے توازن دیتی ہے، اور اسی میں ایک نئی قسم کی آزادی محسوس ہوتی ہے۔ ایسی آزادی جو دعووں سے خالی اور حقیقت کے قریب ہے۔

اے اَحد! میرا یہ اقرار مکمل نہیں، بلکہ ایک آغاز ہے۔ ایسا آغاز جو ہر لمحہ نئے شعور کی طرف لے جاتا ہے۔ میں نہ سب کچھ جان سکا، نہ جان سکوں گا، مگر اب یہ جان لیا ہے کہ جھکنا ہی اصل ادراک ہے، اور اسی میں میرے لیے سکون اور راستہ دونوں موجود ہیں۔

## ۶۸۔فنا کی تکمیل

یہ کیفیت اپنی شاعرانہ شدت میں بہت دلکش ہے، مگر اسے یوں سمجھنا زیادہ درست ہے کہ ''فنا'' کوئی مستقل حالت نہیں بن جاتی جس میں انسان ہر وقت ایک ہی کیفیت میں رہے۔ انسان دنیا میں رہتے ہوئے بدلتی کیفیات، ذمہ داریوں اور شعوری اتار چڑھاؤ کے ساتھ جیتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کے اندر ایک بنیادی توازن پیدا ہو جاتا ہے، نہ کہ وہ مکمل طور پر کسی ایک کیفیت میں ٹھہر جائے۔

اب اس مفہوم کے ساتھ آپ کے الفاظ کو یوں سمجھا جا سکتا ہے:

اب فنا کوئی لمحاتی کیفیت نہیں رہی، بلکہ ایک شعوری رجحان بن گئی ہے۔ ایسا رجحان جو انسان کو اپنی انا کے غلبے سے بچاتا ہے۔ وہ دنیا میں رہتا ہے، اپنے کام کرتا ہے، تعلقات نبھاتا ہے، مگر اندر ایک ہلکی سی بیداری قائم رہتی ہے جو اسے حد سے بڑھنے نہیں دیتی۔

میں دنیا میں ہوں مگر دل کسی ایک مرکز کے شعور سے جڑا ہوا ہے۔ میں بولتا ہوں مگر ہر بات میں ایک ٹھہراؤ شامل ہے۔ میں چلتا ہوں مگر ہر قدم بے سمت نہیں بلکہ ایک مقصدی شعور کے ساتھ اٹھتا ہے۔ یہ کیفیت جمود نہیں بلکہ ایک متوازن بیداری ہے، جو انسان کو زندگی کے بیچ میں رہ کر بھی خود پر قابو اور فہم عطا کرتی ہے۔

## ۶۹۔نورِ ابدالآباد

جب سب آوازیں ختم ہو جائیں گی، جب سانسیں رُک جائیں گی، جب وقت اپنا دامن سمیٹ لے گا تب بھی ایک حقیقت باقی رہے گی: وہ احد تھا، وہ احد ہے، وہ احد رہے گا۔

اور میرا وجود اُسی کے نور میں اپنی اصل کو پا لے گا۔

''نورِ ابدالآباد'' ایک علامتی اور فکری تعبیر ہے جس سے مراد وہ مسلسل اور غیر منقطع شعور یا ہدایت ہے جو وقت کی حدود میں مقید نہیں ہوتا۔ یہاں ''نور'' سے مراد وضاحت، فہم اور بیداری ہے، جبکہ ''ابدالآباد'' اس تسلسل کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ختم ہونے یا ٹوٹنے کا نام نہیں لیتا۔

اس تصور میں انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ کچھ حقیقتیں وقتی تجربے تک محدود نہیں ہوتیں بلکہ ایک مسلسل رہنمائی کی صورت میں اس کے ساتھ رہتی ہیں۔ یہ شعور اسے زندگی کو زیادہ متوازن، سنجیدہ اور بامقصد انداز میں دیکھنے کی طرف متوجہ کرتا ہے، جہاں ہر لمحہ ایک نئی سمجھ اور ہر تجربہ ایک نئی بصیرت بن جاتا ہے۔

## ۱۷۔ اختتامی نہیں ازلی اعلانیہ سفر

ختم نہیں ہوا، کیونکہ احدیت کی معرفت کبھی مکمل نہیں ہوتی۔
ہر لمحہ ایک نئی تجلی، ہر آن ایک نئی حیرت، ہر سجدہ ایک نئی قربت۔
اور آخر میں دل بس اتنا کہتا ہے:

''تو احد ہے.....
تو ہی کافی ہے.....
تو ہی باقی ہے.....''

میں تیرا بندہ، تیری رحمت کا طلبگار، تیری شانِ احدیت کا ایک عاجز گواہ۔
جو تیرے نور میں جیا، اور تیرے نور میں ہمیشہ کے لیے فنا ہو گیا۔

# واحد اور اس کی شان وحدانیت

اللہ واحد ہے..... اُس کی وحدانیت کوئی نظریہ نہیں، ایک زندہ حقیقت ہے جو کائنات کے ہر ذرّے میں سانس لیتی ہے۔ جب دل کی آنکھ کھلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر رنگ، ہر آواز، ہر حرکت اُسی ایک کی طرف اشارہ ہے۔ یہ زمین، یہ آسمان، یہ روشنی اور تاریکی..... سب اُس کے حکم کے تابع ہیں۔ اُس کی ذات ایسی یکتا ہے کہ نہ کوئی اُس جیسا ہے، نہ اُس کا کوئی شریک۔ انسان جب اس حقیقت کو محسوس کرتا ہے تو اُس کے اندر کی بے چینی سکون میں بدلنے لگتی ہے، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ ہر چیز کا مرکز صرف ایک ہے- اللہ۔

وحدانیت کا ادراک عقل سے نہیں، دل کے نور سے ہوتا ہے۔ جب بندہ اپنے نفس کی آوازوں کو خاموش کرتا ہے تو اندر ایک گہری صدا سنائی دیتی ہے- وہی صدا جو ہر وقت پکار رہی ہوتی ہے: ''میں ہی ہوں، میرے سوا کوئی نہیں۔'' یہ احساس بندے کو دنیا کی الجھنوں سے نکال کر ایک ایسے سکون میں لے جاتا ہے جہاں نہ خوف باقی رہتا ہے، نہ محرومی کا دکھ۔ وہ جان لیتا ہے کہ جو کچھ ہے، وہ سب اُسی کا ہے، اور جو نہیں ہے، اُس میں بھی اُسی کی حکمت پوشیدہ ہے۔

اللہ کی شانِ وحدانیت یہ ہے کہ وہ ہر جگہ ہے، مگر کسی جگہ کا محتاج نہیں؛ وہ ہر دل کے قریب ہے، مگر کسی شکل میں محدود نہیں۔ جب انسان اس سچائی میں فنا ہو جاتا ہے تو اُس کی اپنی ہستی مٹنے لگتی ہے، اور صرف اللہ کی موجودگی باقی رہ جاتی ہے۔ یہی اصل سکون ہے، یہی اصل معرفت ہے- کہ بندہ خود کو بھلا دے اور صرف اُس ایک کو پہچان لے، جو ہمیشہ سے تھا، ہمیشہ ہے، اور ہمیشہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ''الواحد'' ہے، یعنی وہ اپنی ذات، صفات اور افعال

میں یکتا ہے۔ اس کی واحدیت محض ایک عددی تصور نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر قسم کی کثرت، شراکت اور مشابہت سے پاک ہے۔

یہ ''احد'' اور ''واحد'' صرف عددی اکائی نہیں بلکہ ایسی وحدت ہے جس میں کسی قسم کی تقسیم، شراکت یا کثرت کا تصور بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ''الواحد'' ہے، یعنی وہ ایسا یکتا ہے جس کی نہ کوئی ابتدا ہے، نہ انتہا، نہ کوئی شریک ہے اور نہ کوئی مثال۔ قرآنِ مجید نے اس حقیقت کو نہایت اختصار مگر انتہائی جامع انداز میں بیان فرمایا:

قرآن بار بار اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ پوری کائنات کا نظام ایک ہی رب کے ہاتھ میں ہے:

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

(البقرہ:163)

ترجمہ: اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ نہایت رحم کرنے والا، بے حد مہربان ہے۔

تفسیر و شرح: یہ آیت اسلام کے بنیادی عقیدے "توحید" کا جامع اعلان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام انسانوں کا معبود صرف ایک ہے، نہ وہ متعدد ہیں اور نہ تقسیم شدہ۔ "إِلٰهٌ وَّاحِدٌ" اس بات کی دلیل ہے کہ عبادت، محبت، خوف اور امید صرف ایک ہی ذات کے لیے مخصوص ہے۔

"الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ" کا ذکر اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اللہ کی واحدیت جبر یا خوف پر مبنی نہیں بلکہ رحمت اور محبت پر قائم ہے۔ یعنی جو ایک ہے وہی سب سے زیادہ مہربان بھی ہے، اور اس کی وحدانیت انسان کے لیے خوف نہیں بلکہ سکون اور

امید کا سرچشمہ ہے۔

جب دل اس آیت کو سمجھ لیتا ہے تو انسان کے اندر سے کثرت کے خوف ختم ہونے لگتے ہیں اور دل ایک ہی مرکز پر جمع ہو جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب ایک ہے اور وہی رحمت کا دروازہ بھی ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ

(البقرہ:255)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ زندہ ہے، سب کو قائم رکھنے والا ہے۔

تفسیر و شرح: یہ آیت قرآن کی سب سے عظیم آیات میں سے ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنی دو بنیادی صفات بیان فرماتا ہے:

**الْحَیّ**: وہ ذات جو ہمیشہ سے زندہ ہے، جس پر کبھی موت طاری نہیں ہوتی۔

**الْقَیُّوْم**: وہ ذات جو خود قائم ہے اور پوری کائنات کو قائم رکھنے والی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری کائنات کا وجود اللہ کے سہارے قائم ہے، اگر اس کا فیضِ وجود منقطع ہو جائے تو سب کچھ فنا ہو جائے۔

یہ آیت انسان کو یہ شعور دیتی ہے کہ اس کا ہر سانس، ہر حرکت اور ہر لمحہ اللہ کے قائم رکھنے سے ہے۔ انسان خود مستقل نہیں بلکہ ہر لمحہ اپنے رب کا محتاج ہے۔

لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

(الانبیاء:22)

ترجمہ: اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا دوسرے معبود ہوتے تو دونوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا، پس اللہ پاک ہے، عرش کا رب، ان باتوں سے جو وہ

بیان کرتے ہیں۔

تفسیر وشرح: یہ آیت توحید کی عقلی دلیل پیش کرتی ہے۔ اگر کائنات میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو:

- ہر ایک کا الگ ارادہ ہوتا
- نظام میں تضاد پیدا ہوتا
- کائنات تباہ ہو جاتی

مگر چونکہ کائنات میں مکمل نظم، ہم آہنگی اور تسلسل ہے، اس لیے یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس کا خالق ایک ہی ہے۔

سُبْحَانَ اللهِ یعنی اللہ ہر نقص اور ہر شائبہ سے پاک ہے۔ رَبِّ الْعَرْشِ اس کی عظمت اور اقتدار کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ آیت دل میں یقین پیدا کرتی ہے کہ کائنات میں کوئی تصادم نہیں بلکہ ایک ہی حکمت کارفرما ہے۔ انسان جب اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کا دل اضطراب سے نکل کر توکل اور اطمینان میں داخل ہو جاتا ہے۔

یہی قرآن کا بنیادی پیغام ہے اور یہی انسان کی روحانی معراج کا راستہ ہے۔

## حدیثِ مبارکہ میں توحید

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ

ترجمہ: حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے افضل ذکر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ہے۔''

(سنن الترمذی' کتاب: الدعوات حدیث نمبر:3383)

(سنن ابن ماجہ۔ مسند احمد۔ صحیح مسلم۔) میں مفہوم کے اعتبار سے توحید کے عظیم فضائل

مختصر شرح وتفسیر: کلمۂ توحید کی فضیلت

"لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" اسلام کی بنیاد ہے۔ یہ کلمہ صرف ایک ذکر نہیں بلکہ ایمان کی اصل ہے۔ اس میں دو بنیادی حقیقتیں ہیں:

ہر باطل معبود کی نفی۔ صرف ایک حقیقی معبود کا اثبات

## ذکر کی روحانی حقیقت

ذکر کی روحانی حقیقت الفاظ کی تکرار میں نہیں، دل کی بیداری میں پوشیدہ ہے۔ جب زبان ''اللہ، اللہ'' کہتی ہے مگر دل غافل ہو، تو یہ صرف آواز رہ جاتی ہے؛ مگر جب دل اُس نام میں ڈوب جائے تو خاموشی بھی ذکر بن جاتی ہے۔ اصل ذکر وہ ہے جو انسان کے باطن کو جگا دے، اُس کے اندر نور کی ایک ایسی لہر پیدا کرے جو ہر اندھیرے کو مٹا دے۔ یہ وہ کیفیت ہے جہاں بندہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اکیلا نہیں، بلکہ ہر لمحہ ایک عظیم حضور کے سامنے کھڑا ہے۔

ذکر دراصل بندے اور اللہ کے درمیان ایک زندہ تعلق ہے۔ یہ تعلق وقت یا جگہ کا محتاج نہیں، بلکہ ہر سانس میں جاری رہ سکتا ہے۔ جب انسان سچے دل سے ذکر کرتا ہے تو اُس کے خیالات پاک ہونے لگتے ہیں، دل نرم ہو جاتا ہے، اور روح کو ایک عجیب سی طمانیت نصیب ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ دنیا کی بے ثباتی واضح ہونے لگتی ہے، اور بندہ اُس حقیقت کے قریب ہو جاتا ہے جو ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ ذکر دل کو آئینہ بنا دیتا ہے، جس میں اللہ کی تجلیاں جھلکنے لگتی ہیں۔

جب ذکر اپنی انتہا کو پہنچتا ہے تو بندہ ذکر کرنے والا نہیں رہتا، بلکہ خود ذکر بن

جاتا ہے۔ اُس کی ہر نظر، ہر سوچ، ہر عمل اللہ کی یاد میں ڈھل جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں الفاظ ختم ہو جاتے ہیں اور صرف احساس باقی رہتا ہے- ایک ایسا احساس جو نہ بیان ہو سکتا ہے نہ محدود۔ یہی ذکر کی اصل روحانی حقیقت ہے: خود کو مٹا کر اُس ایک کی یاد میں جینا، اور ہر لمحہ اُس کی قربت میں کھو جانا۔

یہ ذکر زبان سے ادا ہونے والا لفظ نہیں بلکہ دل کی بیداری ہے۔ جب انسان اس کلمہ کو دل سے دہراتا ہے تو: دل کی ظلمت ختم ہوتی ہے

یقین کی روشنی پیدا ہوتی ہے- خوف اور اضطراب کم ہو جاتا ہے

یہ کلمہ افضل الذکر کیوں؟

اس ذکر کو ''افضل'' اس لیے کہا گیا کہ: یہ توحید کا خلاصہ ہے، تمام انبیاء کا پیغام اسی میں ہے، آخرت کی نجات اسی پر موقوف ہے

## صوفیانہ و عرفانی پہلو

اہلِ معرفت کے نزدیک یہ ذکر صرف الفاظ نہیں بلکہ ''شعورِ توحید'' ہے۔ جب دل اس ذکر میں ڈوب جاتا ہے تو انسان ہر شے میں ایک ہی حقیقت کو دیکھنے لگتا ہے۔ کثرت کے پردے اٹھ جاتے ہیں اور دل کو وحدت کا نور حاصل ہو جاتا ہے۔

''انسان کی سب سے بڑی عبادت وہ ذکر ہے جو اسے اپنے رب کی وحدانیت کی طرف لوٹا دے۔'' اور وہ ذکر صرف ایک ہے:

لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

یہ کلمہ صرف زبان کا ذکر نہیں بلکہ دل کی وحدت ہے۔ اس میں ہر غیر کی نفی اور صرف ایک رب کا اثبات ہے۔

حدیثِ قدسی میں ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: قَالَ اللهُ تَعَالٰى: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''میں شرک کرنے والوں کے شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔''

(صحیح مسلم کتاب: الزہد والرقائق حدیث نمبر: 2985)

## شرح وتفسیر:

1۔ اللہ کی کامل بے نیازی

اس حدیث کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے مکمل طور پر بے نیاز ہے۔ اس کی عبادت میں اگر ذرہ برابر بھی شراکت شامل ہو جائے تو وہ عمل قبول نہیں کرتا۔

یہ حدیث اعمال کی قبولیت کا اصول بیان کرتی ہے: * عبادت صرف اللہ کے لیے ہو، نیت خالص ہو، ریا اور دکھاوے سے پاک ہو، ورنہ عمل ضائع ہو جاتا ہے۔

تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ"

کا مفہوم: اللہ فرماتا ہے: ''میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں''

یعنی: اس عمل میں برکت نہیں رہتی، اس کی قبولیت ختم ہو جاتی ہے، وہ عمل اللہ کی

بارگاہ میں نہیں پہنچتا

اہلِ معرفت کے نزدیک یہ حدیث دل کو جھنجھوڑنے والی حقیقت ہے۔

یہ بتاتی ہے کہ: اللہ صرف ''عمل'' نہیں بلکہ ''دل کی نیت'' دیکھتا ہے۔

اگر دل میں غیر اللہ کی آمیزش ہو جائے تو نورِ عمل ختم ہو جاتا ہے۔

بندگی کا معیار: یہ حدیث انسان کو یہ سکھاتی ہے کہ اصل معیار:

- کثرتِ عمل نہیں۔ بلکہ خلوصِ نیت ہے

ایک چھوٹا عمل بھی اگر خالص ہو تو عظیم ہے، اور بڑا عمل بھی اگر ریا سے آلودہ ہو تو بے قیمت ہے۔ یہ حدیث ہمیں یہ عظیم اصول سکھاتی ہے کہ: اللہ تعالیٰ صرف خالص اور پاکیزہ بندگی کو قبول فرماتا ہے، اور شرکِ خفی و جلی دونوں سے بے نیاز ہے۔

یہ اعلان اللہ کی واحدیت کی اس بلندی کو ظاہر کرتا ہے جہاں کسی شراکت کی گنجائش ہی نہیں۔

## اللہ کی شانِ واحدیت: کائنات میں ظہور

کائنات کی ہر شے اس ایک حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے:

سورج کا طلوع و غروب۔ ستاروں کی گردش

انسان کی سانسوں کا نظام۔ دل کی دھڑکن

یہ سب ایک ہی نظم کی گواہی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو کثرت میں چھپی ہوئی وحدت نظر آتی ہے۔

اللہ کی شانِ واحدیت سے مراد یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ پوری کائنات ایک ہی خالق کے علم، ارادے اور قدرت کے تحت قائم ہے۔ اس واحدیت کا ''ظہور'' کائنات کے نظام، اس کے توازن، ترتیب اور ہم آہنگی میں دیکھا جا سکتا ہے، جہاں بے شمار اختلافات اور تنوع کے باوجود ایک مربوط قانون اور نظم کارفرما نظر آتا ہے۔

کائنات کے ہر ذرے سے لے کر بڑے بڑے سیاروں تک ایک ایسا نظام پایا جاتا ہے جو بے مقصد یا بے ترتیب نہیں لگتا۔ یہ ترتیب انسان کو اس طرف متوجہ کرتی ہے کہ کثرت کے پیچھے ایک وحدت موجود ہے جو اس پورے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس ادراک کے ساتھ انسان کی سوچ زیادہ مربوط اور سنجیدہ ہو جاتی ہے، اور وہ کائنات کو محض بکھرے ہوئے مظاہر کے بجائے ایک منظم حقیقت کے طور پر دیکھنے لگتا ہے۔

اہلِ دل کے نزدیک ''واحدیت'' صرف عقیدہ نہیں بلکہ ایک ''مشاہدہ'' ہے۔

جب دل غفلت کے پردوں سے نکلتا ہے تو ہر شے میں ''وہی'' نظر آتا ہے۔ نہ کوئی مستقل طاقت، نہ کوئی مستقل وجود سب کچھ اسی کے فیض سے قائم ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں سالک کہتا ہے:

''میں نے ہر طرف دیکھا، مگر ہر طرف وہی تھا.....''

یہ کیفیت انسان کو خودی سے نکال کر عبدیت میں لے جاتی ہے، جہاں بندہ صرف ایک حقیقت کو دیکھتا ہے: اللہ واحد ہے۔

## انسان اور واحدیت الٰہی کا شعور

انسان اور واحدیتِ الٰہی کا شعور اس فکری و اعتقادی ادراک کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ کائنات کا پورا نظام ایک ہی خالق کے اختیار، علم اور ارادے کے تحت قائم ہے۔ یہ شعور انسان کو کثرتِ مظاہر کے پیچھے موجود وحدت کی طرف متوجہ کرتا ہے، جہاں مختلف اشکال اور اسباب کے باوجود ایک مربوط نظم کارفرما دکھائی دیتا ہے۔

اس ادراک کے ساتھ انسان کی سوچ میں توازن اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔ وہ کائنات کو محض منتشر واقعات کا مجموعہ نہیں سمجھتا بلکہ اسے ایک منظم اور باقاعدہ نظام

کے طور پر دیکھتا ہے۔ یہ شعور اس کے اندر ذمہ داری، سنجیدگی اور غور و فکر کو بڑھاتا ہے، اور اسے اپنی زندگی کو بھی زیادہ بامقصد اور متوازن انداز میں دیکھنے کی طرف رہنمائی دیتا ہے۔

جب انسان اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کی زندگی بدل جاتی ہے:

خوف ختم ہو جاتا ہے- امید مضبوط ہو جاتی ہے

توکل پیدا ہو جاتا ہے- دل مطمئن ہو جاتا ہے

کیونکہ اب وہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی حقیقی سہارا ایک ہی ہے۔

**نتیجہ: وحدت کی انتہا**

اللہ تعالیٰ کی واحدیت کائنات کا سب سے بڑا سچ ہے۔ یہی آغاز ہے، یہی انجام ہے، اور یہی ہر حقیقت کی بنیاد ہے۔

''ہر معاملہ اسی کی طرف لوٹتا ہے۔''

جب بندہ اس حقیقت کو دل سے قبول کر لیتا ہے تو اس کا وجود ایک نئی روشنی میں ڈھل جاتا ہے، اور وہ ہر چیز میں اپنے رب کی وحدت کو دیکھنے لگتا ہے۔

عرفانی اور روحانی نقطۂ نظر سے واحدیت صرف علمی عقیدہ نہیں بلکہ ایک قلبی مشاہدہ ہے۔ جب دل سے غفلت کے پردے ہٹتے ہیں تو انسان ہر شے میں ایک ہی حقیقت کو دیکھنے لگتا ہے۔ کثرت کے پیچھے وحدت کا نور ظاہر ہونے لگتا ہے اور ہر چیز اللہ کی قدرت اور حکمت کی گواہی دیتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ سمجھتا ہے کہ اس کا کوئی حقیقی سہارا اللہ کے سوا نہیں، اور ہر شے اسی کی محتاج ہے۔ اس شعور کے نتیجے میں دل میں سکون، یقین اور توکل پیدا ہوتا ہے اور انسان بے خوف ہو کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

اللہ کی واحدیت انسان کی زندگی کا مرکزِ یقین ہے۔ جب انسان یہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب ایک ہے تو اس کی سوچ منتشر نہیں رہتی، اس کے مقاصد بکھرتے نہیں

اوراس کا دل اضطراب سے آزاد ہو جاتا ہے۔قرآن فرماتا ہے: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ یعنی دلوں کا سکون اللہ کے ذکر میں ہے۔ یہ ذکر دراصل اسی واحد حقیقت کا شعور ہے جو انسان کو ہر خوف، ہر غم اور ہر پریشانی سے آزاد کر دیتا ہے۔

واحدیت کا یقین انسان کو حقیقتِ حیات سے جوڑ دیتا ہے اور اسے ایک ایسی روشنی عطا کرتا ہے جو اس کی دنیا اور آخرت دونوں کو منور کر دیتی ہے۔

یوں اللہ تعالیٰ کی واحدیت نہ صرف ایک عقیدہ ہے بلکہ ایک ہمہ گیر حقیقت ہے جو کائنات کے ہر ذرے میں جلوہ گر ہے۔ یہ وہ نور ہے جو دلوں کو بیدار کرتا ہے، روحوں کو سکون دیتا ہے اور انسان کو اس کے اصل مقصدِ تخلیق کی طرف واپس لے آتا ہے۔یہی حقیقت تمام انبیاء کرام کا پیغام ہے۔

# اللہ کی شان واحدیت

(روحانی سفر کی منازل)

اللہ تعالیٰ ''واحد'' ہے، یعنی اپنی ذات میں یکتا، اپنی صفات میں بے مثال، اور اپنی ربوبیت میں بے شریک۔ اس کی واحدیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے منفرد ہے؛ نہ اس جیسا کوئی ہے، نہ اس کا کوئی ہمسر، اور نہ ہی اس کی حکومت میں کوئی شریک۔ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے، اور وہی کائنات کے ہر ذرّے کو اپنے حکم سے چلا رہا ہے۔

''شانِ واحدیت'' اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم حقیقت ہے جس میں اس کی تمام صفاتِ کمال ایک ہی کامل وحدت میں جلوہ گر ہیں۔ اس کی رحمت، اس کا علم، اس کی قدرت اور اس کی حکمت الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی کامل حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں۔ واحدیت کا مطلب یہ بھی ہے کہ کائنات کی ہر کثرت اسی ایک مرکز سے جڑی ہوئی ہے، اور ہر وجود اسی ایک حقیقت کی طرف محتاج ہے۔

عرفانی زاویے سے دیکھا جائے تو واحدیت کا شعور دل کو منتشر خیالات سے نکال کر ایک مرکز پر جمع کر دیتا ہے۔ انسان جب اس حقیقت کو پہچان لیتا ہے تو اس کے اندر سے خوف، تذبذب اور بے سمتی ختم ہونے لگتی ہے، اور وہ ہر شے میں اپنے رب کی کارفرمائی دیکھنے لگتا ہے۔ یہی احساس بندے کو سکون، یقین اور توکل عطا کرتا ہے، اور اس کی روح کو ایک ایسی روشنی نصیب ہوتی ہے جو اسے ہر طرف سے سمیٹ کر ایک ہی حقیقت کی طرف متوجہ کر دیتی ہے۔

# ابتدائے سفر واحدیت

جب دل دنیا کے شور سے تھک جاتا ہے اور روح اپنے اصل کی تلاش میں بے قرار ہوتی ہے، تب ایک صدا باطن میں ابھرتی ہے، ''وہ ایک ہے.....بس وہی ایک ہے''۔

یہی شانِ واحدیت کا پہلا دروازہ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں کثرت کے پردے ہٹنے لگتے ہیں اور دل کو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت صرف ایک ہے۔

''واحدیت کا ادراک'' وہ واحد ہے، نہ اُس کا کوئی ثانی، نہ کوئی شریک، نہ کوئی مثال۔

ہر منظر، ہر آواز، ہر احساس اسی ایک ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

کائنات کی وسعتیں، ستاروں کی گردش، سمندر کی گہرائی، ہوا کی نرمی سب اُس وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں۔

دل جب اس حقیقت کو قبول کرتا ہے تو انا کی دیواریں گرنے لگتی ہیں۔

## ذکر کی منزل

ذکر کی منزل وہ نہیں جہاں صرف زبان ''اللہ'' کہہ کر خاموش ہو جائے، بلکہ وہ مقام ہے جہاں ہر لفظ دل میں اتر کر نور بن جائے۔ ابتدا میں بندہ نام لیتا ہے، پھر نام اُس کے اندر بسنے لگتا ہے۔ آہستہ آہستہ ذکر ایک عمل نہیں رہتا، بلکہ ایک کیفیت بن جاتا ہے۔ ایسی کیفیت جس میں دل ہر لمحہ اُسی کی طرف مائل رہتا ہے، جیسے سورج کی طرف پھول خود بخود جھک جاتا ہے۔

جب دل اُس کی طرف جھکنے لگتا ہے تو دنیا کی کشش مدھم پڑ جاتی ہے۔

خواہشات کی آوازیں دھیمی ہو جاتی ہیں اور ایک خاموش سکون دل میں اترتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں بندہ محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی تلاش میں نہیں رہا، بلکہ خود تلاش کا جواب بن چکا ہے۔ اُس کے اندر ایک مسلسل حضوری کا احساس جاگتا ہے- ایسا احساس جو ہر لمحہ اُسے اپنے رب کے قریب رکھتا ہے، چاہے وہ کہیں بھی ہو۔

اور پھر وہ لمحہ آتا ہے جب سانسیں بھی عبادت بن جاتی ہیں۔ ہر سانس میں "وہ" شامل ہو جاتا ہے، ہر چھوڑنے میں بھی "وہی" باقی رہتا ہے۔ بندہ چلتا ہے مگر اُس کی راہ ذکر بن جاتی ہے، وہ خاموش ہوتا ہے مگر اُس کی خاموشی بھی عبادت بن جاتی ہے۔ یہی ذکر کی منزل ہے: جہاں انسان خود کو بھول کر صرف اُس ایک کی یاد میں زندہ رہتا ہے، اور اُس کی پوری زندگی ایک مسلسل دعا بن جاتی ہے۔

زبان اُس کا نام لیتی ہے۔ دل اُس کی طرف جھکتا ہے۔ اور سانسیں عبادت بن جاتی ہیں۔

## فکر کی منزل

فکر کی منزل وہ ہے جہاں عقل اپنی حد کو پہچان لیتی ہے۔ ابتدا میں عقل سوال اٹھاتی ہے، دلیلیں تلاش کرتی ہے، ہر شے کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر جیسے جیسے سفر گہرا ہوتا ہے، انسان جان لیتا ہے کہ کچھ حقیقتیں لفظوں اور منطق میں قید نہیں ہوتیں۔ وہاں سوال باقی رہتے ہیں، مگر اُن کے جواب کسی کتاب میں نہیں، بلکہ دل کے اُجالے میں ملتے ہیں- ایک ایسے نور میں جو سمجھ سے زیادہ محسوس کیا جاتا ہے۔

جب یہ نور دل میں اترتا ہے تو کائنات کا ہر منظر ایک نئی زبان میں بولنے لگتا ہے۔ درختوں کی خاموشی، ہوا کی سرگوشی، رات کی تنہائی- سب ایک ہی حقیقت کی گواہی دیتے ہیں۔ تب انسان پر یہ راز کھلتا ہے کہ وہی ہر شے کا سبب ہے، ہر حرکت کا محرک ہے، ہر وجود کا اصل ہے۔ مگر اُس کی ذات کسی سبب، کسی شرط، کسی حد کی محتاج

نہیں۔ وہ خود قائم ہے، اور ہر چیز اُسی کے سہارے قائم ہے۔

یہی فکر کی آخری منزل ہے: جہاں عقل جھک جاتی ہے اور دل دیکھنے لگتا ہے۔ یہاں انسان بحث نہیں کرتا، بلکہ گواہی دیتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ حقیقت کو مکمل طور پر سمجھنا ممکن نہیں، مگر اُس میں کھو جانا ممکن ہے۔ اور اسی کھو جانے میں ایک عجیب سا سکون ہے- ایسا سکون جو انسان کو اُس ایک کی پہچان تک لے جاتا ہے، جو ہر شے میں ظاہر ہے مگر ہر شے سے بے نیاز ہے۔

عقل سوال کرتی ہے۔ مگر جواب نور میں ملتا ہے۔ وہ ہر شے کا سبب ہے۔ مگر خود کسی سبب کا محتاج نہیں ہے۔

## عشق کی منزل

عشق کی منزل وہ مقام ہے جہاں عقل کے چراغ مدھم پڑ جاتے ہیں اور دل کا سورج طلوع ہوتا ہے۔ یہاں دلیل اپنی اہمیت کھو دیتی ہے، کیونکہ جو کچھ محسوس ہو رہا ہوتا ہے وہ الفاظ اور منطق کی گرفت سے باہر ہوتا ہے۔ محبت ایک ایسی آگ بن جاتی ہے جو اندر کے ہر پردے کو جلا دیتی ہے، اور انسان کو اُس حقیقت کے سامنے لا کھڑا کرتی ہے جسے صرف دل ہی پہچان سکتا ہے۔

اس راستے میں سالک آہستہ آہستہ خود کو بھولنے لگتا ہے۔ اُس کی اپنی خواہشیں، اُس کا "میں"، سب مٹنے لگتے ہیں جیسے سمندر میں قطرہ اپنی پہچان کھو دیتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ہر منظر میں وہی ایک جلوہ گر ہے- پھول کی خوشبو میں، ہوا کی نرمی میں، آنکھ کے آنسو میں۔ یہاں کثرت ختم ہو کر وحدت میں ڈھل جاتی ہے، اور ہر شے ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ بن جاتی ہے۔

یہی عشق کی آخری منزل ہے: جہاں بندہ باقی نہیں رہتا، صرف محبت باقی رہتی ہے۔ نہ کوئی سوال، نہ کوئی فاصلہ- بس ایک خاموش قربت، ایک دائمی حضور۔ یہاں

انسان جیتا بھی اُسی کے لیے ہے اور مٹتا بھی اُسی میں ہے۔ یہی وہ راز ہے جہاں عشق خود عبادت بن جاتا ہے، اور بندہ اپنی ہستی کھو کر اُس ایک کی پہچان پالیتا ہے۔

یہاں دلیل خاموش ہو جاتی ہے۔ اور صرف محبت باقی رہتی ہے۔ سالک خود کو بھولنے لگتا ہے، اور ہر شے میں اسی ایک کو دیکھنے لگتا ہے۔

## فنا کی منزل

فنا کی منزل وہ مقام ہے جہاں ''میں'' کا پردہ آخر کار اٹھ جاتا ہے۔ انسان جو عمر بھر اپنی ہستی کو سنبھالنے میں لگا رہتا ہے، ایک لمحہ آتا ہے جب اُسے احساس ہوتا ہے کہ یہ ''میں'' خود ایک حجاب تھا۔ جب یہ حجاب گرتا ہے تو نہ کوئی دعویٰ باقی رہتا ہے، نہ کوئی انا۔ صرف ایک خاموش حقیقت دل میں اُترتی ہے کہ اصل وجود تو ہمیشہ سے ''وہ'' ہی تھا۔

اس کیفیت میں سالک خود کو مٹتا ہوا نہیں دیکھتا، بلکہ یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ پہلی بار حقیقت میں زندہ ہوا ہو۔ "میں" کے ختم ہونے سے کوئی کمی نہیں آتی، بلکہ ایک بے پایاں وسعت نصیب ہوتی ہے۔ ہر شے میں وہی ایک جلوہ نظر آتا ہے، اور دل ایک ایسے سکون میں ڈوب جاتا ہے جس میں نہ خوف ہے، نہ خواہش۔ یہ فنا دراصل گم ہونا نہیں، بلکہ اصل کو پالینا ہے۔ وہ اصل جو ہمیشہ سے قریب تھی مگر نظر سے اوجھل تھی۔

یہی واحدیت کا وجدانی کمال ہے: کہ بندہ خود کو بھلا دے اور صرف "وہ" باقی رہ جائے۔ یہاں نہ لفظ رہتے ہیں، نہ بیان کی گنجائش۔ بس ایک خاموش حضوری، ایک دائمی قرب۔ فنا کی اس منزل پر پہنچ کر انسان جان لیتا ہے کہ اُس کی اصل پہچان یہی تھی کہ وہ خود کچھ نہیں، اور "وہ" ہی سب کچھ ہے۔

''میں'' مٹ جاتا ہے، صرف ''وہ'' باقی رہتا ہے۔ یہی واحدیت کا وجدانی کمال ہے۔

## وجدانی کیفیت

وجدانی کیفیت وہ راز ہے جو دل پر اترتا ہے، نہ کہ ذہن میں سمایا جاتا ہے۔ جب تجلی کی ایک کرن باطن کو چھوتی ہے تو آنکھیں بے اختیار نم ہو جاتی ہیں، جیسے کسی کھوئی ہوئی حقیقت کا سراغ مل گیا ہو۔ سینہ ایک انجانی راحت سے بھر جاتا ہے، اور دل پر ایسا سکون طاری ہوتا ہے جس کی کوئی ظاہری وجہ نہیں ہوتی - بس ایک حضوری، ایک قرب، جو ہر احساس پر غالب آ جاتا ہے۔

یہ کیفیت لفظوں کی گرفت میں نہیں آتی، کیونکہ یہ بیان نہیں، مشاہدہ ہے۔ یہاں علم پیچھے رہ جاتا ہے اور حال آگے بڑھتا ہے؛ دلیل خاموش ہو جاتی ہے اور دید بولنے لگتی ہے۔ سالک اس لمحے کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ اس میں ڈوب جاتا ہے۔ یہ وہ لمحہ ہے جہاں حقیقت کو جانا نہیں جاتا، بلکہ جیا جاتا ہے- ہر سانس میں، ہر دھڑکن میں۔

اسی وجدانی لمحے میں ''میں'' کا سایہ تحلیل ہونے لگتا ہے، اور ایک وحدت کا نور ہر طرف پھیل جاتا ہے۔ سالک محسوس کرتا ہے کہ وہ خود باقی نہیں رہا، بلکہ ایک وسیع حقیقت میں جذب ہو گیا ہے۔ نہ کوئی فاصلہ باقی رہتا ہے، نہ کوئی دوئی - بس ایک خاموش سرور، ایک دائمی سکون، جہاں ہر شے گواہی دیتی ہے: ''سب کچھ وہی ہے۔''

جب دل پر تجلی اُترتی ہے تو آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، سینہ سکون سے بھر جاتا ہے، اور روح ایک خاموش سرور میں ڈوب جاتی ہے۔

سالک محسوس کرتا ہے: ''میں'' نہیں، سب کچھ وہی ہے۔

## اللہ کی شانِ واحدیت کا نور

وہی خالق، وہی رازق، وہی کارساز، وہی ابتدا، وہی انتہا، وہی ظاہر، وہی

باطن۔ کثرت کی دنیا میں رہ کر بھی دل وحدت کے نور سے روشن ہو جاتا ہے۔

یہی عرفان ہے، یہی قرب ہے، یہی اصل سکون ہے۔

''اختتام وحدت میں بقا'' روحانی سفر کا انجام فنا میں بقا ہے۔

جب بندہ خود کو مٹا دیتا ہے تو اسے وہ ایک مل جاتا ہے جو ہمیشہ تھا، ہمیشہ ہے، اور ہمیشہ رہے گا۔ شانِ واحدیت کا ادراک انسان کو عاجزی، محبت اور سکون عطا کرتا ہے۔ اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے کہ دل گواہی دے:

''وہ ایک ہے، اور بس وہی کافی ہے''۔ ''کثرت سے وحدت تک ایک روحانی، وجدانی اور عرفانی سفر''

اللہ کی شانِ واحدیت کا نور وہ ازلی روشنی ہے جو ہر شے کے ظاہر و باطن کو منور کیے ہوئے ہے۔ یہ نور نہ آنکھوں سے مکمل دیکھا جا سکتا ہے، نہ الفاظ میں سمایا جا سکتا ہے، مگر دل اُس کی پہچان رکھتا ہے۔ جب یہ نور دل پر اترتا ہے تو کائنات کی ہر چیز ایک ہی حقیقت کا عکس لگنے لگتی ہے۔ جیسے سب رنگ مٹ کر ایک ہی نور میں ڈھل گئے ہوں۔ انسان پر یہ راز کھلتا ہے کہ کثرت محض پردہ ہے، اور اُس کے پیچھے صرف ایک ہی ذات کا جلوہ ہے۔

یہ نور کسی سمت کا محتاج نہیں، کیونکہ وہ ہر سمت میں موجود ہے، اور کسی وسیلے کا محتاج نہیں، کیونکہ وہ خود ہر وسیلے کا خالق ہے۔ جب بندہ اس نور کو محسوس کرتا ہے تو اُس کے اندر کی تاریکیاں خود بخود مٹنے لگتی ہیں۔ دل سے خوف، شک، اور بے چینی دور ہو جاتی ہے، اور ایک خاموش یقین جنم لیتا ہے۔ ایسا یقین جو نہ ہلتا ہے نہ ٹوٹتا ہے۔ یہی وہ لمحہ ہے جب انسان دنیا کو نہیں، بلکہ اُس کے پیچھے موجود حقیقت کو دیکھنے لگتا ہے۔

اللہ کی واحدیت کا یہ نور دراصل بندے کو اُس کی اصل کی طرف لوٹاتا ہے۔ یہ اُسے یاد دلاتا ہے کہ وہ جدا نہیں، بلکہ اُسی ایک حقیقت کا محتاج اور اسی کے نور کا طالب ہے۔ جب یہ ادراک مکمل ہوتا ہے تو بندہ خود کو بھول کر صرف اُس نور میں جینے لگتا

ہے۔ یہی معرفت کی انتہا ہے: کہ ہر شے میں اُسی ایک کا جلوہ دیکھا جائے، اور دل ہر لمحہ اُس کے نور میں ڈوبا رہے۔

## کثرت کا ہجوم

میں دنیا میں آنکھ کھولتا ہوں تو ہر طرف کثرت ہی کثرت ہے۔
رنگ الگ، آوازیں جدا، خیال مختلف، چہرے بے شمار۔
ہر سمت تنوع کا سیلاب، ہر دل اپنی کہانی میں گم۔
میں بھی اسی بھیڑ کا حصہ تھا، اپنے نام، اپنے مقام، اپنی پہچان میں الجھا ہوا۔
مگر دل کے کسی گوشے میں ایک سوال چمکا: کیا یہ سب جدا جدا ہے؟
یا کسی ایک حقیقت کا پھیلاؤ؟
سوال کی چنگاری: یہ سوال معمولی نہ تھا۔
یہی پہلا قدم تھا کثرت سے وحدت کی طرف۔
میں نے کائنات کو دیکھا: ستارے بے شمار، مگر قانون ایک۔ پھول ہزاروں، مگر خوشبو کی اصل ایک۔
دریا بہت، مگر سمندر ایک۔ دل نے سرگوشی کی: ''تنوع پردہ ہے، حقیقت ایک ہے۔''

کثرت کا ہجوم وہ منظر ہے جہاں نگاہ بکھر جاتی ہے اور دل الجھنے لگتا ہے۔ ہر طرف رنگ، آوازیں، خواہشیں اور راستے - ایسا لگتا ہے جیسے حقیقت ٹکڑوں میں بٹ گئی ہو۔ انسان ان گنت صورتوں میں معنی تلاش کرتا ہے، مگر جتنا آگے بڑھتا ہے اتنا ہی خود کو منتشر پاتا ہے۔ یہ ہجوم دراصل ایک امتحان ہے، جہاں ہر شے اپنی طرف کھینچتی ہے مگر سکون کہیں نظر نہیں آتا۔

مگر جب دل گہرائی میں اُترتا ہے تو یہی کثرت ایک نئے راز کو ظاہر کرتی ہے۔

سالک سمجھنے لگتا ہے کہ یہ تمام رنگ، یہ تمام صورتیں، دراصل ایک ہی نور کے مختلف پردے ہیں۔ ہجوم اپنی جگہ باقی رہتا ہے، مگر اُس کی حقیقت بدل جاتی ہے- اب وہ بکھراؤ نہیں لگتا بلکہ ایک پوشیدہ وحدت کی علامت بن جاتا ہے۔ ہر آواز میں ایک ہی صدا سنائی دینے لگتی ہے، ہر منظر میں ایک ہی جلوہ جھلکنے لگتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں کثرت کا ہجوم ختم نہیں ہوتا، بلکہ دل کی نظر بدل جاتی ہے۔ انسان ہجوم کے بیچ رہ کر بھی تنہا نہیں رہتا، کیونکہ وہ ہر شے میں اُسی ایک کو پہچان لیتا ہے۔ تب کثرت خوف نہیں دیتی، بلکہ ایک خوبصورت آئینہ بن جاتی ہے- ایسا آئینہ جس میں ہر عکس گواہی دیتا ہے کہ حقیقت ایک ہے، اور باقی سب اُسی کی جلوہ گری ہے۔

## باطن کی طرف واپسی

جب نظر باہر سے ہٹ کر اندر کی طرف مڑی تو معلوم ہوا کہ کثرت صرف باہر نہیں، اندر بھی ہے۔

خیالات کی بھیڑ، خواہشوں کا شور، اَنا کی آواز: یہی اصل کثرت تھی۔

میں نے آنکھ بند کی اور سانس کے سکوت میں اترا۔

آہستہ آہستہ شور کم ہونے لگا۔

باطن کی طرف واپسی ایک خاموش سفر ہے- ایسا سفر جو باہر کی دنیا سے نہیں، اندر کی گہرائیوں سے شروع ہوتا ہے۔ انسان جب کثرت کے شور سے تھک جاتا ہے تو دل اُسے آہستہ سے بلاتا ہے، جیسے کوئی بھولا ہوا گھر یاد آ رہا ہو۔ یہ واپسی قدموں سے نہیں، توجہ سے ہوتی ہے؛ جہاں نظر باہر سے ہٹ کر اندر کی طرف مڑتی ہے، اور بندہ پہلی بار خود کو سننے لگتا ہے۔

اس راستے میں پردے ایک ایک کر کے اٹھتے ہیں۔ خواہشات کی دھند، خوف

کے سائے، اور انا کی دیواریں دھیرے دھیرے کمزور ہونے لگتی ہیں۔ دل جو پہلے بکھرا ہوا تھا، اب یکجا ہونے لگتا ہے، اور ایک نرم سی روشنی باطن میں پھیلنے لگتی ہے۔ یہی وہ لمحہ ہے جب انسان سمجھتا ہے کہ سکون باہر نہیں، ہمیشہ سے اُس کے اندر موجود تھا۔ بس وہ خود اُس سے دور ہو گیا تھا۔

باطن کی اس واپسی میں انسان خود کو نہیں پاتا، بلکہ خود سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ ''میں'' کا شور مدھم پڑتا ہے اور ایک گہری خاموشی دل میں جگہ بنا لیتی ہے۔ اسی خاموشی میں ایک قرب، ایک حضور، ایک ایسی حقیقت محسوس ہوتی ہے جو ہمیشہ سے ساتھ تھی مگر نظر سے اوجھل تھی۔ یہی اصل واپسی ہے: باہر کی تلاش چھوڑ کر اندر کی حقیقت میں ڈوب جانا، جہاں سب سوال مٹ جاتے ہیں اور صرف سکون باقی رہتا ہے۔

## ذکر کی ڈوری

میں نے ایک نام کو تھاما۔
بار بار، آہستہ آہستہ، دل کی گہرائی میں۔
لفظ گھلنے لگے، آواز خاموش ہونے لگی، مگر حضوری بڑھنے لگی۔
اب میں بہت سے خیالوں میں نہیں تھا، بس ایک مرکز میں ٹھہر گیا تھا۔
یہی وحدت کا پہلا ذوق تھا۔

ذکر کی ڈوری ایک نازک سا رشتہ ہے جو بندے کے ٹوٹے ہوئے دل کو اُس کے رب سے جوڑ دیتا ہے۔ یہ ڈوری آنکھ سے دکھائی نہیں دیتی، مگر محسوس دل سے ہوتی ہے۔ جب انسان اس ڈوری کو تھام لیتا ہے تو وہ بکھرنے کے باوجود ٹوٹتا نہیں، کیونکہ ہر دھڑکن کے ساتھ ایک نام جڑ جاتا ہے، اور ہر سانس ایک یاد بن جاتی ہے۔

یہ ڈوری ابتدا میں بہت باریک محسوس ہوتی ہے، جیسے ایک کمزور سی امید، مگر جتنا

انسان اس پر قائم رہتا ہے اتنا ہی یہ مضبوط ہوتی جاتی ہے۔ وقت کے شور میں بھی یہ ڈوری ٹوٹتی نہیں، بلکہ دل کو واپس اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ جب غفلت بڑھنے لگتی ہے تو یہی ڈوری ہلکی سی جنبش دے کر انسان کو یاد دلاتی ہے کہ وہ اکیلا نہیں، کوئی ہے جو ہر لمحہ اُس کے قریب ہے۔

آخر کار ذکر کی یہ ڈوری انسان کی پوری زندگی کا سہارا بن جاتی ہے۔ چلتے ہوئے بھی، رکتے ہوئے بھی، خاموشی میں بھی اور گفتگو میں بھی۔ پھر انسان یہ نہیں کہتا کہ میں ذکر کرتا ہوں، بلکہ ذکر خود اُس کی پہچان بن جاتا ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جو مخلوق کو خالق سے جوڑ کر ایک ایسی قربت عطا کرتا ہے جہاں جدائی کا تصور بھی مٹنے لگتا ہے۔

## عرفان کا دروازہ

میں نے دیکھا کہ ہر چیز اپنی ذات میں قائم نہیں، کسی ایک طاقت سے وابستہ ہے۔ سورج اپنی روشنی کا مالک نہیں، چاند اپنی چمک کا خود سبب نہیں، دل اپنی دھڑکن کا خود خالق نہیں۔ سب وابستہ ہیں، اور وہ وابستگی ایک مرکز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

یہی عرفان ہے کثرت میں وابستگی دیکھنا، اور وابستگی میں وحدت کو پہچاننا۔

عرفان کا دروازہ کسی جگہ یا سمت میں نہیں ہوتا، یہ دل کے اُس موڑ پر کھلتا ہے جہاں سوال اپنی حد پار کر لیتے ہیں اور خاموشی بولنے لگتی ہے۔ ابتدا میں انسان علم کے دروازوں پر دستک دیتا ہے، دلیلیں جمع کرتا ہے، مفہوم تلاش کرتا ہے، مگر ایک مقام آتا ہے جہاں سب الفاظ تھک جاتے ہیں۔ وہیں سے ایک اور راستہ شروع ہوتا ہے- جو سمجھ سے نہیں، ادراک سے کھلتا ہے۔

یہ دروازہ اُس وقت قریب آتا ہے جب انسان اپنی ہستی کے بوجھ سے ہلکا ہونے لگتا ہے۔ جب "میں" کی ضد کمزور پڑتی ہے اور دل جھکنے لگتا ہے، تو ایک نرم سی روشنی اندر کے اندھیروں میں جھانکنے لگتی ہے۔ یہ روشنی نہ شور کرتی ہے، نہ دعویٰ، مگر ہر

شے کو ایک نئے معنی میں بدل دیتی ہے۔ یہاں پہنچ کر انسان جان لیتا ہے کہ حقیقت کو صرف جانا نہیں جاتا، بلکہ اس کے سامنے جھکا جاتا ہے۔

اور جب عرفان کا یہ دروازہ مکمل طور پر کھلتا ہے تو بندہ خود کو الگ نہیں دیکھتا۔ ہر شے میں ایک ہی حقیقت کا عکس دکھائی دیتا ہے، اور دل ایک ایسے سکون میں اتر جاتا ہے جہاں سوال باقی نہیں رہتے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں تلاش ختم نہیں ہوتی، بلکہ بدل جاتی ہے- اب تلاش باہر کی نہیں، اندر کی بیداری کی ہو جاتی ہے، جہاں ہر لمحہ ایک نئی پہچان بن جاتا ہے۔

## وجدان کا لمحہ

پھر ایک لمحہ آیا جب سمجھنے کی ضرورت ختم ہو گئی۔

دل پر ایک کیفیت اتری، نہ دلیل، نہ فلسفہ، نہ سوال۔ بس ایک سرور۔

میں نے ہر چہرے میں ایک ہی جلوہ دیکھا، ہر آواز میں ایک ہی صدا سنی، ہر حرکت میں ایک ہی ارادہ محسوس کیا۔ کثرت باقی تھی، مگر دل وحدت میں ڈوبا ہوا تھا۔

لگتا ہے آپ کا پیغام ادھورا رہ گیا ہے- صرف "ط" لکھا ہے۔

وجدان کا لمحہ وہ باریک سا وقفہ ہے جہاں وقت رک سا جاتا ہے مگر دل جاگ اٹھتا ہے۔ یہ لمحہ نہ شور میں آتا ہے نہ ہجوم میں، بلکہ اُس خاموشی میں اترتا ہے جہاں انسان خود سے بھی کچھ دیر کے لیے الگ ہو جاتا ہے۔ وہاں کوئی سوچ ترتیب میں نہیں رہتی، مگر ہر شے ایک معنی میں ڈھل جاتی ہے- جیسے بکھرا ہوا وجود اچانک ایک مرکز پا لیتا ہے۔

اس لمحے میں احساس دلیل سے آگے نکل جاتا ہے۔ نہ کوئی سوال باقی رہتا ہے، نہ جواب کی حاجت۔ دل ایک ایسی سچائی کو چھو لیتا ہے جو الفاظ میں نہیں سماتی۔ آنکھیں بند ہوں یا کھلی ہوں، اندر ایک روشنی سی پھیل جاتی ہے جو باہر کے اندھیرے

کو بے معنی کر دیتی ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جہاں انسان سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ "محسوس" ہو کر سچائی کے قریب ہو جاتا ہے۔

اور پھر آہستہ آہستہ یہ لمحہ گزر بھی جائے تو اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ انسان پہلے جیسا نہیں رہتا، مگر بتا بھی نہیں پاتا کہ کیا بدل گیا ہے۔ بس ایک نرم سا سکون دل کے کسی گوشے میں بیٹھ جاتا ہے، جیسے کسی نے اندر کی بے چینی کو چھو کر خاموش کر دیا ہو۔ یہی وجدان کا لمحہ ہے- جو آتا ہے تو سب بدل دیتا ہے، اور چلا جائے تو بھی اپنے نشان چھوڑ جاتا ہے۔

## فنافی الوحدت

یہاں پہنچ کر میں نے اپنی علیحدگی کھو دی۔
میں الگ نہیں تھا، میں بھی اسی کل کا حصہ تھا۔
قطرہ جب سمندر کو پہچان لے تو وہ الگ نہیں رہتا۔
یہ فنا تھی مگر مٹنا نہیں، بلکہ جڑ جانا۔

''فنافی الوحدت'' ایک صوفیانہ اصطلاح ہے جس سے مراد انسان کا اپنی خودی، انا اور خود مرکزیت کو کمزور کر کے کائنات میں موجود وحدتِ الٰہی کے شعور کے قریب آ جانا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کا وجود یا ذمہ داریاں ختم ہو جائیں، بلکہ یہ کہ اس کے اندر سے خود غرضی اور انا پرستی کا غلبہ کم ہو جائے۔

اس کیفیت میں انسان کثرتِ مظاہر کے پیچھے موجود ایک نظم اور ہم آہنگی کو زیادہ واضح طور پر محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ ہر چیز کو الگ اور بکھری ہوئی سمجھنے کے بجائے ایک مربوط حقیقت کے تناظر میں دیکھتا ہے۔ یوں اس کی سوچ زیادہ متوازن، اس کا رویہ زیادہ عاجز اور اس کا فہم زیادہ وسیع ہو جاتا ہے، جو اسے زندگی کو زیادہ گہرائی سے سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

فنافی الوحدت وہ مقام ہے جہاں کثرت کے تمام پردے ہلکے پڑ جاتے ہیں اور دل ایک ہی حقیقت کے سامنے ٹھہر جاتا ہے۔ یہ صرف ایک تصور نہیں، بلکہ ایک اندرونی تجربہ ہے جہاں سالک کی نگاہ ہر شے میں ایک ہی اصل کو دیکھنے لگتی ہے۔ نہ کوئی جدا گانگی باقی رہتی ہے، نہ دوئی کا احساس۔ بس ایک مسلسل شعور کہ ہر طرف وہی ایک جلوہ ہے۔

اس منزل پر پہنچ کر انسان اپنی انفرادیت کے بوجھ سے آزاد ہونے لگتا ہے۔ "میں" اور "تو" کے فاصلے مٹنے لگتے ہیں، اور دل ایک ایسی وسعت میں داخل ہوتا ہے جہاں سب کچھ ایک ہی مرکز کی طرف لوٹتا محسوس ہوتا ہے۔ یہاں فکر خاموش ہو جاتی ہے، اور ادراک ایک خاموش گواہی میں بدل جاتا ہے۔ گواہی اس حقیقت کی کہ اصل وجود تقسیم نہیں، بلکہ وحدت ہے۔

فنافی الوحدت کا تجربہ دراصل مٹنے کا نہیں، بلکہ حقیقت میں گم ہونے کا نام ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ خود کو نہیں دیکھتا، بلکہ ہر شے میں اُسی ایک کی جھلک دیکھنے لگتا ہے۔ اور یہی احساس اسے ایک ایسے سکون میں لے جاتا ہے جو نہ بیان کیا جا سکتا ہے، نہ مکمل طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ بس جیا جا سکتا ہے، ایک خاموش وحدت کے اندر۔

## وحدت میں بقا

اب دنیا ویسی ہی ہے، رنگ ویسے ہی ہیں، چہرے وہی ہیں مگر نظر بدل گئی ہے۔
اب میں اختلاف میں دشمنی نہیں دیکھتا، تنوع میں تضاد نہیں دیکھتا۔
میں جانتا ہوں کہ سب ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں، اور سب کو اُسی کی طرف لوٹنا ہے۔

''وحدت میں بقا'' ایک علامتی اور فکری تعبیر ہے جس سے مراد یہ ہے کہ انسان

اپنی اَنا اور خود مرکزیت سے نکل کر ایک وسیع تر شعور کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے۔ یہاں ''بقا'' کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی نیا دعویٰ قائم ہو جائے، بلکہ یہ کہ انسان کی زندگی میں توازن، استحکام اور مقصدیت پیدا ہو جائے۔

اس کیفیت میں انسان کثرتِ مظاہر کے پیچھے موجود ایک مربوط نظم کو زیادہ واضح طور پر محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو مرکز سمجھنے کے بجائے ایک بڑے نظام کا حصہ سمجھتا ہے، جس کے نتیجے میں اس کے رویّے میں عاجزی، سنجیدگی اور ذمہ داری پیدا ہوتی ہے۔ یوں یہ حالت انسان کو انتشار سے نکال کر ایک متوازن اور باشعور زندگی کی طرف لے جاتی ہے۔

وحدت میں بقا وہ لطیف مقام ہے جہاں فنا کے بعد انسان مٹتا نہیں، بلکہ ایک نئی معنویت میں باقی رہتا ہے۔ یہ بقا ''میں'' کی واپسی نہیں ہوتی، بلکہ ''میں'' کے خالی ہو جانے کے بعد ایک بڑی حقیقت میں جینے کا نام ہے۔ یہاں وجود اپنی ذات کے لیے نہیں رہتا، بلکہ ایک ہی شعور کے سائے میں سانس لیتا ہے، جیسے قطرہ سمندر میں رہ کر بھی اپنی حرکت سے سمندر کی گواہی دے رہا ہو۔

اس حالت میں سالک کی نظر بدل جاتی ہے۔ وہ کثرت کو دیکھتا ہے مگر الجھتا نہیں، کیونکہ ہر شے کے پیچھے ایک ہی حقیقت کا نور اس پر آشکار ہوتا ہے۔ عمل باقی رہتا ہے، مگر انا نہیں رہتی؛ چلنا باقی رہتا ہے، مگر دعویٰ نہیں رہتا۔ دل ایک ایسی خاموشی میں آ جاتا ہے جہاں ہر حرکت عبادت بن جاتی ہے اور ہر لمحہ ایک گواہی۔

وحدت میں بقا دراصل شعور کی وہ لطافت ہے جہاں انسان خود کو مٹا کر بھی ختم نہیں ہوتا۔ وہ اپنی ذات سے نکل کر ایک وسیع تر حقیقت میں جیتا ہے، اور اس جینے میں کوئی دوئی باقی نہیں رہتی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں فنا کا اثر باقی رہتا ہے مگر اس کا نام مٹ جاتا ہے، اور انسان ایک ایسی موجودگی میں آ جاتا ہے جو خاموش بھی ہے اور مکمل بھی۔

# عملی وحدت

یہ وحدت صرف خیال نہیں، عمل میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔
رحمت میں، عدل میں، محبت میں، برداشت میں۔
کیونکہ جب سب ایک حقیقت سے وابستہ ہوں تو کسی سے نفرت کیسی؟

''عملی وحدت'' سے مراد یہ ہے کہ انسان کا فہم اور اس کا عمل ایک ہی سمت میں چلنے لگیں، یعنی جو وہ سمجھتا ہے وہی اس کی زندگی میں ظاہر بھی ہو۔ یہ محض نظری بات نہیں بلکہ کردار اور رویّے میں ہم آہنگی کا نام ہے۔

اس کیفیت میں انسان کے فیصلے، اس کی گفتگو اور اس کے اعمال ایک متوازن ترتیب اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے علم کو صرف سوچ تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اسے عملی زندگی میں نافذ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں "عملی وحدت" انسان کو انتشار سے نکال کر ایک مربوط، بامقصد اور باوقار طرزِ زندگی کی طرف لے جاتی ہے۔

عملی وحدت وہ مقام ہے جہاں معرفت صرف خیال یا کیفیت نہیں رہتی، بلکہ زندگی کے ہر عمل میں ظاہر ہونے لگتی ہے۔ یہاں انسان یہ نہیں کہتا کہ "میں وحدت کو سمجھتا ہوں"، بلکہ اس کی ہر حرکت خود وحدت کی گواہی بن جاتی ہے۔ گفتگو میں نرمی، عمل میں اخلاص، اور نیت میں صفائی — یہ سب ایک ہی شعور کے مختلف اظہار بن جاتے ہیں۔

اس کیفیت میں انسان دنیا سے الگ نہیں ہوتا، مگر دنیا میں الجھتا بھی نہیں۔ وہ کام کرتا ہے، لوگوں سے ملتا ہے، ذمہ داریاں نبھاتا ہے، مگر اندر ایک خاموش مرکز قائم رہتا ہے۔ ہر عمل اس شعور کے تحت ہوتا ہے کہ سب کچھ ایک ہی حقیقت کے دائرے میں ہے۔ یوں روزمرہ زندگی بھی عبادت کی ایک صورت اختیار کر لیتی ہے، جہاں نیت اور عمل میں کوئی فاصلہ باقی نہیں رہتا۔

عملی وحدت دراصل اس حقیقت کا ظہور ہے کہ معرفت صرف دل میں چھپنے کے لیے نہیں، بلکہ کردار میں ڈھلنے کے لیے ہے۔ جب انسان کا اندر اور باہر ایک ہو جاتا ہے تو اس کی زندگی بکھری ہوئی نہیں رہتی۔ ہر قدم، ہر لفظ، اور ہر فیصلہ ایک ہی مرکز سے جڑ جاتا ہے- اور وہ مرکز خاموش بھی ہے اور ہر جگہ موجود بھی۔

## اختتامی شعور

کثرت سے وحدت کا سفر آنکھ سے شروع ہو کر دل پر ختم نہیں ہوتا، دل سے شروع ہو کر حیات میں پھیلتا ہے۔ اب میں جانتا ہوں: کثرت اُس کی صناعی ہے، وحدت اُس کی حقیقت۔ میں کثرت میں رہتا ہوں، مگر دل وحدت میں ہے۔ اور یہی روحانی سکون ہے، یہی عرفانی ادراک، یہی وجدانی سرور کہ سب کچھ مختلف ہو کر بھی ایک ہی نور کا پھیلاؤ ہے۔ ''کثرت پردہ ہے، وحدت حقیقت ہے''۔

اختتامی شعور وہ مقام ہے جہاں سفر ختم نہیں ہوتا، بلکہ سفر کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ یہاں پہنچ کر انسان یہ نہیں سوچتا کہ وہ کہاں پہنچ گیا ہے، بلکہ یہ جان لیتا ہے کہ پہنچنے والا خود ایک وہم تھا۔ سوالات اپنی شدت کھو دیتے ہیں، اور جواب اپنی ضرورت۔ ہر تلاش ایک خاموش ادراک میں ڈھل جاتی ہے جو نہ آغاز رکھتی ہے نہ انجام۔

اس شعور میں کثرت اور وحدت کا فرق بھی دھندلا جاتا ہے۔ نہ کوئی دوری محسوس ہوتی ہے، نہ کوئی قرب کا دعویٰ باقی رہتا ہے۔ ہر شے اپنی جگہ پر ہے، مگر ہر شے ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ بن چکی ہے۔ انسان اب کسی تجربے کو "حاصل" نہیں کرتا، بلکہ ہر تجربہ خود اس کے اندر تحلیل ہو جاتا ہے- بغیر کسی جدوجہد کے، بغیر کسی تعریف کے۔

# اللہ کی ذات ''ھُوْ'' اور اس کی ھُویت

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو قرآن مجید نے نہایت لطیف اور بلیغ انداز میں "ھُوَ" کے لفظ سے بیان فرمایا ہے۔ یہ ضمیرِ غائب محض ایک لفظ نہیں بلکہ ایک گہری حقیقت کی طرف اشارہ ہے جو انسانی ادراک سے ماورا ہے۔ جب قرآن کہتا ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ

فرمادیں کہ وہ اللہ ایک ہی ہے۔

تو اس "ھُوْ" میں وہ ذات سمٹ آتی ہے جو نہ کسی تعریف کی محتاج ہے، نہ کسی مثال کی، اور نہ کسی حد کی۔ "ھُوْ" کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایسی حقیقت ہے جو اپنی ذات میں قائم ہے، مگر مخلوق کے فہم سے بلند و بالا ہے۔

اللہ کی "ھُوِیَّت" دراصل اس کی وہ غیبی اور مخفی شان ہے جو ہر ظاہر کے پیچھے کارفرما ہے مگر خود کسی ظہور کی محتاج نہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عقل کی پرواز رک جاتی ہے اور ادراک کی تمام راہیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اہلِ معرفت کے نزدیک "ھویت" اس حقیقت کا نام ہے کہ اللہ ہر شے کے ظاہر میں بھی ہے اور ہر شے کے باطن میں بھی، مگر پھر بھی وہ کسی شے میں حلول کیے بغیر اپنی علیحدہ اور کامل ذات کے ساتھ موجود ہے۔

روحانی زاویے سے دیکھا جائے تو "ھُوْ" کا ذکر دل کو اس مقام کی طرف لے جاتا ہے جہاں کثرت کے پردے ہٹنے لگتے ہیں اور صرف ایک ہی حقیقت کا شعور باقی رہ جاتا ہے۔ جب سالک "ھُوْ" کو دل سے محسوس کرتا ہے تو وہ اپنی ذات کی محدودیت سے نکل کر ایک ایسی وسعت میں داخل ہو جاتا ہے جہاں صرف اللہ کی موجودگی کا احساس باقی رہتا ہے۔ یہی ''ھویت'' کا ادراک ہے کہ ہر شے فانی ہے، اور صرف وہی ذات باقی ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔

# عالمانہ و تحقیقی بیان

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے آیتِ مبارکہ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

(سورۃ الحشر:22)

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

لغوی و نحوی تحقیق

**1. هُوَ (هُوَ)**

عربی میں ''هُوَ''، ضمیرِ غائب ہے، مگر یہاں اس کا استعمال محض نحوی ضمیر کے طور پر نہیں بلکہ ''اشارۂ تعظیم و تنزیہ'' کے طور پر ہے۔

یہ اس ذات کی طرف اشارہ ہے جو ادراکِ حسی سے ماورا، مگر حقیقت میں اقرب ہے۔

**2. اللّٰهُ**

اسمِ جلالہ ''اللہ'' وہ جامع نام ہے جس میں تمام اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ کمالیہ مندرج ہیں۔ یہ نہ مشتق ہے اور نہ کسی جنس پر دلالت کرتا ہے، بلکہ ذاتِ واجب الوجود کا علمِ خاص ہے۔

**3. اَلَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ**

یہاں توحیدِ الوہیت کا صریح اعلان ہے۔

''اَلَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ''، نفیِ جنس ہے، یعنی کسی بھی نوع کا کوئی معبود برحق نہیں۔

اِلَّا هُوَ اثباتِ واحد، یعنی الوہیت صرف اسی کے لیے خاص ہے۔

یہ ترکیب توحید کے دو ارکان کو مجتمع کرتی ہے:

''نفیٔ شرک'' اور ''اثباتِ وحدانیت''۔

مفہومِ ہُویت (Divine Ipseity)

علمِ کلام اور فلسفۂ اسلامی میں ''ھُویت'' سے مراد ہے:

''ذاتِ الٰہیہ کی وہ حقیقت جو اپنی عینیت میں قائم، غیر مرکب، غیر محتاج، اور غیر محدود ہو''۔

## اللہ کی ہُویت:

''واجب الوجود'' ہے ''غیر معلول'' ہے ''غیر متناہی'' ہے ''غَیْرِ مُشَابَہُ لِلْمَخْلُوْقِ'' ہے

یہاں ''ھُوَ'' گویا ذاتِ بحت (Pure Essence) کی طرف اشارہ ہے، جو نہ تعریف میں آتی ہے نہ تحدید میں۔

اللہ کی ہُویت وہ عظیم راز ہے جو ہر ادراک سے بلند، ہر تصور سے ماورا اور ہر بیان سے بے نیاز ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو نہ کسی شکل میں سماتی ہے، نہ کسی حد میں قید ہوتی ہے۔ انسان جتنا بھی سوچے، جتنا بھی سمجھے، اُس کی سوچ ایک در پر آ کر رک جاتی ہے۔ مگر وہ حقیقت اُس در سے بھی آگے موجود رہتی ہے۔ یہی اس کی ہُویت ہے: موجود بھی، مگر غیر محدود؛ قریب بھی، مگر بے مثال۔

جب دل اس حقیقت کے قریب ہوتا ہے تو تمام پہچانیں دھندلا جاتی ہیں۔ نہ کثرت مکمل سمجھ آتی ہے، نہ وحدت پوری طرح بیان ہو پاتی ہے۔ انسان محسوس کرتا ہے کہ ہر شے کسی نہ کسی انداز میں اُس ایک وجود کی طرف اشارہ کر رہی ہے، مگر وہ وجود کسی اشارے میں قید نہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عقل خاموش ہو جاتی ہے اور دل ایک گہری حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ ایسی حیرت جو خوف نہیں، بلکہ سکون پیدا کرتی ہے۔

اللہ کی ہُویت کا ادراک دراصل اپنی محدودیت کا شعور ہے۔ جتنا انسان اپنی

کمزوری اور محتاجی کو پہچانتا ہے، اتنا ہی وہ اس لامحدود حقیقت کے قریب ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر انسان کچھ "جان" نہیں لیتا، بلکہ جاننے کے غرور سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور یہی آزادی اسے ایک ایسے سکون میں لے آتی ہے جہاں ہر شے کہتی ہے: وہ ہے۔ مگر کیسے ہے، یہ کسی کے بس میں نہیں۔

## عارفانہ ووجدانی بیان

جب عارف "هُوَ اللهُ" پڑھتا ہے تو اس کے دل میں ایک کیفیت جنم لیتی ہے۔

''هُوَ'' یعنی وہ.....

نہ آنکھوں میں سماتا ہے، نہ الفاظ میں، مگر دل کی گہرائیوں میں اس کی موجودگی محسوس ہوتی ہے۔

''هُوَ'' اشارہ ہے اُس حقیقت کی طرف جو:

ہر آواز کے پیچھے خاموشی کی صورت موجود ہے۔

ہر حرکت کے پیچھے سکون کی صورت موجود ہے۔

ہر وجود کے پیچھے اصل وجود پوشیدہ ہے۔

عارف کے نزدیک ''هُوَ'' وہ سرّ ہے جو کائنات کی ہر شے میں جاری ہے مگر کسی شے میں محدود نہیں۔ جب دل سے غیر کی نفی ہوتی ہے

"لَا إِلٰهَ"

اور پھر مرکز قائم ہوتا ہے

"إِلَّا هُوَ"

تو سالک کی ہستی فنا کی دہلیز پر آ کھڑی ہوتی ہے۔ یہی ''ھُویت'' کا عرفانی ادراک ہے: کہ بندہ اپنی انانیت سے خالی ہو کر اُس واحد کی طرف متوجہ ہو جائے۔

عارفانہ ووجدانی بیان وہ زبان ہے جو بولتی کم ہے اور محسوس زیادہ کرتی ہے۔ یہ

وہ اندازِ اظہار ہے جہاں لفظ راستہ ہوتے ہیں، منزل نہیں۔ عارف جب بیان کرتا ہے تو وہ معلومات نہیں دیتا، بلکہ کیفیت منتقل کرتا ہے- ایسی کیفیت جو سننے والے کے اندر بھی ایک خاموش دروازہ کھول دے۔

اس بیان میں عقل پیچھے رہ جاتی ہے اور دل آگے چلتا ہے۔ باتیں ترتیب سے زیادہ نور سے جڑی ہوتی ہیں۔ کبھی ایک جملہ پورے سفر کا خلاصہ بن جاتا ہے، اور کبھی ایک خاموشی ہزاروں معنی سمیٹ لیتی ہے۔ یہاں لفظ دلیل نہیں بنتے، بلکہ اشارہ بن جاتے ہیں- ایسے اشارے جو سننے والے کو خود اپنے اندر جھانکنے پر مجبور کر دیں۔

وجدانی بیان کی اصل خوبصورتی یہ ہے کہ یہ سنانے کے لیے نہیں، جگانے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ انسان کو باہر کی دنیا سے ہٹا کر اندر کی طرف لے آتا ہے، جہاں سوال بھی نرم ہو جاتے ہیں اور جواب بھی خاموش ہو جاتے ہیں۔ آخرکار انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اصل بات کہی نہیں جاتی، بلکہ محسوس کی جاتی ہے- اور یہی عارفانہ بیان کی سب سے بڑی پہچان ہے۔

## 1. کلمۂ توحید کی فضیلت

کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ اسلام کی روح، ایمان کی بنیاد اور بندگی کا سب سے بلند اعلان ہے۔ یہ صرف چند الفاظ نہیں، بلکہ ایک ایسا شعور ہے جو انسان کے اندر سے ہر قسم کے جھوٹے سہاروں کو توڑ کر اُسے ایک ہی حقیقت سے جوڑ دیتا ہے۔ جب دل اس کلمے کی سچائی کو قبول کرتا ہے تو انسان کی زندگی کا مرکز بدل جاتا ہے- وہ مخلوق سے امیدیں کم کر کے خالق پر یقین مضبوط کر لیتا ہے۔

اس کلمے کی فضیلت یہ ہے کہ یہ دل کو بکھرنے سے بچا کر ایک مرکز پر جمع کر دیتا ہے۔ خوف، حرص اور وابستگیوں کی کثرت کم ہونے لگتی ہے، اور دل میں ایک ایسا سکون اترتا ہے جو کسی دنیاوی چیز سے نہیں مل سکتا۔ یہ کلمہ انسان کو یاد دلاتا ہے کہ اصل

طاقت، اصل اختیار اور اصل محبت صرف ایک ذات کے لیے ہے۔ یہی یقین انسان کو اندر سے آزاد کرتا ہے، اگرچہ وہ ظاہری طور پر دنیا میں ہی موجود ہوتا ہے۔

کلمۂ توحید کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہ انسان کو اُس حقیقت سے جوڑ دیتا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ دل کو اندھیروں سے نکال کر یقین کی روشنی میں لے آتا ہے۔ جب یہ کلمہ زبان سے نہیں بلکہ دل سے جاری ہو جائے تو زندگی کا ہر لمحہ عبادت بن جاتا ہے، اور انسان یہ جان لیتا ہے کہ سب کچھ بدل سکتا ہے، مگر ''وہ'' کبھی نہیں بدلتا۔

حضرت محمد رسول اللہ (بن عبداللہ بن عبدالمطلب) ﷺ نے فرمایا:

"أَفْضَلُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ..."

سب سے اچھی بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے کے انبیاء نے کہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(سنن الترمذی، حدیث: 3585)

یہ حدیث توحید کے اعلان کو تمام انبیاء کا مشترک پیغام قرار دیتی ہے۔

## 2. اسمائے حسنیٰ کا احاطہ

اسمائے حسنیٰ کا احاطہ دراصل انسانی ادراک کی وہ حد ہے جہاں علم اپنی وسعت کے باوجود عاجز ہو جاتا ہے۔ اللہ کے خوبصورت نام صرف الفاظ نہیں، بلکہ صفاتِ الٰہی کے ایسے جلوے ہیں جو کائنات کے ہر ذرّے میں کسی نہ کسی صورت ظاہر ہیں۔ رحمت، قدرت، علم، عدل، حکمت — یہ سب نام انسان کو اُس حقیقت کے قریب لے جاتے ہیں جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے مگر خود کسی گھیرے میں نہیں آتی۔

ان اسماء کا احاطہ عقل سے مکمل طور پر ممکن نہیں، کیونکہ ہر اسم ایک لامحدود معنی رکھتا

ہے۔ انسان جتنا غور کرتا ہے، اتنا ہی یہ حقیقت کھلتی ہے کہ ہر نام کے پیچھے ایک بے انتہا وسعت ہے۔ "الرحمن" کو سمجھیں تو رحمت کی کوئی حد نہیں ملتی، "العلیم" کو دیکھیں تو علم کی کوئی انتہا نظر نہیں آتی۔ یوں ہر اسم ایک دروازہ ہے جو مزید معرفت کی طرف کھلتا چلا جاتا ہے، مگر مکمل ادراک کبھی بھی بندے کے ہاتھ نہیں آتا۔

اسی لیے اسمائے حسنیٰ کا احاطہ دراصل جاننے کا نہیں، جھکنے کا سفر ہے۔ جب بندہ ان اسماء پر غور کرتا ہے تو اُس کے اندر عاجزی پیدا ہوتی ہے، اور دل ایک ایسی وسعت میں داخل ہو جاتا ہے جہاں سوال کم اور تسلیم زیادہ ہوتی ہے۔ آخر کار انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ ان اسماء کو گھیر نہیں سکتا، بلکہ یہ اسماء اُسے گھیرے ہوئے ہیں- اور یہی ادراک معرفت کی سب سے گہری شکل ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ (بن عبداللہ بن عبدالمطلب) ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اَسْمًا، مِائَةً إِلَّا اَحَدًا، مِنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

"اللہ کے ننانوے نام ہیں، ایک سو کم، جو ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا"۔
(صحیح البخاری:2736، صحیح مسلم:2677)

یہ حدیث بتاتی ہے کہ اللہ کی ذات جامع الاسماء ہے، اور "اللہ" ان سب کا مرکز ہے۔

## 3. اللہ کی قربت

اللہ کی قربت کسی فاصلے کو طے کرنے کا نام نہیں، بلکہ دل کے رجحان بدلنے کا نام ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جہاں انسان باہر کی دنیا میں رہتے ہوئے بھی اندر سے ایک خاص وابستگی محسوس کرتا ہے- جیسے ہر سانس کسی پوشیدہ حضور سے جڑی ہو۔ یہ قربت جگہ نہیں بدلتی، بلکہ احساس بدل دیتی ہے؛ وہی کمرہ، وہی راستے، مگر دل کا رخ یکسر

مختلف ہوجاتا ہے۔

اللہ کی قربت دراصل دل کی بیداری ہے۔ جب بندہ اس حقیقت کے قریب آتا ہے تو اسے ہر شے میں ایک اشارہ نظر آنے لگتا ہے، اور ہر لمحہ ایک یاد بن جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان اکیلا نہیں رہتا، بلکہ اپنے اندر ایک مسلسل حضور محسوس کرتا ہے- ایسا حضور جو اسے سنبھالتا بھی ہے اور سنوارتا بھی ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ (بن عبداللہ بن عبدالمطلب) ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ اللهَ يَقُوْلُ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَّرَنِيْ..."

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں ویسا ہی ہوں جیسا میرا بندہ میرے بارے میں گمان کرتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔

(صحیح البخاری:7405، صحیح مسلم:2675)

یہ حدیث ''ھُو'' کی قربت کو بیان کرتی ہے وہ غائب بھی ہے اور قریب بھی۔

جامع نتیجہ- عالمانہ زاویے سے:

''ھُوَ اللهُ'' ذاتِ واجب کی وحدانیت، تنزیہ، اور اطلاقیت کا بیان ہے۔

عارفانہ زاویے سے: یہ کائنات کے شور میں اُس واحد کی صدا ہے۔

''ھُوَ'' وہ ہے جو ہر تعین سے ماورا، ہر مثال سے منزّہ، ہر قیاس سے بلند ہے۔

جب بندہ اس حقیقت کو پالیتا ہے تو اس کا دل کہتا ہے:

نہ میں رہا، نہ میرا دعویٰ؛

بس ''ھُوَ''

ہی باقی رہا۔

اور یہی ادراک توحید کا کمال اور معرفت کی انتہا ہے۔

# کیا عارف اللہ کی ھُویت کی معرفت جان سکتا ہے؟

عارفِ باللہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرسکتا ہے، مگر اس کی ''ہُوِیّت''، یعنی کنہِ ذات کا مکمل ادراک کسی مخلوق کے لیے ممکن نہیں۔ قرآن مجید نے واضح فرمایا ہے: وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا مخلوق اپنے علم کے ذریعے اللہ کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان چاہے کتنا ہی بلند مقامِ معرفت تک پہنچ جائے، وہ اللہ کی ذات کی حقیقت کو مکمل طور پر نہیں جان سکتا، کیونکہ خالق اور مخلوق کے درمیان ادراک کا فرق لازمی ہے۔

عارف اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء وصفات کے ذریعے پہچانتا ہے، اس کے افعال اور کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں کے ذریعے اس کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ ہر شے میں اللہ کی تجلیات کو دیکھتا ہے، مگر اس کی ذات کے "کنہ" تک رسائی نہیں پاسکتا۔ معرفت کا یہ سفر دراصل صفات کے آئینے میں حقیقت کے جلوے دیکھنے کا نام ہے، نہ کہ ذاتِ مطلق کے احاطے کا۔

اہلِ سلوک اور صوفیاء کے نزدیک معرفت کی انتہا یہ نہیں کہ بندہ اللہ کی حقیقتِ ذات کو جان لے، بلکہ یہ ہے کہ وہ اس بات کا ادراک کرلے کہ وہ اسے پوری طرح جان نہیں سکتا۔ یہی عجز اور فروتنی معرفت کی معراج ہے، جہاں انسان اپنی محدودیت کو پہچان کر مزید جھک جاتا ہے اور اس کی عبادت میں عاجزی اور خشیت بڑھ جاتی ہے۔

روحانی لحاظ سے جب سالک اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کے اندر ایک خاموشی

اور حیرت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ہر شے میں اللہ کی قدرت کے آثار تو دیکھتا ہے مگر اس کی حقیقتِ ذات کے سامنے اپنی عقل کو عاجز پاتا ہے۔ یہی کیفیت اسے اس یقین تک لے جاتی ہے کہ اللہ ہر تصور سے بلند ہے، اور اس کی ہُویت انسانی ادراک سے ماورا ایک لامحدود حقیقت ہے۔

یہ سوال نہایت دقیق اور عمیق ہے، اور صدیوں سے متکلمین، فلاسفہ اور صوفیہ کے مابین محلِ بحث رہا ہے۔ اس کا جواب دو زاویوں سے سمجھنا ضروری ہے:

اوّل: عالمانہ و کلامی موقف اصول توحید کے مطابق:

''اللہ کی ذات اپنی حقیقت (کنہِ ذات) کے اعتبار سے غیر مُدرَک ہے''۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ

(الانعام:103)

''نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں، اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے''۔

اسی طرح:

"لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ"

(الشوریٰ:11)

''اس جیسی کوئی چیز نہیں''۔

نتیجہ: (علمی اعتبار سے)

1. اللہ کی ذات ''لامحدود'' ہے۔
2. انسان کا ادراک ''محدود'' ہے۔
3. محدود، لامحدود کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

لہٰذا: ''کنہِ ذاتِ الٰہیہ کا علم کسی بشر کو حاصل نہیں ہو سکتا''۔

یہی اصول ''ھُویت'' پر بھی منطبق ہوتا ہے۔

دوم: عارفانہ ووجدانی زاویہ

صوفیہ کے نزدیک معرفت دو طرح کی ہے۔

1. معرفتِ احاطہ (Comprehension)

2. معرفتِ مشاہدہ (Witnessing)

عارف کنہِ ذات کا احاطہ نہیں کرتا، بلکہ صفات کے مظاہر میں اُس ذات کی تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''بن عبداللہ بن عبدالمطلب'' نے فرمایا:

"لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ."

''میں آپ کی تمام تعریفیں شمار نہیں کر سکتا، آپ ایسے ہیں جیسے تو نے اپنی تعریف کی ہے۔''

(صحیح مسلم: 486)

ترجمہ: میں تیری پوری تعریف شمار نہیں کر سکتا، تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

یہ حدیث اس حقیقت کی دلیل ہے کہ حتیٰ کہ سید البشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ بن عبدالمطلب بھی ذاتِ الٰہی کا احاطہ نہیں کرتے۔

## عارف کی معرفت کیا ہے؟

''عارف کی معرفت'' سے مراد وہ باطنی شعور اور قلبی ادراک ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء، صفات اور افعال کے ذریعے پہچانتا ہے، نہ کہ اس کی ذاتِ مطلق (کنہِ ذات) کا احاطہ کرتا ہے۔ عارف کی معرفت عقل سے زیادہ دل کی بیداری اور روح کی صفائی پر مبنی ہوتی ہے، جہاں علم صرف معلومات نہیں رہتا بلکہ

یقین اور مشاہدے کی کیفیت اختیار کر لیتا ہے۔

عارف اللہ تعالیٰ کو اس کی تخلیق میں دیکھتا ہے کائنات کی وسعتوں میں، نظامِ قدرت میں، انسان کے وجود میں اور ہر ذرّے کی حرکت میں اسے اپنے رب کی قدرت، حکمت اور رحمت کے آثار نظر آتے ہیں۔ اس کے نزدیک ہر شے اللہ کی طرف اشارہ کرتی ہے، اور ہر منظر ایک نشانی بن جاتا ہے جو اسے اپنے خالق کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس طرح عارف کی معرفت ''آثار سے مؤثر'' تک پہنچنے کا سفر ہے، یعنی مخلوق سے خالق کی طرف رجوع۔

اہلِ معرفت کے نزدیک عارف کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ کو صرف زبان سے نہیں بلکہ دل کی گہرائی سے جانتا اور محسوس کرتا ہے۔ اس کی عبادت محض رسم نہیں رہتی بلکہ محبت، خشیت اور حضوری کی کیفیت بن جاتی ہے۔ وہ ہر لمحہ یہ شعور رکھتا ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور ہے، چاہے وہ اکیلا ہو یا لوگوں کے درمیان۔ یہی حال ''معرفتِ قلبی'' کہلاتا ہے۔

آخرکار عارف کی معرفت اسے اس نتیجے تک پہنچاتی ہے کہ حقیقی معرفت یہ ہے کہ بندہ اپنے عجز کو پہچان لے اور یہ جان لے کہ اللہ کی حقیقت اس کے ادراک سے بلند ہے۔ یوں عارف کا علم اسے تکبر میں نہیں بلکہ عاجزی میں لے جاتا ہے، اور وہ جتنا اپنے رب کو پہچانتا ہے اتنا ہی زیادہ جھک جاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا: ادراک کے ادراک سے عاجز ہونا ہی اصل ادراک ہے۔

جامع نتیجہ: ''عالمانہ جواب'': نہیں، کوئی عارف یا عالم اللہ کی ھُویت (کنہِ ذات) کو مکمل طور پر نہیں جان سکتا۔

''عارفانہ جواب'': ہاں، وہ اس کی تجلیات، صفات اور قرب کی کیفیت کو جان سکتا ہے مگر ذات کا احاطہ نہیں۔

آخر کار معرفت کا سفر یہاں آ کر رک جاتا ہے، اور زبان خاموش ہو جاتی ہے۔
دل بس اتنا کہتا ہے: وہ ہے۔ میں نہیں جانتا کیسے ہے۔ مگر وہ ہے اور یہی میری معرفت ہے۔

اسمِ ذات ''ھُوْ'' ''اور ''اللّٰہُ ھُو'' کے روحانی اسرار و رموز اور مشاہدات

یہ موضوع نہایت لطیف اور دقیق ہے۔ اس میں افراط و تفریط سے بچتے ہوئے علمی توازن اور روحانی وقار ضروری ہے۔ ذکر کا اصل مدار ''اخلاص، اتباعِ سنت اور اعتدال'' پر ہے، نہ کہ محض الفاظ کی تکرار پر۔

## اوّل: علمی و اصولی تمہید

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ

(البقرہ:152)

''تم میرا ذکر کرو، میں تمہیں یاد کروں گا''۔

اور سورۃ الحشر میں ارشاد ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ

(الحشر:22)

''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں''۔

یہاں ''ھُوْ'' ذاتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔

اہلِ علم کے نزدیک ''ھُوْ'' بطورِ ذکر مستقل ثابت نہیں، مگر صوفیہ نے اسے ''اسمِ ذات کی طرف اشارہ'' سمجھ کر بطورِ مراقبہ استعمال کیا ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے دائرے میں ہو۔

اصل اور افضل ذکر وہی ہے جو نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے منقول

ہے، جیسے:

أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ

بہترین ذکر ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں'' ہے۔ (سنن الترمذی:3383)

لہٰذا ''اللّٰھُو'' یا ''ھُو'' کا ذکر، اگر ہو، تو اسی اصل ذکر کی طرف رہنمائی کا ذریعہ ہو، نہ کہ اس کا بدل۔

## دوم: روحانی اسرار و رموز

1. ''ھُو'' ضمیرِ غائب کا راز

''ھُو'' اشارہ ہے اُس ذات کی طرف جو:

- نگاہ سے اوجھل مگر دل سے قریب ہے
- محسوس سے ماورا مگر موجود ہے

صوفیہ کے نزدیک ''ھُو'' کا ذکر دل کو غیر سے خالی کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

جب سالک ''ھُو'' کہتا ہے تو گویا کہتا ہے:

وہی ہے..... باقی سب فانی ہے۔

یہ ذکر ''توحیدِ شہودی'' کی طرف رہنمائی کرتا ہے، یعنی دل میں مرکزیتِ واحد کا قیام۔

2. ''اللہ ھُو'' جمع بین الاسم والاشارہ

''اللہ'' اسمِ جامع ہے، تمام صفات کا مظہر۔

''ھُو'' ذات کی طرف اشارہ ہے۔

جب دونوں جمع ہوں تو مفہوم یوں بنتا ہے:

صفات بھی اسی کی، ذات بھی اسی کی۔

روحانی اعتبار سے یہ ذکر دل کو کثرت سے وحدت کی طرف لاتا ہے۔

## سوم: ممکنہ روحانی کیفیات ومشاہدات

اہلِ سلوک کے تجربات کے مطابق، اگر ذکر اخلاص اور اعتدال سے ہو تو درج ذیل کیفیات پیدا ہو سکتی ہیں۔

1. قلبی سکون: دل کی بے چینی میں کمی اور فکری انتشار میں اعتدال۔
2. حضورِ قلب: نماز اور دعا میں توجہ کا بڑھ جانا۔
3. توحیدی مرکزیت: دل سے غیر اللہ کی اہمیت کم ہونا۔
4. فنا فی الذکر کی کیفیت: عارضی طور پر خودی کی شدت میں کمی، مگر یہ کیفیت شریعت کے تابع رہنی چاہیے۔

اہم تنبیہ:

1. کوئی بھی ذکر ''شریعت سے ماورا نہیں ہو سکتا''۔
2. غیر معمولی مشاہدات کو قطعی معیار نہ سمجھا جائے۔
3. خواب، نور، آوازیں وغیرہ اگر ظاہر ہوں تو انہیں مقصد نہ بنایا جائے۔

اصل مقصد یہ ہے کہ بندہ اللہ کے قریب ہو، اخلاق بہتر ہوں، اور تقویٰ میں اضافہ ہو۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے فرمایا:

"إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ"

''اعمال کا فیصلہ نیتوں سے ہوتا ہے''۔ (صحیح البخاری:1)

یعنی اصل روح نیت اور اخلاص ہے، نہ کہ الفاظ کی کثرت۔

## وجدانی بیان

جب دل سچائی سے ''ھُو'' کہتا ہے تو گویا ساری کائنات کی نفی کر دیتا ہے۔

# اللہ کی شان ھُو (ھُویت)

(مکمل روحانی وجدانی اور مشاہداتی سفر)

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''ھُو'' اور اس کی ''ہُویت'' ایسی حقیقت ہے جو الفاظ کے قالب میں سما نہیں سکتی اور نہ ہی انسانی عقل اس کی مکمل حدود کو پا سکتی ہے۔ یہ وہ نورِ ازلی ہے جو ہر شے کے ظاہر میں بھی ہے اور ہر شے کے باطن میں بھی، مگر پھر بھی کسی شے کا حصہ نہیں۔ اہلِ معرفت کے نزدیک یہ وہ مقام ہے جہاں زبان خاموش ہو جاتی ہے، فکر تھک جاتی ہے، اور ادراک عاجزی کے سجدے میں گر جاتا ہے۔ "ھُو" دراصل اس حقیقت کا اعلان ہے کہ اصل موجود صرف وہی ہے، باقی سب اس کے ارادے اور فیض کے سائے ہیں۔

اللہ کی شانِ ''ھُو'' (ہُویت) وہ راز ہے جو ہر ادراک کے پردے کے پیچھے بھی موجود رہتا ہے اور ہر ادراک کو قائم بھی رکھتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف نہ عقل مکمل پہنچ سکتی ہے، نہ زبان مکمل اظہار کر سکتی ہے۔ ''ھُو'' کوئی لفظ نہیں رہتا، بلکہ ایک ایسا شعور بن جاتا ہے جو ہر شے کے پیچھے خاموشی سے موجود ہوتا ہے۔ نظر آئے بغیر بھی سب کچھ کو وجود دیتا ہوا۔

اس روحانی سفر کی ابتدا سوال سے ہوتی ہے۔ انسان کثرت کے ہجوم میں کھڑا ہو کر پوچھتا ہے: یہ سب کیا ہے؟ یہ کون چلا رہا ہے؟ یہ زندگی کہاں جا رہی ہے؟ پہلے عقل جواب تلاش کرتی ہے، پھر دل اشارے محسوس کرنے لگتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے جب اشارے بھی کم ہو جاتے ہیں اور صرف ایک خاموش احساس باقی رہ جاتا ہے کہ ''کوئی ہے''..... مگر وہ "کوئی" بھی الفاظ میں قید نہیں رہتا۔

یہیں سے مشاہدے کا در کھلتا ہے۔ سالک دیکھتا ہے مگر چیزوں کو نہیں، چیزوں

کے پیچھے موجود ایک ہی حقیقت کے تسلسل کو۔ درخت الگ نہیں رہتا، ہوا الگ نہیں رہتی، دل الگ نہیں رہتا- سب کچھ ایک ہی دھارے میں بہتا محسوس ہوتا ہے۔ اور اس دھارے میں کوئی آواز نہیں، صرف ایک حضوری ہے۔ یہ حضوری بتاتی نہیں، بلکہ سکھاتی ہے کہ سب کچھ ایک ہی مرکز سے جڑا ہوا ہے۔

پھر وہ لمحہ آتا ہے جہاں مشاہدہ بھی دھیرے دھیرے تحلیل ہونے لگتا ہے۔ نہ دیکھنے والا واضح رہتا ہے، نہ دکھائی دینے والا اپنی کثرت میں قائم رہتا ہے۔ یہاں صرف ایک لطیف سا ادراک باقی رہتا ہے-"ھُو"۔ نہ یہ کسی سمت میں ہے، نہ کسی صورت میں، مگر ہر سمت اور ہر صورت اسی کی طرف جھک جاتی ہے۔

اس مقام پر سالک کو یہ احساس نہیں رہتا کہ وہ کسی چیز کو پار رہا ہے۔ بلکہ یوں لگتا ہے جیسے سب کچھ پہلے ہی سے ایک تھا، اور وہ خود صرف غفلت سے جاگ رہا ہے۔ "میں" کی آواز مدھم ہو جاتی ہے، اور ہر شے میں ایک ہی اشارہ باقی رہ جاتا ہے: وہی ہے۔

یہ سفر ختم نہیں ہوتا، بلکہ خاموش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں پہنچ کر نہ سوال باقی رہتا ہے، نہ جواب کی ضرورت۔ صرف ایک گہرا سکون رہ جاتا ہے- ایسا سکون جو بتاتا نہیں، بلکہ خود "ھُو" کی طرف اشارہ بن جاتا ہے۔

## اللہ کی "ہُویت" اس کی کنہِ ذات

اللہ تعالیٰ کی "ہُویت" اس کی کنہِ ذات ہے، یعنی وہ حقیقت جس تک کسی مخلوق کی رسائی ممکن نہیں۔ وہ "الواحد" ہے، بے شریک، بے مثال، بے نیاز اور ازلی و ابدی۔ نہ اس کی ذات کسی ترکیب کی محتاج ہے، نہ اس کی صفات کسی حد میں مقید ہیں۔ وہ ہر شے سے پہلے بھی ہے، ہر شے کے ساتھ بھی ہے، اور ہر شے کے بعد بھی مگر کسی جہت اور کسی تصور کا پابند نہیں۔ عرفانی نگاہ سے دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے

جیسے پوری کائنات ایک دائرہ ہے اور اس کا مرکز ایک ایسا نقطہ ہے جو نظر نہیں آتا مگر ہر حرکت اسی سے جنم لیتی ہے، اور ہر وجود اسی کی طرف لوٹتا ہے۔

## اللہ کی شانِ ھویت کا کائناتی مشاہدہ

اللہ کی شان کا مشاہدہ کائنات کی ہر شے میں جاری و ساری ہے۔ جب انسان غور کرتا ہے تو اسے ہر ذرے میں ایک حکمت، ہر منظر میں ایک ترتیب، اور ہر نظام میں ایک کامل تدبیر نظر آتی ہے۔ پھول کی لطافت ہو یا ستاروں کی گردش، سمندر کی وسعت ہو یا ہوا کی روانی ہر شے گویا ایک خاموش تسبیح ہے جو اپنے خالق کی عظمت کا اعلان کر رہی ہے۔ یہ کائنات ایک کھلی کتاب ہے جس کا ہر لفظ اللہ کی قدرت، اس کی رحمت اور اس کی ربوبیت کی گواہی دیتا ہے۔

جب دل اس مشاہدے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ہر شے بولتی ہوئی محسوس ہوتی ہے مگر اس کی زبان صرف توحید ہے۔ ہر منظر ایک اشارہ بن جاتا ہے، ہر سانس ایک پیغام، اور ہر لمحہ ایک یاددہانی کہ ''وہی ہے جو ہر جگہ جلوہ گر ہے مگر کسی جگہ محدود نہیں''۔ اس مقام پر بندہ خود کو مٹا ہوا محسوس کرتا ہے، اور باقی صرف ایک حقیقت رہ جاتی ہے: ''ھُو''۔

یہی وہ مقام ہے جہاں سالک کا سفر الفاظ سے آگے بڑھ کر خاموشی میں داخل ہو جاتا ہے۔ نہ سوال باقی رہتا ہے، نہ جواب صرف ایک حیرت، ایک سکون اور ایک بے نام سی روشنی جو دل کو گھیر لیتی ہے۔ اور دل بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے:

''وہ ہے..... بس وہ ہے..... اور کچھ بھی نہیں، سوائے اس کے نور کے جلووں کے۔''

اللہ تعالیٰ کی شانِ ھُویت ایسی حقیقت ہے جسے زبان مکمل طور پر بیان نہیں کر سکتی، اور عقل بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتی۔ اہلِ عرفان کہتے ہیں کہ یہ وہ نور ہے جو

کائنات کی ہر شے میں چھپا ہوا ہے، مگر اپنی اصل میں کسی مخلوق سے محدود یا مشابہ نہیں۔

## اللہ کی ہُویت-اس کی شان

اللہ تعالیٰ کی ہُویت اس کی کنہِ ذات ہے، وہ حقیقت جس تک نہ عقل کی رسائی ممکن ہے اور نہ کسی مخلوق کا تصور اسے مکمل طور پر گھیر سکتا ہے۔ وہ ''الواحد'' ہے، بے شریک، بے مثال اور ہر قسم کی ترکیب و محدودیت سے پاک۔ اس کی ذات نہ کسی شے سے ملی ہوئی ہے اور نہ کسی شے سے جدا ہونے کی محتاج، بلکہ وہ اپنی ذات میں خود قائم، خود کافی اور ہر احتیاج سے بلند ہے۔ وہ ''لامحدود، لازوال اور غیر محتاج'' ہے، جس کا نہ آغاز ہے نہ انجام، اور جس کی حقیقت زمان و مکان کی قید سے ماورا ہے۔ عرفانی نگاہ جب اس حقیقت پر غور کرتی ہے تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وجود کا ہر دائرہ ایک مرکزی حقیقت کے گرد گردش کر رہا ہے، اور وہ مرکز ایسا نقطہ ہے جو نظر نہیں آتا مگر ہر شے کی بنیاد اور ہر حرکت کا سبب ہے۔

اللہ کی ہُویت کو اگر مشاہداتی انداز میں سمجھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ نورِ مطلق ہے جو ہر شے میں جاری ہے مگر کسی شے کا حصہ نہیں۔ وہ ہر جگہ موجود ہے مگر کسی جگہ محدود نہیں، ہر شے کے ساتھ ہے مگر کسی شے سے مشابہ نہیں۔ یہی اس کی "تجلیِ غیر محدود" ہے جس کا ادراک صرف قلبی شعور سے ممکن ہے، عقلی پیمانوں سے نہیں۔ بندہ جب اس مقام پر پہنچتا ہے تو اسے اپنی فکری حدود کا احساس ہوتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اصل حقیقت وہ ہے جو ہر تصور سے بلند ہے اور ہر بیان سے ماورا ہے۔

اللہ کی شان کا ظہور کائنات کے ہر نظام میں واضح نظر آتا ہے۔ ہر پھول کی ترتیب، ہر درخت کی نشوونما، ہر ستارے کی گردش اور ہر ذرّے کی حرکت اس کی قدرت، حکمت اور تدبیر کی گواہی دیتی ہے۔ وہی ہر شے پر حاکم ہے، ہر نظام کو قائم

رکھنے والا ہے، اور ہر لمحہ ہر وجود کے ساتھ اس کی تدبیر جاری ہے، مگر پھر بھی وہ کسی شے میں مقید نہیں ہوتا۔ یہی اس کی شان کا سب سے بڑا راز ہے کہ وہ ''حاضر بھی ہے اور غیر محدود بھی''، ''قریب بھی ہے اور ماورا بھی''۔

عرفانی زاویے سے جب دل اس شعور کو قبول کر لیتا ہے تو اس کے اندر ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ہر شے میں حقیقتِ مطلق کا احساس جنم لیتا ہے، مگر ساتھ ہی عاجزی بھی بڑھ جاتی ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اصل حقیقت صرف اسی کی ہے، باقی سب اس کے ظہور اور اس کی قدرت کے آثار ہیں۔ اسی شعور سے دل میں سکون، محبت اور خشوع پیدا ہوتا ہے، اور انسان ہر شے میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے۔

## اللہ کی ہُویت-شان کا باطنی مشاہدہ

جب انسان اللہ تعالیٰ کی ہُویت اور اس کی شان پر غور کرتا ہے تو اس کے اندر ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو الفاظ سے زیادہ دل کے احساسات میں سمائی ہوتی ہے۔ یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جہاں شعور بیدار ہو جاتا ہے اور دل ایک ایسی حضوری میں داخل ہوتا ہے جس میں ہر شے اللہ کی طرف اشارہ کرتی محسوس ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو اہلِ معرفت "حضورِ قلب" کہتے ہیں، یعنی ہر لمحہ دل کو یہ شعور رہتا ہے کہ وہ اپنے رب کے سامنے ہے، چاہے آنکھیں کچھ بھی دیکھ رہی ہوں یا زبان خاموش ہو۔

اس ادراک کے ساتھ ایک اور باطنی کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے "فنا فی اللہ" کہا جاتا ہے، یعنی انسان اپنی انا، خواہش اور محدود وجود کے احساس سے نکل کر ایک بڑی حقیقت میں ڈوب جاتا ہے۔ یہاں انسان اپنی خودی کو مرکز نہیں رکھتا بلکہ ہر شے کو اللہ کی نسبت سے دیکھتا ہے۔ اسی حالت سے ایک عجیب سکون جنم لیتا ہے جسے "سکونِ مطلق" کہا جا سکتا ہے، جہاں دنیا کی بے چینی، فکر اور پریشانی اپنی شدت کھو دیتی ہے

اور دل ایک غیر معمولی اطمینان میں داخل ہو جاتا ہے۔

جب بندہ اس کیفیت میں داخل ہوتا ہے تو اس کے اندر یہ شعور مزید گہرا ہو جاتا ہے کہ اس کا وجود مستقل نہیں بلکہ عطا شدہ ہے۔ اسی احساس کے ساتھ ایک عاجزانہ اقرار پیدا ہوتا ہے کہ:

''میں کچھ نہیں ہوں، مگر وہ سب کچھ ہے۔''

یہی وہ مقام ہے جہاں سالک اپنی زبانِ حال سے کہتا ہے:

''جب میں اپنی ذات کو بھول کر 'ہُو' کے نور میں ڈوبتا ہوں، تو سب کچھ اللہ کی عظمت میں گم ہو جاتا ہے۔''

اہلِ عرفان کے نزدیک اللہ کی ہُویت اور اس کی شان کا حقیقی مشاہدہ صرف ظاہری علم سے نہیں بلکہ باطنی بصیرت سے ممکن ہے۔ یہ مشاہدہ دل کے اندر ایک نور پیدا کرتا ہے جو انسان کے فکر و احساس کو بدل دیتا ہے۔ دل کی گہرائی میں ایک روشنی اترتی ہے جو ہر شے کو نئے معنی عطا کرتی ہے اور انسان کے اندر سے دنیاوی فریبوں کی کشش کم ہونے لگتی ہے۔

اس راہ میں سالک کی سب سے بڑی کیفیت عاجزی اور انکساری ہے، کیونکہ جتنا وہ حقیقت کے قریب ہوتا ہے اتنا ہی اپنی کمزوری کو محسوس کرتا ہے۔ ہر شے میں اسے اللہ کی تجلی نظر آتی ہے، مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ یہ تجلیات بھی اصل حقیقت کا مکمل احاطہ نہیں کر سکتیں۔ اسی احساس سے دل میں یہ یقین مضبوط ہو جاتا ہے کہ: ''وہ ہے، اور میں اس کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔''

## سفرِ ہُویت کا خلاصہ – ایک عرفانی ادراک

اللہ تعالیٰ کی ہُویت اور اس کی شان کا عرفانی ادراک انسان کو یہ بنیادی حقیقت سکھاتا ہے کہ اس کی ذات ہر قسم کی شراکت، حد بندی اور نقص سے پاک ہے۔ وہ

''لاشریک'' ہے، ''لاحد'' ہے اور ''لامحدود'' ہے۔ اس کی حقیقت نہ کسی تصور کی گرفت میں آسکتی ہے اور نہ کسی عقل کی پیمائش میں سمٹ سکتی ہے۔ یہی شعور انسان کو اس یقین تک لے جاتا ہے کہ اصل وجود صرف اسی کی ذات کا ہے، اور باقی سب اس کے ارادے اور فیض کے تابع ہیں۔

اس ادراک کے مطابق پوری کائنات دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت، رحمت اور حکمت کا ایک عظیم آئینہ ہے۔ ہر منظر، ہر حرکت اور ہر نظام اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک ہی ہستی ہے جو سب کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ جب انسان اس زاویے سے کائنات کو دیکھتا ہے تو اس کے اندر سے کثرت کا فریب کم ہونے لگتا ہے اور ہر شے میں ایک ہی مرکزِ حقیقت کا شعور جاگ اٹھتا ہے۔

اس سفر کا سب سے اہم نتیجہ یہ ہے کہ دل کا حقیقی سکون اور روح کی اطمینان صرف اللہ کی معرفت اور اس کے قرب سے حاصل ہوتا ہے۔ جب دل ''ہُو'' کے نور کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دنیاوی پریشانیاں اپنی طاقت کھو دیتی ہیں اور ایک داخلی اطمینان جنم لیتا ہے جو کسی خارجی سبب کا محتاج نہیں رہتا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان محسوس کرتا ہے کہ اصل زندگی اللہ کی یاد میں ہے۔

عارفانہ ادراک کا سب سے گہرا راز یہ ہے کہ انسان اپنی خودی کے فریب سے نکل کر اس حقیقت کو پالے کہ وہ بذاتِ خود کچھ نہیں، اور سب کچھ صرف اللہ کی ہستی ہے۔ جب یہ شعور دل میں اتر جاتا ہے تو زندگی میں ایک نئی روشنی پیدا ہو جاتی ہے، انسان فانی تعلقات سے آزاد ہو کر بقا کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور اس کا ہر لمحہ نور، محبت اور سکون سے بھر جاتا ہے۔

# استغراقِ اسمِ ذات ھُو

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''ھُو'' وہ حقیقت ہے جو ہر بیان سے بلند اور ہر تصور سے ماورا ہے۔ یہ وہ نور ہے جس میں کائنات کی ہر شے فنا ہو کر بھی باقی رہتی ہے، اور باقی رہ کر بھی اپنی حقیقت کھو دیتی ہے۔ ''ھو'' کا استغراق دراصل اس شعور کا نام ہے جہاں بندہ کثرت کے تمام پردوں سے نکل کر صرف ایک ہی حقیقت کو دیکھتا ہے کہ: "وہ ہے، اور اس کے سوا کچھ نہیں"۔ ہر ذرے میں اسی کی چمک ہے، ہر لمحے میں اسی کی حکمت جلوہ گر ہے، اور ہر سانس اسی کی قدرت کی خاموش گواہی دے رہی ہے۔

یہ کائنات گویا ایک عظیم آئینہ ہے جس میں واحد ذات کے انوار منعکس ہو رہے ہیں۔ زمین و آسمان، ستارے اور سیارے، ہوا اور پانی، رات اور دنسب اسی کی قدرت کی گردش میں ہیں، مگر وہ خود کسی گردش کا محتاج نہیں۔ وہ ''الواحد'' ہے، بے شریک، بے مثال، نہ اس کی کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ اس کی ذات ہر حد سے آزاد ہے، اور اس کا نور ہر حد میں ظاہر مگر ہر حد سے ماورا ہے۔ جب دل اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اندر ایک عجیب سکون اترتا ہے جو کسی دنیاوی سبب کا محتاج نہیں رہتا۔

شانِ کبریائی کا مشاہدہ ہر منظر میں جاری ہے۔ ہوا کی خاموش روانی ہو یا پانی کی موجوں کی حرکت، درختوں کی سرسراہٹ ہو یا روشنی کی لپکہر شے ایک خاموش ذکر بن جاتی ہے۔ یہ ذکر زبان سے نہیں بلکہ وجود سے ہوتا ہے، اور یہی ذکر انسان کے اندر عاجزی، حیرت اور عشق پیدا کرتا ہے۔ اس مقام پر بندہ اپنے آپ کو مرکز نہیں سمجھتا بلکہ ہر شے کو ایک ہی مرکز کی طرف لوٹتا ہوا دیکھتا ہے۔

جب ''وجدانی ادراک'' بیدار ہوتا ہے تو ہر لمحہ حضور بن جاتا ہے۔ ہر سانس میں

ایک لطیف سا احساس ہوتا ہے کہ کوئی قریب ہے مگر نظر نہیں آتا، کوئی ساتھ ہے مگر محدود نہیں ہوتا۔ یہاں انا تحلیل ہونے لگتی ہے اور وجود ایک بڑی حقیقت میں گم ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جسے اہلِ معرفت "فنا" سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی اپنی محدود پہچان سے نکل کر لامحدود حقیقت میں ڈوب جانا۔

روحانی اسرار کے اس سفر میں دل کی گہرائی میں ایک روشنی اترتی ہے جو ہر شے کو بدل دیتی ہے۔ دنیاوی خواہشات اپنی کشش کھو دیتی ہیں، اور دل ایک ایسے سکون سے بھر جاتا ہے جو کسی خوف اور کسی امید سے ماورا ہوتا ہے۔ ہر منظر اللہ کی تجلی بن جاتا ہے اور ہر صدا اس کی حکمت کا اعلان کرتی ہے۔ اس کیفیت میں انسان نہ صرف کائنات کو نئے معنی میں دیکھتا ہے بلکہ خود کو بھی ایک نئی حقیقت میں پہچانتا ہے۔

آخرکار یہ سفر اس ادراک پر ختم ہوتا ہے کہ ''ھو'' ہی اصل حقیقت ہے۔ ہر شے فانی ہے، ہر وجود عارضی ہے، اور باقی صرف وہی ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ یہی عشقِ الٰہی کی انتہا ہے، یہی معرفت کی معراج ہے، اور یہی وہ مقام ہے جہاں دل اور روح مکمل طور پر سکون، عاجزی اور نور میں ڈوب جاتے ہیں۔

# ایک عارف باللہ کا روحانی سفر

اسمِ ذات ''اللہ'' سے ''ھو'' تک-تڑپ،طلب دیدار،سلوک اور مشاہدہ

ایک عارف باللہ کا روحانی سفر دراصل لفظوں سے شروع ہو کر خاموشی پر ختم ہونے والا سفر ہے۔ابتدا میں دل بکھرا ہوا ہوتا ہے-دنیا کی چاہتیں،خوف،امیدیں، سب ایک شور بن کر اندر موجود رہتے ہیں۔اسی شور میں کبھی کبھی اسمِ ذات ''اللہ'' دل پر دستک دیتا ہے۔یہ دستک نرم ہوتی ہے،مگر گہری-جیسے کوئی بھولا ہوا دروازہ اندر سے کھٹکھٹا رہا ہو۔

پھر تڑپ جنم لیتی ہے۔یہ تڑپ کسی چیز کے حصول کی نہیں، بلکہ کسی حقیقت کی یاد کی ہوتی ہے۔دل کو یہ سمجھ نہیں آتا کہ وہ کیا کھو چکا ہے،مگر ایک خلا محسوس ہوتا ہے جو کسی دنیاوی چیز سے نہیں بھرتا۔یہی خلا طلب بن جاتا ہے۔بندہ ذکر کی طرف مائل ہوتا ہے،تنہائی پسند کرتا ہے،دل اندر کی طرف جھکنے لگتا ہے۔''اللہ'' کا نام اب صرف زبان پر نہیں رہتا، بلکہ دل کی دھڑکن میں شامل ہونے لگتا ہے۔

اسی طلب کے ساتھ سلوک کا آغاز ہوتا ہے۔یہ راستہ آسان نہیں ہوتا۔یہاں نفس کی ضد بھی ہے،خواہشوں کی آزمائش بھی،اور دل کی کمزوری بھی۔مگر ہر ذکر،ہر دعا،ہر خاموش لمحہ دل کو صاف کرتا رہتا ہے۔انسان آہستہ آہستہ سمجھنے لگتا ہے کہ اصل جدوجہد باہر نہیں،اندر ہے۔جب اندر کی گرد ہٹتی ہے تو دل میں ایک لطیف روشنی محسوس ہونے لگتی ہے-جیسے کوئی قریب ہے مگر نظر نہیں آتا۔

پھر ایک مرحلہ آتا ہے جہاں سلوک عبادت سے بڑھ کر مشاہدہ بننے لگتا ہے۔ہر شے میں ایک ہی حقیقت کے اشارے دکھائی دینے لگتے ہیں۔کثرت اپنی شدت کھو دیتی ہے،اور وحدت کا احساس غالب آنے لگتا ہے۔''اللہ'' کا نام اب صرف ذکر نہیں

رہتا، بلکہ ہر چیز کے پیچھے ایک خاموش حقیقت کی صورت میں محسوس ہونے لگتا ہے۔

اور پھر وہ لمحہ آتا ہے جسے بیان کرنا آسان نہیں- جب لفظ دھیرے دھیرے تحلیل ہونے لگتے ہیں اور احساس باقی رہ جاتا ہے۔ یہاں ''اللہ'' سے ''ھو'' تک کا سفر مکمل ہوتا ہے۔ ''ھو'' کوئی نیا لفظ نہیں، بلکہ ہر لفظ کے پیچھے موجود خاموش حقیقت ہے۔ یہاں نہ دعا رہتی ہے، نہ سوال، نہ جواب-صرف ایک حضوری رہ جاتی ہے۔

اس مقام پر عارف کو یہ احساس نہیں رہتا کہ وہ دیکھ رہا ہے یا دیکھا جا رہا ہے۔ بس ایک گہرا ادراک باقی رہتا ہے کہ جو تھا، وہی ہے۔ تڑپ سکون میں بدل جاتی ہے، طلب حضوری میں، اور سلوک ایک خاموش مشاہدے میں ڈھل جاتا ہے۔ اور یہی وہ اختتام ہے جو دراصل آغاز ہے- جہاں سب کچھ ''ھو'' میں خاموش ہو جاتا ہے۔

## آغازِ سفر-اسمِ ذات ''اللہ'' کی بیداری

عارف باللہ کے روحانی سفر کی ابتدا اسمِ ذات ''اللہ'' سے ہوتی ہے۔ یہی وہ نقطۂ آغاز ہے جہاں دل غفلت کی نیند سے جاگتا ہے اور روح کو پہلی مرتبہ احساس ہوتا ہے کہ اس کا اصل مرکز کوئی دنیاوی شے نہیں بلکہ ایک لامحدود حقیقت ہے۔ جب سالک ''اللہ'' کا ذکر اختیار کرتا ہے تو اس کے اندر ایک لطیف سی حرکت پیدا ہوتی ہے، گویا دل کسی پوشیدہ آواز کی طرف متوجہ ہو رہا ہو۔ یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جہاں بندہ اپنے آپ سے نکل کر ایک اعلیٰ حقیقت کی طرف سفر شروع کرتا ہے۔

## قلبی ارتعاش اور داخلی سکون

ذکر کے آغاز میں مختلف کیفیات جنم لیتی ہیں۔ کبھی دل میں تیزی، کبھی سکون، کبھی تڑپ اور کبھی خاموشی۔ یہ سب کیفیات دراصل روح کے بیدار ہونے کی علامات ہیں۔ اسمِ ''اللہ'' کی تکرار دل کو ایک مرکز پر جمع کرنے لگتی ہے اور منتشر

خیالات سمٹنے لگتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ذکر زبان سے دل میں اترنے لگتا ہے اور دل خود ذکر کرنے لگتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ذکر ''عمل'' سے بڑھ کر ''حال'' بن جاتا ہے۔

## فکری کیفیات۔ یقین کی طرف سفر

ذکر کے ساتھ ساتھ فکر بھی بدلنے لگتی ہے۔ دنیا کی حقیقت کمزور محسوس ہونے لگتی ہے اور آخرت کی حقیقت زیادہ واضح ہونے لگتی ہے۔ انسان اپنے وجود پر غور کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ خود قائم نہیں بلکہ قائم کیا گیا ہے۔ ہر شے میں ایک ہی حقیقت کا شعور پیدا ہوتا ہے کہ ہر حرکت کے پیچھے ایک واحد ارادہ کارفرما ہے۔ یہ فکری تبدیلی سالک کو شک سے یقین اور پھر یقین سے اطمینان کی طرف لے جاتی ہے۔

## افلاکی مقامات۔ روحانی وسعتوں کا انکشاف

جب ذکر اور فکر ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تو سالک کو روحانی وسعتوں کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جسے اہلِ سلوک ''افلاکی مقامات'' کہتے ہیں، یعنی دل کا زمین کی تنگی سے نکل کر معنوی وسعتوں میں داخل ہونا۔ یہاں وقت اور جگہ کے احساس میں نرمی آتی ہے اور دل ایک غیر محدود وسعت میں داخل ہو جاتا ہے جہاں ہر شے ایک نظم اور روشنی کے تحت نظر آتی ہے۔

## تجلیاتِ ہویت۔ نور کا انکشاف

اس مرحلے پر سالک کو ہر شے میں ایک لطیف نور محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ نور نہ شکل رکھتا ہے، نہ رنگ، بلکہ ایک شعوری کیفیت ہے۔ ہر شے میں ایک ہی حقیقت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ یہ ''تجلیاتِ ہویت'' کا آغاز ہے جہاں کثرت کے پردے ہلکے ہونے لگتے ہیں اور وحدت کا احساس غالب آنے لگتا ہے۔ دل کو یہ شعور ملتا ہے

کہ ہر جلوہ اسی ایک حقیقت کا اظہار ہے۔

## مشاہدات- کثرت میں وحدت کا ادراک

رفتہ رفتہ سالک کو مشاہدات کی کیفیت حاصل ہونے لگتی ہے۔ کائنات ایک کھلی کتاب کی مانند محسوس ہوتی ہے جس کا ہر صفحہ اللہ کی قدرت کا اعلان کر رہا ہے۔ ہوا کی حرکت، پانی کی روانی، ستاروں کی گردش سب ایک ہی نظم کے تابع دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مشاہدہ انسان کو حیرت، عاجزی اور محبت میں ڈبو دیتا ہے اور وہ ہر شے میں اپنے رب کے آثار دیکھنے لگتا ہے۔

روحانی وادیاں- سلوک کے مدارج

اس سفر میں مختلف روحانی وادیاں آتی ہیں:

* وادیٔ طلب (سچ کی تلاش)
* وادیٔ عشق (محبت میں تڑپ)
* وادیٔ معرفت (سمجھ اور شعور)
* وادیٔ فنا (خودی کا مٹ جانا)
* وادیٔ بقا (اللہ کے ساتھ باقی رہنے کا احساس)

ہر وادی میں سالک کا شعور بدلتا ہے اور اس کی اندرونی دنیا نئی شکل اختیار کرتی ہے۔

## روحانی تجربات- داخلی انقلابات

ان مراحل میں سالک کو مختلف روحانی تجربات ہوتے ہیں: دل کی غیر معمولی کیفیت، خاموشی میں گہرائی، تنہائی میں انسیت، اور ذکر میں کشش۔ کبھی آنسو، کبھی سکون، کبھی حیرت، اور کبھی بے نام سا عشق دل پر چھا جاتا ہے۔ یہ سب تجربات اس

بات کی علامت ہیں کہ روح اپنے اصل مرکز کی طرف لوٹ رہی ہے۔

## استغراقِ اسمِ ذات- ''اللہ'' سے ''ھو'' تک

جیسے جیسے سفر گہرا ہوتا ہے، اسمِ ''اللہ'' کی کیفیت بڑھ کر استغراق میں بدل جاتی ہے۔ اب ذکر محض لفظ نہیں رہتا بلکہ ایک کیفیت بن جاتا ہے۔ پھر یہ کیفیت مزید گہری ہو کر ''ھو'' کی طرف اشارہ کرتی ہے، جہاں الفاظ ختم اور شعور باقی رہتا ہے۔ یہاں سالک کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ہر شے اسی حقیقت کی طرف لوٹ رہی ہے جو لفظوں سے ماورا ہے۔

## نتیجہ- فنا فی اللہ کا شعور

اس پورے سفر کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنی محدودیت سے نکل کر ایک لامحدود حقیقت کی طرف بڑھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا وجود مستقل نہیں بلکہ عطا کردہ ہے۔ یہاں پہنچ کر بندہ اپنے آپ میں نہیں رہتا بلکہ ایک بڑی حقیقت میں گم ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جسے اہلِ معرفت ''فنا فی اللہ'' کے شعور سے تعبیر کرتے ہیں، جہاں دل کہتا ہے:

''میں کچھ نہیں، مگر وہ سب کچھ ہے۔''

## سکوتِ باطن- ذکر کے بعد کی خاموشی

جب سالک مسلسل ذکر میں ڈوبتا ہے تو ایک ایسا مرحلہ آتا ہے جہاں الفاظ کم ہو جاتے ہیں اور خاموشی بڑھ جاتی ہے۔ یہ خاموشی عام نہیں ہوتی بلکہ یہ ''سکوتِ بامعنی'' ہوتا ہے۔ اس سکوت میں دل خود کلام کرنے لگتا ہے اور روح ایک ایسی زبان سیکھ لیتی ہے جو الفاظ کی محتاج نہیں رہتی۔ اس مقام پر بندہ محسوس کرتا ہے کہ ذکر اب زبان سے

نہیں بلکہ اس کے وجود سے جاری ہے۔

## قلبی انکشاف-اندرونی روشنی کا ظہور

اس خاموشی کے اندر ایک لطیف روشنی جنم لیتی ہے۔ یہ روشنی نہ آنکھ سے دیکھی جاتی ہے اور نہ عقل سے سمجھی جاتی ہے، بلکہ دل سے محسوس ہوتی ہے۔ سالک کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کے اندر ایک نئی بصیرت پیدا ہوگئی ہے جو ہر شے کے پیچھے ایک ہی حقیقت کو دیکھتی ہے۔ اب اس کے لیے کائنات الگ الگ اشیاء نہیں رہتی بلکہ ایک مربوط وحدت بن جاتی ہے۔

## تڑپِ معرفت-عشق کا بڑھتا ہوا سمندر

اس مرحلے پر دل میں ایک عجیب سی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ یہ تڑپ کسی کمی کی نہیں بلکہ قرب کی ہے۔ سالک کو لگتا ہے کہ وہ ہر لمحہ اپنے اصل سے قریب ہونا چاہتا ہے مگر ابھی مکمل قرب حاصل نہیں ہوا۔ یہی کیفیت عشق کو بڑھاتی ہے اور بندے کو مسلسل حرکت میں رکھتی ہے۔ یہ وہ عشق ہے جو آرام نہیں دیتا بلکہ بیدار رکھتا ہے۔

تڑپِ معرفت وہ آگ ہے جو سکون نہیں چاہتی، بلکہ سکون کو بھی اپنے اندر پگھلا دیتی ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جہاں دل کو کسی ایک لمحے میں قرار نہیں آتا، کیونکہ ہر قرار کے پیچھے ایک اور طلب جاگتی رہتی ہے۔ انسان جتنا قریب ہوتا ہے، اتنی ہی دوری کا احساس گہرا ہو جاتا ہے-مگر یہ دوری محرومی نہیں، بلکہ شوق کی وسعت ہے۔

یہ تڑپ رفتہ رفتہ ایک سمندر بن جاتی ہے-ایسا سمندر جس کی کوئی تہہ نہیں، کوئی کنارہ نہیں۔ عشق کی لہریں کبھی سکون دیتی ہیں، کبھی بے چینی بڑھا دیتی ہیں، مگر ہر لہر ایک ہی حقیقت کی طرف لے جاتی ہے۔ دل ڈوبنے سے نہیں ڈرتا، بلکہ ڈوبنے میں ہی اپنی زندگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہاں ہر احساس بڑھتا ہے، کم نہیں ہوتا-اور ہر

کمی بھی ایک نئی طلب بن جاتی ہے۔

اس بڑھتے ہوئے سمندر میں سالک خود کو نہیں بچاتا، بلکہ خود کو چھوڑ دیتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ محبت کا سفر قابو میں نہیں رکھا جا سکتا، بلکہ اس کے سپرد ہونا پڑتا ہے۔ ہر دعا، ہر ذکر، ہر خاموشی اسی سمندر میں ایک نئی لہر بن کر شامل ہو جاتی ہے۔ اور جتنا وہ ڈوبتا ہے، اتنا ہی اُسے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ غرق نہیں ہو رہا، بلکہ اصل کے قریب ہو رہا ہے۔

یہی تڑپِ معرفت کا کمال ہے: کہ عشق بڑھتا رہتا ہے، ختم نہیں ہوتا۔ اور یہ بڑھتا ہوا سمندر آخر کار انسان کو اُس مقام پر لے آتا ہے جہاں طلب بھی خاموش ہو جاتی ہے، مگر سمندر باقی رہتا ہے- ایک ایسی وسعت کے ساتھ جو نہ بیان ہو سکتی ہے، نہ سمیٹی جا سکتی ہے۔

## کشفِ کثرت- ہر شے میں وحدت کا ظہور

اب سالک کے لیے کثرت کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ وہ جہاں بھی دیکھتا ہے اسے ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر نظر آتے ہیں۔ پھول، درخت، انسان، ہوا، روشنیسب ایک ہی حقیقت کے مختلف انداز محسوس ہوتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ''بیرونی دنیا'' اندرونی شعور کا حصہ بن جاتی ہے۔

## وادیٔ حیرت- عقل کا سکوت

یہاں عقل اپنی حدوں کو پہنچ جاتی ہے۔ سوال کم ہو جاتے ہیں اور حیرت بڑھ جاتی ہے۔ یہ حیرت بے علمی نہیں بلکہ ''معرفت کی گہرائی'' ہے۔ سالک سمجھتا ہے کہ جس حقیقت کو وہ جاننا چاہتا تھا وہ اس کے تصور سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ یہاں عقل خاموش ہو جاتی ہے اور دل رہنمائی کرتا ہے۔

وادیٔ حیرت وہ مقام ہے جہاں عقل اپنے آخری سوال پر آ کر خاموش ہو جاتی

ہے، نہ اس لیے کہ جواب مل گیا ہوتا ہے، بلکہ اس لیے کہ سوال اپنی حد سے آگے نکل چکا ہوتا ہے۔ یہاں سوچ راستہ نہیں بناتی، بلکہ خود راستے کے اندر گم ہو جاتی ہے۔ ہر دلیل اپنا وزن کھو دیتی ہے، اور ہر فہم ایک وسیع تر بے فہمی میں تحلیل ہونے لگتا ہے۔ مگر یہ بے فہمی بھی تاریکی نہیں، ایک عجیب سی روشنی ہے۔

اس وادی میں داخل ہونے والا انسان پہلے تو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، پھر بیان کرنے کی، پھر سنبھالنے کی۔ مگر آہستہ آہستہ اسے احساس ہوتا ہے کہ جس حقیقت کو وہ تھامنا چاہتا ہے، وہ تھامی نہیں جا سکتی، صرف دیکھی جا سکتی ہے۔ اور وہ بھی مکمل طور پر نہیں۔ یہاں کثرت اور وحدت کے نام بھی دھندلے پڑ جاتے ہیں، کیونکہ دونوں ایک ہی حقیقت کے مختلف اشارے بن جاتے ہیں۔

اور پھر عقل کا سکوت شروع ہوتا ہے۔ یہ سکوت مایوسی نہیں، بلکہ ایک گہری حیرت ہے۔ ایسی حیرت جس میں خوف نہیں ہوتا، بلکہ ایک خاموش قبولیت ہوتی ہے۔ انسان بولنا چھوڑ دیتا ہے، مگر اندر ایک مسلسل مشاہدہ جاری رہتا ہے۔ جیسے ہر شے کچھ کہہ رہی ہو، مگر کوئی زبان استعمال نہیں کر رہی ہو۔

وادیٔ حیرت میں پہنچ کر انسان یہ نہیں کہتا کہ میں نے کیا جانا، بلکہ یہ محسوس کرتا ہے کہ میں خود جاننے کے وہم سے آزاد ہو گیا ہوں۔ یہی آزادی عقل کا سکوت ہے۔ جہاں سوچ ختم نہیں ہوتی، بلکہ وسیع ہو کر خاموشی میں بدل جاتی ہے۔ اور اسی خاموشی میں ایک لطیف سا ادراک باقی رہ جاتا ہے کہ جو ہے، وہ کسی سمجھ کا محتاج نہیں۔

## وادیٔ عشق۔ ہر شے میں محبوب کا جلوہ

اب ہر شے میں محبت کا رنگ آ جاتا ہے۔ کائنات ایک محبوب کے اظہار کی صورت لگنے لگتی ہے۔ ہر منظر دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے مگر اصل کشش ایک ہی مرکز کی طرف ہوتی ہے۔ یہ عشق بندے کو نرم، عاجز اور شفاف بنا دیتا ہے۔

وادیٔ عشق وہ مقام ہے جہاں نگاہ بدل جاتی ہے، اور ہر شے اپنی اصل صورت سے زیادہ ایک اشارہ بن جاتی ہے۔ یہاں پتھر، درخت، ہوا، وقت—سب محبوب کے جلوے کا آئینہ محسوس ہوتے ہیں۔ پہلے جو چیزیں الگ الگ نظر آتی تھیں، اب وہ ایک ہی حقیقت کی مختلف جھلکیاں بن جاتی ہیں۔ کثرت اپنی شدت کھو دیتی ہے، مگر مٹتی نہیں—بس ایک ہی نور میں سمٹ جاتی ہے۔

اس وادی میں دل کا زاویہ بدل جاتا ہے۔ اب دیکھنے والا صرف دیکھتا نہیں، بلکہ ہر شے کے پیچھے موجود تعلق کو محسوس کرتا ہے۔ ہر منظر ایک خاموش پیغام بن جاتا ہے، ہر لمحہ ایک لطیف اشارہ۔ کبھی ہوا کی سرسراہٹ میں قربت محسوس ہوتی ہے، کبھی خاموشی میں حضوری کا احساس جاگ اٹھتا ہے۔ یہ دیکھنا آنکھوں کا نہیں رہتا، دل کا مشاہدہ بن جاتا ہے۔

یہاں محبوب کہیں دور نہیں رہتا۔ دوری کا تصور ہی دھندلا جاتا ہے، کیونکہ ہر شے اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مگر یہ جلوہ شکلوں میں محدود بھی نہیں ہوتا—یہ ہر شکل کے پیچھے موجود ایک ہی حقیقت کا احساس ہوتا ہے۔ سالک کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ وہ دیکھ رہا ہے یا دکھایا جا رہا ہے؛ بس ایک خاموش سی کیفیت باقی رہ جاتی ہے جس میں ہر شے کہتی ہے: یہی ہے، یہی جلوہ ہے۔

## وادیٔ فنا—خودی کا تحلیل ہونا

اس مقام پر سالک کی "انا" کمزور ہونے لگتی ہے۔ وہ اپنی خودی کو مستقل نہیں سمجھتا بلکہ ایک عارضی سایہ محسوس کرتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں بندہ اپنے آپ کو مرکز نہیں سمجھتا بلکہ ہر شے کو اللہ کی نسبت سے دیکھتا ہے۔ یہی "فنا" کا آغاز ہے۔

وادیٔ فنا وہ مقام ہے جہاں ''خودی'' اپنی گرفت چھوڑ دیتی ہے۔ نہ یہ مٹنے کا کوئی ظاہری عمل ہوتا ہے، نہ کسی تکلیف کا اعلان—بلکہ ایک تدریجی تحلیل ہوتی ہے،

جیسے صبح کی روشنی میں رات کے سائے خود بخود مدھم پڑ جائیں۔ انسان جو خود کو مرکز سمجھتا تھا، آہستہ آہستہ یہ دیکھتا ہے کہ مرکز کہیں اور ہے، یا شاید ہر جگہ ہے۔

اس وادی میں داخل ہونے والا پہلے اپنے وجود کو مضبوط رکھنے کی کوشش کرتا ہے، مگر وقت کے ساتھ یہ مضبوطی خود ایک نرمی میں بدل جاتی ہے۔ خواہشات کی شدت کم ہونے لگتی ہے، "میں" کی آواز دھیمی پڑ جاتی ہے، اور اندر ایک ایسی خاموشی اترتی ہے جو نہ خالی ہے نہ بھری ہوئی - بس موجود ہے۔ یہ خاموشی خوف نہیں دیتی، بلکہ ایک عجیب سا سکون پیدا کرتی ہے، جیسے بوجھ ہلکا ہو رہا ہو۔

پھر خودی تحلیل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ نہ خیالات کا شور باقی رہتا ہے، نہ اپنی اہمیت کا احساس غالب رہتا ہے۔ انسان اپنے آپ کو کسی بڑے تسلسل کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے- جیسے وہ خود مستقل نہیں، بلکہ ایک بہتے ہوئے نور کی لہروں میں شامل ہو گیا ہو۔ یہاں کوئی دعویٰ باقی نہیں رہتا، نہ کوئی الگ شناخت کا زور۔

اور جب یہ تحلیل مکمل کے قریب پہنچتی ہے تو ایک عجیب سا انکشاف ہوتا ہے: مٹنا دراصل ختم ہونا نہیں، بلکہ وسیع تر حقیقت میں شامل ہونا ہے۔ وادیٔ فنا میں خودی ختم نہیں ہوتی، بلکہ اپنی حد سے آزاد ہو جاتی ہے۔ اور اسی آزادی میں ایک گہرا سکون باقی رہ جاتا ہے- ایسا سکون جو نہ الفاظ میں آتا ہے، نہ دعووں میں، صرف خاموشی میں جیا جا سکتا ہے۔

## وادیٔ بقا- اللہ کے ساتھ باقی رہنا

فنا کے بعد ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے بقا کہا جاتا ہے۔ یہاں بندہ ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک اعلیٰ شعور کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔ اس کی سوچ، اس کا عمل اور اس کا احساس سب اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ دنیا میں رہتا ہے مگر دنیا میں نہیں رہتا۔

وادیٔ بقا وہ مقام ہے جہاں فنا کے بعد انسان ختم نہیں ہوتا، بلکہ ایک نئے شعور میں ''باقی'' رہتا ہے۔ یہاں باقی رہنا اپنی ذات میں رہنا نہیں ہوتا، بلکہ اپنی ذات سے آزاد ہو کر ایک بڑی حقیقت کے ساتھ جڑے رہنے کا نام ہے۔ ''میں'' کی دیواریں گر چکی ہوتی ہیں، مگر زندگی جاری رہتی ہے- ایک ایسے انداز میں جو پہلے سے کہیں زیادہ پُرسکون اور بامعنی ہوتا ہے۔

اس وادی میں سالک کا دیکھنا بدل جاتا ہے۔ وہ دنیا سے کٹا ہوا نہیں ہوتا، بلکہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے بھی کسی اور مرکز سے جڑا رہتا ہے۔ ہر عمل، ہر سانس، ہر لمحہ ایک ہی شعور کے ساتھ جڑا محسوس ہوتا ہے۔ اب عبادت صرف مخصوص وقت تک محدود نہیں رہتی، بلکہ زندگی خود عبادت کے رنگ میں ڈھل جاتی ہے۔ چلنا بھی ذکر بن جاتا ہے، اور خاموشی بھی گواہی دینے لگتی ہے۔

وادیٔ بقا میں انسان اپنی ذات کے لیے نہیں جیتا، بلکہ ایک بڑے مقصد کے ساتھ جڑ کر جیتا ہے۔ اس کا وجود مٹتا نہیں، مگر دعویٰ ختم ہو جاتا ہے۔ وہ موجود رہتا ہے، مگر مرکز بدل چکا ہوتا ہے۔ اب ہر چیز میں ایک ہی حقیقت کا احساس غالب ہوتا ہے، اور ہر تعلق اسی ایک نسبت سے جڑ جاتا ہے۔

یہی وادیٔ بقا کی حقیقت ہے: فنا کے بعد ایک ایسا شعور باقی رہنا جو خود کو نہیں دیکھتا، بلکہ ہر شے میں اسی ایک حقیقت کو دیکھتا ہے۔ اور یہی بقا کا راز ہے- کہ بندہ مٹ کر بھی باقی رہتا ہے، مگر اپنی ذات میں نہیں، اُس کی نسبت سے جس کے ساتھ وہ ہمیشہ سے جڑا ہوا تھا۔

## تجلیاتِ ہُو- لاشے میں نورِ وجود

اب ''ھو'' کا شعور گہرا ہو جاتا ہے۔ سالک کو ہر شے میں ایک ایسا نور محسوس ہوتا ہے جو نہ کسی شکل میں قید ہے اور نہ کسی سمت میں محدود۔ یہ نور ہر شے میں ہے مگر کسی

شے کا محتاج نہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں الفاظ ختم اور احساس شروع ہو جاتا ہے۔

تجلیاتِ "ہُو" وہ لطیف انکشاف ہیں جہاں وجود اپنی آخری سادگی میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں "لاشے" کا مطلب عدم نہیں رہتا، بلکہ وہ پردہ بن جاتا ہے جس کے پیچھے نورِ وجود خاموشی سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ ہر شے اپنی شکل کھو کر ایک اشارہ بن جاتی ہے، اور ہر اشارہ اسی ایک حقیقت کی طرف لوٹتا محسوس ہوتا ہے۔

اس مقام پر دیکھنے اور دکھائی دینے کا فرق مدھم پڑ جاتا ہے۔ نہ چیز اپنی مستقل حیثیت میں رہتی ہے، نہ دیکھنے والا اپنی الگ ہستی پر قائم رہتا ہے۔ سب کچھ ایک ہی نور کے مختلف انعکاس کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ نور نہ محدود ہے، نہ متعین—مگر ہر حد اور ہر تعین اسی سے قائم ہے۔ اسی لیے ہر بظاہر "لاشے" میں بھی ایک پوشیدہ "ہونا" جھلکنے لگتا ہے۔

پھر آہستہ آہستہ یہ احساس گہرا ہوتا ہے کہ عدم اور وجود دو الگ حقیقتیں نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو زاویے ہیں۔ "ہُو" کا اشارہ ہر شے میں خاموشی سے موجود رہتا ہے—کبھی صورت میں، کبھی بے صورتی میں۔ یہاں سالک کسی چیز کو الگ سے نہیں دیکھتا، بلکہ ہر چیز کو ایک ہی نور کے مختلف رنگوں میں محسوس کرتا ہے۔

اور یہی تجلیاتِ ہُو کا کمال ہے: کہ لاشے میں بھی نورِ وجود کی جھلک باقی رہتی ہے، اور انسان کو یہ ادراک عطا ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے، وہ نظر آنے سے زیادہ "ہونا" ہے—اور وہ "ہونا" کسی ایک چیز کا نہیں، بلکہ ہر شے کے پیچھے ایک ہی حقیقت کا خاموش اظہار ہے۔

## استغراقِ کامل—خاموش معرفت

یہ آخری داخلی کیفیت ہے جہاں بندہ مکمل طور پر استغراق میں چلا جاتا ہے۔ یہاں نہ سوال رہتا ہے نہ جواب، نہ فکر رہتی ہے نہ بحث۔ صرف ایک شعور باقی رہتا

ہے کہ سب کچھ ایک ہی حقیقت کا ظہور ہے۔ یہ خاموش مگر گہری معرفت ہے۔

استغراقِ کامل وہ کیفیت ہے جہاں شعور اپنی تمام سمتیں چھوڑ کر ایک ہی مرکز میں ڈوب جاتا ہے۔ یہاں نہ سوچ باقی رہتی ہے، نہ سوچنے والا اپنی الگ حیثیت میں قائم رہتا ہے۔ سب کچھ ایک ایسی خاموشی میں تحلیل ہو جاتا ہے جو خالی نہیں ہوتی، بلکہ ایک بھرپور موجودگی کا احساس دیتی ہے- ایسی موجودگی جو کہتی نہیں، مگر سب کچھ سنا دیتی ہے۔

اس مقام پر معرفت زبان سے نہیں، خاموشی سے ظاہر ہوتی ہے۔ انسان بولنے کی ضرورت سے آزاد ہو جاتا ہے، کیونکہ ہر سوال اپنی حد سے آگے جا چکا ہوتا ہے۔ نہ کسی دلیل کی گنجائش رہتی ہے، نہ کسی وضاحت کی طلب۔ دل ایک ایسی وسعت میں اتر جاتا ہے جہاں الفاظ کمزور محسوس ہوتے ہیں، اور احساس اپنی آخری شکل اختیار کر لیتا ہے۔

استغراق میں ڈوبنے والا خود کو کھوتا نہیں، بلکہ اپنے بکھرے ہوئے حصوں سے آزاد ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے مگر شے کو نہیں، بلکہ شے کے پیچھے موجود ایک ہی حقیقت کے تسلسل کو۔ یہ دیکھنا آنکھ کا نہیں رہتا، بلکہ باطن کی بیداری بن جاتا ہے- جہاں ہر شے ایک ہی خاموش اشارے میں ڈھل جاتی ہے۔

اور پھر وہ لمحہ آتا ہے جہاں ڈوبنا بھی محسوس نہیں ہوتا۔ بس ایک گہرا سکون باقی رہ جاتا ہے- ایسا سکون جو نہ ابتدا رکھتا ہے نہ انتہا۔ یہی استغراقِ کامل ہے: جہاں معرفت بولتی نہیں، بلکہ خاموش ہو کر خود حقیقت بن جاتی ہے۔

## خلاصہ سفر- حقیقت کا ادراک

اس پورے سفر کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے محدود وجود سے نکل کر ایک لامحدود حقیقت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اس کی اصل حقیقت

مستقل نہیں بلکہ عطا شدہ ہے۔ اور اصل حقیقت وہ ہے جو ہر شے کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

آخر میں سالک کی زبانِ حال یہی ہوتی ہے:

''میں مٹ گیا ہوں، مگر وہ باقی ہے.....

میں کچھ نہیں ہوں، مگر وہ سب کچھ ہے.....''

یہ سفر الفاظ کا نہیں بلکہ دل کا ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس میں عقل خاموش ہو جاتی ہے اور روح بولنے لگتی ہے۔ عارف باللہ کا یہ سفر کسی مقام، کسی حد اور کسی وقت کا پابند نہیں، بلکہ یہ اندر کی ایک ایسی بیداری ہے جو انسان کو اپنے اصل مرکز کی طرف لوٹا دیتی ہے۔ یہاں ہر لفظ اشارہ ہے اور ہر اشارہ ایک حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

# اللہ کی شانِ ''ھُو'' تجلیِ اَحد

خاموشی کے اُس پار، جہاں لفظ اپنے معنی کھو دیتے ہیں اور سانس بھی سجدہ بن جاتی ہے، وہاں ایک ایسا نور ہے جو نہ آنکھوں میں سماتا ہے اور نہ عقل کے پیمانوں میں آتا ہے۔ وہ نور نہ دیکھا جاتا ہے نہ ناپا جاتا ہے، بلکہ صرف دل کی گہرائی میں محسوس ہوتا ہے۔ یہی ''ھُو'' کی پہلی جھلک ہے ایک ایسی حضوری جو ہر حد سے آزاد ہے، مگر ہر دل کے قریب تر۔ وہاں پہنچ کر انسان سمجھتا ہے کہ دیکھنا آنکھ کا کام نہیں، بلکہ دل کی بیداری کا نام ہے۔

وہ ابتدا سے پہلے تھا اور انتہا کے بعد بھی رہے گا۔ زمان اُس کے سامنے ٹھہرا ہوا ہے اور مکان اُس کی ہیبت میں جھکا ہوا۔ کائنات کے تمام پردے اسی کی تجلی کے آئینے ہیں، مگر وہ ان سب آئینوں سے ماورا ہے۔ جب بندہ اپنی ذات کو تلاش کرتا ہے تو اسے اپنے اندر صرف پردے ہی پردے نظر آتے ہیں انا، خواہش، خوف، اور غفلت کے پردے۔ مگر جب اسمِ ذات دل میں اترتا ہے تو یہ سب پردے آہستہ آہستہ روشنی میں تحلیل ہونے لگتے ہیں، اور ایک نئی حقیقت سامنے آتی ہے۔

ہر ذرّہ اُس کی تسبیح میں مصروف ہے، ہر ستارہ اُس کی حمد میں روشن ہے، ہر موج اُس کے حکم سے رواں ہے۔ اس مشاہدے کے درمیان بندہ اپنے آپ کو ایک قطرہ محسوس کرتا ہے کمزور، لرزتا ہوا، مگر اسی حقیقت کی طرف کھنچتا ہوا۔ اور جب وہ اس نور کے سمندر میں داخل ہوتا ہے تو اپنی پہچان کھو دیتا ہے، مگر اسی کھونے میں ایک نئی پہچان پا لیتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں "میں" کی دیوار ٹوٹ جاتی ہے اور "وہ" کی حقیقت غالب آ جاتی ہے۔

اے ذاتِ بیکراں! تیری کبریائی کے سامنے میرا وجود محض ایک سایہ ہے، اور

تیری رحمت کے سامنے میری خطائیں گرد کی مانند بکھر جاتی ہیں۔ جب رات کی خاموشی گہری ہوتی ہے اور دنیا کے شور مٹ جاتے ہیں، تب دل کی دھڑکن میں تیرا ذکر جاگ اٹھتا ہے۔ یہ ذکر زبان کا نہیں ہوتا بلکہ روح کی ایک سرگوشی ہوتا ہے، جو خاموشی میں بھی سنائی دیتی ہے اور تنہائی میں بھی ساتھ رہتی ہے۔

اس مقام پر دیکھنا بدل جاتا ہے نہ آنکھ سے، نہ خیال سے، بلکہ ایک باطنی شعور سے۔ دل گواہی دیتا ہے کہ تو ہی حقیقت ہے اور باقی سب عکس ہیں۔ تو ہی باقی ہے اور باقی سب فانی۔ یہ ادراک انسان کو ایک ایسی کیفیت میں لے آتا ہے جہاں وہ خود کو کھو دیتا ہے، اور صرف ایک ہی حقیقت باقی رہ جاتی ہے تیری حضوری، تیرا نور، تیرا وجود۔

فنا کے اُس لمحے میں ایک عجیب راز کھلتا ہے کھو جانا دراصل پانا ہے۔ جب بندہ اپنی خودی سے نکلتا ہے تو اسے بقا کی حقیقت نصیب ہوتی ہے۔ یہی وہ لمحہ ہے جہاں سکون بیان سے باہر ہو جاتا ہے اور قربت فاصلے کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے۔ یہاں نہ وقت باقی رہتا ہے نہ جگہ، صرف ایک دائمی حضوری رہ جاتی ہے۔

اے نورِ مطلق! میری ہر سانس کو عبادت بنا دے، میری ہر نظر کو معرفت، اور میرے ہر لمحے کو تیرے ذکر کا چراغ۔ مجھے اس مقام تک پہنچا دے جہاں میرا وجود تیری رضا میں ڈھل جائے، اور میری ہر حرکت تیرے قرب کا اظہار بن جائے۔ کہ آخر کار نہ میں رہوں گا نہ یہ دنیا بس تو رہے گا، تیری ذات، تیرا نور، تیری شانِ ازل و ابد۔

اور یہی سکون کی انتہا ہے، یہی عشق کی تکمیل، یہی معرفت کی معراج کہ بندہ اپنے رب میں فنا ہو کر اسی کے نور میں باقی رہ جائے۔

طالبِ مولیٰ حق تعالیٰ
الشیخ الحافظ محمد حبیب اللہ

# اللہ کی شانِ حیّت - حیات اور الحیّ

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''الحیّ'' اس کی ذاتِ اقدس کی بنیادی اور عظیم صفت ہے، جو اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کی حیات کسی آغاز کی محتاج نہیں اور نہ کسی انجام کی پابند۔ وہ نہ سوتا ہے، نہ تھکتا ہے، نہ اس پر فنا کا کوئی گزر ہے۔ اس کی زندگی کامل، ازلی اور ابدی ہے، جبکہ مخلوق کی زندگی عارضی، محدود اور اس کے عطا کردہ فیض کا ایک عکس ہے۔

''حیات'' کا مفہوم اللہ کے لیے وہ نہیں جو مخلوق کے لیے ہے۔ مخلوق کی زندگی جسم، وقت اور اسباب کی محتاج ہے، مگر اللہ کی حیات ہر قید سے آزاد ہے۔ وہ اپنی ذات سے زندہ ہے، نہ کسی سہارے کا محتاج، نہ کسی سبب کا تابع۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی حیات کو ''حیاتِ حقیقی'' کہا جاتا ہے، کیونکہ باقی تمام زندگیاں اسی کی دی ہوئی اور اسی پر قائم ہیں۔

''حیّت'' کے عرفانی پہلو میں ایک گہری حقیقت پوشیدہ ہے۔ یہ وہ شعور ہے جس میں بندہ محسوس کرتا ہے کہ ہر شے کی زندگی کا سرچشمہ اللہ ہے۔ جب دل اس ادراک کو قبول کرتا ہے تو اسے ہر حرکت، ہر سانس اور ہر وجود میں ایک زندہ حقیقت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ یہ احساس انسان کو اس بات کی طرف لے جاتا ہے کہ اصل حیات وہی ہے جو اللہ سے وابستہ ہو۔

اللہ ''الحیّ'' ہے، یعنی وہ زندہ ہے اور ہر زندگی کو زندہ رکھنے والا ہے۔ اسی سے دلوں کو حیات ملتی ہے، اسی سے روحوں کو سکون نصیب ہوتا ہے، اور اسی سے کائنات کا نظام قائم ہے۔ اگر اس کی توجہ ایک لمحے کے لیے بھی ہٹ جائے تو ہر شے فنا ہو جائے۔ اس لیے اس کی حیات نہ صرف اپنی ذات کے لیے ہے بلکہ تمام مخلوقات کے

وجود کا سہارا بھی ہے۔

عرفانی نظر سے جب سالک ''الحیّ'' کی صفت پر غور کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک نئی بیداری پیدا ہوتی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا دل تب ہی زندہ ہے جب وہ اللہ کے ذکر سے وابستہ ہو۔ ذکر کے بغیر دل مردہ اور غافل ہو جاتا ہے، اور ذکر کے ساتھ وہ زندہ، روشن اور بیدار ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بندہ حقیقی زندگی کا ذائقہ چکھتا ہے۔

اس شعور کے ساتھ انسان اپنی فانی زندگی کو ایک نئے انداز میں دیکھنے لگتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور اصل زندگی وہ ہے جو اللہ کے قرب میں حاصل ہوتی ہے۔ یہی ادراک انسان کو غفلت سے نکال کر بیداری، ذکر اور عبادت کی طرف لے جاتا ہے، اور اس کی زندگی کو ایک حقیقی مقصد عطا کرتا ہے۔

آخر کار، ''الحیّ'' کی معرفت انسان کو اس نتیجے تک پہنچاتی ہے کہ اصل زندگی صرف اللہ کی ہے اور باقی سب اس کے فیض کے سائے ہیں۔ جب بندہ اس حقیقت کو دل سے قبول کر لیتا ہے تو اس کی زندگی میں ایک نور، ایک سکون اور ایک یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ زندگی کا حقیقی راز اللہ کی حیات سے جڑنے میں ہے، اور یہی تعلق اس کی روح کو بقا اور اطمینان عطا کرتا ہے۔

## اسمِ مبارک: ''الحَیُّ''

اللہ تعالیٰ کے اسماء الحُسنیٰ میں سے ایک عظیم اسم ''الحیّ'' ہے۔

الحیّ وہ ہے جس کی حیات ''ازلی، ابدی، قائم بالذات، غیر محتاج اور غیر فانی'' ہو۔ اس کی حیات کسی سبب، آلہ، جسم یا روح کی محتاج نہیں، بلکہ وہی ہر حیات کا مُعطی اور مصدر ہے۔

اللہ کی ذاتِ ''الحیّ'' پر قرآنی آیات کی جامع تشریح و تفسیر

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ

(سورۃ البقرۃ:255)

ترجمہ: اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے، سب کو قائم رکھنے والا ہے۔

یہ آیتِ مبارکہ (آیت الکرسی) اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال کا جامع بیان ہے۔ ''اَلْحَیُّ'' کا مطلب ہے: وہ ہمیشہ زندہ ہے، جس کی حیات ازلی بھی ہے اور ابدی بھی، جس پر نہ کبھی موت آسکتی ہے اور نہ کمزوری۔ اس کی حیات کامل ہے، جو کسی سبب، غذا، یا وقت کی محتاج نہیں۔

''اَلْقَیُّوْمُ'' کا معنی ہے: وہ خود قائم ہے اور ہر شے کو قائم رکھنے والا ہے۔ یعنی پوری کائنات کا نظام اسی کے حکم سے چل رہا ہے۔ ہر مخلوق کا وجود، بقا اور نظام اسی کے سہارے ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی قیومیت کا فیض رک جائے تو کائنات کا وجود باقی نہ رہے۔

تفسیر کے اعتبار سے یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اللہ کی حیات صرف ذاتی نہیں بلکہ فعال بھی ہے وہ نہ صرف خود زندہ ہے بلکہ ہر زندگی کو قائم رکھنے والا ہے۔ اسی لیے عبادت، توکل اور رجوع کا اصل مستحق بھی صرف وہی ہے۔

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ

(سورۃ الفرقان:58)

ترجمہ: اور ہمیشہ زندہ رہنے والے پر بھروسہ رکھو جو نہیں مرتا، اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو۔

یہ آیت توکل (بھروسہ) کے بنیادی اصول کو بیان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ ہر حال میں اسی ''الحیّ'' پر بھروسہ کریں جو کبھی نہیں مرتا۔

اس میں ایک عظیم حکمت ہے: دنیا میں جس پر بھی انسان بھروسہ کرتا ہے چاہے

وہ انسان ہو، مال ہو یا طاقتوہ سب فانی ہیں۔ ان میں کمزوری ہے، زوال ہے، اور فنا ہے۔ مگر اللہ "الْحَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ" ہے، یعنی وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، اس کی قدرت کبھی ختم نہیں ہوتی۔

عرفانی تفسیر میں یہ آیت انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ دل کا سہارا صرف اسی ذات کو بنایا جائے جو ہمیشہ قائم ہے۔ جب بندہ اس شعور کے ساتھ توکل کرتا ہے تو اس کے دل سے خوف ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ ایک ایسی ذات پر بھروسہ کر رہا ہوتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۵﴾

(سورۃ غافر:65)

ترجمہ: وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس خالص اسی کو پکارو۔

یہ آیت ''الحیّ'' کی صفت کو عبادت اور دعا کے ساتھ جوڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چونکہ وہی حقیقی زندہ ہے اور باقی سب اس کے محتاج ہیں، اس لیے دعا اور عبادت بھی صرف اسی کے لیے خالص ہونی چاہیے۔

"مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ" کا مطلب ہے کہ بندہ اپنی عبادت، دعا، نیت اور رجوع کو ہر قسم کے شرک، ریا اور غیر اللہ کی وابستگی سے پاک کر دے۔ یہ خلوص ہی اصل عبادت کی روح ہے۔

تفسیر کے مطابق اس آیت میں ایک عظیم اصول بیان ہوا ہے:

جس کے پاس حقیقی حیات ہے، اسی کے پاس حقیقی قدرت ہے، اور اسی کے پاس حاجات پوری کرنے کی طاقت ہے۔ اس لیے دعا کا رخ صرف اسی کی طرف ہونا چاہیے۔

جامع خلاصۂ تفسیر: ان تینوں آیات کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ:
اللہ ہی ''الحیّ'' ہے، یعنی حقیقی، کامل اور ابدی زندگی اسی کی ہے۔
وہ ''القیوم'' ہے، یعنی ہر شے کو قائم رکھنے والا اور نظامِ کائنات کا حقیقی منتظم ہے۔
اسی لیے توکل، عبادت، دعا اور رجوع سب اسی کے ساتھ مخصوص ہونے چاہئیں۔

عرفانی اعتبار سے یہ آیات انسان کے دل میں یہ شعور پیدا کرتی ہیں کہ: ''اصل سہارا، اصل زندگی، اصل طاقت اور اصل حقیقت صرف اللہ ہے''۔ جب یہ یقین دل میں راسخ ہو جاتا ہے تو انسان کی زندگی بدل جاتی ہے۔
اس کا خوف سکون میں بدل جاتا ہے، اس کی بے چینی یقین میں بدل جاتی ہے، اور اس کا دل اللہ کی حیات کے نور سے زندہ ہو جاتا ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا كَرَبَهُ أَمْرٌ قَالَ: "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ"

(سنن الترمذی، حدیث 3524)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی معاملہ پیش آتا تو آپ فرماتے: ''اے زندہ، اے سب کو قائم رکھنے والے! میں تیری رحمت کے ذریعے فریاد کرتا ہوں''۔

عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَنَّ رَسُوْلَ

اللهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ بِغَيْرِ إِزَارٍ،فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ:إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَيِيٌّ سِتِّيرٌ، يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسِّتْرَ، فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ

(سنن ابوداؤد، حدیث:4012)

ترجمہ: حضرت یعلیٰ بن اُمیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو کھلے میدان میں بغیر پردے کے غسل کرتے دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ حیا والا ہے، پردہ فرمانے والا ہے، حیا اور پردہ کو پسند کرتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو پردہ اختیار کرے۔''

شرحِ حدیث:

یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم صفت "حَیِی" (حیا والا) اور "سِتِّیر" (پردہ پوش) کو بیان کرتی ہے۔ یہاں "حیا" کا مطلب وہ نہیں جو انسانوں میں کمزوری یا جھجک کے طور پر پایا جاتا ہے، بلکہ یہ اللہ کی شان کے مطابق ایک صفتِ کمال ہے، جس کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی پردہ پوشی فرماتا ہے، اس کی عزت کو ظاہر رکھتا ہے، اور اس کے عیوب کو چھپانا پسند کرتا ہے۔

"سِتِّیر" کا مطلب ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے گناہوں پر پردہ ڈالنے والا ہے۔ وہ فوراً رسوا نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے، توبہ کا موقع دیتا ہے، اور چاہتا ہے کہ بندہ خود اپنے عیبوں کو چھپائے اور اصلاح کرے۔ اسی لیے وہ بندوں کو بھی پردہ اختیار کرنے اور حیا اپنانے کی تعلیم دیتا ہے۔

اس حدیث کا ایک عملی پہلو بھی ہے کہ اسلام ظاہری پاکیزگی کے ساتھ ساتھ باطنی حیا کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ غسل جیسا عمل جو تنہائی میں ہونا چاہیے، اسے بھی باپردہ طریقے سے انجام دینے کا حکم دیا گیا، تاکہ انسان کی فطری حیا برقرار رہے۔

عرفانی زاویے سے دیکھا جائے تو یہ حدیث بندے کو یہ سبق دیتی ہے کہ جب اللہ خود بندے کے عیبوں پر پردہ ڈال رہا ہے تو بندے کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی اور دوسروں کی عزت کا خیال رکھے۔ حیا دراصل ایمان کا حصہ ہے، اور جو دل اللہ کی معرفت سے زندہ ہوتا ہے وہ خود بخود حیا، عاجزی اور پاکیزگی اختیار کر لیتا ہے۔

خلاصہ:

* اللہ تعالیٰ "حَیِیّ" اور "سِتِّیر" ہے۔
* وہ بندوں کی پردہ پوشی کرتا ہے اور حیا کو پسند کرتا ہے۔
* اسلام ظاہری اور باطنی دونوں حیا کی تعلیم دیتا ہے۔
* بندے کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی عزت اور دوسروں کی عزت کا خیال رکھے۔

یہ حدیث ہمیں ایک نہایت خوبصورت اخلاقی اور روحانی سبق دیتی ہے:

''جس رب نے تمہارے عیب چھپائے ہیں، تم بھی حیا اور پردہ کو اپنا شعار بنا لو۔''

* حیات اللہ کی ''صفتِ ذاتیہ'' ہے۔
* یہ نہ جسم ہے، نہ روح، نہ حرکت، نہ نمو۔
* اللہ کی حیات ''زمان و مکان سے ماورا'' ہے۔
* تمام مخلوقات کی حیات اسی کی عطا کردہ ہے۔

طویل روحانی وجدانی و عرفانی سفر

''الحیّ کی طرف ایک باطنی ہجرت''

یہ سفر عقل سے شروع ہوتا ہے..... مگر دل پر ختم نہیں ہوتا..... بلکہ روح کے افق

میں پھیل جاتا ہے۔ابتداء میں سالک علم سے پہچانتا ہے کہ ''اللہ زندہ ہے''۔

پھر وہ دیکھتا ہے کہ ہر حرکت میں حیات ہے۔

پھر وہ جانتا ہے کہ ہر حیات کی پشت پر ''الحیّ'' ہے۔

وہ ایک دن درخت کو دیکھتا ہے پتے ہل رہے ہیں۔ہوا چل رہی ہے۔

خون رگوں میں دوڑ رہا ہے۔دل دھڑک رہا ہے۔اچانک اسے محسوس ہوتا ہے:

''یہ سب زندہ ہیں.....مگر ان کی زندگی مستعار ہے''۔

پھر اس پر راز کھلتا ہے: میری سانس بھی امانت ہے۔

میرا شعور بھی عطیہ ہے۔

میرا وجود بھی ایک عارضی سایہ ہے۔

جب وہ ذکر کرتا ہے:

''یاحیّ یاقیّوم''

تو اس کا دل دھڑکن سے آگے بڑھ جاتا ہے۔

ایک نورانی سکوت طاری ہوتا ہے۔

گویا کائنات رک گئی ہو اور صرف "الحیّ" باقی رہ گیا ہو۔

سالک پر یہ کیفیت وارد ہوتی ہے کہ: اگر سب مر بھی جائیں تو وہ باقی ہے۔

اگر سب فنا ہو جائیں تو وہ قائم ہے۔

یہ ادراک انسان کو خوف سے نکال کر اطمینان میں لے آتا ہے۔

پھر روح کے اندر ایک گہری بیداری پیدا ہوتی ہے یہی ''حیاتِ قلب'' ہے۔

پھر وہ دیکھتا ہے کہ مردہ دل بھی زندہ ہو سکتا ہے۔جب اس پر "الحیّ" کی تجلی پڑتی ہے۔

پھر سالک کو معلوم ہوتا ہے: اصل موت جسم کی نہیں دل کی ہے۔

اور اصل حیات اللہ کے قرب میں ہے۔

پھر وہ فنا کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ جس سے اس کا تعلق ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔

## ''یاحیّ''

یاحیّ.....میری سانسوں کے پسِ پردہ تیرا نور ہے۔
یاحیّ.....میرے دل کی ہر دھڑکن میں تیرا ظہور ہے۔
جب سب سائے ڈھل جائیں گے۔
جب وقت کی نبض رُک جائے گی۔
جب ستارے بجھ جائیں گے تب بھی تو رہے گا۔
تو ازل کا بھی زندہ تو ابد کا بھی زندہ۔
میں فانی، تو باقی، میں سایہ، تو حقیقی۔
مجھے اپنی حیات میں شامل کر، میرے مردہ دل کو زندہ کر۔
یاحیّ..... مجھے ایسا زندہ کر کہ میری زندگی تیری رضا کی گواہی بن جائے۔
یاقیّوم..... مجھے اپنے سہارے میں لے لے کہ میں فنا سے نکل کر بقائے باللہ کی راہ پالوں۔

## پہلا مقام: ''شریعت علمِ الحیّ''

پہلا مقام: وہ دروازہ ہے جہاں روح کا سفر باقاعدہ سمت اختیار کرتا ہے۔ یہاں ''شریعت'' صرف ظاہری احکام کا نام نہیں رہتی، بلکہ ایک زندہ شعور بن جاتی ہے جو انسان کو ''الحیّ'' یعنی ہمیشہ زندہ، قائم اور حاضر حقیقت سے جوڑتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنی زندگی کو بے ترتیب نہیں رہنے دیتا، بلکہ اسے ایک بامقصد نظم عطا کرتا ہے۔

اس مقام پر علم محض معلومات نہیں رہتا، بلکہ ایک ذمہ داری بن جاتا ہے۔ انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہر عمل کے پیچھے ایک نگاہ ہے، اور ہر نیت ایک زندہ حقیقت کے سامنے ہے۔ یہی شعور دل میں تقویٰ کو جنم دیتا ہے- ایسا تقویٰ جو خوف سے نہیں، بلکہ حضورِ الٰہی کے ادراک سے پیدا ہوتا ہے۔ ''الحیّ'' کا احساس انسان کو یہ باور کراتا ہے کہ وہ کسی مردہ نظام میں نہیں، بلکہ ایک زندہ تعلق میں سانس لے رہا ہے۔

شریعت اس مقام پر ایک دیوار نہیں رہتی، بلکہ ایک رہنمائی بن جاتی ہے۔ یہ انسان کو منتشر ہونے سے بچا کر ایک مرکز پر قائم رکھتی ہے۔ عبادت صرف رسم نہیں رہتی، بلکہ ایک مسلسل بیداری بن جاتی ہے۔ ہر حکم ایک دروازہ محسوس ہوتا ہے جو انسان کو اُس زندہ حقیقت کے قریب لے جاتا ہے جو ہر لمحہ قائم ہے اور ہر شے پر محیط ہے۔

اور یوں پہلا مقام یہ سکھاتا ہے کہ سفر کا آغاز بیداری سے ہوتا ہے- ایسی بیداری جو انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ جسے وہ تلاش کر رہا ہے، وہ پہلے ہی ''زندہ'' ہے، موجود ہے، اور ہر لمحہ ساتھ ہے۔

شریعت وہ دروازہ ہے جہاں سالک سب سے پہلے ''الحیّ'' کو ''ایمان اور نصوص'' کے ذریعے پہچانتا ہے۔

یہاں سالک جان لیتا ہے کہ:

- اللہ کی حیات ''ذاتی، ازلی، ابدی'' ہے
- وہ موت، زوال اور فنا سے منزہ ہے۔
- ہر مخلوق کی زندگی عارضی اور عطائی ہے۔

شریعت میں ''الحیّ'' کا ادراک عقیدہ، نماز، ذکر، دعا اور توکل سے مضبوط ہوتا ہے۔

یہاں ایمان دلیل سے قائم ہوتا ہے۔

دل ابھی وجد میں نہیں، مگر یقین میں ہے۔

## دوسرا مقام: ''طریقت ذکرِ الحیّ''

جب سالک ظاہر سے باطن کی طرف سفر کرتا ہے تو طریقت شروع ہوتی ہے۔
یہاں ''الحیّ'' ایک عقیدہ نہیں رہتا، بلکہ ''ذکر'' بن جاتا ہے۔
باطنی مشق: آنکھیں بند، سانس ہموار، دل پر ضرب: ''یاحیّ..... یاقیّوم.....''
رفتہ رفتہ ذکر زبان سے دل میں اترتا ہے۔ پھر دل سے روح میں۔ پھر روح سے سرّ میں۔

سالک کو محسوس ہوتا ہے:

* ہر سانس عطا ہے۔
* ہر لمحہ تجلی ہے۔
* ہر دھڑکن میں حیات کی جھلک ہے۔

یہاں سالک کو پہلی بار ''حیاتِ قلب'' نصیب ہوتی ہے۔
گناہوں کی غفلت کم ہوتی ہے۔ دل نرم ہوتا ہے۔
وہ سمجھتا ہے کہ اصل موت غفلت ہے، اور اصل زندگی ذکر ہے۔

دوسرا مقام: ''طریقت ذکرِ الحیّ'' وہ مرحلہ ہے جہاں علم عمل میں اور عمل حال میں ڈھلنے لگتا ہے۔ یہاں راستہ محض سیکھنے کا نہیں رہتا، بلکہ جینے کا بن جاتا ہے۔ ''طریقت'' انسان کو اس اندرونی سفر پر لے جاتی ہے جہاں ظاہری نظم کے ساتھ ساتھ باطن بھی جاگنے لگتا ہے، اور دل ایک مسلسل یاد کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

اس مقام پر ''الحیّ'' کا ذکر صرف زبان کی تکرار نہیں رہتا، بلکہ ایک زندہ شعور بن جاتا ہے جو ہر سانس کے ساتھ جڑنے لگتا ہے۔ انسان آہستہ آہستہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اکیلا نہیں، بلکہ ہر لمحہ ایک موجود حقیقت کے سائے میں سانس لے رہا ہے۔ یہ احساس

خوف پیدا نہیں کرتا، بلکہ ایک عجیب سا سکون اور قربت عطا کرتا ہے۔ جیسے دل کسی دیرینہ یاد میں جاگ رہا ہو۔

طریقت میں ذکر انسان کے اندرونی انتشار کو سمیٹنے لگتا ہے۔ خیالات کی بے ترتیبی کم ہونے لگتی ہے، اور دل ایک سمت اختیار کر لیتا ہے۔ ہر لمحہ ایک لطیف یاد بن جاتا ہے، اور ہر یاد ایک نرمی میں بدل جاتی ہے۔ یہاں چلنا بھی ذکر بن جاتا ہے، رکنا بھی ذکر، اور خاموشی بھی ایک مسلسل حاضری کا احساس دیتی ہے۔

اور یہی دوسرا مقام سکھاتا ہے کہ راستہ باہر سے کم اور اندر سے زیادہ طے ہوتا ہے۔ ''ذکرِ الحیّ'' انسان کو یہ یاد دلاتا ہے کہ جس کی طرف وہ جا رہا ہے، وہ دور نہیں، بلکہ ہر لمحہ موجود ہے۔ اور اصل سفر اُس کی طرف نہیں، بلکہ اُس کے ساتھ جینے کا نام ہے۔

## تیسرا مقام: ''حقیقت تجلیِ الحیّ''

یہاں پردے اٹھنے لگتے ہیں۔ سالک دیکھتا ہے کہ:

* درخت کی سبزی
* پانی کی روانی
* پرندے کی پرواز
* دل کی دھڑکن

سب "الحیّ" کی تجلیات ہیں۔

اب وہ سمجھتا ہے: حیات مخلوق میں نہیں مخلوق میں حیات کی جھلک ہے

حقیقت کے مقام پر سالک فنا کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ: میرا جسم مرے گا مگر میرا رب زندہ ہے میرا وقت ختم ہوگا مگر اس کی حیات لا انتہا ہے۔ یہاں دل میں عجیب اطمینان اترتا ہے گویا اندر ایک خاموش روشنی جل گئی ہو۔

تیسرا مقام: حقیقت تجلیِ الحیّ'' وہ منزل ہے جہاں سفر الفاظ سے نکل کر مشاہدے کی وسعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں علم اور ذکر دونوں اپنی حد پار کر کے ایک ایسی کیفیت میں ڈھل جاتے ہیں جہاں سمجھنے سے زیادہ دیکھنے اور محسوس کرنے کا عمل غالب آ جاتا ہے۔ "الحیّ" اب صرف یاد نہیں رہتا، بلکہ ہر شے میں ایک خاموش جلوہ بن کر ظاہر ہونے لگتا ہے۔

اس مقام پر کثرت کی دھند ہلکی ہونے لگتی ہے۔ ہر صورت کے پیچھے ایک ہی حقیقت کا نور جھلکنے لگتا ہے، اور ہر لمحہ ایک نئی تجلی کی صورت اختیار کرتا ہے۔ انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ جو کچھ وہ باہر دیکھ رہا ہے، وہ دراصل ایک ہی زندہ حقیقت کے مختلف پردے ہیں۔ یہاں دیکھنا الگ اور دیکھا جانا الگ نہیں رہتا، بلکہ دونوں ایک ہی ادراک میں سمٹ جاتے ہیں۔

تجلی کا یہ تجربہ شور پیدا نہیں کرتا، بلکہ ایک گہری خاموشی عطا کرتا ہے۔ یہ خاموشی خالی نہیں ہوتی، بلکہ ایک بھرپور حضور کا احساس دیتی ہے۔ دل میں نہ حیرت ختم ہوتی ہے، نہ سکون کم ہوتا ہے- بلکہ دونوں ایک ساتھ قائم رہتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان بولنے کی ضرورت سے آگے نکل جاتا ہے، کیونکہ ہر شے خود بول رہی ہوتی ہے، مگر بغیر آواز کے۔

اور یوں ''حقیقتِ تجلیِ الحیّ'' یہ سکھاتی ہے کہ جسے انسان تلاش کر رہا تھا، وہ کسی ایک پردے کے پیچھے نہیں تھا- بلکہ ہر پردہ اسی کا اظہار تھا۔ یہاں پہنچ کر مشاہدہ ختم نہیں ہوتا، بلکہ مشاہدہ خود شعور بن جاتا ہے- ایک ایسی خاموش بیداری جو ہر شے میں "الحیّ" کی موجودگی کو محسوس کرتی ہے۔

## چوتھا مقام: ''معرفت بقاء بالحیّ''

یہ مقام الفاظ سے ماورا ہے۔ یہاں سالک جانتا نہیں..... بلکہ ''پاتا'' ہے۔

وہ دیکھتا ہے: میں کچھ نہیں میری حیات بھی اس کی امانت ہے پھر ایک باطنی کیفیت پیدا ہوتی ہے:

''میں زندہ نہیں..... مجھے زندہ رکھا گیا ہے''۔

یہی مقام بقاء ہے۔ یہی قرب ہے۔ یہی وجد ہے۔

یہاں سالک کو یہ راز ملتا ہے: اصل زندگی اللہ کے لیے جینا ہے

پھر اس کی نماز زندہ ہو جاتی ہے اس کا ذکر زندہ ہو جاتا ہے اس کی آنکھوں میں نور آجاتا ہے۔

وہ چلتا ہے مگر دل میں شعور رہتا ہے: "میں الحیّ کے سامنے ہوں"

چوتھا مقام: ''معرفت بقاء بالحیّ'' وہ مرحلہ ہے جہاں ادراک اپنی انتہا پر پہنچ کر خاموشی میں ڈھل جاتا ہے۔ یہاں معرفت صرف جاننے کا نام نہیں رہتی، بلکہ ایک مسلسل جینے کی کیفیت بن جاتی ہے۔ انسان اب حقیقت کو دیکھتا نہیں، بلکہ اس کے ساتھ قائم رہتا ہے- ایک ایسی وابستگی میں جو نہ ٹوٹتی ہے، نہ کمزور پڑتی ہے۔

اس مقام پر ''بقاء'' کا مطلب اپنی ذات کو برقرار رکھنا نہیں، بلکہ اپنی ذات سے آزاد ہو کر اُس زندہ حقیقت کے ساتھ قائم رہنا ہے جو ہر شے کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ ''الحیّ'' اب باہر کی کوئی سمت نہیں رہتا، بلکہ اندر اور باہر دونوں کا محیط شعور بن جاتا ہے۔ ہر لمحہ ایک مسلسل نسبت میں بدل جاتا ہے- جہاں وجود اپنی الگ دعویداری کھو دیتا ہے۔

یہاں زندگی معمول نہیں رہتی، بلکہ ایک شعوری حضوری بن جاتی ہے۔ عمل باقی رہتا ہے، مگر انا نہیں رہتی۔ چلنا جاری رہتا ہے، مگر مرکز بدل چکا ہوتا ہے۔ انسان خود کو نہیں دیکھتا، بلکہ ہر شے میں ایک ہی زندہ حقیقت کے تسلسل کو محسوس کرتا ہے۔ یہ کیفیت نہ شور پیدا کرتی ہے، نہ دعویٰ- بس ایک گہرا استقرار عطا کرتی ہے۔

اور یہی چوتھا مقام سکھاتا ہے کہ فنا کے بعد اصل سفر ختم نہیں ہوتا، بلکہ ایک نئے

انداز میں جاری رہتا ہے۔ ''بقاء بالحق'' دراصل اس شعور کا نام ہے جہاں انسان خود نہیں رہتا، مگر زندگی جاری رہتی ہے- ایک ایسی زندگی جس کا مرکز وہ خود نہیں، بلکہ وہ حقیقت ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے، اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔

## زندگی کا راز

زندگی کا راز کسی ایک جملے یا کسی ایک نظریے میں بند نہیں ہوتا، کیونکہ زندگی خود ایک کھلتا ہوا راز ہے۔ انسان جتنا اسے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، اتنا ہی یہ نئے سوالات کے دروازے کھول دیتی ہے۔ بظاہر یہ خوشی اور غم، کامیابی اور ناکامی کا سلسلہ ہے، مگر اس کے پیچھے ایک خاموش تسلسل چل رہا ہوتا ہے جو ہر تجربے کو معنی دیتا ہے۔

یہ راز اس وقت قریب آتا ہے جب انسان اپنی خواہشات کے شور سے کچھ دیر کے لیے الگ ہو کر اپنے اندر جھانکتا ہے۔ وہاں اسے محسوس ہوتا ہے کہ زندگی صرف باہر کی دوڑ نہیں، بلکہ اندر کی بیداری بھی ہے۔ ہر سانس ایک امانت ہے، ہر لمحہ ایک موقع ہے، اور ہر تجربہ ایک اشارہ ہے- کسی بڑی حقیقت کی طرف جو مسلسل انسان کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے۔

زندگی کا راز یہ بھی ہے کہ جو کچھ ہم ''پانا'' سمجھتے ہیں، وہ اکثر ''سمجھنے'' میں بدل جاتا ہے۔ اور جو چیز چھن جاتی ہے، وہ کبھی کبھی شعور کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ یوں زندگی انسان کو سکھاتی ہے کہ اصل دولت چیزیں نہیں، بلکہ ادراک ہے- وہ ادراک جو اسے خود سے آگے کسی وسیع تر حقیقت سے جوڑ دیتا ہے۔

آخرکار انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ زندگی کوئی حل ہونے والا معمہ نہیں، بلکہ جیا جانے والا تجربہ ہے۔ اور اس تجربے کی گہرائی اسی وقت کھلتی ہے جب انسان اسے قابو کرنے کے بجائے سمجھنے اور محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہی زندگی کا راز ہے- کہ یہ جتنی باہر ہے، اتنی ہی اندر بھی ہے، اور جو اسے اندر سے سمجھ لیتا ہے، وہ اسے مکمل طور پر جینے لگتا

ہے۔

میں نے زندگی کو ڈھونڈا خون کی گردش میں سانس کی روانی میں وقت کی کہانی میں پھر ایک صدا آئی ''زندگی مجھ سے ہے''

میں نے آنکھ بند کی تو دل نے کہا" وہی الحیّ ہے"

جب سب چلے جائیں گے وہ باقی رہے گا جب سب چراغ بجھ جائیں گے وہ روشنی رہے گا اے ازل کے زندہ اے ابد کے قائم مجھے اپنی حیات کا حصہ بنا لے میرے دل کو اپنی یاد سے زندہ کر دے کہ میں فنا کی نیند سے جاگ جاؤں اور تیری بقا میں پناہ پالوں ''یاحیّ ..... یاقیّوم.....''

# اللہ کی شانِ حیات

(ازلی زندگی، ابدی بقا اور ہر حیات کا سرچشمہ)

اللہ تعالیٰ کی شانِ حیات یہ ہے کہ وہ ''حیِ مطلق'' ہے۔ ''الحیّ'' اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ کی حیات ذاتی، کامل اور غیر محدود ہے، جب کہ مخلوق کی زندگی عطائی، عارضی اور محدود ہے۔

اللہ کی حیات کسی جسم، روح، خون یا سانس کی محتاج نہیں؛ وہ نہ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے، نہ نیند اسے آتی ہے اور نہ غفلت۔ وہ ایسا زندہ ہے جس کی زندگی میں علم بھی کامل ہے، قدرت بھی کامل ہے اور ارادہ بھی کامل ہے۔ اس کی حیات ہی اس کے علم و قدرت کی بنیاد ہے؛ کیونکہ مردہ نہ جان سکتا ہے نہ چاہ سکتا ہے، اور نہ کچھ کر سکتا ہے، جبکہ وہ زندۂ جاوید ہے، اس لیے جاننے والا بھی ہے، چاہنے والا بھی اور کرنے والا بھی۔

کائنات کی ہر زندگی اسی کی عطا سے ہے۔ زمین کی سبزی، پانی کی روانی، پرندوں کی پرواز، انسان کی دھڑکن، یہ سب اس حیِ حقیقی کے فیض کا عکس ہیں۔ اگر وہ اپنی عطا روک لے تو ہر زندہ شے خاموش ہو جائے۔ اس طرح ساری مخلوق کی زندگی ایک پرتو ہے، جب کہ اصل نور اسی کی حیات ہے۔

روحانی اور وجدانی اعتبار سے شانِ حیات کا ادراک انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اصل زندگی جسم کی نہیں بلکہ دل کی ہے۔ دل جب اللہ کی یاد سے غافل ہو تو وہ زندہ ہو کر بھی مردہ ہے، اور جب اس پر ذکر کا نور پڑے تو وہ مردہ ہو کر بھی زندہ ہو جاتا ہے۔ بندہ جب یہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب ہمیشہ زندہ ہے، تو اس کے اندر خوف کم ہو جاتا ہے؛ وہ تنہائی میں بھی خود کو تنہا نہیں سمجھتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ میرا رب حیّ ہے، سننے

والا ہے، دیکھنے والا ہے، جاننے والا ہے۔

شانِ حیات کا عرفانی ذوق یہ ہے کہ انسان اپنی فانی زندگی کو اس ابدی زندگی کے ساتھ جوڑ دے۔ وہ یوں سمجھے کہ میری سانسیں امانت ہیں، میرا وقت عطا ہے، اور میری بقا اسی کے حکم سے ہے۔ پھر اس کی دعا بن جاتی ہے: اے حیّ ازلی! میرے دل کو اپنی یاد سے زندہ رکھ، میرے ایمان کو اپنی معرفت سے تازہ رکھ، اور مجھے ایسی زندگی عطا فرما جو تیری رضا کے لیے ہو تا کہ میں فانی ہو کر بھی تیری قربت میں حقیقی زندگی پا سکوں۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ حیات کو مزید غور سے سمجھنے کے لیے دیکھیں کہ اس کی حیات نہ صرف ''ازلی و ابدی'' ہے بلکہ ہر شے کی حیات کا ''اصل و سبب'' بھی ہے۔ انسان، جانور، پرندہ، درخت، زمین، آسمان، سب اپنی موجودگی میں اللہ کی حیات کے مظاہر ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ

(الفرقان 58:25)

یعنی اس زندہ پر بھروسہ کرو جو کبھی نہیں مرتا۔

یہ تعلیم سالک کو یہ شعور دلاتی ہے کہ ہر ناپائیدار وجود کی بقا اور ہر لمحے کی زندگی اسی ازلی حیّ سے مشروط ہے۔

روحانی اور وجدانی نظر سے، اللہ کی حیات کا ادراک انسان کے دل و روح کو یکجا کرتا ہے۔ سالک محسوس کرتا ہے کہ حقیقت میں اس کی اپنی کوئی حیات نہیں، بلکہ وہ ''حیات کا آئینہ'' ہے، اور اس کا اصل وجود اسی زندہ کے سائے میں قائم ہے۔ یہ شعور اسے فنا کے خوف سے آزاد کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جس کی حیات ابدی ہے، وہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔

عرفانی انداز میں، اللہ کی حیات کی مشاہدہ گری بندے کے دل میں سکون اور

اطمینان پیدا کرتی ہے۔ ہر سانس میں، ہر لمحے میں، ہر دھڑکن میں ایک چھپی ہوئی حقیقت نمودار ہوتی ہے: سب کچھ حرکت میں ہے، سب کچھ جی رہا ہے، مگر اصل حیات ''اللہ کی حیات ہے''۔ اس کی معرفت اور ذکر میں وہ مردہ دل بندہ بھی زندہ محسوس کرتا ہے، غمگین دل بھی سکون پاتا ہے، اور تنہا وجود بھی اپنے رب کی روشنی میں مکمل لگتا ہے۔

اسی شعور سے بندہ کہتا ہے:

''اے حیّ ازلی! مجھے اپنی حیات میں شامل فرما، میرے دل کو اپنی یاد سے زندہ رکھ، اور میری روح کو اپنے نور کے سائے میں قائم رکھ''۔

یہی ادراک انسان کو کائنات کی ہر حرکت میں اللہ کی تجلی دیکھنے والا بناتا ہے، اور ہر حال میں اسے اللہ کے قرب کا حامل بناتا ہے۔

# اللہ کا اسمِ مبارک - "اَلْقَیُّوْمُ"

اللہ تعالیٰ کا مبارک نام "اَلْقَیُّوْمُ" اس کی عظمتِ ربوبیت اور کمالِ قدرت کا ایک نہایت جامع اظہار ہے۔ "اَلْقَیُّوْمُ" کا معنی ہے: وہ ذات جو خود قائم ہے اور ہر شے کو قائم رکھنے والی ہے۔ یعنی وہ نہ کسی کا محتاج ہے، نہ کسی سہارے پر قائم ہے، بلکہ پوری کائنات اس کے حکم، اس کی تدبیر اور اس کے فیض سے قائم ہے۔ یہ صفت اللہ کی کامل خود کفالت اور کامل حاکمیت کو ظاہر کرتی ہے۔

"اَلْقَیُّوْمُ" کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں قائم ہے، اس کی حیات، اس کا وجود، اس کی قدرت کسی سبب یا وسیلے کی محتاج نہیں۔ جبکہ مخلوق کی ہر چیز زندگی، حرکت، بقا کسی نہ کسی سبب پر منحصر ہے۔ اس فرق سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کی قیومیت مطلق اور کامل ہے، جبکہ مخلوق کی ہر صفت عارضی اور محدود ہے۔

یہ اسم اس حقیقت کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے کہ کائنات کا ہر نظام اللہ کی نگرانی میں ہے۔ زمین و آسمان، سورج و چاند، ستارے اور سیارے، انسان اور دیگر مخلوقات سب اسی کے قائم رکھنے سے قائم ہیں۔ اگر ایک لمحے کے لیے بھی اس کی قیومیت کا فیض رک جائے تو نہ نظام باقی رہے اور نہ وجود۔ اس لیے ہر شے کی بقا اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

روحانی اعتبار سے "اَلْقَیُّوْمُ" کا ادراک انسان کے دل میں ایک گہرا یقین پیدا کرتا ہے۔ بندہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ سے قائم نہیں بلکہ ہر لمحہ اللہ کے سہارے پر قائم ہے۔ یہ شعور انسان کو عاجزی، توکل اور اعتماد کی طرف لے جاتا ہے، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ اصل سہارا صرف اللہ ہے۔

یہ اسم بندے کو اپنی کمزوری کا احساس بھی دلاتا ہے۔ انسان اپنی طاقت، علم اور

وسائل پر بھروسہ کرتا ہے، مگر "الْقَيُّوْمُ" کی معرفت اسے بتاتی ہے کہ یہ سب عارضی ہیں۔ اصل طاقت اور اصل بقا صرف اللہ کے پاس ہے۔ جب یہ یقین دل میں اترتا ہے تو انسان دنیاوی سہاروں سے دل ہٹا کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

عبادت کے پہلو سے "الْقَيُّوْمُ" بندے کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرے۔ دعا، ذکر، اور توکل میں یہ یقین شامل ہو کہ اللہ ہی سب کچھ سنبھالنے والا ہے۔ یہی یقین عبادت کو خلوص دیتا ہے اور بندے کو اللہ کے قریب کرتا ہے۔ آخرکار، "الْقَيُّوْمُ" کی معرفت انسان کو اس مقام تک پہنچاتی ہے جہاں وہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کی ہر سانس، ہر لمحہ، اور ہر حالت اللہ کی قیومیت کے فیض سے قائم ہے۔ جب یہ شعور دل میں پختہ ہو جاتا ہے تو زندگی میں سکون، یقین اور نور پیدا ہوتا ہے، اور بندہ ہر حال میں اپنے رب پر بھروسہ کر کے ایک مطمئن زندگی گزارنے لگتا ہے۔

## عالمانہ و قرآنی تحقیق

معنیٰ و مفہوم "الْقَيُّوْمُ" "قام" سے ہے، جس کا معنی ہے قائم ہونا، قائم رکھنا، تدبیر کرنا۔

القیّوم وہ ہے:

* جو "خود قائم بالذات" ہو * جو "کسی کا محتاج نہ ہو" * جو ہر شے کو قائم رکھے
* جس کے بغیر کوئی شے ایک لمحہ بھی باقی نہ رہ سکے القیّوم میں دو پہلو جمع ہیں:

1. "استغناء کامل" (خود کسی کا محتاج نہیں)
2. "قیامِ کُلّی" (سب کو قائم رکھنے والا)

## قرآنی آیات

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ ۚ

(البقرۃ:255)

ترجمہ: اللہ- اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، تمام جہانوں کا پالنے والا۔

یہاں "اَلْحَیُّ" اور "الْقَیُّوْمُ" کا اجتماع اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زندگی بھی اسی کی ہے اور قیامِ کائنات بھی اسی سے ہے۔

اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝۲

(آل عمران:2)

ترجمہ: اللہ- اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، تمام جہانوں کا پالنے والا۔

وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ؕ

(طٰہٰ:111)

ترجمہ: سب چہرے اس زندہ اور قائم رکھنے والے کے سامنے جھک جائیں گے۔

## لغوی و معنوی وضاحت

لفظ "وَعَنَتِ" عربی میں انتہائی عاجزی، بے بسی اور کامل انقیاد کے معنی میں آتا ہے۔ یعنی ایسا جھکنا جس میں اختیار باقی نہ رہے۔

"الْوُجُوْهُ" سے مراد صرف ظاہری چہرے نہیں بلکہ پوری شخصیت، وجود اور انسان کی حقیقت ہے۔

اور "لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ" سے مراد وہ ذات ہے جو ہمیشہ زندہ ہے (الحیّ) اور ہر شے کو قائم رکھنے والی ہے (القیّوم)۔

## تفسیر: قیامت کا منظر اور کامل انکسار

یہ آیت دراصل قیامت کے ایک عظیم اور ہیبت ناک منظر کو بیان کرتی ہے۔ اس دن تمام انسانچاہے وہ دنیا میں کتنے ہی طاقتور، مغرور یا خودمختار کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کے سامنے مکمل عاجزی کے ساتھ جھک جائیں گے۔ وہاں نہ کوئی طاقت کام آئے گی، نہ کوئی غرور، نہ کوئی اختیار۔

دنیا میں انسان اپنے آپ کو بااختیار سمجھتا ہے، مگر اس دن اسے اپنی حقیقت کا مکمل ادراک ہوجائے گا کہ وہ ہمیشہ سے محتاج تھا اور اللہ ہی حقیقی مالک اور قائم رکھنے والا ہے۔

## "اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمِ" کی صفت کا گہرا مفہوم

اس آیت میں خاص طور پر "الحیّ القیّوم" کی صفات کا ذکر کیا گیا، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ:

* اللہ ہمیشہ زندہ ہے، اس پر موت یا زوال کا کوئی اثر نہیں
* وہ ہر شے کو قائم رکھنے والا ہے، سب اسی کے سہارے قائم ہیں

لہٰذا قیامت کے دن جب سب کچھ فنا ہو چکا ہوگا، تب بھی وہی باقی ہوگا، اور سب اسی کے سامنے جھکے ہوں گے۔

## روحانی و عرفانی تفسیر

عرفانی نقطۂ نظر سے یہ آیت صرف قیامت کے دن کا منظر نہیں بلکہ ایک باطنی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ جب بندہ اللہ کی معرفت حاصل کرتا ہے تو اس کا دل دنیا میں ہی عاجزی اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا ''باطن'' اللہ کے سامنے جھک جاتا ہے، اس کی انا ختم ہوجاتی ہے، اور وہ اپنی حقیقت کو پہچان لیتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنی مرضی کو چھوڑ کر اللہ کی رضا میں راضی ہو جاتا ہے۔ اس کا ہر عمل، ہر سوچ، اور ہر ارادہ اللہ کے تابع ہو جاتا ہے۔

انسان کے لیے سبق: یہ آیت انسان کو عاجزی اور انکساری کا درس دیتی ہے۔ یہ یاد دلاتی ہے کہ:

* دنیا کا غرور عارضی ہے اصل طاقت صرف اللہ کے پاس ہے
* انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا میں ہی اللہ کے سامنے جھک جائے

کیونکہ جو بندہ دنیا میں عاجزی اختیار کرتا ہے، قیامت کے دن وہ عزت پاتا ہے۔

خلاصہ: یہ آیت ایک عظیم حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ:

''ہر وجود، ہر طاقت، ہر اختیار آخر کار اللہ "الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" کے سامنے جھکنے والا ہے۔''

یہ نہ صرف قیامت کا منظر ہے بلکہ ایک دعوت بھی ہے
کہ انسان دنیا میں ہی اپنی انا کو جھکا دے،
اپنے رب کو پہچان لے،
اور اس کی بندگی میں سکون حاصل کرے۔

## کائنات کا سہارا، وجود کا قائم رکھنے والا

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال میں ''قیّومیت'' ایک ایسی جامع اور ہمہ گیر صفت ہے جو اس کی کامل خود کفالت اور ساری مخلوق کی کامل احتیاج کو ایک ساتھ واضح کرتی ہے۔ قیّوم وہ ہے جو خود اپنی ذات سے قائم ہو، جس کے وجود کو کسی سبب، سہارے یا وسیلے کی ضرورت نہ ہو، اور جو ہر شے کو ہر آن قائم رکھے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ

(البقرۃ:255)

یہاں "اَلْحَیُّ" اور "اَلْقَیُّوْمُ" کا اجتماع اس راز کو کھولتا ہے کہ وہ نہ صرف ازلی و ابدی زندہ ہے بلکہ اسی کی قیّومیت سے کائنات کا ہر ذرہ اپنی جگہ قائم ہے۔

قیّومیت کا مفہوم صرف تخلیق تک محدود نہیں؛ یہ محض پیدا کرنا نہیں بلکہ پیدا کر کے مسلسل تھامے رکھنا ہے۔ زمین کا اپنے مدار میں قائم رہنا، سورج کا وقت پر طلوع ہونا، دل کا برابر دھڑکنا، سانس کا باقاعدگی سے آنا جانا، یہ سب ایک جاری و ساری قیّومیت کی علامتیں ہیں۔ اگر ایک لمحہ بھی یہ قیام اٹھا لیا جائے تو نظامِ ہستی درہم برہم ہو جائے۔ اس اعتبار سے کائنات خود مختار نہیں بلکہ ہر آن محتاج ہے، اور یہی احتیاج بندے کے دل میں عجز اور توکل پیدا کرتی ہے۔

روحانی اور وجدانی پہلو سے قیّومیت کا ادراک انسان کی خود فریبی کو توڑ دیتا ہے۔ جب بندہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے علم، طاقت یا منصوبوں کے سہارے قائم ہے تو وہ دراصل ایک پردۂ غفلت میں ہوتا ہے۔ لیکن جب اس پر یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ میں اپنے زور سے نہیں بلکہ مجھے قائم رکھا گیا ہے، تو اس کی انا نرم پڑ جاتی ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اس کی کامیابی بھی عطا ہے اور اس کی بقا بھی عطا؛ اس کا سکون بھی عطا ہے اور اس کی آزمائش میں صبر کی قوت بھی عطا ہے۔ یہ شعور اسے دنیا کے عارضی سہاروں سے کاٹ کر اس اصل سہارے سے جوڑ دیتا ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتا۔

قیّومیت کا ایک نہایت لطیف پہلو دلوں کی نگہبانی ہے۔ انسان بسا اوقات ٹوٹ جاتا ہے، مایوس ہو جاتا ہے، گناہوں میں گر جاتا ہے یا اندیشوں کے بوجھ تلے دب جاتا ہے؛ مگر ایک پوشیدہ ہاتھ اسے سنبھال لیتا ہے۔ وہ توبہ کی توفیق دیتا ہے، امید کی کرن دکھاتا ہے، اور اندھیرے میں بھی یقین کی روشنی باقی رکھتا ہے۔ یہ بھی قیّومیت ہی کا اثر ہے کہ بندہ گر کر مکمل فنا نہیں ہو جاتا بلکہ سنبھلنے کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

جب سالک اس صفت پر غور کرتا ہے تو اس کی عبادت میں نئی روح پیدا ہوتی ہے۔ اس کی نماز محض الفاظ نہیں رہتی بلکہ قیّوم کے حضور کھڑے ہونے کا شعور بن جاتی ہے؛ اس کا سجدہ محض جھکنا نہیں رہتا بلکہ اپنے قیام کی حقیقت کا اعتراف بن جاتا ہے۔ وہ ہر حال میں یہ محسوس کرتا ہے کہ میں تنہا نہیں، میں بے سہارا نہیں؛ میرا سہارا وہ ہے جس نے آسمانوں کو تھاما ہوا ہے۔ یہی یقین اضطراب کو سکون میں، خوف کو اعتماد میں اور کمزوری کو استقامت میں بدل دیتا ہے۔

بالآخر قیّومیت کا عرفانی ادراک بندے کو اس مقام پر لے جاتا ہے جہاں وہ اپنے وجود کو مستقل نہیں سمجھتا بلکہ امانت جانتا ہے۔ وہ ہر صبح یہ مان کر اٹھتا ہے کہ آج بھی مجھے قائم رکھا گیا ہے، اور ہر رات یہ شکر ادا کرتا ہے کہ آج بھی مجھے گرنے سے بچا لیا گیا۔

اس کی دعا بن جاتی ہے: اے قیّوم! جس طرح تو کائنات کو قائم رکھے ہوئے ہے، میرے دل کو بھی اپنی یاد پر قائم رکھ، میرے قدموں کو اپنی رضا پر قائم رکھ، اور میری روح کو اس یقین پر قائم رکھ کہ میں ہر حال میں تیرے قیام کے حصار میں ہوں۔

# اسمِ ''یَاقَیُّوْمُ'' کا روحانی سفر

اسمِ مبارک ''اَلْقَیُّوْمُ'' کا روحانی سفر دراصل اس ادراک سے شروع ہوتا ہے کہ انسان اپنی ذات میں قائم نہیں بلکہ ہر لمحہ ایک ایسی حقیقت کے سہارے زندہ ہے جو خود قائم ہے۔ جب سالک اس اسم کا ذکر کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ شعور بیدار ہوتا ہے کہ اس کا وجود مستقل نہیں بلکہ عطا کردہ ہے، اور اصل قیام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یہی احساس اس کے سفر کا پہلا دروازہ کھولتا ہے۔

ابتدائی مرحلے میں ذکر ''یَاقَیُّوْمُ'' زبان سے ادا ہوتا ہے، مگر آہستہ آہستہ یہ دل میں اترنے لگتا ہے۔ دل میں ایک لطیف کیفیت پیدا ہوتی ہے جس میں انسان کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود سے نہیں بلکہ کسی اور کے سہارے قائم ہے۔ یہ احساس اس کی فکر کو بدل دیتا ہے، اور وہ دنیاوی اسباب کو اصل سمجھنے کے بجائے ایک وسیلہ سمجھنے لگتا ہے۔

جب یہ ذکر گہرا ہوتا ہے تو سالک کے اندر ایک عجیب سکون پیدا ہوتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اس کی زندگی، اس کی سانسیں، اس کی حالتیں سب اللہ کی قیومیت کے تحت ہیں۔ یہ یقین اسے بے چینی سے نکال کر اطمینان میں لے آتا ہے، کیونکہ اب وہ جانتا ہے کہ اس کا سہارا ایک ایسی ذات ہے جو کبھی کمزور نہیں ہوتی۔

اگلے مرحلے میں ''اَلْقَیُّوْمُ'' کا شعور انسان کی انا کو کمزور کرنے لگتا ہے۔ وہ اپنی طاقت، علم اور اختیار کو حقیقی نہیں سمجھتا بلکہ اللہ کی عطا سمجھتا ہے۔ اس کے اندر عاجزی پیدا ہوتی ہے، اور وہ ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنی خودی سے نکل کر اللہ کی قیومیت میں پناہ لینے لگتا ہے۔

روحانی طور پر جب یہ سفر مزید آگے بڑھتا ہے تو سالک کو ہر شے میں قیومیت کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ کائنات کا ہر نظام ایک ہی مرکز سے قائم ہے۔

ہر حرکت، ہر سکون، ہر تغیر سب اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ یہ مشاہدہ اسے حیرت اور محبت میں ڈبو دیتا ہے۔

پھر ایک ایسا مقام آتا ہے جہاں بندہ مکمل طور پر اللہ کی قیومیت پر بھروسہ کرنے لگتا ہے۔ اس کا دل اس یقین سے بھر جاتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کے علم اور حکمت کے تحت ہے۔ اس یقین سے اس کے اندر خوف کم ہو جاتا ہے اور ایک گہرا سکون پیدا ہوتا ہے، جو حالات کے بدلنے سے متاثر نہیں ہوتا۔

آخر کار، اسم ''اَلْقَيُّوْمُ'' کا روحانی سفر انسان کو اس مقام تک لے جاتا ہے جہاں وہ اپنی حقیقت کو پہچان لیتا ہے: وہ خود قائم نہیں، بلکہ قائم کیا گیا ہے۔ اور جو قائم کرنے والا ہے، وہی اصل حقیقت ہے۔ جب یہ شعور دل میں راسخ ہو جاتا ہے تو انسان کی زندگی نور، یقین اور سکون سے بھر جاتی ہے، اور وہ ہر حال میں اپنے رب کی قیومیت پر مطمئن رہتا ہے۔

## 1. شریعت ایمان بالقائم

شریعت، ذکر "یَا قَيُّوْمُ"، اور ایمان بالقائم یہ تینوں مل کر ایک ایسا روحانی تسلسل بناتے ہیں جہاں زندگی نظم، یاد اور یقین میں ڈھل جاتی ہے۔ شریعت انسان کو راستہ دیتی ہے، حدود سکھاتی ہے، اور عمل کو ایک واضح سمت عطا کرتی ہے۔ یہ بنیاد ہے- جیسے زمین جس پر عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ یہاں بندہ اپنے ظاہر کو سنوارتا ہے، تاکہ باطن کے لیے جگہ صاف ہو سکے۔

اور پھر آتا ہے ایمان بالقائم وہ یقین کہ جو سب کو تھامے ہوئے ہے، وہی حقیقت ہر حال میں باقی اور قائم ہے۔ یہ ایمان انسان کو خوف سے آزاد کرتا ہے، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ حالات بدل سکتے ہیں، مگر سہارا نہیں بدلتا۔ یہاں دل میں ایک گہرا اعتماد پیدا ہوتا ہے- ایسا اعتماد جو دکھ میں بھی ٹوٹتا نہیں، اور خوشی میں بھی بہکتا نہیں۔

یوں شریعت عمل کو سیدھا کرتی ہے، ذکر دل کو زندہ رکھتا ہے، اور ایمان روح کو استحکام دیتا ہے۔ جب یہ تینوں ایک ہو جاتے ہیں تو زندگی صرف گزرتی نہیں، بلکہ ایک شعوری وابستگی میں ڈھل جاتی ہے- ایسی وابستگی جس میں ہر لمحہ ایک خاموش گواہی بن جاتا ہے کہ سب کچھ اُسی قائم حقیقت کے سہارے ہے۔

سالک سیکھتا ہے کہ: میرا رزق اللہ کے قیام سے ہے، میرا وجود اسی کے سہارے سے ہے، زمین، آسمان، وقت، قوانین سب اسی کے قائم کردہ ہیں یہ یقین اسے توکل دیتا ہے۔

## 2. طریقت ذکرِ یَا قَیُّوْمُ

پھر ذکر "یَا قَیُّوْمُ" دل کو اُس حقیقت سے جوڑتا ہے جو خود قائم ہے اور ہر شے کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ جب یہ نام دل میں اترتا ہے تو انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اس کا اپنا وجود بھی کسی اور کے سہارے قائم ہے۔ ہر سانس، ہر لمحہ، ایک مسلسل سہارا ہے۔ یہ ذکر دل کو استحکام دیتا ہے- بکھراؤ کم کرتا ہے، اور انسان کو ایک ایسے مرکز سے جوڑتا ہے جو کبھی زوال پذیر نہیں ہوتا۔

خاموش بیٹھ کر دل پر ضرب دیں: "یَا قَیُّوْمُ ..... یَا قَیُّوْمُ ....."

محسوس کریں کہ آپ زمین پر نہیں کھڑے بلکہ اللہ کے سہارے پر قائم ہیں۔ پھر ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے: میں اپنے زور سے قائم نہیں، مجھے قائم رکھا گیا ہے۔ یہ ادراک انا کو توڑ دیتا ہے۔

## 3. حقیقت تجلیِ قیّومیت

سالک دیکھتا ہے: سورج کا طلوع دل کی دھڑکن * وقت کا بہاؤ۔ یہ سب مسلسل قائم رکھا جا رہا ہے۔ کائنات خود سے نہیں چل رہی، ہر لمحہ تھامی جا رہی ہے۔

یہاں دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے، غرور ٹوٹ جاتا ہے، انسان کو اپنی بے بسی نظر آتی ہے۔

## 4. معرفت فناعن النفس، بقاء بالقیّوم

یہاں سالک دیکھتا ہے: میری قوت وہ نہیں، میری بقا وہ نہیں، میرا سہارا وہ نہیں۔ سب کچھ اسی کا ہے۔ پھر دل کہتا ہے: اے قیوم! مجھے اپنے قیام میں شامل کر لے۔ یہ مقام کامل تسلیم کا ہے۔ یہاں بندہ گر کر بھی محفوظ ہوتا ہے کیونکہ اسے سہارا دینے والا موجود ہے۔ ''القیّوم'' ہے۔

معرفت: فناعن النفس، بقاء بالقیّوم ایک ایسا لطیف راز ہے جہاں انسان اپنی محدود ہستی سے نکل کر ایک قائم حقیقت کے سائے میں جینا سیکھتا ہے۔ ''فناعن النفس'' کا مطلب خود کو مٹانا نہیں، بلکہ اُس ''میں'' کے فریب سے آزاد ہونا ہے جو انسان کو جدا اور خودمختار سمجھنے پر مجبور کرتا ہے۔ جب یہ پردہ ہٹتا ہے تو دل ہلکا ہونے لگتا ہے، جیسے کوئی بوجھ اتر گیا ہو- اور انسان پہلی بار اپنی اصل محتاجی کو پہچانتا ہے۔

پھر ''بقاء بالقیّوم'' کا شعور ابھرتا ہے- وہ حقیقت جو خود قائم ہے اور ہر شے کو قائم رکھتی ہے۔ یہاں انسان اپنی بقا کو اپنی قوت میں نہیں، بلکہ اُس قائم رکھنے والی ذات کی نسبت میں دیکھتا ہے۔ ہر سانس، ہر لمحہ، ایک عطا محسوس ہوتا ہے؛ ایک مسلسل سہارا جو نظر نہیں آتا مگر ہر وقت موجود رہتا ہے۔ یہی احساس دل میں استحکام پیدا کرتا ہے- ایسا استحکام جو حالات کے بدلنے سے نہیں ڈگمگاتا۔

اس مقام پر زندگی بدلتی نہیں، مگر اس کی بنیاد بدل جاتی ہے۔ عمل جاری رہتا ہے مگر دعویٰ ختم ہو جاتا ہے۔ انسان کام کرتا ہے، مگر اندر ایک خاموش شعور ہوتا ہے کہ اصل کرنے والا کوئی اور ہے۔ یہی معرفت کی پختگی ہے: کہ بندہ خود سے آزاد ہو کر اُس قیّوم کے ساتھ قائم ہو جائے، جو ہر شے کو تھامے ہوئے ہے- اور اسی تھامے رکھنے میں

اصل سکون اور بقا پوشیدہ ہے۔

## وجدانی وعرفانی طویل روحانی سفر

''سہارا جو کبھی نہ ٹوٹے''

ایک رات سالک نے سوچا:

میں کس کے سہارے کھڑا ہوں؟

زمین؟ زمین خلا میں معلق ہے۔

سورج؟ وہ بھی ایک دن بجھ جائے گا۔

مال؟ وہ چھن سکتا ہے۔

لوگ؟ وہ بدل سکتے ہیں۔

پھر دل میں آواز آئی: ''تم میرے سہارے ہو''۔

وہ چونک اٹھا۔

اس نے آنکھ بند کی۔

محسوس کیا کہ اس کا وجود جیسے کسی نادیدہ طاقت نے تھاما ہوا ہے۔

پھر اسے سمجھ آیا: میں زمین پر نہیں، میں قیّوم کے سہارے ہوں۔

جب وہ گرتا ہے تو بھی وہی سنبھالتا ہے۔

جب وہ روح ہے تو بھی وہی سہارا دیتا ہے۔

جب وہ کمزور ہوتا ہے تو بھی وہی قائم رکھتا ہے۔

پھر اس کے اندر ایک سکون اترتا ہے جو دنیا کے کسی سہارے سے نہیں ملتا۔

وجدانی وعرفانی طویل روحانی سفر ایک ایسی خاموش داستان ہے جو انسان کے اندر شروع ہوتی ہے اور وہیں اپنی گہرائیوں میں پھیلتی چلی جاتی ہے۔ ابتدا میں یہ سفر ایک بے نام سی بے چینی سے جنم لیتا ہے۔ ایسا احساس کہ کچھ ہے جو نظر نہیں آتا مگر دل

کو مسلسل اپنی طرف کھینچتا ہے۔ انسان بظاہر سب کچھ رکھتا ہے، مگر اندر ایک خلا محسوس ہوتا ہے، اور یہی خلا دراصل سفر کا پہلا اشارہ بن جاتا ہے۔

پھر تلاش شروع ہوتی ہے۔ پہلے علم کے در کھٹکھٹائے جاتے ہیں، پھر ذکر کے سہارے دل کو سنبھالا جاتا ہے، اور آہستہ آہستہ باطن کی طرف رجوع بڑھتا ہے۔ اس مرحلے میں انسان کو اپنی کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں اور اپنی حقیقت بھی۔ نفس کی کشمکش، خواہشات کی شدت، اور دل کی نرمی — یہ سب مل کر ایک ایسا میدان بناتے ہیں جہاں انسان کو خود اپنے اندر سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہی سلوک ہے، یہی مجاہدہ ہے، جہاں ہر قدم ایک نئی پہچان عطا کرتا ہے۔

پھر ایک وقت آتا ہے جب ذکر صرف عمل نہیں رہتا، بلکہ کیفیت بن جاتا ہے۔ دل میں ایک مستقل یاد جاگ جاتی ہے، اور دنیا کی کثرت اپنا رنگ کھونے لگتی ہے۔ ہر شے میں ایک ہی حقیقت کی جھلک محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہاں عقل کی گرفت ڈھیلی پڑتی ہے، اور وجدان کا نور غالب آنے لگتا ہے۔ انسان سمجھنے کے بجائے محسوس کرنے لگتا ہے، اور یہی احساس اسے ایک نئے عالم میں داخل کر دیتا ہے۔

اس کے بعد وادیٔ عشق آتی ہے، جہاں تڑپ بڑھتی ہے، سکون کم ہوتا ہے، مگر یہی بے چینی ایک لطیف سرور میں بدل جاتی ہے۔ انسان خود کو تھامنے کے بجائے چھوڑنے لگتا ہے، اور یہی چھوڑ دینا اسے فنا کی طرف لے جاتا ہے۔ "میں" کی دیواریں گرنے لگتی ہیں، اور ایک وسیع تر حقیقت کا احساس غالب آ جاتا ہے۔ یہاں انسان کھوتا نہیں، بلکہ اپنی اصل کے قریب ہوتا جاتا ہے۔

پھر فنا کے بعد بقا کا مرحلہ آتا ہے — ایک ایسا مقام جہاں انسان اپنی ذات سے آزاد ہو کر بھی زندگی میں قائم رہتا ہے۔ اب وہ دنیا میں رہتا ہے مگر دنیا اس کے اندر نہیں رہتی۔ ہر عمل ایک شعوری نسبت میں ڈھل جاتا ہے، اور ہر لمحہ ایک خاموش گواہی بن جاتا ہے کہ سب کچھ ایک ہی حقیقت کے سہارے قائم ہے۔

آخر کار یہ طویل سفر ایک ایسے سکون پر آ کر ٹھہرتا ہے جو نہ لفظوں میں آتا ہے نہ خیال میں۔ یہ سکون ختم ہونے والا نہیں، بلکہ جاری رہنے والا ہے۔ یہاں انسان کچھ حاصل نہیں کرتا، بلکہ حاصل کے تصور سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور یہی اس سفر کا کمال ہے: کہ ابتدا ایک سوال سے ہوتی ہے، اور انتہا ایک خاموش ادراک پر۔ جہاں سب کچھ کہے بغیر سمجھ میں آ جاتا ہے، اور دل ایک دائمی حضوری میں ٹھہر جاتا ہے۔

## یَا قَیُّوْمُ

جب زمین کانپے اور آسمان ہل جائے، جب سہارے ٹوٹ جائیں اور سب ہاتھ چھوٹ جائیں۔ تو بھی تو باقی، تو بھی تو قائم۔

یَا قَیُّوْمُ..... میں تیرے سہارے ہوں۔ میں نے خود کو چھوڑ دیا۔ میں نے اپنی قوت چھوڑ دی۔

اب مجھے تو تھام لے، اے سب کو تھامنے والے! میری کمزوری کو اپنے قیام میں چھپا لے کہ میں ڈگمگا کر بھی تیرے سہارے قائم رہوں۔

یَا قَیُّوْمُ..... میرا دل بھی قائم رکھ، اپنی یاد پر، اپنی رضا پر، اپنی محبت پر۔

# اللہ کی شانِ قیّومیت- قائم بالذات

اللہ کی شانِ قیّومیت یہ ہے کہ وہ خود قائم بالذات ہے اور ساری کائنات کو ہر آن اپنے حکم، علم اور قدرت سے قائم رکھے ہوئے ہے۔ وہ ایسا سہارا ہے جسے کسی سہارے کی حاجت نہیں، اور ایسا قائم رکھنے والا ہے کہ اگر ایک لمحہ بھی اس کی تدبیر ہٹ جائے تو زمان و مکان کا سارا نظام بکھر کر عدم میں گم ہو جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ

(البقرۃ:255)

ترجمہ: اللہ- اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، تمام جہانوں کا پالنے والا۔

یعنی وہی زندہ ہے اور سب کو تھامے ہوئے ہے۔ قیّومیت کا عرفانی ادراک یہ ہے کہ انسان اپنی ہستی کو مستقل نہ سمجھے بلکہ ہر سانس میں یہ شعور جاگتا رہے کہ ''میں اپنے زور سے قائم نہیں، مجھے قائم رکھا گیا ہے''؛ زمین کا ٹھہراؤ، ستاروں کی گردش، دل کی دھڑکن اور خیال کی جنبش سب اسی کے سہارے ہیں۔ جب سالک اس راز کو دل میں اتارتا ہے تو اس کی اَنا پگھلنے لگتی ہے، خوف کم ہو جاتا ہے اور توکل بڑھ جاتا ہے، کیوں کہ وہ جان لیتا ہے کہ اس کا اصل سہارا مال، لوگ یا اسباب نہیں بلکہ وہ قیّوم ہے جو گرتوں کو سنبھالتا اور بکھرتوں کو جوڑتا ہے۔ یہی وجدان بندے کو بے بسی میں سکون، کمزوری میں طاقت اور اضطراب میں قرار عطا کرتا ہے، اور دل پکار اٹھتا ہے: اے قیّوم! جس طرح تو کائنات کو قائم رکھے ہوئے ہے، اسی طرح میرے دل کو بھی اپنی یاد اور اپنی رضا پر قائم رکھ۔

اسی قیّومیت کے شعور میں جب دل کچھ اور گہرائی میں اترتا ہے تو بندہ دیکھتا ہے کہ اس کی زندگی کے اتار چڑھاؤ بھی دراصل اسی تھامنے والے کے نظام کا حصہ ہیں؛ کبھی وہ نعمت دے کر قائم رکھتا ہے، کبھی آزمائش دے کر سنبھالتا ہے، کبھی محرومی کے پردے میں دل کو اسباب سے کاٹ کر اپنے ساتھ جوڑتا ہے۔ سالک پر منکشف ہوتا ہے کہ قیّومیت صرف کائنات کے ظاہری نظم کا نام نہیں بلکہ دلوں کے باطنی نظام کی نگہبانی بھی ہے۔ مایوسی کے کنارے سے واپس لانا، ٹوٹے ہوئے حوصلے کو پھر سے اٹھا دینا، گناہ کی دھند میں ڈوبتے وجود کو توبہ کی روشنی دے دینا، یہ سب اسی قیّوم کی لطیف تدبیر ہے۔

جب یہ وجدان پختہ ہوتا ہے تو بندہ اپنے ہر حال میں ایک پوشیدہ سہارا محسوس کرتا ہے؛ گر کر بھی وہ بکھرتا نہیں، رو کر بھی وہ تنہا نہیں رہتا، کیوں کہ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے تھاما ہوا ہے وہی اس کے لرزتے ہوئے دل کو بھی تھامے ہوئے ہے۔ تب اس کی دعا بدل جاتی ہے: اے قیّوم! مجھے دنیا کے سہاروں کا اسیر نہ بنا، مجھے اپنے سہارے کا اسیر بنا دے؛ میری فکر کو اپنے ذکر پر قائم رکھ، میری نگاہ کو اپنی رضا پر قائم رکھ، اور میری روح کو اس یقین پر قائم رکھ کہ میں ہر حال میں تیرے قیام کے دائرے میں ہوں، تیرے علم کے حصار میں ہوں اور تیرے لطف کے سائے میں ہوں۔

## اللہ کی ذات قَیُّوْمِ مطلق ہے

وہ خود قائم، سب کو قائم رکھنے والا، ہر آن تدبیر فرمانے والا ہے اور ''القیّوم'' اس کی ہمہ گیر قیام بخش تدبیر کو کہتے ہیں؛ گویا وہ خود بھی قائم ہے اور سب کو بھی قائم رکھے ہوئے ہے۔ قیّومِ مطلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قیّومیت کسی حد، کسی زمان، کسی مکان اور کسی وسیلے کی پابند نہیں۔ وہ نہ تھکتا ہے، نہ سوتا ہے، نہ غافل ہوتا ہے؛

اس کی نگہبانی میں آسمان وزمین کا نظام چل رہا ہے، وقت کی گردش جاری ہے، دل دھڑک رہے ہیں، اور تقدیری فیصلے نافذ ہورہے ہیں۔ اگر ایک آن کے لیے بھی اس کی تدبیر اٹھ جائے تو وجود کا سارا نقش مٹ جائے۔ اس لیے مخلوق کا قیام عارضی اور عطائی ہے، جب کہ اس کا قیام ذاتی اور مطلق ہے۔

روحانی اعتبار سے جب بندہ اس حقیقت کو دل میں اتارتا ہے تو اس کی خود اعتمادی، جو دراصل خودفریبی ہوتی ہے، تواضع میں بدل جاتی ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زورِ بازو، عقل یا تدبیر سے قائم نہیں بلکہ اسے قائم رکھا گیا ہے۔ اس کا رزق، اس کی سانس، اس کا ایمان، اس کی توبہ، سب اسی قیّومِ مطلق کی عطا ہیں۔ یہ شعور بندے کو اسباب کی غلامی سے نکال کر مُسبِّب الاسباب کی طرف متوجہ کرتا ہے، اور وہ دل کی گہرائی سے کہتا ہے: میں تنہا نہیں، میں بے سہارا نہیں؛ میرا سہارا وہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتا۔

قیّومیتِ مطلقہ کا عرفانی ذوق یہ ہے کہ انسان ہر حال میں ایک پوشیدہ حفاظت اور تھامے جانے کی کیفیت محسوس کرے۔ جب وہ گرتا ہے تو مکمل بکھرتا نہیں، جب وہ کمزور ہوتا ہے تو مکمل ٹوٹتا نہیں، کیوں کہ ایک غیر مرئی سہارا اسے سنبھالے رکھتا ہے۔ یہی ادراک توکل کو جنم دیتا ہے، صبر کو قوت بخشتا ہے، اور خوف کو یقین میں بدل دیتا ہے۔ بندہ جان لیتا ہے کہ دنیا کے سہارے فانی ہیں، مگر قیّومِ مطلق کا سہارا باقی ہے۔

پس اللہ کی ذات قیّومِ مطلق ہے۔ وہ ابتدا کو بھی قائم رکھنے والا ہے اور انتہا کو بھی؛ وہ ظاہر کے نظام کا بھی نگہبان ہے اور باطن کے رازوں کا بھی محافظ۔ اسی کے سہارے کائنات قائم ہے اور اسی کے سہارے دل قائم رہتے ہیں۔ بندے کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اپنے قیام کو اس کے قیام سے وابستہ کردے، اور اپنی زندگی کو اس یقین پر قائم رکھے کہ میرا رب قیّومِ مطلق ہے، اور میں ہر آن اسی کے قائم رکھے جانے میں ہوں۔

# شانِ حیات-قیّومیت

(ایک روحانی و وجدانی سفر)

## کائنات کی بنیاد اور دلوں کی روشنی

اللہ تعالیٰ کی حیات اور قیّومیت کی حقیقت ایک دوسرے کے ہم سایہ ہیں۔ ''الحیّ'' کے طور پر وہ ازلی، ابدی اور بے نیاز ہے، اور ''القیّوم'' کے طور پر وہ ہر شے کو قائم رکھتا ہے، تھامے ہوئے رکھتا ہے اور ہر لمحہ کائنات کے نظم میں تدبیر فرماتا ہے۔ سالک جب اس حقیقت پر غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ زمین، آسمان، وقت، تقدیر، دل کی دھڑکنیں اور سانس کی رواں دواں اسی کے فیض کی مشق ہیں۔

روحانی لحاظ سے، سالک کا سفر دل میں شروع ہوتا ہے۔ ابتدا میں وہ یقین سے یہ سمجھتا ہے کہ اللہ زندہ ہے اور سب کچھ اسی کی قدرت سے قائم ہے۔ لیکن اس یقین کا شعور جب دل میں اترتا ہے تو سالک محسوس کرتا ہے کہ اس کی اپنی کوئی مستقل حیات نہیں؛ ہر سانس، ہر لمحہ، ہر ضربِ قلب اللہ کے فیض اور قائم رکھنے کی تدبیر سے ہے۔ اسی ادراک میں خوف کا زوال اور سکون کا نور نمودار ہوتا ہے۔

جیسے جیسے سالک آگے بڑھتا ہے، یہ شعور مزید گہرا ہوتا ہے: قیّومیت اور حیات صرف ظاہری سطح پر نہیں بلکہ ہر دل، ہر روح، ہر وجود کے اندر جاری ہے۔ انسان کی کمزوری، تنہائی، اور مایوسی بھی اسی قیّومِ مطلق کے سہارے میں محفوظ ہیں۔ وہ گر کر بھی بکھرتا نہیں، وہ روتے ہوئے بھی تنہا نہیں رہتا۔ اسی پوشیدہ سہارے کی بدولت دل میں یقین، امید، اور سکون پیدا ہوتا ہے۔

عرفانی منظر میں یہ سفر یوں ہے: سالک رات کی خاموشی میں بیٹھتا ہے، آنکھیں بند کرتا ہے، دل کی دھڑکن پر توجہ دیتا ہے، اور آہستہ آہستہ اندر سے کہتا ہے:

''یاحیّ..... یاقیّوم.....''

آہستہ آہستہ ہر دھڑکن، ہر سانس اور ہر لمحہ اللہ کی حیات اور قیّومیت کا آئینہ بن جاتا ہے۔ دل کی تاریکی میں نور پھیلتا ہے، خوف میں سکون آتا ہے، اضطراب میں قرار آتا ہے، اور انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ اس ذات کے سہارے ہے جو کبھی نہیں مرتی، جو کبھی نہیں تھکتی، جو ہر شے کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

یہ وجدانی کیفیت بندے کو فنا کی نیند سے بیدار کرتی ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اصل زندگی اللہ کے قرب میں ہے، اور اصل بقا اسی کی حیات اور قیّومیت میں ہے۔ پھر اس کی دعا بن جاتی ہے:

''اے حیّ وقیّوم! میری زندگی کو اپنی حیات اور قیّومیت کے سائے میں محفوظ فرما، میرے دل کو اپنی یاد اور محبت سے زندہ رکھ، اور میری روح کو ہر حال میں تیرے قائم رہنے کے حصار میں قائم رکھ''۔

یہی وہ روحانی اور وجدانی سفر ہے جو انسان کو اللہ کی ازلی حیات، اس کی مطلق قیّومیت، اور اس کے قرب کی حقیقت سے ہم آہنگ کر دیتا ہے۔

## اللہ کی حیات وقیّومیت

رات کی خاموشی میں دل کی گہرائی میں جھانکیں۔ ہر لمحہ، ہر سانس، ہر دھڑکن کو محسوس کریں۔ ایک نرم سرسراہٹ کی طرح اندر سے آہستہ آواز آتی ہے:

''یاحیّ..... یاقیّوم.....''

یہ لفظ دل میں اترتا ہے، پھر روح میں پھیلتا ہے، اور پھر وجود کے ہر ریشے میں روشنی بکھیر دیتا ہے۔ ہر لمحے، ہر شے اسی زندہ اور قائم رکھنے والے کے سہارے حرکت کر رہی ہے- زمین اپنی جگہ پر، ہوا اپنی روانی میں، ستارے اپنے مدار میں، اور دل اپنی دھڑکن میں۔

سالک محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے زور سے نہیں، بلکہ اس بے نیاز اور مطلق قیّوم کے فیض سے قائم ہے۔ اس کا خوف چھٹ جاتا ہے، اس کی کمزوری طاقت میں بدل جاتی ہے، اور اس کے اضطراب کو سکون کی روشنی میں نہلا دیا جاتا ہے۔ ہر سانس، ہر لمحہ، ہر نظر اسے یاد دلاتی ہے کہ وہ اس ذات کے سہارے ہے جو کبھی نہیں مرتی، جو کبھی نہیں تھکتی، جو سب کچھ قائم رکھتی ہے۔

اس وجدانی منظر میں بندہ عاجزی سے سر جھکاتا ہے اور دل سے دعا کرتا ہے:

''اے حیّ وقیّوم!''

میری زندگی کو اپنی حیات کے ساتھ ہم آہنگ فرما،

میری روح کو اپنی یاد کی روشنی میں زندہ رکھ،

میری ناکامی کو اپنی قدرت میں تبدیل کر،

اور میرے دل کو تیرے قیام کے حصار میں محفوظ رکھ۔

پھر وہ سنتا ہے ایک خاموش لیکن مطلق سرسراہٹ:

ہر شے قائم ہے، ہر وجود محفوظ ہے، سب کچھ تیرے سہارے میں ہے۔ تب سالک کا دل سکون سے بھر جاتا ہے، اس کا وجود روشنی میں نہا جاتا ہے، اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اصل حیات اور اصل بقا اسی مطلق حیّ اور قیّوم کے قرب میں ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں عقلی یقین وجدانی شعور میں بدل جاتا ہے، اور انسان اپنی عاجزی اور اللہ کی مطلق حیات وقیّومیت کی روشنی میں مکمل سکون محسوس کرتا ہے۔

## ایک طویل عرفانی تجربہ

رات کا سکوت چھایا ہوا ہے۔ ہر طرف خاموشی کا عالم ہے۔ سالک بیٹھا ہے، آنکھیں بند، دل کی دھڑکنوں پر توجہ مرکوز۔ سانس آہستہ اور نرم ہے۔ ہر لمحہ اس کے دل میں ایک سوال جاگتا ہے: ''میں کس کے سہارے قائم ہوں؟''

پہلی بار وہ محسوس کرتا ہے کہ زمین کا سکون، ہوا کی روانی، دل کی دھڑکن، اور دماغ کے خیالات - یہ سب اس کی اپنی قوت سے نہیں بلکہ ''کسی ازلی اور مطلق قیّوم کی تدبیر'' سے قائم ہیں۔ دل کی ایک دھڑکن میں روشنی کی چمک پیدا ہوتی ہے، اور سالک کہتا ہے:

''یاحیّ.....یاقیّوم.....''

یہ لفظ دل میں گونجتا ہے، پھر روح میں سرایت کرتا ہے، اور وجود کے ہر ریشے کو روشن کر دیتا ہے۔ ہر لمحہ ایک نئی بصیرت لاتا ہے:

* میں قائم نہیں، مجھے قائم رکھا گیا ہے۔
* میں زندہ نہیں، مجھے زندہ رکھا گیا ہے۔
* میرا خوف، میری کمزوری، میری تنہائی - سب تیرے سہارے میں محفوظ ہیں۔

یہ شعور اسے دنیا کے ہر عارضی سہارے سے آزاد کرتا ہے۔ سالک دیکھتا ہے کہ زمین پر پڑا ہر پتا، ہوا میں بہتی ہر لہر، دل کی دھڑکن، اور لمحوں کی روانی - یہ سب اسی قیّوم کی تدبیر کے زیر اثر ہیں۔ اگر ایک لمحہ بھی یہ قائم کرنے والا غافل ہو جائے تو سب فنا ہو جائے۔

اس کیفیت میں سالک کی دعا بن جاتی ہے:

''اے حیّ وقیّوم!''

میری زندگی کو اپنی حیات اور قیّومیت کے سائے میں محفوظ فرما،

میرے دل کو اپنی یاد سے زندہ رکھ،

میری روح کو تیرے نور کی روشنی میں قائم رکھ، میری کمزوری کو اپنی طاقت میں بدل دے،

اور میرے خوف کو یقین اور سکون میں تبدیل کر دے۔

پھر سالک محسوس کرتا ہے کہ ہر سانس، ہر لمحہ، ہر حرکت - یہ سب عبادت اور ذکر بن گئی ہے۔ دنیا کے ہر رخ میں اللہ کی حیات اور قیّومیت کی تجلی نظر آتی ہے۔ یہ نہ صرف عقل کا ادراک ہے بلکہ دل اور روح کا وجدانی تجربہ بھی ہے۔

اس طویل روحانی سفر میں سالک کے دل پر ایک گہری روشنی اترتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اصل زندگی اللہ کے قرب میں ہے، اصل بقا اسی کی حیات وقیّومیت میں ہے۔ اور اس یقین کے ساتھ وہ کہتا ہے:

''میں فانی ہوں، تو باقی ہے؛ میں کمزور ہوں، تو قائم ہے؛ میں خاموش ہوں، تو سننے والا تو ہے؛ میں بے سہارا ہوں، تو سہارا دینے والا تو ہے۔ اے حیّ وقیّوم! مجھے اپنے سہارے میں شامل کر، اور میری روح کو تیرے نور اور تیرے قرب میں قائم رکھ''۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان اپنی عاجزی کو محسوس کرتا ہے، اپنی محتاجی کو سمجھتا ہے، اور اللہ کی مطلق حیات وقیّومیت کی روشنی میں دل و روح سے مکمل سکون حاصل کرتا ہے۔

## اللہ کی حیات اور قیّومیت

رات کی خاموشی میں دل کی گہرائی میں ایک سرسراہٹ سنائی دیتی ہے۔

''یا حیّ..... یا قیّوم.....''

ہر لفظ دل میں اترتا ہے، روح میں سرایت کرتا ہے، اور وجود کے ہر ریشے کو روشنی سے بھر دیتا ہے۔ زمین خاموش ہے، ستارے اپنے مدار میں ہیں۔

ہر پتے کی جنبش، ہر ہوا کی لہر، ہر دل کی دھڑکن - سب تیرے قائم رکھنے کی تدبیر کے آئینے ہیں۔

میں اپنے زور سے قائم نہیں، میری زندگی میرا اختیار نہیں، میں تیرے سہارے ہوں، میں تیرے نور کا محتاج ہوں۔

ہر خوف، ہر غم، ہر اضطراب- سب تیرے قیام کے حصار میں محفوظ ہیں۔
میں گر بھی جاؤں، تو بکھر نہ جاؤں؛ میں کمزور بھی ہوں، تو قائم رہوں۔
''یاحیّ وقیّوم.....''

میری سانسوں میں اپنی حیات کی روشنی بھر دے، میری روح کو اپنی یاد سے زندہ کر دے، میری آنکھوں کو اپنی معرفت سے روشن کر دے، اور میرے دل کو تیرے نور اور تیرے قرب میں قائم رکھ۔

میں فنا ہوں، تو باقی ہے؛ میں محتاج ہوں، تو بے نیاز ہے؛ میں گم ہوں، تو رہنما ہے؛ میں چھوٹا ہوں، تو عظیم ہے۔ ہر لمحہ تیرے قرب میں سکون ہے، ہر سانس تیرے نور کی روشنی ہے، اور ہر دھڑکن تیرے قائم رکھنے کی تدبیر کا مظہر ہے۔ اب میرا دل نہیں بلکہ میرا وجود، میری سوچ نہیں بلکہ میری روح، سب تیرے قیام اور تیرے نور میں مستغرق ہے۔ میں تیرے بغیر کچھ نہیں، تو میرے بغیر بھی سب کچھ ہے۔

''یاحیّ..... یاقیّوم.....''

تیرے نور اور تیرے سہارے میں، میں زندہ ہوں، میں قائم ہوں، میں تیرے قرب میں مطمئن ہوں۔

رات کا سکوت کائنات کے ہر گوشے میں چھایا ہوا ہے۔ سالک بیٹھا ہے، آنکھیں بند، دل کی گہرائی میں غور و فکر کر رہا ہے۔ ہر سانس ایک لمحہ ہے، ہر لمحہ ایک فرصت۔ دل میں ایک سرسراہٹ ہے جو آہستہ آہستہ گونجتی ہے:

''یاحیّ..... یاقیّوم.....''

## شعورِ ظاہری

شعورِ ظاہری: سالک محسوس کرتا ہے کہ زمین کی ہر جنبش، ہوا کی ہر لہر، دل کی ہر دھڑکن اور وقت کا ہر لمحہ اللہ کی حیات و قیومیت کی تجلی ہے۔ یہ ادراک اسے دکھاتا ہے

زمین کی ہر جنبش، ہوا کی ہر لہر، درخت کی ہر شاخ، دل کی ہر دھڑکن اور وقت کا ہر لمحہ اللہ کی حیات و قیومیت کا مظہر ہے۔ سالک محسوس کرتا ہے کہ اس کی اپنی قوت سے کچھ بھی قائم نہیں۔ ہر خیال، ہر احساس، ہر حرکت اسی ازلی اور مطلق قیوم کی تدبیر میں بندھی ہوئی ہے۔

## دل کی روشنی

دل میں یہ شعور اترتا ہے کہ: میری زندگی اسی فیض کا حصہ ہے۔
میرا خوف اسی کے قابو میں ہے۔
میری تنہائی بھی اسی کے دائرے میں محفوظ ہے۔
یہ ادراک سالک کو دنیا کے عارضی سہاروں سے آزاد کرتا ہے۔ ہر سانس، ہر لمحہ، ہر حرکت عبادت اور ہر خیال ذکر کا روپ دھار لیتا ہے۔

## وجدانی ادراک

سالک محسوس کرتا ہے کہ ہر دھڑکن، ہر سانس، ہر لمحہ اللہ کی حیات و قیومیت کا آئینہ ہے۔ دنیا کے ہر وجود کی محدودیت کے باوجود، اللہ کی حیات اور قیومیت لامحدود ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اصل زندگی اللہ کے قرب میں ہے اور اصل بقا اسی کے سہارے میں ہے۔

## فنا اور بقاء

سالک اپنی انا اور خود اعتمادی کو چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے:
میں فنا ہوں، میری بقا تیرے بغیر نہیں ہے۔
میں عاجز ہوں، تو مددگار ہے۔

میں کمزور ہوں، تو طاقت ہے۔
میں چھوٹا ہوں، تو عظمت ہے۔
یہ شعور اسے ہر حالت میں مطمئن اور محفوظ بناتا ہے۔

## دعا اور استغراق

سالک دل سے اللہ کی طرف لپکتا ہے:
اے حیّ وقیّوم!
میری زندگی کو تیرے فیض کے سائے میں قائم رکھ،
میرے دل کو تیرے ذکر سے زندہ کر،
میرے خوف اور اضطراب کو اپنے نور سے دور کر،
میری روح کو تیرے قرب میں مستغرق فرما،
اور ہر لمحے مجھے تیرے قیام وحیات کا شعور عطا فرما۔

## سکون اور وجدانی غرق

ہر لمحہ تیرے قرب میں سکون،
ہر سانس تیرے نور کی روشنی،
اور میری زندگی تیرے قیام وحیات کے زیر سایہ مستغرق۔
''یا حیّ..... یا قیّوم.....''
میں تیرے قرب میں زندہ،
میں تیرے سہارے میں قائم،
میں تیرے ذکر اور تیرے فیض میں مطمئن ہوں۔
یہ طویل روحانی سفر انسان کے دل وروح کو اللہ کی مطلق ''حیات وقیومیت'' کی

روشنی میں غرق کر دیتا ہے، اور ہر لمحہ اسے یہ شعور دیتا ہے کہ اصل سکون اور اصلی بقا صرف اللہ کے قرب میں ہے۔

اب ہم اس طویل روحانی اور شاعرانہ سفر کو عملی شکل میں لے آتے ہیں تا کہ قاری یا سالک ''دل وروح سے اللہ کی حیات وقیومیت کے نور میں غرق'' ہو سکے۔ یہ مرحلہ وار مراقبہ ہے، جسے پڑھنے یا عمل کرنے سے وجد اور سکون محسوس ہوتا ہے۔

## خاموشی اور توجہ

رات یا دن کے کسی خاموش لمحے میں بیٹھ جائیں، آنکھیں بند کریں۔

سانس کی روانی پر توجہ مرکوز کریں۔ ہر سانس کو محسوس کریں کہ یہ اللہ کی عطا اور حیات کا حصہ ہے۔

دل میں آہستہ آہستہ یہ لفظ دہرائیں۔

یاحیّ..... یاقیّوم.....

یہ ابتدائی ذکر دل وروح کو اللہ کی حیات وقیومیت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

خود شناسی اور عاجزی

ذہن میں محسوس کریں کہ آپ کی ہر حرکت، ہر لمحہ، ہر خیال، ہر احساس ''اللہ کے زیر سایہ'' ہے۔

دل سے کہیں: میں خود کچھ نہیں، سب کچھ تیرے فیض سے ہے۔

میری زندگی تیرے سہارے قائم ہے۔

میری ہر دھڑکن تیرے قبضے میں ہے۔

یہ شعور آپ کے دل میں عاجزی پیدا کرے گا اور دنیاوی فانی سہاروں سے آزادی دلوائے گا۔

## وجدانی ادراک

ہر سانس، ہر دھڑکن، ہر لمحہ کو اللہ کی حیات اور قیومیت کا مظہر سمجھیں۔
دل میں یہ کیفیت محسوس کریں۔
ہر خوف، ہر اضطراب، ہر کمزوری تیرے قیام وحیات کے زیر سایہ محفوظ ہے۔
میں تیرے بغیر کچھ نہیں، اور تو میرے بغیر کچھ نہیں۔
یہ مرحلہ دل وروح کو روشنی اور سکون فراہم کرتا ہے، اور ہر لمحہ عبادت اور ذکر میں بدل جاتا ہے۔

## فنا اور بقاء کا شعور

اپنی انا اور خود اعتمادی کو چھوڑ دیں۔ دل سے کہیں:
میں فنا ہوں، میری بقا تیرے بغیر نہیں؛
میں عاجز ہوں، تو مددگار ہے؛
میں کمزور ہوں، تو طاقت ہے؛
میں چھوٹا ہوں، تو عظمت ہے۔
یہ شعور ہر حالت میں مطمئن اور محفوظ رکھتا ہے اور انسان کو اللہ کی مطلق حیات و قیومیت کے نور میں غرق کر دیتا ہے۔

## دعا اور استغراق

* دل کی گہرائی سے اللہ سے دعا کریں:
اے حیّ وقیّوم!
* میری زندگی کو اپنے فیض اور قیومیت کے سائے میں محفوظ فرما،

* میرے دل کو اپنے ذکر سے زندہ کر،
* میری روح کو اپنے نور کی روشنی میں قائم رکھ،
* میرے خوف اور اضطراب کو اپنے نور سے دور کر،
* اور ہر لمحے مجھے اپنے قرب اور اپنے قائم رکھنے کا شعور عطا فرما۔

## مکمل سکون اور وجد

ہر لمحہ، ہر سانس اور ہر دھڑکن کو اللہ کی حیات و قیومیت کے زیر سایہ محسوس کریں۔

دل میں سکون، روح میں روشنی اور وجود میں اللہ کے قرب کی کیفیت پیدا ہوگی۔

شعور یہ بنائیں کہ اصل حیات اور بقا صرف اللہ کے قرب میں ہے۔

دل کی ہر دھڑکن کو اللہ کی رحمت، علم اور قدرت کی طرف متوجہ کریں۔

یہ عملی مراقبہ انسان کو نہ صرف اللہ کی مطلق حیات و قیومیت کا شعور دلاتا ہے بلکہ دل و روح کو سکون، اطمینان اور وجد میں غرق کرتا ہے۔

رات کی خاموشی میں سالک دل کی گہرائی میں بیٹھا ہے، آنکھیں بند، اور ہر سانس، ہر لمحہ اللہ کی حیات و قیومیت کی طرف مرکوز ہے۔ دل کی دھڑکن آہستہ آہستہ اس کے وجود میں روشنی بکھیر رہی ہے۔

یا حیّ ..... یا قیّوم .....

## پہلا حصہ: شعور ظاہری و قلبی

زمین خاموش، ستارے اپنی روشنی میں گردش کر رہے ہیں۔

ہر پتے کی جنبش، ہوا کی ہر لہر، ہر دھڑکن، ہر سانس تیرے نور کی روشنی ہے میں اپنے زور سے قائم نہیں ہوں۔

میری بقا میری محنت سے نہیں ہے۔
میں تیرے فیض کا آئینہ ہوں۔
میں تیرے نور کا محتاج ہوں۔
ہر خوف، ہر اضطراب، ہر تنہائی تیرے دائرے میں محفوظ ہے۔
میں گر بھی جاؤں، بکھر نہ جاؤں۔
میں تھک بھی جاؤں، تو قائم رہوں۔

## دوسرا حصہ: وجد و فنا

میری انا چھٹ گئی، میرا غرور مٹ گیا۔
میں فنا ہوں، میری بقا تیرے بغیر نہیں ہے۔
میں عاجز ہوں، تو مددگار ہے۔
میں کمزور ہوں، تو طاقت ہے۔
میں چھوٹا ہوں، تو عظمت ہے۔
ہر لمحہ عبادت، ہر سانس ذکر۔
ہر حرکت دعا، ہر خیال تجلی ہے۔
اور ہر لمحہ تیرے قرب اور تیرے قیام کا آئینہ ہے۔

## دعا اور استغراق

اے حیّ و قیّوم!
میری زندگی کو اپنے فیض اور قیومیت کے سائے میں محفوظ فرما،
میرے دل کو اپنے ذکر سے زندہ کر،
میری روح کو اپنے نور سے روشن کر،

میرے خوف اور اضطراب کو اپنی روشنی سے دور کر،
اور ہر لمحے مجھے اپنے قرب اور اپنے قائم رکھنے کا شعور عطا فرما۔

## سکون و نورانی وجد

اب ہر لمحہ، ہر سانس اور ہر دھڑکن اللہ کی حیات و قیومیت کے زیر سایہ ہے۔
دل سکون، روح روشنی، وجود اللہ کے قرب میں مستغرق،
اور ہر لمحہ عبادت و ذکر کی کیفیت میں ڈوبا ہوا ہے۔
میں تیرے بغیر کچھ نہیں۔
تو میرے بغیر بھی کچھ نہیں۔
میری زندگی تیرے فیض میں محفوظ، میری روح تیرے قرب میں مستغرق، اور میرا دل تیرے نور میں زندہ ہے۔
یا حیّ..... یا قیّوم.....
میں تیرے قرب میں زندہ، میں تیرے سہارے میں قائم،
میں تیرے ذکر اور تیرے فیض میں مطمئن ہوں۔

## مکمل وجدانی ادراک

یہ طویل مراقبتی اور شاعرانہ سفر انسان کے دل و روح کو اللہ کی مطلق ''حیات و قیومیت'' کی روشنی میں غرق کر دیتا ہے۔ ہر لفظ، ہر سانس، ہر لمحہ، اللہ کی قربت، اس کی بقا اور اس کے نور کے شعور سے بھرپور ہے۔
سالک کے لیے یہ سفر نہ صرف ''معرفت'' بلکہ ''اصل سکون، بقاء، اور وجدانی نور'' کا ذریعہ بن جاتا ہے۔
یا حیّ..... یا قیّوم.....

* ہر سانس کے ساتھ اس لفظ کی تاثیر محسوس کریں۔
* دل میں یہ شعور پیدا کریں کہ ''ہر دھڑکن اور ہر لمحہ اللہ کی حیات و قیومیت کے زیر سایہ ہے''۔
* دل سے کہیں۔ میری زندگی تیرے فیض کا حصہ ہے، میری بقا تیرے بغیر نہیں، میری ہر حرکت تیرے سہارے میں ہے۔
* دل میں عاجزی اور اللہ کے فیض کا شعور پیدا کریں۔
* ہر سانس، ہر دھڑکن، ہر لمحہ اللہ کی حیات و قیومیت کا مظہر سمجھیں۔
* دل میں محسوس کریں۔

میں تیرے بغیر کچھ نہیں، اور تو میرے بغیر بھی کچھ نہیں۔
میرا خوف، اضطراب اور کمزوری تیرے زیر سایہ محفوظ ہیں۔

* دل سے کہیں۔

میں فنا ہوں، میری بقا تیرے بغیر نہیں؛ میں عاجز ہوں، تو مددگار ہے؛ میں کمزور ہوں، تو طاقت ہے؛ میں چھوٹا ہوں، تو عظمت ہے۔ یہ شعور دل و روح کو سکون اور حفاظت عطا کرتا ہے۔

دل کی گہرائی سے اللہ سے دعا کریں:

اے حیّ وقیّوم!
میری زندگی کو تیرے فیض اور قیومیت کے سائے میں محفوظ فرما،
میرے دل کو تیرے ذکر سے زندہ کر،
میری روح کو تیرے نور میں قائم رکھ، میرے خوف اور اضطراب کو اپنی روشنی سے دور کر،
اور ہر لمحے مجھے تیرے قرب اور تیرے قائم رکھنے کا شعور عطا فرما۔

# اللہ کی شانِ رحمانیت

''وہ رحمت جو وجود سے پہلے تھی''

یہ کتاب جس دروازے سے کھلتی ہے، وہ دروازہ ''رحمانیت'' کا ہے۔

اور رحمانیت کوئی عام صفت نہیں، یہ ''وجود کی بنیاد'' ہے۔ اگر رحمانیت نہ ہوتی تو نہ قلم چلتا، نہ لفظ بنتا، نہ دل دھڑکتا، نہ عقل سوال کرتی، نہ روح کسی حقیقت کی طرف مائل ہوتی۔

رحمانیت وہ پہلا لمس ہے جو عدم کے سینے پر پڑا، اور عدم نے وجود کی صورت اختیار کر لی۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانیت کو سمجھنا دراصل ''اللہ کو بطور محسنِ اوّل'' پہچاننا ہے۔ وہ محسن جو مانگنے سے پہلے دیتا ہے، جو پہچانے جانے سے پہلے نوازتا ہے، جو نافرمانی کے باوجود بھی زندگی کی ڈور نہیں کاٹتا۔

یہ وہ رحمت ہے جو ''استحقاق'' نہیں دیکھتی، 'قابلیت' نہیں پوچھتی، 'ایمان و کفر' کا وزن نہیں تولتی۔ بس عطا کرتی ہے، کیونکہ اس کی شان ہی عطا کرنا ہے۔

اللہ کی شانِ رحمانیت وہ ازلی سایۂ لطف ہے جو وجود کے ظہور سے بھی پہلے پھیلا ہوا تھا۔ یہ وہ رحمت ہے جس نے عدم کی خاموشی میں بھی امکانِ حیات رکھا، اور ہر شے کو وجود دینے سے پہلے ہی اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ انسان جب اس پہلو پر غور کرتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ وہ صرف پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ پہلے ہی رحمت میں ڈوبا ہوا تھا۔ جیسے اُس کی ہر سانس ایک پہلے سے لکھی ہوئی شفقت کا تسلسل ہو۔

یہ رحمت کسی شرط کی محتاج نہیں، نہ کسی عمل کی بنیاد پر ملتی ہے۔ یہ وہ عطا ہے جو بندے کے ہونے سے پہلے ہی اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ جب دل اس حقیقت کو

چھوتا ہے تو ایک عجیب سا اطمینان پیدا ہوتا ہے- ایسا اطمینان جو اس یقین سے جنم لیتا ہے کہ وجود خود ایک رحمت ہے، اور ہر لمحہ اسی رحمت کا نیا اظہار ہے۔ یہاں انسان یہ نہیں دیکھتا کہ اسے کیا ملا، بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ خود ایک عطا ہے۔

رحمانیت کا یہ شعور انسان کو خوف سے نکال کر شکر میں لے آتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ جس نے اُسے وجود دیا، اُس نے پہلے ہی اسے اپنی رحمت میں سمو رکھا تھا۔ یوں زندگی صرف آزمائش نہیں رہتی، بلکہ ایک مسلسل مہربانی بن جاتی ہے- ایسی مہربانی جو ابتدا سے پہلے تھی، اور ہر انتہا کے بعد بھی باقی رہے گی۔

رحمانیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے سب سے پہلے انسان کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ

## اللہ اپنے وجود کا خالق نہیں

وہ اپنے سانس، اپنی عقل، اپنی آنکھ، اپنی ماں کی ممتا، اپنے باپ کی شفقت، اپنی زمین کی زرخیزی، اپنے آسمان کی چھاؤں- کسی کا بھی خالق نہیں۔

یہ سب کچھ اسے 'دیا گیا ہے'، اور دینے والا ''الرحمٰن'' ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ''قرآن مجید'' کی پہلی مکمل سورت جس میں اللہ نے اپنی ذات کا تعارف کرایا، وہ ''سورۃ الرحمٰن'' ہے۔

گویا ربِ کائنات یہ بتانا چاہتا ہے کہ:

مجھے پہچاننا ہے تو میری رحمانیت سے پہچانو،
میری قدرت سے نہیں، میرے قہر سے نہیں،
بلکہ میری اس رحمت سے جو تمہارے سوال سے پہلے تم تک پہنچی۔

یہ وہ رحمت ہے جس کے سائے میں
کافر کا بچہ بھی ماں کی گود میں ہنستا ہے،
ملحد بھی سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھاتا ہے،

گناہگار کو بھی رزق سے محروم نہیں کیا جاتا،
اور نافرمان بھی زندگی کی مہلت پاتا ہے۔
شانِ رحمانیت کا ایک نہایت لطیف اور گہرا پہلو یہ ہے کہ
''یہ رحمت صرف دینا نہیں سکھاتی، شرمندہ بھی کرتی ہے''۔
عارف جب رحمانیت پر غور کرتا ہے تو اس کا دل کہتا ہے:
میں گناہ کرتا رہا، اور وہ مجھے سانس دیتا رہا؛ میں بھولتا رہا، اور وہ مجھے رزق دیتا رہا؛ میں دور جاتا رہا، اور وہ مجھے زندگی دیتا رہا۔ یہ شرمندگی ہی دراصل معرفت کی پہلی سیڑھی ہے۔
کیونکہ جو شخص رحمانیت کو سمجھ لیتا ہے، وہ اللہ سے ''بغاوت نہیں کر سکتا'' - وہ صرف نادم ہو سکتا ہے۔
رحمانیت کا تعلق صرف مخلوق سے نہیں،
رحمانیت کا تعلق ''خود رب کی شانِ الوہیت'' سے ہے۔
اللہ اگر رحمان نہ ہوتا تو وہ ''اللہ'' نہ ہوتا،
کیونکہ رحمانیت اس کی ذات کا وہ جلوہ ہے جس کے بغیر
ربوبیت ادھوری، الوہیت بے نور اور محبت بے بنیاد ہو جاتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ اہلِ معرفت نے کہا: ''اللہ کی رحمانیت، اس کی ذات کی مسکراہٹ ہے''۔
یہ مسکراہٹ کبھی رزق بن کر ظاہر ہوتی ہے، کبھی صحت، کبھی اولاد، کبھی کسی اچانک بچ جانے والی مصیبت میں، اور کبھی کسی ایسے آنسو میں جس کے بعد دل ہلکا ہو جاتا ہے۔
یہ کتاب دراصل اسی سوال سے جنم لیتی ہے: ''اگر اللہ اتنا رحمان ہے تو ہم اس سے اتنے غافل کیوں ہیں؟'' اور یہی سوال قاری کو محض پڑھنے والا نہیں رہنے

دیتا، بلکہ اسے سوچنے، رکنے، پلٹنے اور جھکنے پر مجبور کرتا ہے۔

شانِ رحمانیت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ: اللہ کی عطا، ہمارے عمل کی محتاج نہیں۔ اللہ کی رحمت، ہمارے حال سے بڑی ہے۔

اور اللہ کا دروازہ، ہماری واپسی سے پہلے ہی کھلا ہوتا ہے۔اس کتاب کی تمہید میں رحمانیت کو موضوع بنانے کا مقصد یہ ہے کہ قاری سب سے پہلے ''اللہ کے خوف'' سے نہیں، ''اللہ کی رحمت کے احساس'' سے اس سفر کا آغاز کرے۔ کیونکہ جو شخص رحمانیت کو سمجھ لیتا ہے، وہ عبادت ڈر سے نہیں، ''محبت سے'' کرتا ہے۔

اور یہی محبت، آگے چل کر: رحیمیت میں بدلتی ہے عظمت کے سامنے سجدہ بن جاتی ہے رفعت میں عاجزی سکھاتی ہے عزت میں بے نیازی پیدا کرتی ہے اور وسعت میں دل کو آسمان بنا دیتی ہے یہ تمہید دراصل ایک دعوت ہے- اللہ کو ''الرحمٰن'' کہہ کر پکارنے کی دعوت، اس کے احسان کو ماننے کی دعوت، اور اپنی غفلت کو پہچاننے کی دعوت۔

آگے آنے والے صفحات میں یہ رحمانیت صرف سمجھی نہیں جائے گی، بلکہ ''محسوس'' کی جائے گی۔ کیونکہ جب رحمانیت دل میں اترتی ہے تو انسان صرف قاری نہیں رہتا- وہ ''شکر گزار بندہ'' بن جاتا ہے۔

# وہ مہر جو مانگنے سے پہلے ملی

وہ مہر- وہ عنایت- جو مانگنے سے پہلے عطا ہوتی ہے، دراصل اُس بے سبب رحمت کا ظہور ہے جو انسان کی طلب سے آزاد ہے۔ یہ وہ لطف ہے جو سوال اٹھنے سے پہلے جواب بن کر دل میں اترتا ہے، اور بندہ حیران رہ جاتا ہے کہ جو اس نے مانگا بھی نہیں تھا، وہ کیسے اس کے حصے میں آ گیا۔ یہاں عطا کا تعلق کوشش سے نہیں، بلکہ اُس مہربانی سے ہے جو خود دینا چاہتی ہے۔

یہ کیفیت انسان کو ایک نئی پہچان دیتی ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہر نعمت اُس کے استحقاق کا نتیجہ نہیں، بلکہ ایک خاموش عنایت ہے۔ دل میں شکر کا ایک نرم سا احساس پیدا ہوتا ہے، اور انسان اپنے ہونے کو بھی ایک عطیہ سمجھنے لگتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں دعا صرف مانگنے کے لیے نہیں رہتی، بلکہ شکر ادا کرنے کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

اور یہی وہ مہر ہے جو دل کو بدل دیتی ہے۔ انسان جب اس بے سبب عطا کو پہچان لیتا ہے تو اُس کی نظر بدل جاتی ہے- وہ ہر شے میں رحمت کے آثار دیکھنے لگتا ہے۔ پھر زندگی ایک مطالبہ نہیں رہتی، بلکہ ایک قبولیت بن جاتی ہے۔ اور اسی قبولیت میں ایک گہرا سکون چھپا ہوتا ہے- ایسا سکون جو بتاتا ہے کہ دینے والا پہلے ہی قریب تھا، اور اُس کی عطا ہمیشہ سوال سے پہلے موجود رہی ہے۔

لفظ الرَّحْمٰن -شرح، معنی اور مفہوم

الرَّحْمٰن عربی زبان کا وہ اسمِ صفت ہے جو مادہ ر-ح-م سے نکلا ہے، جس کے لغوی معنی ہیں:

نرمی، شفقت، گہرا رحم، ایسا احسان جو دردِ دل سے پھوٹے۔

لیکن الرَّحْمٰن محض رحم کرنے والا نہیں، بلکہ: وہ ذات جس کی رحمت وسیع، محیط،

غالب اور غیر محدود ہو۔

اہلِ لغت اور مفسرین کے نزدیک:

الرَّحْمٰن ایسا وصف ہے جو صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔

کوئی مخلوق ''رحمٰن'' نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس رحمت کی وسعت، شدت اور ہمہ گیری مخلوق کے بس میں نہیں۔

یوں رحمانیت، اللہ کی وہ صفت ہے جو: وجود سے پہلے کام کرتی ہے۔ سوال سے پہلے عطا کرتی ہے۔ اور شکر سے پہلے بھی جاری رہتی ہے۔

## رحمانیت وجود کی بنیاد

اگر کائنات کی تخلیق پر غور کیا جائے تو سب سے پہلا سوال یہ نہیں بنتا کہ اللہ قادر ہے یا نہیں، بلکہ اصل سوال یہ بنتا ہے کہ: اللہ نے تخلیق کیوں کی؟ اہلِ معرفت اس کا جواب ایک لفظ میں دیتے ہیں: رحمانیت۔

کیونکہ قدرت تخلیق پر قادر تو ہے، مگر رحمانیت تخلیق پر آمادہ کرتی ہے۔ اگر رحمانیت نہ ہوتی، عدم، عدم ہی رہتا۔

انسان کبھی وجود میں نہ آتا، اور روح کبھی بدن کا لباس نہ پہنتی۔

اسی لیے قرآن مجید نے اللہ کا پہلا تعارف یوں کرایا:

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: رحمٰن نے (اپنے محبوب کو)، قرآن کا علم عطا فرمایا۔ اِسی نے انسان کو پیدا کیا۔

(سورۃ الرحمٰن: 1-3)

## عرفانی نکتہ

ان آیات میں ''خلق الانسان'' سے پہلے ''علم القرآن'' کا ذکر بتاتا ہے کہ:

رحمانیت کا پہلا مقصد ہدایت ہے، محض تخلیق نہیں۔

## رحمانیت-ایمان وکفر سے ماورا رحمت

رحمانیت کا سب سے حیران کن پہلو یہ ہے کہ یہ رحمت ایمان کی شرط نہیں رکھتی۔ سورج کافر پر بھی نکلتا ہے بارش گناہگار پر بھی برستی ہے ماں کی ممتا، بچے کا عقیدہ نہیں پوچھتی رزق، سجدوں کی گنتی نہیں دیکھتا یہ سب رحمانیت کے مظاہر ہیں۔

ایک صوفی نے کہا: اگر اللہ ایمان دیکھ کر دیتا، تو دنیا میں شاید کوئی زندہ نہ بچتا۔ ''رحمانیت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ: اللہ کا دین عدل سے چلتا ہے، مگر اس کی دنیا رحمت سے چلتی ہے۔''

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رحمانیت

حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے بنائے، ایک حصہ زمین پر نازل کیا، اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھے۔'' (صحیح مسلم)

شرح: زمین پر جو: ماں بچے پر جھکتی ہے پرندہ اپنے گھونسلے کی حفاظت کرتا ہے انسان دوسرے انسان کے درد پر تڑپتا ہے یہ سب ایک حصے کی جھلک ہے۔

اب سوچیے: وہ ننانوے حصے کس شان کے ہوں گے جو قیامت کے دن ظاہر ہوں گے؟ یہی سوچ انسان کو امید دیتی ہے، اور یہی امید اسے واپس پلٹنے کا حوصلہ بخشتی ہے۔

## رحمانیت اور انسان کی شرمندگی

رحمانیت کا کمال یہ ہے کہ: یہ صرف نوازتی نہیں، بلکہ شرمندہ بھی کرتی ہے۔

جب بندہ سوچتا ہے: میں گناہ کرتا ہوں اور وہ مجھے مہلت دیتا ہے میں بھول جاتا ہوں اور وہ مجھے رزق دیتا ہے تو دل خود بخود جھک جاتا ہے۔ یہی جھکاؤ توبہ سے پہلے کا حال ہے۔

عارف کہتے ہیں: اللہ نے مجھے میرے گناہ سے نہیں، اپنی رحمانیت سے توڑا۔

## رحمانیت-غضب پر غالب

حدیثِ قدسی میں آتا ہے:

''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''

یہ جملہ محض تسلی نہیں، بلکہ اللہ کی سنت کا اعلان ہے۔ غضب: کسی خاص عمل پر آتا ہے۔ کسی خاص حد پر آ کر نازل ہوتا ہے مگر رحمانیت: ہر وقت، ہر حالہر سانس کے ساتھ جاری رہتی ہے۔

اسی لیے اہلِ دل کہتے ہیں: اگر رحمانیت ایک لمحہ ہٹ جائے، تو کائنات اگلے لمحے باقی نہ رہے۔

## صوفیانہ سوال و جواب

سوال: اگر اللہ رحمٰن ہے تو دنیا میں مصیبتیں کیوں ہیں؟

جواب (عارفانہ): مصیبت، رحمانیت کی ضد نہیں- بلکہ اس کی ایک شکل ہے۔

جو دکھ انسان کو رب کی طرف لوٹا دے جو تکلیف غرور توڑ دے جو آنسو دل نرم کر دے وہ بھی رحمانیت ہی ہے، بس سخت پردے میں۔

## رحمانیت اور دعا کا رشتہ

رحمانیت دعا کے بعد نہیں، دعا سے پہلے کام کرتی ہے۔ دعا مانگنے کی توفیق دینا بھی

رحمانیت ہے۔ آنسو آجانا بھی رحمانیت ہے۔ دل میں ندامت پیدا ہوجانا بھی رحمانیت ہے۔ اسی لیے دعا دراصل: رحمانیت کے جواب میں بندے کی کمزوری صدا ہے۔

## اختتامی عرفانی کلمات

شانِ رحمانیت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ:

اللہ پہلے رب ہے، پھر حاسب
پہلے محسن ہے، پھر حاکم
پہلے رحمٰن ہے، پھر غفار

جو شخص رحمانیت کو سمجھ لیتا ہے: وہ ناامید نہیں ہوتا، وہ مایوس نہیں ہوتا، وہ رب سے بدگمان نہیں ہوتا، وہ جھکتا ہے، لوٹتا ہے، اور شکر گزار ہوجاتا ہے۔

یہ رحمانیت رحیمیت میں ڈھلے گی، عظمت میں جلال بنے گی، اور وسعت میں دل کو آسمان کردے گی۔

# اللہ کی شانِ الرحمٰن

اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک "الرَّحمٰن" اس کی بے پایاں، ہمہ گیر اور غیر محدود رحمت کا اظہار ہے۔ "الرَّحمٰن" وہ ہے جس کی رحمت ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے چاہے وہ مومن ہو یا کافر، انسان ہو یا حیوان، زمین ہو یا آسمان۔ یہ رحمت کسی شرط، کسی حد اور کسی استحقاق کی پابند نہیں، بلکہ یہ اللہ کے فضل کا ایک ایسا دریا ہے جو ہر طرف بہہ رہا ہے۔

"الرَّحمٰن" کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو بغیر مانگے عطا کرتا ہے۔ انسان جب پیدا بھی نہیں ہوا ہوتا، تب بھی اس کے لیے رزق، ماحول اور زندگی کے اسباب تیار کیے جا چکے ہوتے ہیں۔ ماں کے رحم میں بچے کی پرورش، زمین پر اس کے لیے غذا، ہوا، پانی اور روشنی کا انتظام یہ سب "الرَّحمٰن" کی اس بے مثال رحمت کے مظاہر ہیں جو ہر لمحہ جاری ہے۔

یہ صفت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ وہ بندے کی غلطیوں کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ اسے مہلت دیتا ہے، سمجھنے کا موقع دیتا ہے، اور بار بار رجوع کی دعوت دیتا ہے۔ یہی "الرَّحمٰن" کی شان ہے کہ وہ ناراض ہونے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ معاف کرنے میں سبقت لے جاتا ہے۔

عرفانی پہلو سے "الرَّحمٰن" کا ادراک دل میں محبت، امید اور سکون پیدا کرتا ہے۔ جب بندہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک ایسی ذات کے سائے میں ہے جس کی رحمت ہر حال میں اس کے ساتھ ہے، تو اس کے دل سے مایوسی ختم ہو جاتی ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ چاہے حالات کیسے بھی ہوں، اللہ کی رحمت اس سے قریب تر ہے۔

یہ صفت انسان کو بھی رحمت، نرمی اور شفقت اپنانے کی تعلیم دیتی ہے۔ جو بندہ

"الرَّحْمٰن" کو پہچان لیتا ہے، وہ دوسروں کے ساتھ سختی کے بجائے محبت، درگزر اور مہربانی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ یوں اللہ کی صفت اس کے اخلاق میں جھلکنے لگتی ہے۔

آخر کار، "الرَّحْمٰن" کی شان یہ ہے کہ وہ بندے کو اپنی رحمت کے ذریعے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ وہ سزا کے خوف سے نہیں بلکہ محبت کے جذبے سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہی رحمت بندے کے دل کو زندہ کرتی ہے، اسے اللہ کے قریب لاتی ہے، اور اس کی زندگی کو نور، سکون اور امید سے بھر دیتی ہے۔

مزید علمی، عرفانی، صوفیانہ سوال و جواب

یہ سوال و جواب محض ذہنی تسکین کے لیے نہیں، بلکہ دل کے بند دروازے کھولنے کے لیے ہیں۔ یہاں سوال عقل پوچھتی ہے، مگر جواب دل کو ملتا ہے۔

## اہلِ علم کا سوال

سوال: اگر اللہ کی رحمانیت سب کو شامل ہے تو پھر آخرت میں حساب کیوں؟

جواب: رحمانیت اور حساب میں تضاد نہیں، بلکہ ترتیب ہے۔

رحمانیت مہلت دیتی ہے،

اور حساب انصاف کرتا ہے۔

دنیا، رحمانیت کا مظہر ہے

اور آخرت، عدل کا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ

ترجمہ: ''میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے۔''

(سورۃ الاعراف:156)

لیکن اسی آیت کے اگلے حصے میں فرمایا کہ یہ رحمت آخرت میں اہلِ تقویٰ کے

لیے خاص کر دی جائے گی۔

علمی نکتہ: رحمانیت سب کو موقع دیتی ہے، نجات اس موقع کے استعمال سے ملتی ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مبنی سوال

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار رحمت کا ذکر کیوں فرماتے تھے؟

جواب: اس لیے کہ انسان خوف سے زیادہ امید پر زندہ رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اگر مومن جان لے کہ اللہ کے عذاب میں کیا ہے تو وہ جنت کی امید نہ کرے، اور اگر کافر جان لے کہ اللہ کی رحمت میں کیا ہے تو وہ جنت سے مایوس نہ ہو۔''

(صحیح مسلم)

شرح: یہ حدیث رحمانیت کا دروازہ بند نہیں ہونے دیتی۔

حتیٰ کہ کفر کے اندھیروں میں بھی ایک روشنی باقی رکھتی ہے۔

## صوفیانہ سوال

سوال: رحمانیت کو دل میں کیسے محسوس کیا جائے؟

عارف کا جواب: رحمانیت محسوس کرنے کے لیے زیادہ لینے کی نہیں، کم سوچنے کی ضرورت ہے۔ جب بندہ یہ مان لے کہ: میں نے اللہ کو کم یاد کیا مگر اس نے مجھے کبھی نہیں بھلایا وہیں رحمانیت دل میں اتر جاتی ہے۔

## قرآنی تدبر پر مبنی سوال

سوال: اللہ نے ہر سورت کے آغاز میں "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ"

کیوں رکھی؟

جواب: تا کہ بندہ یہ نہ سمجھے کہ: حکم پہلے ہے رحمت بعد میں بلکہ حقیقت یہ ہے: رحمت پہلے ہے، حکم بعد میں۔

اسی لیے قرآن مجید کی ہر ابتدا رحمانیت کے اعلان سے ہوتی ہے۔

عرفانی نکتہ: جو کام رحمٰن کے نام سے شروع ہو، وہ کبھی بے مقصد نہیں ہوتا۔

## اہلِ دانش کا سوال

سوال: کیا رحمانیت کا غلط مفہوم انسان کو گناہ پر جری نہیں کر دیتا؟

جواب: یہ علم کی نہیں، نیت کی خرابی ہے۔

جو رحمانیت کو بہانہ بنائے، وہ رحمانیت کو سمجھا ہی نہیں۔ کیونکہ: رحمانیت ڈھیل دیتی ہے چھوٹ نہیں دیتی۔

عارف کہتے ہیں: رحمانیت نے مجھے بے خوف نہیں کیا، اس نے مجھے شرمندہ کیا۔

## وجدانی سوال

سوال: کیا مصیبت کے وقت بھی رحمانیت موجود ہوتی ہے؟

جواب: ہاں، بلکہ وہاں زیادہ واضح ہوتی ہے۔ کیونکہ: مصیبت غرور توڑتی ہے مصیبت دعا سکھاتی ہے مصیبت رب کی یاد لوٹاتی ہے یہ سب رحمانیت کی پوشیدہ صورتیں ہیں۔

## صوفی کا سوال

سوال: رحمانیت اور محبتِ الٰہی میں کیا تعلق ہے؟

جواب: رحمانیت محبت کا دروازہ ہے، اور محبت اطاعت کا راستہ ہے۔ جو

رحمانیت کو سمجھ لیتا ہے: وہ عبادت کو بوجھ نہیں سمجھتا وہ سجدے کو سزا نہیں جانتا وہ رب کو محبوب مان کر جھکتا ہے۔

## عالمانہ سوال

سوال: رحمانیت کا سب سے بڑا عملی تقاضا کیا ہے؟

جواب: بندوں پر رحم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔''

عملی نکتہ: جو شخص بندوں پر رحم نہیں کرتا، وہ رحمانیت کا دعویٰ تو کر سکتا ہے مگر اس کا ذوق نہیں پا سکتا۔

## عرفانی سوال

سوال: رحمانیت کا سب سے گہرا اثر دل پر کیا ہوتا ہے؟

جواب: امن۔ رحمانیت والا دل: جلد نفرت نہیں کرتا جلد مایوس نہیں ہوتا جلد ٹوٹتا نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے: ''میرا رب'' مجھے چھوڑنے والا نہیں۔

## اختتامی سوال (قاری کے لیے)

کیا ہم اللہ کی رحمانیت پر اتنا ہی یقین رکھتے ہیں
جتنا اپنے خوف پر رکھتے ہیں؟
اگر نہیں۔ تو یہ باب ابھی مکمل نہیں ہوا۔

# رحمٰن نے عرش پر استواء فرمایا

رحمت کی حاکمیت، اقتدار کا جمال، اور قرب کا راز

یہ جملہ قرآنِ مجید کے اُن مقامات میں سے ہے جہاں عقل خاموش ہو جاتی ہے اور ادب بولنے لگتا ہے، جہاں علم سجدہ کرتا ہے اور معرفت آنسو بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵

(سورۃ طٰہٰ: 5)

ترجمہ: رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔

یہ آیت محض ایک خبری جملہ نہیں، یہ اللہ کی حاکمیت کا اعلان بھی ہے اور اس حاکمیت کے مزاج کی وضاحت بھی۔

## سب سے پہلا لطیف نکتہ: الرحمٰن کیوں؟

سب سے پہلا لطیف نکتہ: ''الرحمٰن کیوں؟ یہ سوال دراصل ابتدا کے اُس راز کو چھوتا ہے جہاں ہر شے کا سرچشمہ چھپا ہے۔ ''الرحمٰن'' وہ نام ہے جو بغیر کسی شرط، بغیر کسی استحقاق کے رحمت کے پھیلاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی لیے ابتدا اسی سے ہوتی ہے، کیونکہ وجود کا پہلا تعارف عطا ہے، حساب نہیں؛ محبت ہے، جزا نہیں۔

''الرحمٰن'' میں وہ وسعت ہے جو سب کو اپنے دائرے میں لے لیتی ہے۔ خواہ مانگنے والا ہو یا نہ مانگنے والا، جاننے والا ہو یا غافل۔ یہ وہ رحمت ہے جو فرق نہیں کرتی، بلکہ سب کو ایک ہی نظر سے نوازتی ہے۔ اسی لیے جب ابتدا ''الرحمٰن'' سے ہوتی ہے تو انسان کو یہ پیغام ملتا ہے کہ اس کا وجود کسی امتحان سے پہلے ایک عنایت ہے، اور ہر

سانس ایک پہلے سے دی گئی مہربانی کا تسلسل ہے۔

یہی لطیف نکتہ دل میں اتر جائے تو انسان کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ وہ زندگی کو صرف آزمائش نہیں سمجھتا، بلکہ ایک مسلسل رحمت کے طور پر دیکھنے لگتا ہے۔ "الرحمٰن" یاد دلاتا ہے کہ دینے والا پہلے ہے، مانگنے والا بعد میں؛ اور اسی ترتیب میں ایک گہرا سکون چھپا ہے- کہ جو کچھ ہے، وہ سب اسی بے سبب مہربانی کا فیض ہے جو ابتدا سے پہلے بھی تھی اور ہر انتہا کے بعد بھی باقی رہے گی۔

قرآن نے یہ نہیں فرمایا کہ:

اَللّٰهُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى

یا

اَلْقَادِرُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى

بلکہ فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى

اہلِ علم کہتے ہیں: اللہ نے اپنی حاکمیت کو اپنی رحمانیت کے نام سے جوڑا۔

یعنی: عرش پر حکومت قہر سے نہیں، جبر سے نہیں، انتقام سے نہیں، بلکہ رحمت کے مزاج کے ساتھ قائم ہے۔

یہ وہ نکتہ ہے: جو بندے کے دل سے اللہ کے بارے میں خوفِ ظلم کو نکال دیتا ہے۔

## استواء کا مفہوم- کیا اور کیا نہیں؟

استواء کا مفہوم ایک نہایت باریک اور نازک عقیدتی موضوع ہے، اس لیے اسے سمجھتے وقت توازن ضروری ہے- نہ اسے مخلوق جیسا بنا دیا جائے، اور نہ اس کے معنی

کو بالکل معطل کر دیا جائے۔

1- کیا ہے؟:

''استواء'' قرآن میں اللہ کی شانِ ربوبیت اور کامل اقتدار کی تعبیر ہے- یعنی وہ عرش پر اپنی شان کے مطابق قائم و غالب ہے، پوری کائنات پر اس کی تدبیر، حکومت اور احاطہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کسی جگہ میں محدود ہو گیا، بلکہ یہ اس کے کمالِ اقتدار، نظمِ کائنات اور احاطۂ علم و قدرت کی طرف اشارہ ہے۔ اہلِ سنت کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ''استویٰ علی العرش'' کو مانا جائے، اس پر ایمان رکھا جائے، مگر اس کی کیفیت (کیسے؟) میں بحث نہ کی جائے- کیونکہ اللہ کی حقیقت مخلوق کی مثالوں سے ماورا ہے۔

2- کیا نہیں ہے؟:

استواء کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ عرش پر بیٹھا ہے، ٹکا ہوا ہے، یا کسی جسمانی انداز میں موجود ہے- یہ سب مخلوق کی صفات ہیں، اور اللہ ان سے پاک ہے۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ استواء کے معنی کو بالکل ختم کر دیا جائے اور کہا جائے کہ اس کا کوئی مفہوم ہی نہیں۔ اعتدال یہی ہے کہ معنی کو مانا جائے (یعنی علو، غلبہ، تدبیر)، مگر کیفیت کو اللہ کے سپرد کیا جائے۔

3- روحانی و عرفانی زاویہ:

جب دل اس حقیقت کو چھوتا ہے تو استواء ایک زندہ شعور بن جاتا ہے: کہ ایک ہی حقیقت پوری کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، ہر شے اسی کے حکم سے قائم ہے، اور کوئی گوشہ اس کی نگاہ سے خالی نہیں۔ یہ احساس انسان کو خوف نہیں، بلکہ سکون دیتا ہے- کہ نظمِ کائنات بکھرا ہوا نہیں، بلکہ ایک کامل تدبیر کے تحت جاری ہے۔

یوں استواء کا مفہوم یہ سکھاتا ہے کہ اللہ بلند ہے، غالب ہے، قائم ہے- مگر کسی حد، جگہ یا کیفیت کا محتاج نہیں۔ یہی توازن عقیدے کی حفاظت بھی ہے اور دل کے سکون کا ذریعہ بھی۔

یہاں ایک نہایت ضروری علمی واعتقادی وضاحت ہے:

علمائے حق کا متفقہ اصول ہے کہ:

استواء ثابت ہے، کیفیت نامعلوم ہے،

تشبیہ حرام ہے، انکار گمراہی ہے۔

یعنی: ہم استواء کو مانتے ہیں۔

مگر یہ نہیں کہتے کہ کیسے۔

نہ اللہ کو مخلوق پر قیاس کرتے ہیں۔

نہ عرش کو تختِ انسانی سمجھتے ہیں۔

عرفانی نکتہ: جہاں عقل ''کیسے'' پوچھے، وہاں ایمان ''وہ ہے'' کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے۔

## عرش مجید کیا ہے؟

عرش مخلوقات میں سب سے عظیم ہے، مگر پھر بھی مخلوق ہے۔

عرش، اللہ کو اٹھائے ہوئے نہیں بلکہ عرش، اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے اللہ عرش کا محتاج نہیں عرش، اللہ کے حکم کا محتاج ہے استواء کا مطلب یہ نہیں کہ: اللہ کسی جگہ پر محدود ہو گیا - بلکہ اس کا مطلب ہے: کائنات کی باگ ڈور مکمل طور پر رحمٰن کے اختیار میں ہے۔

1-عقیدے کے مطابق (کیا ہے؟):

''عرش'' وہ عظیم مخلوق ہے جسے اللہ نے پیدا کیا اور جسے قرآن میں اس کی بادشاہی اور اقتدار کی علامت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اسے کائنات کی سب سے بڑی مخلوق کہا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ ''استواء علی العرش'' کا ذکر آتا ہے۔ اہلِ سنت کا طریقہ یہ ہے کہ عرش کے وجود پر ایمان رکھا جائے، مگر اس کی حقیقت، ہیئت اور

کیفیت کو اللہ کے سپرد کیا جائے- نہ اسے مخلوق جیسی تشبیہ دی جائے، نہ اس کا انکار کیا جائے۔

2- کیا نہیں ہے؟:

عرش کو اللہ کی رہائش یا بیٹھنے کی جگہ سمجھنا درست نہیں، کیونکہ اللہ کسی مکان، سمت یا جسمانی حد کا محتاج نہیں۔ اسی طرح عرش کو محض ایک علامتی خیال قرار دے کر اس کے حقیقی وجود کا انکار کرنا بھی درست نہیں۔ توازن یہ ہے کہ اسے ایک حقیقی مخلوق مانا جائے، مگر اس کی نوعیت کو انسانی تصور میں محدود نہ کیا جائے۔

3- روحانی و عرفانی زاویہ:

دل کے سفر میں ''عرش'' کبھی ایک خارجی حقیقت سے بڑھ کر ایک علامت بھی بن جاتا ہے- اقتدارِ کامل، نظمِ کائنات اور اُس مرکز کی علامت جہاں سے ہر شے کی تدبیر جاری ہے۔ جب انسان اس شعور کو محسوس کرتا ہے تو اسے یہ ادراک ہوتا ہے کہ کائنات بکھری ہوئی نہیں، بلکہ ایک اعلیٰ نظام کے تحت قائم ہے، اور ہر شے اسی نظم کے دائرے میں ہے۔

یوں عرش ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ایک عظیم تدبیر موجود ہے- مگر اس تدبیر کرنے والی ذات ہر حد، ہر جگہ اور ہر تصور سے بلند و برتر ہے۔

''عرش'' وہ عظیم مخلوق ہے جسے اللہ نے پیدا کیا اور جسے قرآن میں اس کی بادشاہی اور اقتدار کی علامت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اسے کائنات کی سب سے بڑی مخلوق کہا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ "استواء علی العرش" کا ذکر آتا ہے۔ اہلِ سنت کا طریقہ یہ ہے کہ عرش کے وجود پر ایمان رکھا جائے، مگر اس کی حقیقت، ہیئت اور کیفیت کو اللہ کے سپرد کیا جائے- نہ اسے مخلوق جیسی تشبیہ دی جائے، نہ اس کا انکار کیا جائے۔

4- کیا نہیں ہے؟:

عرش کو اللہ کی رہائش یا بیٹھنے کی جگہ سمجھنا درست نہیں، کیونکہ اللہ کسی مکان، سمت یا جسمانی حد کا محتاج نہیں۔ اسی طرح عرش کو محض ایک علامتی خیال قرار دے کر اس کے حقیقی وجود کا انکار کرنا بھی درست نہیں۔ توازن یہ ہے کہ اسے ایک حقیقی مخلوق مانا جائے، مگر اس کی نوعیت کو انسانی تصور میں محدود نہ کیا جائے۔

5- روحانی و عرفانی زاویہ:

دل کے سفر میں "عرش" کبھی ایک خارجی حقیقت سے بڑھ کر ایک علامت بھی بن جاتا ہے- اقتدارِ کامل، نظمِ کائنات اور اُس مرکز کی علامت جہاں سے ہر شے کی تدبیر جاری ہے۔ جب انسان اس شعور کو محسوس کرتا ہے تو اسے یہ ادراک ہوتا ہے کہ کائنات بکھری ہوئی نہیں، بلکہ ایک اعلیٰ نظام کے تحت قائم ہے، اور ہر شے اسی نظم کے دائرے میں ہے۔

یوں عرش ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ایک عظیم تدبیر موجود ہے- مگر اس تدبیر کرنے والی ذات ہر حد، ہر جگہ اور ہر تصور سے بلند و برتر ہے۔

## رحمانیت+عرش = پیغام کیا ہے؟

جب بندہ یہ آیت پڑھتا ہے تو اصل پیغام یہ ہے:

''جس رب کے ہاتھ میں پوری کائنات ہے، اس کا نام رحمٰن ہے۔''

یعنی: جو آسمان چلا رہا ہے، وہی ماں کی مامتا رکھتا ہے جو ستاروں کو تھامے ہوئے ہے، وہی ٹوٹے دل کو بھی سنبھالتا ہے جو تقدیریں لکھ رہا ہے، وہی آنسو بھی گن رہا ہے

یہی وجہ ہے کہ اہلِ معرفت کہتے ہیں: ''عرش پر رحمٰن کا استواء دل میں امن پیدا کرنے کے لیے ہے، خوف پیدا کرنے کے لیے نہیں۔''

## شانِ رحمانیت- سمجھ سے حال تک

اس باب میں رحمانیت کو محض ایک عقیدہ نہیں، بلکہ ایک زندہ حقیقت کے طور پر

دیکھا گیا۔

یہ واضح ہوا کہ الرحمٰن وہ نام نہیں جو صرف زبان پر آتا ہے، بلکہ وہ صفت ہے جو ہر سانس کے ساتھ کام کر رہی ہے۔

ہم نے جانا کہ: رحمانیت، اللہ کی وہ صفت ہے جو وجود سے پہلے جلوہ گر ہوئی۔

یہ رحمت ایمان کی شرط نہیں رکھتی۔

یہ عطا عمل کی محتاج نہیں ہوتی۔

اور یہ مہلت غفلت کے باوجود ختم نہیں ہوتی۔

رحمانیت نے ہمیں یہ سکھایا کہ: اللہ بندے کو پہلے زندہ رکھتا ہے، پھر سمجھ دیتا ہے، پھر لوٹنے کا موقع دیتا ہے، اور آخر میں قبول کرتا ہے۔ یہ باب اس حقیقت پر ختم ہوا کہ: رحمانیت انسان کو بے خوف نہیں کرتی، بلکہ شرمندہ کرتی ہے، عاجز بناتی ہے، اور محبت کے ذریعے اطاعت تک لے جاتی ہے۔

اگر بندہ اس ایک بات کو دل میں اتار لے کہ: میرا رب مجھے میرے حال پر نہیں، اپنی رحمت پر پرکھتا ہے۔

تو ناامیدی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید ہمیں بار بار یاد دلاتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ

(سورۃ الزمر:53)

ترجمہ: اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

یہ آیت رحمانیت کا خلاصہ قرآن ہے۔

## صوفیانہ تدبر

''ایک عارف سے پوچھا گیا: اگر اللہ عرش پر ہے تو بندے کے قریب کیسے ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''عرش اس کے حکم کے لیے ہے،''
اور دل اس کی تجلی کے لیے۔ استواء، دوری کا اعلان نہیں
بلکہ حاکمیت کا اعلان ہے۔ اور قرب کے بارے میں اللہ خود فرماتا ہے کہ: وہ رگِ جاں سے بھی قریب ہے۔

## عملی پیغام (سالک کے لیے)

جب تم یہ آیت پڑھو:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى

تو دل میں یہ خیال آنا چاہیے:
میرا رب سب پر حاکم ہے۔
اور وہ رب رحمٰن ہے۔
لہٰذا میری زندگی بے سہارا نہیں۔
میری آزمائش بے مقصد نہیں۔
اور میری دعا ان سنی نہیں۔

## اختتامی عرفانی کلمات

عرش پر استواء نے ہمیں یہ نہیں سکھایا کہ: اللہ دور ہے۔
بلکہ یہ سکھایا کہ: اللہ کا اقتدار بھی رحمت میں ڈوبا ہوا ہے۔

اگر عرش پر کوئی اور نام ہوتا، تو شاید دل لرز جاتا۔
مگر عرش پر رحمٰن ہے- اس لیے دل کو قرار آتا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى

اہلِ علم بمقابلہ صوفیہ- ایک باوقار، عمیق مکالمہ
یہ مکالمہ اختلاف کے لیے نہیں، تکمیلِ فہم کے لیے ہے۔
یہاں اہلِ علم حدودِ عقیدہ کی حفاظت کرتے ہیں
اور صوفیہ ذوقِ قرب کی آبیاری۔
دونوں کا مقصد ایک ہے:
اللہ کی تعظیم، تنزیہ، اور بندے کی اصلاح۔
اہلِ علم: ہم کہتے ہیں کہ آیتِ کریمہ:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵

کو ویسے ہی مانا جائے جیسے آئی ہے- (سورۃ طٰہٰ :5)
بلا کیف، بلا تشبیہ، بلا تمثیل۔
استواء: ثابت ہے مگر اس کی کیفیت معلوم نہیں اللہ مخلوق کی صفات سے پاک ہے ہم ''کیسے؟'' نہیں پوچھتے، کیونکہ یہ سوال عقل کو وہاں لے جاتا ہے جہاں اسے جانا ہی نہیں چاہیے۔
صوفی: ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ''کیسے؟'' نہیں پوچھنا چاہیے،
لیکن ہم یہ ضرور پوچھتے ہیں کہ:
اس آیت نے دل پر کیا اثر ڈالا؟
اگر عرش پر استواء کا تصور دل میں خوف، دوری اور وحشت پیدا کر دے تو سمجھو کہ آیت سمجھی نہیں گئی۔

کیونکہ عرش پر رحمٰن ہے- اور رحمٰن کا نام سن کر دل کو سکون ملنا چاہیے۔

اہلِ علم: احتیاط لازم ہے۔ دل کے ذوق کے نام پر اگر اللہ کے لیے قربِ مکانی یا حلول کا تصور آ جائے تو یہ گمراہی ہے۔

اللہ: نہ کسی جگہ میں ہے نہ کسی سمت میں نہ عرش کا محتاج عرش، مخلوق ہے اور اللہ خالق۔

صوفی: ہم مکان کا قرب نہیں کہتے، ہم حال کا قرب کہتے ہیں۔ ہم نہیں کہتے کہ اللہ دل میں محدود ہو گیا-

بلکہ یہ کہتے ہیں کہ: دل، اللہ کی تجلی کا محل بن گیا۔

جیسے قرآن کہتا ہے کہ اللہ بندے کے قریب ہے- یہ قرب فاصلوں کا نہیں تعلق کا ہے۔

اہلِ علم: یہ بات درست ہے، بشرطیکہ زبان اور بیان میں عقیدے کی سرحد محفوظ رہے۔

ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ:

عرش پر استواء حاکمیت کا اعلان ہے نہ کہ کسی جسمانی بیٹھنے کا اور اللہ کا نام ''رحمٰن'' یہ بتاتا ہے کہ اس کی حاکمیت ظلم پر مبنی نہیں۔

صوفی: اور ہم یہی حاکمیت دل میں امن پیدا کرنے کے لیے لیتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں: جس کے ہاتھ میں پوری کائنات ہے اگر وہ رحمٰن ہے تو میرا دل کیوں ڈرے؟ عرش پر استواء ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ:

میرا رب غالب بھی ہے اور مہربان بھی مقتدر بھی ہے اور قریب بھی

اہلِ علم: تو یوں کہیے کہ: ہم استواء کو عقیدے میں محفوظ رکھتے ہیں اور تم اسے حال میں زندہ رکھتے ہو۔

صوفی (مسکرا کر): اور دونوں مل کر بندے کو بے ادب ہونے سے بھی بچاتے

ہیں اور بے ذوق ہونے سے بھی۔

## مشترکہ نتیجہ (اہلِ علم+صوفیہ)

الاستواء حق ہے کیفیت اللہ کے علم میں ہے تشبیہ وتمثیل باطل ہے اور رحمانیت اس استواء کا مزاج ہے۔

اہلِ علم: ہمیں عقیدے کی حفاظت سکھاتے ہیں۔

صوفی: ہمیں دل کی اصلاح سکھاتے ہیں۔

اور جب دونوں ساتھ چلیں تو بندہ: صحیح العقیدہ بھی ہوتا ہے اور زندہ دل بھی۔

## اختتامی عرفانی جملہ

عرش پر رحمٰن کا استواء

ہمیں یہ نہیں سکھاتا کہ اللہ کہاں ہے۔

بلکہ یہ سکھاتا ہے کہ: اللہ کی حاکمیت میں بھی رحمت غالب ہے۔

یہ سمجھ آجائے تو علم خشیت بن جاتا ہے

اور معرفت ادب میں ڈھل جاتی ہے۔

# اللہ کی شانِ رحمانیت

وہ نام جس سے وجود شروع ہوا، اور وہ صفت جس سے کائنات چل رہی ہے۔

رحمٰن اللہ تعالیٰ کا وہ اسمِ مبارک ہے جس میں اللہ کی ذات کا سب سے پہلا تعارف پوشیدہ ہے۔

یہ وہ نام نہیں جو صرف پکارا جائے، بلکہ وہ حقیقت ہے جس میں پوری کائنات سانس لیتی ہے۔ اگر اللہ کے تمام اسماء کو ایک دائرے میں رکھا جائے تو رحمٰن وہ مرکز ہے جس سے ہر صفت کا نور پھوٹتا ہے۔

## رحمٰن – نام یا اعلان؟

''الرحمٰن'' بیک وقت نام بھی ہے اور اعلان بھی۔ یہ اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک عظیم نام ہے، مگر اس کی نوعیت ایسی ہے کہ یہ محض پہچان نہیں، بلکہ ایک وسیع اعلانِ رحمت ہے– ایسا اعلان جو کائنات کے ہر ذرّے میں سنائی دیتا ہے، چاہے زبانیں خاموش ہی کیوں نہ ہوں۔

بطور نام، ''الرحمٰن'' اُس ذات کی صفت کو ظاہر کرتا ہے جس کی رحمت ہر حد سے وسیع ہے، جو بغیر کسی شرط کے سب کو اپنے دائرے میں لے لیتی ہے۔ یہ وہ نام ہے جو انسان کو یاد دلاتا ہے کہ وہ ایک ایسی ہستی سے وابستہ ہے جس کی مہربانی کسی استحقاق کی محتاج نہیں۔

اور بطور اعلان، ''الرحمٰن'' ایک پیغام ہے– کہ وجود کی بنیاد ہی رحمت ہے۔ ہر سانس، ہر لمحہ، ہر نعمت اسی اعلان کی گواہی ہے۔ انسان مانگے یا نہ مانگے، جانے یا نہ جانے، یہ رحمت پہلے سے جاری ہے۔ یہی اعلان دل کو خوف سے نکال کر امید اور

سکون کی طرف لے جاتا ہے۔

روحانی طور پر جب یہ حقیقت دل میں اترتی ہے تو ''الرحمٰن'' صرف ایک لفظ نہیں رہتا، بلکہ ایک زندہ احساس بن جاتا ہے۔ انسان زندگی کو ایک بوجھ نہیں، بلکہ ایک عطیہ سمجھنے لگتا ہے۔ اور یہی اس نام کا کمال ہے: کہ یہ پہچان بھی دیتا ہے اور ساتھ ہی ایک خاموش اعلان بھی کرتا ہے- کہ سب کچھ رحمت کے سائے میں ہے۔

رحمٰن محض ایک نام نہیں، یہ اللہ کے طرزِ تعامل کا اعلان ہے۔

یہ اعلان ہے کہ: اللہ نے پیدا رحمت سے کیا چلایا رحمت سے سنبھالا رحمت سے اور مہلت بھی رحمت سے دیا سی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا آغاز عدل سے نہیں، حساب سے نہیں، قہر سے نہیں- بلکہ رحمانیت سے کیا۔

## قرآن مجید کی پہلی صدا یہی ہے:

### بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گویا ربِ کائنات بندے سے یہ کہنا چاہتا ہے:

''مجھ تک آنے کا پہلا دروازہ خوف نہیں، بلکہ میری رحمت ہے۔''

## رحمانیت- وہ رحمت جو سبب نہیں دیکھتی

رحمانیت کی سب سے نمایاں صفت یہ ہے کہ یہ سبب کی محتاج نہیں۔

بندہ شکر کرے یا نہ کرے، مانگے یا نہ مانگے، یاد رکھے یا بھول جائے، رحمانیت پھر بھی جاری رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ: کافر بھی رزق پاتا ہے، غافل بھی سانس لیتا ہے، گناہگار بھی زندگی پاتا ہے۔ یہ سب رحمانیت کے مظاہر ہیں، نہ کہ بندے کے استحقاق کے۔

ایک عارف نے کہا: ''اگر رحمانیت اعمال دیکھ کر چلتی، تو دنیا قبرستان بن چکی

ہوتی۔''

رحمانیت وہ وسعت ہے جہاں عطا کسی سبب کی محتاج نہیں رہتی۔ یہ وہ رحمت ہے جو نہ مانگنے کا انتظار کرتی ہے، نہ کسی استحقاق کی شرط رکھتی ہے۔ جیسے بارش زمین کے انتخاب کے بغیر برستی ہے، ویسے ہی رحمانیت ہر دل، ہر حال اور ہر وجود کو اپنے دائرے میں لے لیتی ہے-خواہ وہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

اس رحمت میں دینے والا پہلے ہے اور سبب بعد میں بھی نہیں آتا۔ انسان اپنی کوششوں، دعاؤں یا اعمال کو ذریعہ سمجھتا ہے، مگر رحمانیت اس سوچ سے آگے ہے۔ یہاں عطا کا تعلق کسی عمل سے نہیں، بلکہ اُس مہربانی سے ہے جو خود دینا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی وہ بھی مل جاتا ہے جس کا خیال تک نہ آیا ہو، اور وہ بھی سنبھل جاتا ہے جو خود کو کھو چکا ہو۔

جب دل اس حقیقت کو پہچانتا ہے تو اس میں ایک نرم سا سکون اترتا ہے۔ انسان حساب سے نکل کر شکر میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ زندگی کو مانگنے کی جگہ نہیں، بلکہ ملنے کی جگہ سمجھنے لگتا ہے۔ اور یہی رحمانیت کا راز ہے: کہ یہ سبب سے پہلے ہے، سبب کے بغیر ہے، اور ہر سبب کے بعد بھی باقی رہتی ہے-ایک ایسی مہربانی کی صورت میں جو ہر حال میں جاری ہے۔

## رحمٰن-ذات سے جڑی ہوئی صفت

اہلِ علم کے نزدیک: رحمٰن وہ صفت ہے جو ذاتِ الٰہی سے لازم ہے
اس کا تعلق کسی خاص عمل یا حال سے نہیں یہ صفت ہمیشہ فعّال رہتی ہے
اسی لیے رحمٰن: صرف اللہ ہو سکتا ہے کوئی مخلوق رحمٰن نہیں کہلا سکتی
کیونکہ مخلوق کی رحمت: محدود ہے وقتی ہے اور شرطوں سے جڑی ہے جبکہ اللہ کی رحمانیت: غیر محدود، ہمہ گیر، اور بلا شرط ہے۔

''الرحمٰن- ذات سے جڑی ہوئی صفت''

''الرحمٰن'' ایسی صفت ہے جو کسی بیرونی سبب سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ براہِ راست ''ذاتِ الٰہی'' سے وابستہ ہے۔ یعنی یہ کوئی عارضی کیفیت نہیں، نہ کسی عمل کا نتیجہ، بلکہ اللہ کی اپنی شانِ وجود کا لازمی اظہار ہے۔ اسی لیے اسے ایسی رحمت کہا جاتا ہے جو کسی وجہ، کسی درخواست یا کسی استحقاق کی محتاج نہیں۔

یہ صفت ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ اللہ کی رحمت اُس کی ذات سے الگ کوئی چیز نہیں، بلکہ اس کی ہستی کا ایک لازمی جلوہ ہے۔ جیسے سورج سے روشنی جدا نہیں ہوتی، ویسے ہی ''الرحمٰن'' اللہ کی ذات سے جدا نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ وہ رحمت ہے جو پہلے بھی تھی، اب بھی ہے، اور ہمیشہ رہے گی- کیونکہ یہ کسی تبدیلی یا سبب پر قائم نہیں۔

جب انسان اس حقیقت کو سمجھنے لگتا ہے تو اس کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ وہ نعمتوں کو محض ''ملنے والی چیزیں'' نہیں سمجھتا، بلکہ انہیں ایک ایسی ذات کے تسلسل کے طور پر دیکھتا ہے جس کی رحمت خود بخود جاری ہے۔ پھر زندگی میں شکر کا رنگ گہرا ہونے لگتا ہے، اور خوف کی جگہ اعتماد لے لیتا ہے۔

یوں ''الرحمٰن'' صرف ایک صفت نہیں رہتی، بلکہ ایک گہرا شعور بن جاتی ہے- کہ اللہ کی رحمت کسی وجہ سے نہیں، بلکہ اُس کی اپنی ذات سے جڑی ہوئی ہے، اور یہی اس کائنات کے ہر لمحے کی بنیاد ہے۔

## رحمٰن اور عرش- رحمت کی حاکمیت

''الرحمٰن'' اور ''عرش'' کو ایک ساتھ سمجھنے سے ایک لطیف شعور جنم لیتا ہے: کہ کائنات کا نظم طاقت کے اندھے تصور پر نہیں، بلکہ ''رحمت کی حاکمیت'' پر قائم ہے۔ ''الرحمٰن'' وہ صفت ہے جو بتاتی ہے کہ اصل بنیاد جبر نہیں، بلکہ عطا ہے؛ اور ''عرش'' وہ عظیم نظام ہے جس کے بارے میں قرآن میں آیا ہے کہ وہ اللہ کے کامل اقتدار اور

تدبیر کا مرکز ہے۔

یہ دونوں مل کر یہ حقیقت واضح کرتے ہیں کہ کائنات کسی بے رحم نظام کے تحت نہیں چل رہی، بلکہ ایک ایسی بادشاہی میں ہے جس کی اصل روح رحمت ہے۔ عرش اس حاکمیت کی وسعت اور نظم کو ظاہر کرتا ہے، اور ''الرحمٰن'' اس نظم کے اندر موجود لطیف شفقت کو۔ یعنی اقتدار بھی ہے، مگر اس کی بنیاد مہربانی ہے؛ تدبیر بھی ہے، مگر اس کا مزاج عطا ہے۔

جب یہ ادراک دل میں اُترتا ہے تو کائنات کا منظر بدل جاتا ہے۔ جو چیز پہلے صرف قوانین اور نظام لگتی تھی، وہ اب ایک معنوی رحمت کا تسلسل محسوس ہونے لگتی ہے۔ ہر واقعہ، ہر ترتیب، ہر تاخیر یا عطا ایک ایسے ربوبی نظم کا حصہ نظر آتی ہے جس کی بنیاد خوف نہیں، بلکہ حکمت اور شفقت ہے۔

یوں ''رحمٰن اور عرش'' کا تعلق ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ اوپر کوئی بے جان اقتدار نہیں، بلکہ ایک ایسی حاکمیت ہے جو رحمت کے رنگ میں جاری ہے۔ اور یہی شعور انسان کے دل میں سکون پیدا کرتا ہے۔ کہ جس کے تحت سب کچھ ہے، وہ طاقتور بھی ہے اور بے حد مہربان بھی۔

جب کہ قرآن کہتا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى

تو یہ محض اقتدار کا بیان نہیں، بلکہ اقتدار کے مزاج کا اعلان ہے۔

یعنی: کائنات کی باگ ڈور ایک قادر کے ہاتھ میں ہے مگر وہ قادر رحمٰن ہے

یہ آیت دل سے یہ خوف نکال دیتی ہے کہ: ''کہیں رب سخت نہ ہو'' اور اس کی جگہ یہ یقین بٹھا دیتی ہے کہ: ''میرا رب مہربان ہے۔''

## اختتامی عرفانی کلمات

رحمٰن وہ نام ہے جس نے ہمیں ہونے کا حق دیا۔

اور رحمانیت وہ صفت ہے جس نے ہمیں لوٹنے کا حوصلہ دیا۔

اگر اللہ صرف قادر ہوتا تو ہم ڈر جاتے، اگر صرف عادل ہوتا تو ہم مایوس ہو جاتے۔ لیکن وہ رحمٰن ہے، اسی لیے ہم زندہ بھی ہیں اور امیدوار بھی۔

## رحمانیت اور انسانی زندگی – فرد، معاشرہ اور باطن

جب اللہ کی رحمت انسان کے اندر اترتی ہے

رحمانیت کوئی مجرد عقیدہ نہیں کہ صرف مان لی جائے، یہ ایک ''زندہ حقیقت'' ہے جو اگر انسان کی زندگی میں اتر جائے تو فرد بدل جاتا ہے، معاشرہ سنور جاتا ہے، اور باطن نور سے بھر جاتا ہے۔

اللہ کی رحمانیت صرف آسمانوں پر نہیں، یہ زمین پر انسان کے رویّوں، فیصلوں، تعلقات اور نیتوں میں ظاہر ہونا چاہتی ہے۔

اسی لیے قرآن میں رحمت کو صرف اللہ کی صفت نہیں بتایا گیا، بلکہ ''انسانی اخلاق کی بنیاد'' بھی بنایا گیا۔

رحمانیت اور فرد – خوف سے امن تک جب رحمانیت فرد کی زندگی میں داخل ہوتی ہے تو سب سے پہلا اثر ''دل کے خوف'' پر پڑتا ہے۔ وہ خوف جو انسان کو: خود سے بیزار کرتا ہے ماضی میں قید رکھتا ہے اور رب سے بدگمان بناتا ہے

## رحمانیت اس خوف کو توڑتی ہے۔

فرد یہ سمجھنے لگتا ہے کہ: میرا رب مجھے گناہ سے نہیں، ''واپسی سے پرکھتا ہے''

میری لغزش میرا تعارف نہیں اور میرا ماضی میری آخری شناخت نہیں یہ یقین فرد کو: مایوسی سے نکالتا ہے اصلاح کی طرف لاتا ہے اور خود احتسابی سکھاتا ہے اسی لیے رحمانیت کا پہلا تحفہ ''اندرونی امن'' ہے۔

## رحمانیت اور فرد کی عبادت

جس فرد کے دل میں رحمانیت اتر جائے: وہ عبادت ڈر سے نہیں کرتا وہ سجدہ سزا سمجھ کر نہیں کرتا وہ رب کو: جلاد نہیں بلکہ محسن مان کر جھکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی عبادت میں: ریا کم خلوص زیادہ اور دوام زیادہ ہوتا ہے کیونکہ محبت سے کی گئی عبادت تھکن نہیں دیتی، قرب دیتی ہے۔

## رحمانیت اور معاشرہ- سختی سے شفقت تک

اگر رحمانیت صرف فرد تک محدود رہ جائے اور معاشرے میں منتقل نہ ہو تو یہ معرفت ادھوری رہتی ہے۔

رحمانیت والا معاشرہ وہ ہوتا ہے جہاں: کمزور کو حقیر نہیں سمجھا جاتا غلطی کرنے والے کو فوراً رد نہیں کیا جاتا اور سزا سے پہلے اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے رحمانیت ہمیں سکھاتی ہے کہ: ہر انسان برائی نہیں، اکثر انسان ''زخمی'' ہوتا ہے۔

## ایسا معاشرہ:

انتقام کے بجائے انصاف کو چنتا ہے نفرت کے بجائے اصلاح کو ترجیح دیتا ہے اور طاقت کے بجائے ذمہ داری کو عبادت سمجھتا ہے یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے: دشمنوں کے لیے بھی دعا کی خطا کاروں کے لیے بھی دروازہ کھلا رکھا یہ سب رحمانیت کا سماجی اظہار تھا۔

## رحمانیت اور معاشرتی عدل

رحمانیت کا مطلب یہ نہیں کہ: جرم کو نظر انداز کر دیا جائے یا ظلم کو برداشت کیا جائے

بلکہ رحمانیت یہ سکھاتی ہے کہ: عدل ''بغیر سنگ دلی'' کے ہو، اور قانون ''بغیر تحقیر'' کے نافذ ہو۔

رحمانیت عدل کو: انسان دوست بناتی ہے اور انصاف کو انتقامی مزاج سے بچاتی ہے یہی وہ توازن ہے جس کے بغیر معاشرہ یا تو ظالم بن جاتا ہے یا بے اصول۔

## نیت اور باطن۔نفس سے نور تک

رحمانیت کا سب سے گہرا اثر انسان کے ''باطن'' میں ظاہر ہوتا ہے۔

جب بندہ یہ مان لیتا ہے کہ: اللہ مجھے جانتا ہے پھر بھی مجھے مہلت دیتا ہے تو باطن میں: تکبر ٹوٹتا ہے اَنا پگھلتی ہے اور عاجزی جنم لیتی ہے یہ عاجزی: خود کو کمتر سمجھنا نہیں بلکہ اللہ کو بڑا ماننا ہے یہی حالت صوفیہ کے نزدیک ''اصل تزکیہ'' ہے۔

## رحمانیت اور نفس کی اصلاح

رحمانیت نفس کو یہ سکھاتی ہے کہ: غلطی کے بعد خود کو ختم نہ کرو بلکہ خود کو ''درست کرو''

جو شخص ہر لغزش پر: خود سے نفرت کرے یا خود کو ناقابلِ اصلاح سمجھے وہ دراصل رحمانیت سے ناواقف ہے۔ رحمانیت کہتی ہے: گرنا مسئلہ نہیں، ''نہ اٹھنا مسئلہ ہے۔''

## رحمانیت اور تعلقات

رحمانیت انسان کو: سخت زبان سے بچاتی ہے جلدی فیصلوں سے روکتی ہے اور

دل کو نرم رکھتی ہے۔ایسا شخص: رشتوں میں آسانی پیدا کرتا ہے اختلاف میں بھی احترام نہیں چھوڑتا اور طاقت کے باوجود معاف کرنا جانتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے: جس نے مجھے معاف کیا، میں بھی اس کے بندوں کو معاف کرسکتا ہوں۔

قرآنی بنیاد ''قرآن مجید'' ہمیں یہ اصول دیتا ہے:

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ

(سورۃ الاعراف:156)

ترجمہ: ''میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے۔''

یہ آیت فرد کو بھی سمیٹتی ہے، معاشرے کو بھی، اور باطن کو بھی۔

## اختتامی عرفانی کلمات

رحمانیت اگر: فرد میں اتر جائے تو ''امن'' بن جاتی ہے

معاشرے میں پھیل جائے تو ''عدل'' بن جاتی ہے

اور باطن میں جا بسے تو ''نور'' بن جاتی ہے

رحمانیت ہمیں یہ نہیں سکھاتی کہ: ہم کامل ہیں- بلکہ یہ سکھاتی ہے کہ: ہمارا رب کامل ہے، اور وہ ہمیں ادھورا ہونے کے باوجود نہیں چھوڑتا۔اور یہی یقین انسانی زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

## رحمٰن اور رحیم میں کیا فرق ہے؟

عمومِ رحمت اور خصوصِ رحمت کا قرآنی و عرفانی فرق

یہ سوال محض لغوی نہیں، ''ایمانی، باطنی اور عملی'' ہے۔

رحمٰن اور رحیم دونوں ''رحمت'' سے نکلے ہیں، مگر ''دونوں کا دائرہ، مزاج اور ظہور الگ'' ہے۔

''الرحمٰن'' اور ''الرحیم'' میں فرق کو سمجھنے کے لیے دونوں کو صرف ترجمے سے نہیں، بلکہ ان کے لطیف مفہوم سے دیکھنا ضروری ہے۔

الرحمٰن- وہ رحمت ہے جو وسیع، عام اور سب کو گھیر لینے والی ہے۔ یہ ایسی رحمت ہے جو مومن اور غیر مومن، مانگنے والے اور نہ مانگنے والے، سب پر جاری ہوتی ہے۔ یہ رحمت کسی سبب، عمل یا استحقاق کی محتاج نہیں- یہ اللہ کی شانِ ذات کا فوری اور وسیع اظہار ہے۔ یعنی رحمت کا وہ دریا جو سب کو اپنے اندر لے لیتا ہے۔

اس کے برعکس ''الرحیم'' وہ رحمت ہے جو ''خاص، مسلسل اور نتیجہ خیز'' ہے۔ یہ رحمت زیادہ تر اہلِ ایمان کے ساتھ خاص تعلق، ہدایت، بخشش اور آخرت کے انعامات کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگر ''الرحمٰن'' عطا کا پھیلاؤ ہے تو ''الرحیم'' اس عطا کا دوام اور اس کا خاص لطف ہے۔

سادہ انداز میں کہا جائے تو:

الرحمٰن- ہر ایک پر عام اور فوری رحمت

الرحیم- اہلِ تعلق پر خاص اور مسلسل رحمت

روحانی طور پر دیکھا جائے تو انسان پہلے ''الرحمٰن'' کی وسعت کو محسوس کرتا ہے- کہ سب کچھ عطا ہے- اور پھر ''الرحیم'' کی گہرائی کو سمجھتا ہے- کہ یہ عطا بے ترتیب نہیں، بلکہ ایک خاص نسبت کے ساتھ جاری رہتی ہے۔

یوں دونوں مل کر یہ حقیقت واضح کرتے ہیں کہ اللہ کی رحمت صرف ایک احساس نہیں، بلکہ ایک مکمل نظام ہے- جو پہلے گھیرتی ہے، پھر سنوارتی ہے۔

## بنیادی فرق ایک نظر میں

| پہلو | ''رحمٰن'' | ''رحیم'' |
| --- | --- | --- |
| رحمت کی نوعیت | عام، ہمہ گیر | خاص، منتخب |
| تعلق | تمام مخلوق، اہلِ ایمان | دائرہ |

دنیا + آخرت ، بالخصوص آخرت نیادمحض ربوبیت ایمان اور تعلق اثر جود، رزق، مہلت مغفرت، قرب، نجات۔

## وہ رحمت جو مانگنے سے پہلے ملتی ہے

''رحمٰن'' اللہ کی وہ صفت ہے جو'' بلاشرط'' عطا کرتی ہے۔

کافر کو بھی زندگی، گناہگار کو بھی رزق، غافل کو بھی سانس، نافرمان کو بھی مہلت

یہ سب ''رحمانیت'' کے مظاہر ہیں۔ اسی لیے اہلِ علم کہتے ہیں:

''رحمٰن'' وہ ہے جو ''اہلیت'' نہیں دیکھتا، صرف مخلوق ہونا کافی سمجھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ''قرآن مجید'' میں رحمٰن کا ذکر اکثر ''تخلیق، ربوبیت اور کائنات'' کے سیاق میں آتا ہے۔

رحیم- وہ رحمت جو تعلق کے بعد ظاہر ہوتی ہے ''رحیم'' وہ صفت ہے جو ''رابطے'' کے بعد جلوہ گر ہوتی ہے۔

ایمان لانے کے بعد جھکنے کے بعد پلٹنے کے بعد توبہ کے بعد یہ رحمت: مغفرت بن جاتی ہے ہدایت بن جاتی ہے قرب بن جاتی ہے اور آخرت میں نجات بن جاتی ہے اسی لیے قرآن کہتا ہے:

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٤٣﴾

''اور وہ ایمان والوں پر خاص طور پر رحیم ہے۔'' (احزاب: ۴۳)

علمی نکتہ: رحمانیت ''سب کو زندگی'' دیتی ہے، رحیمیت ''زندگی کا مقصد'' دیتی ہے۔

## ایک سادہ مگر گہری مثال

ایک ماں: اپنے تمام بچوں کو کھانا دیتی ہے ''رحمانیت'' مگر جو بچہ اس سے لپٹ

جائے، اس پر خاص توجہ دیتی ہے ''رحیمیت'' اللہ کی رحمت بھی اسی طرح: سب کو ڈھانپ لیتی ہے (رحمٰن) مگر کچھ کو سینے سے لگا لیتی ہے (رحیم)

## عرفانی فرق (اہلِ دل کی زبان میں)

عارف کہتے ہیں: ''رحمٰن'' نے مجھے زندہ رکھا ''رحیم'' نے مجھے ◦ واپس بلا لیا رحمٰن: ''تو میرا بندہ ہے'' رحیم: ''تو میرا محبوب بندہ ہے'' ''رحمٰن'' وجود'' عطا کرتا ہے رحیم ''قرب'' عطا کرتا ہے۔

## کیا دونوں الگ ہو سکتے ہیں؟

نہیں۔ یہ الگ نہیں، ''مراتب'' ہیں۔ پہلے رحمٰن پھر رحیم پہلے زندگی پھر ہدایت پہلے مہلت پھر مغفرت اسی لیے ہر دعا، ہر سورت، ہر آغاز میں ہم کہتے ہیں:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم''

گویا بندہ کہتا ہے: ''اے وہ جو مجھے بلا شرط دیتا ہے (رحمٰن) اور اے وہ جو مجھے خاص بنا لیتا ہے (رحیم)

میں تیرے نام سے آغاز کرتا ہوں۔''

اگر تم سانس لے رہے ہو ''رحمانیت'' اگر تم پلٹ رہے ہو ''رحیمیت'' اگر تم زندہ ہو ''رحمٰن'' اگر تم نجات چاہتے ہو ''رحیم رحمٰن پر یقین ''ناامیدی ختم'' کرتا ہے رحیم پر یقین ''اصلاح پیدا'' کرتا ہے۔

## اختتامی عرفانی جملہ

اگر اللہ صرف ''رحمٰن'' ہوتا تو ہم زندہ تو رہتے، مگر بھٹکے رہتے۔

اگر اللہ صرف ''رحیم'' ہوتا تو شاید ہم امید ہی نہ کر پاتے۔ مگر وہ ''رحمٰن بھی ہے،

رحیم بھی''۔اسی لیے ہم زندہ بھی ہیں اور لوٹ بھی سکتے ہیں۔

## مناجات الرحمٰن کے حضور ایک عاجزانہ صدا

اے رحمٰن! اے وہ ذات جس کی رحمت نے ہمیں پیدا ہونے سے پہلے ڈھانپ لیا، جینے کے دوران سنبھالا، اور گناہوں کے باوجود نہیں چھوڑا۔ ہم اعتراف کرتے ہیں: ہم نے تیری رحمانیت کو اکثر معمول سمجھا، اکثر بھلا دیا، اور اکثر اس کا حق ادا نہ کر سکے۔

اے رحمٰن! تو نے ہمیں مانگے بغیر دیا، ہم نے مانگنے کے بعد بھی شکر کم کیا۔ تو نے ہمیں سانس دی، ہم نے اسی سانس میں غفلت کی۔ تو نے ہمیں مہلت دی، ہم نے اسے واپسی میں کم استعمال کیا۔ اے رحمٰن! ہم تیرے قہر سے زیادہ تیری رحمت کے محتاج ہیں۔ ہم تیرے غضب سے زیادہ تیری آغوش کے طلبگار ہیں۔

اے رحمٰن! ہمارے دلوں سے وہ خوف نکال دے جو ہمیں تجھ سے دور کرتا ہے، اور وہ شرمندگی عطا فرما جو ہمیں تیری طرف جھکا دے۔

ہمیں وہ بندہ بنا دے: جو گناہ کے بعد بھی ناامید نہ ہو، جو لغزش کے بعد بھی تیری طرف لوٹے، اور جو تیری رحمانیت کو پا کر تجھ سے محبت کرنا سیکھ لے۔

اے رحمٰن! ہمیں اپنی رحمت کا وہ ذوق عطا فرما جو عبادت کو بوجھ نہیں، شوق بنا دے؛ جو سجدے کو رسم نہیں، قرب بنا دے۔

اور اے رحمٰن! جس دن حساب کا وقت آئے، اس دن ہمارے اعمال کم ہوں تو بھی تیری رحمت زیادہ ہو۔ کیونکہ: تو رحمٰن ہے اور ہم تیرے محتاج بندے۔

آمین یا ربّ العالمین۔

# اللہ کی شانِ رحیمیت (الرَّحِیْم)

اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک "الرَّحِیْم" اس کی خاص، دائمی اور گہری رحمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اگر "الرَّحْمٰن" عام اور وسیع رحمت ہے جو ہر مخلوق کو شامل ہے، تو "الرَّحِیم" وہ خاص رحمت ہے جو بندۂ مومن کے لیے ہدایت، مغفرت اور قربِ الٰہی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ رحمت صرف دنیا تک محدود نہیں بلکہ آخرت میں بھی جاری رہتی ہے، جہاں اللہ اپنے بندوں پر خصوصی کرم فرماتا ہے۔

"الرَّحِیْم" کی شان یہ ہے کہ وہ بندے کی کمزوریوں کو جانتے ہوئے بھی اس پر مہربانی فرماتا ہے۔ انسان خطا کرتا ہے، بھولتا ہے، لغزشوں میں پڑتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنی رحیمیت کے سبب اسے معاف کرتا ہے، اس کی توبہ قبول کرتا ہے، اور اسے بار بار اپنی طرف لوٹنے کا موقع دیتا ہے۔ یہ رحمت بندے کو ناامیدی سے نکال کر امید اور یقین کی طرف لے آتی ہے۔

یہ صفت ہدایت کے نظام سے بھی گہرا تعلق رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے "الرَّحِیْم" ہونے کے سبب انبیاء، کتابیں اور نشانات بھیجتا ہے تاکہ انسان گمراہی سے نکل کر سیدھے راستے پر آ جائے۔ وہ صرف پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیتا بلکہ رہنمائی بھی کرتا ہے، اور یہی اس کی خاص رحمت کا ایک عظیم مظہر ہے۔

عرفانی نقطۂ نظر سے "الرَّحِیْم" کا ادراک بندے کے دل میں ایک گہری قربت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ بندہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا رب صرف دور کا خالق نہیں بلکہ قریب کا مہربان ہے، جو اس کے دل کی حالتوں کو جانتا ہے اور اس کی خاموش دعاؤں کو بھی سنتا ہے۔ یہ احساس بندے کو اللہ کی طرف مزید جھکاتا ہے اور اس کے اندر محبت اور خشوع پیدا کرتا ہے۔

"الرَّحِیْم" کی صفت انسان کو یہ بھی سکھاتی ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ نرمی، شفقت اور معافی کا رویہ اختیار کرے۔ جب بندہ اللہ کی رحیمیت کو پہچان لیتا ہے تو وہ بھی لوگوں کے عیبوں کو نظر انداز کرنا، ان کی غلطیوں کو معاف کرنا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا سیکھ لیتا ہے۔

آخرکار، "الرَّحِیْم" کی شان یہ ہے کہ وہ بندے کو اس کی کمزوریوں کے باوجود قبول کرتا ہے اور اسے اپنے قریب لے آتا ہے۔ یہ وہ رحمت ہے جو بندے کے دل کو سکون دیتی ہے، اس کی روح کو امید بخشتی ہے، اور اسے اللہ کے ساتھ ایک مضبوط اور محبت بھرا تعلق قائم کرنے میں مدد دیتی ہے۔

وہ رحمت جو تعلق کے بعد ظاہر ہوتی ہے، اور قرب میں بدل جاتی ہے لفظ الرَّحِیْم شرح، معنی اور مفہوم

الرَّحِیْم بھی مادہ ر-ح-م سے نکلا ہے، مگر اس کا وزن اور اسلوب اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ رحمت:

مستقل ہے دوام رکھتی ہے اور خاص تعلق کے ساتھ وابستہ ہے۔

اہلِ لغت کہتے ہیں کہ: رحمٰن شدت اور عموم کا نام ہے رحیم تسلسل اور خصوص کا نام ہے یعنی: رحمٰن وہ ہے جو سب کو ڈھانپ لیتا ہے، اور رحیم وہ ہے جو کسی کو اپنا بنا لیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن میں "رحمٰن" اللہ کا ذاتی نام بن کر آتا ہے، جبکہ "رحیم" اکثر بندوں کے ساتھ نسبت میں آتا ہے۔

## رحیمیت رحمت کا دوسرا درجہ

رحیمیت، رحمانیت کی ضد نہیں، بلکہ اس کا تکملہ ہے۔ رحمٰن: زندگی دیتا ہے رحیم: زندگی کا رخ درست کرتا ہے۔

رحمٰن: سانس دیتا ہے رحیم: سانس کو عبادت بنا دیتا ہے۔

رحمٰن: مہلت دیتا ہے رحیم: مہلت کو نجات بنا دیتا ہے یوں کہا جا سکتا ہے کہ: رحمٰن نے ہمیں پیدا کیا، رحیم ہمیں سنبھالتا ہے۔

## رحیمیت اور ایمان کا رشتہ

قرآنِ مجید میں بار بار یہ نسبت ملتی ہے کہ: اللہ ایمان والوں کے لیے خاص طور پر رحیم ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾

(سورۃ الاحزاب:43)

ترجمہ: ''اور وہ ایمان والوں پر نہایت مہربان ہے۔''

علمی نکتہ: یہ خاص رحمت: ایمان کے بعد اطاعت کے ساتھ اور رجوع کے نتیجے میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ رحمت: گناہ کے باوجود بندہ نہیں چھوڑتی بلکہ گناہ کے بعد واپس بلا لیتی ہے۔

## رحیمیت اور توبہ

رحیمیت کا سب سے روشن مظہر توبہ ہے۔

اگر اللہ صرف رحمٰن ہوتا: تو زندگی دیتا مگر شاید پلٹنے کی دعوت نہ دیتا مگر وہ رحیم بھی ہے، اسی لیے فرماتا ہے: ''پلٹ آؤ، میں قبول کرنے والا ہوں۔''

رحیمیت: بندے کی نیت دیکھتی ہے دل کی حالت پر نظر رکھتی ہے اور کمزور قدموں کو بھی گرا نہیں دیتی

ایک عارف نے کہا: ''رحیمیت نے مجھے میرے انجام سے پہلے ہی تھام لیا۔''

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رحیمیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جسے بیابان میں گم شدہ سواری واپس مل جائے۔''

شرح: یہ خوشی: ضرورت کی نہیں بلکہ محبت کی خوشی ہے یہی رحیمیت ہے: بندہ لوٹے تو رب خوش ہو۔

## رحیمیت اور آخرت

رحمانیت دنیا میں غالب ہے، اور رحیمیت آخرت میں مکمل طور پر ظاہر ہوگی۔ وہ دن: جب اعمال کم ہوں گے اور امیدیں زیادہ اسی دن رحیمیت: حساب کو ہلکا کرے گی خطاؤں کو ڈھانپ لے گی اور بندے کو نجات دے گی اہلِ معرفت کہتے ہیں: "قیامت کا دن، رحیمیت کا دن ہوگا۔"

رحیمیت کا ذوق عارف کے نزدیک: رحمٰن = وجود رحیم = قرب رحیمیت وہ مقام ہے جہاں: بندہ رب کو جانتا نہیں بلکہ محسوس کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ: دل نرم ہو جاتا ہے آنکھ نم ہو جاتی ہے اور عبادت لذت بن جاتی ہے یہ سب رحیمیت کی نشانیاں ہیں۔

## رحیمیت اور بندوں کے حقوق

جو شخص اللہ کو رحیم مانے: وہ بندوں کے لیے سخت نہیں ہو سکتا وہ کمزوروں کو حقیر نہیں سمجھ سکتا کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا۔

عملی نکتہ: رحیمیت کا دعویٰ بندوں کے ساتھ نرمی کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

# اللہ کی شان الوہیت (الٰہ)

اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت، یعنی ''الٰہ'' ہونا، اس حقیقت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کائنات کا معبود اور واحد عبادت کے لائق ہے۔ یہ شان اس کی ہر محدود اور لا محدود صفت میں ظہور پذیر ہے۔ علم الٰہیات میں یہ وہ مقام ہے جہاں سے خدا کی حقیقتِ قدرت، حکمت، اور صمدیت کا شعور پیدا ہوتا ہے۔

الوہیت کا مفہوم صرف عبادت کا حق نہیں بلکہ یہ کائنات میں ہر نظام کے قائم ہونے اور ہر موجود کی حرکت وسکون کا بنیادی سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت، یعنی ''الٰہ'' ہونا، اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کائنات کا حقیقی معبود اور عبادت کے لائق ہے۔ یہ شان نہ صرف عبادت کے بنیادی حق کا اظہار ہے بلکہ کائنات کے تمام قوانین اور موجودات کی حرکت وسکون کا بنیادی سبب بھی ہے۔

علم الٰہیات میں الوہیت کا مقام اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ کوئی بھی مخلوق مطلق نہیں، اور سب کچھ اللہ کی قدرت کے محتاج ہے۔ عرفا کے نزدیک الوہیت کا ادراک انسان کے قلب میں تسکین اور روح میں سکون پیدا کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

(سورۃ البقرۃ:163)

ترجمہ: اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ

نہایت مہربان، بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

## آیتِ مبارکہ کی جامع شرح وتفسیر

یہ آیت توحیدِ الٰہی کا نہایت جامع اور واضح اعلان ہے۔ "وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ" کے الفاظ اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف ایک ہی ذات ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ کوئی ہمسر، نہ کوئی اس کے برابر۔ یہ اعلان انسان کو ہر قسم کے شرک، ظاہری ہو یا باطنی، سے نجات دلاتا ہے اور اس کی عبادت کو ایک مرکز عطا کرتا ہے۔

"لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ" دراصل اسی توحید کی تاکید ہے۔ یعنی نہ صرف یہ کہ اللہ ایک ہے، بلکہ اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ یہ جملہ انسان کے دل، عقل اور عمل تینوں کو اللہ کی طرف موڑ دیتا ہے، اور اس کے اندر خالص بندگی کا شعور پیدا کرتا ہے۔

صفاتِ رحمت کا ذکر: آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دو عظیم صفات "الرَّحْمٰن" اور "الرَّحِيْم" کا ذکر فرمایا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت محض جلال اور قدرت پر مبنی نہیں بلکہ اس کی بنیاد رحمت، شفقت اور محبت پر بھی ہے۔ "الرَّحْمٰن" اس کی عام رحمت ہے، جو ہر مخلوق کو شامل ہے چاہے وہ مومن ہو یا غیر مومن۔

جبکہ "الرَّحِيْم" اس کی خاص رحمت ہے، جو ایمان والوں کے لیے ہدایت، مغفرت اور آخرت میں نجات کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

## تفسیر کا مرکزی پیغام:

اس آیت میں ایک عظیم توازن پایا جاتا ہے:

پہلے اللہ کی وحدانیت کا اعلان، پھر اس کی رحمت کا ذکر۔

یہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اللہ کی بندگی خوف اور محبت دونوں کے ساتھ ہونی چاہیے۔ بندہ نہ صرف اس کی عظمت کو پہچانے بلکہ اس کی رحمت پر بھی امید رکھے۔

یہ آیت انسان کو یہ بھی بتاتی ہے کہ جس ذات کی عبادت کی جارہی ہے وہ نہایت مہربان ہے، اس لیے اس کی طرف رجوع کرنا، اس سے دعا کرنا اور اس پر بھروسہ کرنا فطری اور آسان ہوجاتا ہے۔

عرفانی وروحانی پہلو: عرفانی اعتبار سے یہ آیت دل میں ایک گہرا شعور پیدا کرتی ہے کہ: ''اصل حقیقت صرف ایک ہے، اور وہ اللہ ہے''۔

جب بندہ اس حقیقت کو مان لیتا ہے تو اس کے دل سے دنیا کے جھوٹے سہارے ختم ہوجاتے ہیں۔ وہ ہر طرف سے ہٹ کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

"الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کا ذکر اس کے دل کو امید سے بھر دیتا ہے کہ وہ جس کی طرف جارہا ہے وہ سخت نہیں بلکہ نہایت مہربان ہے، جو اسے قبول کرنے والا ہے۔

عملی سبق: یہ آیت انسان کو چند بنیادی سبق دیتی ہے:

• عبادت صرف اللہ کے لیے خالص ہونی چاہیے، ہر قسم کے شرک سے بچنا ضروری ہے، اللہ کی رحمت پر امید رکھنی چاہیے، اس کی طرف رجوع اور توکل اختیار کرنا چاہیے

خلاصہ: یہ آیت توحید، رحمت اور بندگی کا ایک مکمل پیغام ہے۔

یہ انسان کو یہ سکھاتی ہے کہ: ''معبود ایک ہے، سہارا ایک ہے، اور رحمت کا سرچشمہ بھی ایک ہی ہے۔''

جب یہ یقین دل میں پختہ ہوجاتا ہے تو انسان کی زندگی میں سکون، یکسوئی اور نور پیدا ہوجاتا ہے، اور وہ خالص اللہ کی بندگی میں داخل ہوجاتا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ

يُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ﴿۴﴾

(سورۃ الاخلاص)

ترجمہ: کہہ دو کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ سب کا سہارا ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس سے کوئی جنا گیا، اور نہ کوئی اس کے برابر ہوسکتا ہے۔

تشریح: وہ ''اللہ احد'': اللہ کی یکتائی کا اعلان۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔

''اللہ الصمد:'' اللہ وہ صمد ہے جو ہر ضرورت کا مرکز ہے، خود کسی کا محتاج نہیں۔

''لم یلد ولم یولد:'' الوہیت میں اللہ کی ہر ممکنہ انسانی صفت سے مکمل علیحدگی۔

''ولم یکن لہ کفوا احد:'' کوئی بھی مخلوق اس شان کا حقدار یا ہم پلہ نہیں۔

شان نزول: یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تا کہ مشرکین کے بتوں کی عبادت سے خدا کی حقیقی الوہیت کو واضح کیا جا سکے۔ اس میں خاص طور پر اس بات پر زور ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہے اور کوئی اس کا ہم پلہ نہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ

(سورۃ البقرۃ:255)

ترجمہ: اللہ، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے اور سب کا قائم رکھنے والا ہے۔

تشریح: یہ آیت الوہیت کے مطلق تصور کو بیان کرتی ہے۔ اللہ کی زندگی مستقل، کامل اور خود مختار ہے۔

## احادیث نبوی

مَنْ أَكْثَرَ ذِكْرِيْ فِي الْوَحْيِ فَقَدْ أَدْرَكَ أَنِّي أَحَدٌ

## صَمَدٌ

ترجمہ: جو زیادہ میرا ذکر کرے، وہ جان گیا کہ میں واحد اور صمد ہوں۔

(رواہ البخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث الوہیت کی اہمیت اور وحدانیت پر روشنی ڈالتی ہے۔ یہاں صمدیت اللہ کی خود کفالت اور ہر مخلوق کی محتاجی کی وضاحت ہے۔

## علمی و عرفانی نقطہ نظر

اللہ کی الوہیت علم الٰہیات کا بنیادی ستون ہے۔ فلسفہ، کائناتی سائنس اور نظریہ وجود اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ کوئی مخلوق اپنے وجود میں خود کفیل اور مطلق نہیں۔

علمی نقطہ: ہر مخلوق محدود، محتاج اور تابع ہے، اور اس کا وجود اللہ کی قدرت پر منحصر ہے۔ فلسفہ اور طبیعیات یہ سمجھاتے ہیں کہ مطلق خود کفیل صرف وہی ہے جو ہر نظام، ہر شئے اور ہر قانون کا اصل ہے۔

## عرفانی و وجدان:

اللہ الصمد ہے یعنی ہر ضرورت کا مرکز اور خود کسی کی محتاج نہیں۔ عرفا کے نزدیک صمدیت کا شعور انسان کو اپنی نیازمندیوں سے آزاد کر کے اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

مثال: اگر اللہ کی صمدیت کو کائنات میں روشنی کی مانند سمجھا جائے، تو ہر مخلوق اس روشنی میں اپنی نسبت دیکھتی ہے، لیکن روشنی خود کسی چیز کی محتاج نہیں۔

''اللہ الصمد'' کی معرفت قلب اور روح کو سکون دیتی ہے۔

٭ صمدیت کا شعور انسان کو اپنی خود مختاری کی محدودیت اور اللہ کی مطلق قدرت کا

ادراک کراتا ہے۔

*عرفا کے مطابق جب دل اللہ کی صمدیت پر توجہ کرتا ہے تو دنیاوی حاجات اور مشکلات کم محسوس ہوتی ہیں۔

سوال: کیا کوئی اعلیٰ مخلوق اللہ کی الوہیت کے برابر ہوسکتی ہے؟

جواب: ہرگز نہیں۔ سب مخلوق محدود، محتاج اور تابع ہیں۔ الوہیت صرف اللہ کی صفت ہے۔

سوال: صمدیت کا مطلب کیا ہے؟

جواب: وہ جسے کسی چیز کی ضرورت نہ ہو، اور ہر چیز اس سے محتاج ہو۔

سوال: اللہ کی الوہیت کو محسوس کیسے کیا جاسکتا ہے؟

جواب: عبادت، مراقبہ، اور قلبی توجہ کے ذریعے انسان اللہ کی یکتائی اور سب پر قدرت کو محسوس کرسکتا ہے۔

## تجلی الوہیت

تجلیِ الوہیت- وہ لطیف حقیقت ہے جس میں انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر حرکت، ہر ترتیب اور ہر وجود کسی ایک ہی مرکزِ حقیقت سے منسلک ہے۔ یہ تجلی نہ مکمل طور پر آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے، نہ لفظوں میں پوری طرح بیان ہوسکتی ہے- یہ زیادہ تر دل کے ادراک اور باطن کی بیداری میں ظاہر ہوتی ہے۔

اس کیفیت میں کثرت کا شور دھیرے دھیرے مدھم ہونے لگتا ہے۔ جو چیزیں پہلے الگ الگ اور منتشر دکھائی دیتی تھیں، وہ اب ایک مربوط حقیقت کے مختلف پہلو محسوس ہونے لگتی ہیں۔ انسان کو یوں لگتا ہے جیسے ہر شے کے پیچھے ایک ہی "ہونا" خاموشی سے موجود ہے، جو سب کو قائم رکھے ہوئے ہے مگر خود کسی صورت میں محدود نہیں۔

تجلیِ الوہیت دراصل ادراک کی وسعت ہے- جہاں عقل اپنی حد کو پہچان لیتی ہے اور دل ایک لطیف سکون میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں سوال کم نہیں ہوتے صرف اس لیے کہ جواب آ گئے ہوں، بلکہ اس لیے کہ دیکھنے کا انداز بدل جاتا ہے۔ اب انسان سمجھنے سے زیادہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ ہر شے ایک ہی حقیقت کے دائرے میں ہے۔

اور اسی احساس میں ایک گہرا سکون جنم لیتا ہے- ایسا سکون جو نہ کسی دلیل سے آتا ہے، نہ کسی کوشش سے، بلکہ اس شعور سے پیدا ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے، وہ ایک ہی حقیقت کی تجلی ہے، اور ہر شے اسی کے سائے میں اپنی معنی خیزی پاتی ہے۔

اللہ کی الوہیت کا حقیقی جلوہ ہر جگہ اور مقام پر عیاں ہے:

* کائنات کی ہر حرکت، نظم اور توازن میں
* زندگی و موت کے ہر لمحے میں
* ہر دعا اور ہر ضرورت میں جو اللہ سے وابستہ ہے

یہ تجلی مخلوق کی محتاجی اور اللہ کی صمدیت کو واضح کرتی ہے۔

## سائنسی نقطہ نظر

* کائنات میں ہر شے کسی نہ کسی قوت کی محتاج ہے:
* سیارے اور ستارے اپنی گردش میں کششِ ثقل کے محتاج ہیں۔
* حیاتیات میں ہر جاندار ماحول اور وسائل کا محتاج ہے۔
* حیاتیات اپنے ماحول اور وسائل کے محتاج۔
* صرف اللہ وہ ہے جو خود کفیل اور ہر شے کا مرکز ہے، یہی سائنسی طور پر بھی صمدیت کی وضاحت ہے۔
* یہ ہر مظاہرہ صمدیت کے تصور کو سائنسی بنیاد دیتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ وہ ہے

جوخود کفیل اور ہر شے کا مرکز ہے۔

## فکر

اللہ کی الوہیت میں نہ صرف عبادت کا حق چھپا ہے بلکہ ہر علمی، عرفانی، اور وجدانی تجربہ بھی اس کے ادراک کا ذریعہ ہے۔صمدیت کی وسعت اتنی ہے کہ مخلوق کی کوئی طاقت اس کو چھو نہیں سکتی۔اللہ کی یہ شان ہر لمحہ ہماری محتاجی کا احساس دلاتی ہے اور ہمیں قلبی سکون عطا کرتی ہے۔

## اللہ کی شان الوہیت

وہ ایک ہے، سب کا سہارا
نہ والد نہ بیٹا، نہ کوئی برابر ہمارا
صمد ہے، محتاج نہیں کسی کی نظر
ہر ضرورت میں اس کی ذات کا جلوہ نظر
چاندنی میں، ہوا میں، ہر قطرہ پانی میں
ہر دل میں، ہر دعا میں، ہر سناٹے میں
وہ وحدہ، وہ حقیقی، وہ واحداللہ
سب کائنات اس کی ہے، اس کا ہے نما

# شانِ ربوبیت-تصرف فی الخلق

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت (رب ہونا) اور اس کا مخلوق میں تصرف (اختیار و تدبیر) اسلامی عقیدہ کا بنیادی ستون ہے۔ "رَبُّ الْعَالَمِینَ" کا مفہوم صرف یہ نہیں کہ اللہ نے کائنات کو پیدا کیا، بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ ہر لمحہ اس کی پرورش، نگرانی اور تدبیر فرما رہا ہے۔ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے، اور وہی مدبر ہے۔ کائنات کا کوئی ذرہ، کوئی حرکت، کوئی سکون ایسا نہیں جو اس کے علم، ارادہ اور حکم سے باہر ہو۔

اللہ کی ربوبیت کا پہلا مظہر تخلیق ہے۔ اس نے ہر چیز کو عدم سے وجود بخشا، ایک خاص ترتیب اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔ پھر اس تخلیق کو چھوڑ نہیں دیا بلکہ مسلسل اس کی پرورش کر رہا ہے۔ انسان کی پیدائش، اس کی نشوونما، اس کی ضروریات کا پورا ہونا یہ سب اللہ کی ربوبیت کا حصہ ہیں۔ اسی طرح زمین و آسمان کا نظام، دن اور رات کی گردش، بارش کا برسنا، رزق کا پہنچنا یہ سب اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ ہر لمحہ اپنی مخلوق کی تدبیر کر رہا ہے۔

تصرف فی الخلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جیسے چاہے تصرف فرماتا ہے۔ وہ عزت دیتا ہے اور ذلت دیتا ہے، وہ بیماری دیتا ہے اور شفا دیتا ہے، وہ ہدایت دیتا ہے اور گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے (اپنی حکمت کے مطابق)۔ اس کا ہر فیصلہ علم، عدل اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں، اور نہ کوئی اس کے فیصلے کو روک سکتا ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ بندوں کے دل بھی اللہ کے اختیار میں ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں آیا کہ اللہ دلوں کو جیسے چاہے پھیر دیتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا باطن بھی اللہ کے قبضۂ قدرت

میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کثرت سے دعا فرمایا کرتے تھے:

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ''۔

عرفانی نقطۂ نظر سے جب بندہ اللہ کی ربوبیت اور تصرف کو پہچان لیتا ہے تو اس کے دل میں ایک عجیب سکون پیدا ہوتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اس کی زندگی، اس کے حالات، اس کی کامیابیاں اور آزمائشیں سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ شعور اسے بے چینی سے نکال کر رضا اور تسلیم کی کیفیت میں لے آتا ہے۔ وہ ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کے فیصلوں کو حکمت سمجھ کر قبول کرتا ہے۔

یہ عقیدہ انسان کے عمل کو بھی بدل دیتا ہے۔ وہ دنیاوی اسباب کو اختیار کرتا ہے مگر ان پر بھروسہ نہیں کرتا، بلکہ اصل سہارا اللہ کو سمجھتا ہے۔ وہ مشکل میں صبر کرتا ہے اور آسانی میں شکر ادا کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہر حال اللہ کے حکم سے ہے۔ یہی توکل اور رضا در اصل ایمان کی روح ہے۔

آخر کار، اللہ کی ربوبیت اور اس کا تصرف انسان کو اس حقیقت تک پہنچاتا ہے کہ: ''وہی سب کچھ کرنے والا ہے، اور ہم صرف اس کے بندے ہیں''۔

جب یہ یقین دل میں راسخ ہو جاتا ہے تو انسان کی زندگی میں سکون، یقین اور نور پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ دنیا کے فریب سے نکل کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور اسی کی رضا کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت، یعنی ''رب'' ہونا، اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا واحد پالنے والا، سنبھالنے والا، رہنمائی کرنے والا اور سب چیزوں کا مختار ہے۔ ربوبیت میں اللہ کی قدرت، حکمت، پرورش اور انتظامی صفتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

ربوبیت کا مفہوم صرف موجودات کی پیداوار یا رکھ رکھاؤ تک محدود نہیں بلکہ یہ ہر شے کے انتظام، ترقی، اور ہر مخلوق کی زندگی کے ہر لمحے میں شامل ہے۔ عارفین کے

نزدیک ربوبیت کا ادراک انسان کے قلب میں سکون، اعتماد، اور روح میں تسکین پیدا کرتا ہے۔ یہ شعور انسان کو یہ یاد دلاتا ہے کہ ہر حالت میں سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ① اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ②

سورۃ الفاتحہ (1:1-2)

ترجمہ: رحمت والے، مہربان اللہ کے نام سے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

آیاتِ مبارکہ کی جامع شرح وتفسیر

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ"

تفسیر: یہ آیت ہر خیر کے آغاز کا اصول بیان کرتی ہے۔ "بِسْمِ اللّٰهِ" کا مطلب ہے کہ ہر کام اللہ کے نام، اس کی مدد اور اس کی برکت کے ساتھ شروع کیا جائے۔ اس میں بندہ اپنے عمل کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ اپنی طاقت سے نہیں بلکہ اللہ کے سہارے سے کام کر رہا ہے۔

"اللّٰهِ" وہ ذات ہے جو تمام صفاتِ کمال کی جامع ہے، جس میں الوہیت، ربوبیت اور حاکمیت سب شامل ہیں۔

"الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" اللہ کی دو عظیم صفات ہیں:

الرَّحْمٰن: وہ جس کی رحمت عام ہے، جو ہر مخلوق کو شامل ہے۔

"الرَّحِيْم": وہ جس کی خاص رحمت مومنوں کے لیے ہے، جو ہدایت، مغفرت

اور قرب کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

یہاں ان صفات کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کا ہر کام رحمت پر مبنی ہے، اور بندے کو بھی ہر کام رحمت اور خیر کے جذبے سے شروع کرنا چاہیے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کی تفسیر

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کا مطلب ہے کہ ہر قسم کی تعریف، شکر اور خوبی اللہ ہی کے لیے ہے۔

یہ جملہ صرف زبان سے ادا ہونے والی تعریف نہیں بلکہ ایک مکمل اعتراف ہے کہ:

* ہر نعمت اللہ کی طرف سے ہے
* ہر کمال اسی کی عطا ہے
* ہر خوبی کا اصل منبع وہی ہے

یہ بندے کے دل میں شکر، عاجزی اور محبت پیدا کرتا ہے، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کے فضل کا نتیجہ ہے۔

"رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" کی تفسیر

"رَبّ" کا مطلب ہے:

پیدا کرنے والا، پالنے والا، پرورش کرنے والا، اور ہر شے کی تدبیر کرنے والا۔

"الْعَالَمِيْنَ" سے مراد تمام جہان ہیں انسان، جنات، فرشتے، زمین، آسمان، اور ہر وہ چیز جو موجود ہے۔

یعنی اللہ نہ صرف خالق ہے بلکہ ہر لمحہ اپنی مخلوق کی پرورش کر رہا ہے، اسے سنبھال رہا ہے، اور اس کے نظام کو چلا رہا ہے۔ اس کا رب ہونا صرف تخلیق تک محدود نہیں بلکہ ہر لمحہ جاری رہنے والا عمل ہے۔

مرکزی پیغامِ تفسیر:

ان دو آیات میں دینِ اسلام کا بنیادی پیغام سمویا ہوا ہے:

* ہر کام اللہ کے نام سے شروع کرو
* ہر نعمت پر اسی کی حمد کرو
* اور یہ یقین رکھو کہ وہی پوری کائنات کا رب اور نگہبان ہے

یہ آیات بندے کو اللہ کے ساتھ ایک مضبوط تعلق قائم کرنے کی دعوت دیتی ہیں ایک ایسا تعلق جس میں بندہ ہر حال میں اللہ کو یاد رکھتا ہے، اس کا شکر ادا کرتا ہے، اور اسی پر بھروسہ کرتا ہے۔

عرفانی نقطۂ نظر سے "بِسْمِ اللّٰهِ" دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے،

"الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" دل میں امید اور محبت پیدا کرتا ہے،

اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" دل کو شکر اور معرفت سے بھر دیتا ہے۔

جب بندہ ان آیات کو شعور کے ساتھ پڑھتا ہے تو اس کا دل اللہ کی رحمت، اس کی ربوبیت اور اس کی عظمت کے نور سے روشن ہو جاتا ہے۔ یہ آیات انسان کو غفلت سے نکال کر بیداری، شکر اور قربِ الٰہی کی طرف لے جاتی ہیں۔

خلاصہ: یہ آیات دراصل بندگی کا مکمل نقشہ پیش کرتی ہیں:

* ابتدا اللہ کے نام سے
* دل میں اس کی رحمت کا یقین
* زبان پر اس کی حمد
* اور شعور میں اس کی ربوبیت کا ادراک

جب یہ چاروں چیزیں جمع ہو جائیں تو انسان کی زندگی عبادت، شکر اور نور کا ایک خوبصورت مجموعہ بن جاتی ہے۔

* ربوبیت میں شامل ہے: پیدا کرنا، رکھنا، ہدایت دینا، اور ہر شے کی پرورش کرنا۔

شانِ نزول: یہ آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں تا کہ انسان کو یہ شعور دیا جا سکے کہ ہر شے کا انتظام اور ہر ضرورت کا مرکز صرف اللہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ

(سورۃ البقرۃ:286)

ترجمہ: اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس کے پاس وہی ہوگا جو اس نے کمایا ہے، اور جو اس نے خرچ کیا ہے وہ برداشت کرے گا۔

تشریح: یہ ربوبیت کی حکمت کو ظاہر کرتی ہے، یعنی اللہ ہر مخلوق کی حالت اور طاقت کے مطابق ہر چیز کا انتظام کرتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۶۲﴾

(سورۃ الزمر:62)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر شے پر مکمل اختیار رکھنے والا ہے۔

آیتِ مبارکہ کی جامع شرح و تفسیر

"اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ"

تفسیر: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کو نہایت واضح انداز میں بیان کرتی ہے۔ "خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ" کا مطلب ہے کہ کائنات کی ہر شے چھوٹی ہو یا بڑی، ظاہر ہو یا پوشیدہ سب اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے دائرۂ تخلیق سے باہر ہو۔

یہاں "كُلِّ شَيْءٍ" کا لفظ عموم پر دلالت کرتا ہے، یعنی ہر مخلوق، ہر نظام، ہر حرکت، حتیٰ کہ انسان کے اعمال بھی اللہ کے علم اور قدرت کے تحت ہیں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ ہی اصل خالق ہے، اور باقی سب اس کے محتاج ہیں۔

"وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ" کی تفسیر

"وَكِيْلٌ" کا مطلب ہے:

نگہبان، کارساز، اور وہ ذات جو ہر شے کے معاملات کو سنبھالنے والی ہو۔

یعنی اللہ تعالیٰ نہ صرف خالق ہے بلکہ ہر چیز کی حفاظت، نگرانی اور تدبیر بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ہر نظام کو چلا رہا ہے، ہر مخلوق کی ضروریات پوری کر رہا ہے، اور ہر حالت پر کامل کنٹرول رکھتا ہے۔

یہ صفت بندے کو یہ سکھاتی ہے کہ اصل سہارا اور بھروسہ صرف اللہ ہے، کیونکہ وہی ہر شے کا حقیقی کارساز ہے۔

## توحیدِ خالقیت اور ربوبیت

یہ آیت توحید کے دو اہم پہلوؤں کو بیان کرتی ہے:

توحیدِ خالقیت: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے

توحیدِ ربوبیت: وہی ہر چیز کا نگہبان اور منتظم ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خالق بھی وہی ہے اور کارساز بھی وہی، تو عبادت اور بھروسہ بھی صرف اسی پر ہونا چاہیے۔ یہی توحید کا کامل مفہوم ہے۔

عرفانی و روحانی پہلو:

عرفانی نگاہ سے یہ آیت دل میں ایک گہرا یقین پیدا کرتی ہے کہ:

''جو کچھ ہے، وہ اللہ کے حکم سے ہے، اور جو ہو رہا ہے، وہ اسی کی تدبیر سے ہو رہا ہے۔'' جب بندہ اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کے دل میں سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

وہ جان لیتا ہے کہ اس کے معاملات ایک ایسی ذات کے ہاتھ میں ہیں جو ہر چیز پر قادر، حکیم اور مہربان ہے۔ اس سے اس کا خوف کم ہوتا ہے اور اس کا توکل مضبوط ہو جاتا ہے۔

عملی سبق: یہ آیت انسان کو چند اہم سبق دیتی ہے:

* ہر چیز کو اللہ کی تخلیق سمجھ کر اس کی قدر کرو
* اپنے معاملات میں اللہ پر بھروسہ کرو
* دنیاوی اسباب کو اختیار کرو مگر دل کا سہارا اللہ کو بناؤ
* مشکل اور آسان ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرو

خلاصہ: یہ آیت ایک عظیم حقیقت کو بیان کرتی ہے:

''اللہ ہی خالق ہے، اور وہی ہر شے کا کارساز ہے۔''

جب یہ یقین دل میں پختہ ہو جاتا ہے تو انسان کی زندگی میں ایک نئی روشنی آتی ہے۔

وہ بے خوف ہو جاتا ہے، مطمئن ہو جاتا ہے، اور ہر حال میں اپنے رب پر بھروسہ کرنے لگتا ہے۔

## حدیث ربوبیت

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَللهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وَالْمُسْتَعْمِلُ فِي الْخَلْقِ مَا شَآءَ إِنَّ قُلُوبَ بَنِيْ اٰدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ، كَقَلْبٍ وَاحِدٍ،

يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ

(رواہ مسلم، حدیث:2654)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ ان دونوں سے راضی ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ رب العالمین ہے اور وہ مخلوق میں جو چاہتا ہے استعمال کرتا ہے۔ بے شک تمام بنی آدم کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں جسے وہ جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

علمی نقطہ: ربوبیت علم الٰہیات کا بنیادی ستون ہے۔* ہر موجود کی نشوونما، حرکت، اور نظام اللہ کی حکمت اور منصوبہ بندی کا مظہر ہے۔

وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ

(سورۃ الطلاق:3)

ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسہ کرے، تو وہی اس کے لیے کافی ہے۔

## جامع شرح وتفسیر

توکل کا حقیقی مفہوم: "تَوَكَّلْ" کا مطلب ہے مکمل بھروسہ کرنا،
یعنی دل سے اللہ پر اعتماد کرنا،
اور یہ یقین رکھنا کہ ہر نفع ونقصان اسی کے اختیار میں ہے۔
توکل کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اسباب چھوڑ دے،
بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسباب اختیار کرے مگر دل کا سہارا صرف اللہ کو بنائے۔

### "فَهُوَ حَسْبُهٗ" کی گہرائی

"حَسْبُهُ" کا مطلب ہے:

اللہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا، اس کی ضرورتیں پوری کرے گا، اس کے مسائل حل کرے گا، اور اسے ہر حال میں سنبھال لے گا۔

یہ ایک عظیم وعدہ ہے کہ جو بندہ سچے دل سے اللہ پر بھروسہ کرے، اسے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں رہتی۔

اللہ کی کفایت کا مفہوم:

اللہ کی ''کفایت'' صرف دنیاوی مسائل تک محدود نہیں، بلکہ:

* وہ دل کو سکون دیتا ہے
* وہ مشکلات میں راستہ نکالتا ہے
* وہ بندے کو ایسے ذرائع سے مدد دیتا ہے جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا

یہی بات اسی سورت میں آگے بھی آتی ہے کہ اللہ ایسے راستے کھول دیتا ہے جہاں سے بندہ سوچ بھی نہیں سکتا۔

عرفانی و روحانی پہلو: اہلِ معرفت کے نزدیک یہ آیت ایک روحانی انقلاب پیدا کرتی ہے۔ جب بندہ حقیقتاً اللہ پر توکل کرتا ہے تو:

* اس کے دل سے خوف ختم ہو جاتا ہے
* وہ دنیا کے سہاروں سے آزاد ہو جاتا ہے
* اس کا تعلق صرف اللہ سے جڑ جاتا ہے

پھر وہ ہر حال میں کہتا ہے:

''میرا رب میرے لیے کافی ہے''

عملی سبق: یہ آیت ہمیں سکھاتی ہے:

* مشکلات میں گھبرانے کے بجائے اللہ پر بھروسہ کرو
* اسباب اختیار کرو مگر دل اللہ سے جوڑو

* ہر حال میں یقین رکھو کہ اللہ بہترین کارساز ہے

یہ آیت توکل کا ایک عظیم اصول بیان کرتی ہے:

''جو اللہ کو کافی سمجھ لے، اللہ اس کے لیے واقعی کافی ہو جاتا ہے۔''

جب یہ یقین دل میں اتر جائے تو انسان بے خوف، مطمئن اور اللہ کے قریب ہو جاتا ہے،

اور اس کی زندگی سکون، یقین اور نور سے بھر جاتی ہے۔

* ہر موجود کی نشوونما، حرکت، اور نظام اللہ کی حکمت اور منصوبہ بندی کا مظہر ہے۔* فلسفہ اور طبیعیات بھی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہر شے کسی نہ کسی قوت کی محتاج ہے، اور وہ قوت مطلق صرف اللہ ہے۔

## عرفانی و وجدانی نقطہ:

رب کے شعور سے انسان کو زندگی کے ہر لمحے میں اللہ کی مدد اور رہنمائی کا احساس ہوتا ہے۔ ربوبیت میں اللہ کی صمدیت بھی شامل ہے، یعنی وہ خود کسی کا محتاج نہیں، اور سب مخلوقات اس کی محتاج ہیں۔

عرفا کے نزدیک ربوبیت کا ادراک انسان کو اپنی محدودیت اور اللہ کی مطلق قدرت کا شعور دیتا ہے۔

سوال: کیا کوئی اعلیٰ مخلوق اللہ کی ربوبیت کے برابر ہو سکتی ہے؟

جواب: ہرگز نہیں۔ ربوبیت مطلق صرف اللہ کی صفت ہے، کوئی مخلوق خود کفیل یا مکمل منصوبہ ساز نہیں ہے۔

سوال: ربوبیت اور الوہیت میں کیا فرق ہے؟

جواب: الوہیت صرف عبادت کے لائق ہونے کا حق ہے، جبکہ ربوبیت اللہ کی مکمل نگہداشت، پرورش، اور انتظام کا مظہر ہے۔

سوال: ربوبیت کا شعور انسان کی زندگی میں کیا کردار ادا کرتا ہے؟

جواب: یہ شعور انسان کو سکون، اعتماد، اور ہر مشکل میں اللہ کی مدد پر بھروسہ کرنے کی صلاحیت دیتا ہے۔

* فطرت اور کائنات میں ہر شے کسی نہ کسی نظام اور قانون کی محتاج ہے۔

* سیارے، ستارے، حیاتیات، اور انسانی زندگی کے ہر عمل کا انتظام ایک مکمل منصوبہ اور قوت کا مظہر ہے۔

* ربوبیت کا یہ تصور سائنسی طور پر بھی درست ہے کہ ہر نظام اور شے ایک مرکز کی نگہداشت میں ہے، اور وہ مرکز صرف اللہ ہے۔

## اللہ کی ربوبیت

اللہ کی شان ربوبیت میں نہ صرف کائنات کا انتظام اور مخلوقات کی پرورش شامل ہے بلکہ ہر لحظہ انسان کی زندگی میں رہنمائی، مدد اور حفاظت بھی شامل ہے۔ ''رب کے شعور سے دل کو سکون اور روح کو طمانیت ملتی ہے۔ کوئی بھی مخلوق رب کے مقام کا ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔''

ہر شے کا رب وہی، سب کا سنبھالنے والا
زمین و آسمان، ہوا و پانی، سب کا پالنے والا
نہ کوئی محتاج، نہ کوئی شریک
ہر شے میں اس کا جلوہ، ہر لمحے میں اس کی حکمت
چاند، ستارہ، دریا اور پہاڑ
ہر لحظے میں رب کی قدرت کا اظہار
وہ واحد، وہ مکمل، وہ سب کا مالک
ہر دل، ہر روح میں اس کا جلوہ

# اللہ کی شانِ جلالیت (جلیل)

اللہ تعالیٰ کی شانِ جلالیت، یعنی ''جلیل'' ہونا، اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اللہ کی ذات کامل عظمت، وقار اور بلاحدود شان والی ہے۔ جلالیت میں اللہ کی قدرت، کبریائی، اور ہر شے پر مطلق اختیار کی تجلی ہوتی ہے۔

اللہ کی شانِ ''جلالیت (الجلیل)'' وہ عظمت ہے جو دل کو جھکا دیتی ہے اور شعور کو اپنی حد کا احساس دلا دیتی ہے۔ یہ وہ جلوہ ہے جس میں انسان اپنی کمزوری، اپنی محتاجی اور اپنی محدودیت کو صاف صاف دیکھ لیتا ہے۔ یہاں رحمت کی نرمی کے ساتھ ساتھ ایک ہیبت بھی ہوتی ہے- ایسی ہیبت جو خوف نہیں، بلکہ ادب اور تعظیم پیدا کرتی ہے۔

جلالیت کا ظہور کائنات کی وسعت، نظام کی سختی اور حق کی قطعیت میں نظر آتا ہے۔ جب انسان پہاڑوں کی مضبوطی، آسمان کی بلندی یا وقت کی بے رحم روانی کو دیکھتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ ایک ایسی قوت ہے جو سب پر غالب ہے، جس کے سامنے کوئی چیز اپنی مرضی سے نہیں چل سکتی۔ یہ احساس دل میں ایک سنجیدگی پیدا کرتا ہے- کہ زندگی محض کھیل نہیں، بلکہ ایک ذمہ داری بھی ہے۔

مگر جلالیت کا مقصد ڈرانا نہیں، بلکہ جگانا ہے۔ یہ انسان کو اس کی حد یاد دلاتی ہے تاکہ وہ اپنے رب کے سامنے جھکنا سیکھے۔ جب دل میں جلالیت کا شعور پیدا ہوتا ہے تو غرور ختم ہونے لگتا ہے، انا ٹوٹتی ہے، اور ایک عاجزی جنم لیتی ہے- ایسی عاجزی جو انسان کو اصل سکون کی طرف لے جاتی ہے۔

یوں "الجلیل" کی شان یہ سکھاتی ہے کہ عظمت صرف طاقت میں نہیں، بلکہ اُس توازن میں ہے جہاں بندہ اپنی حقیقت پہچان کر جھک جائے۔ اور اسی جھکنے میں ایک

گہرا سکون چھپا ہوتا ہے۔ کیونکہ جو جھک جاتا ہے، وہ بکھرتا نہیں بلکہ سنبھل جاتا ہے۔

جلالیت وہ صفت ہے جو انسان کے شعور اور قلب پر اثر ڈالتی ہے، اسے عاجزی، خشوع اور خوفِ الٰہی کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ صفت اللہ کی وحدت اور مطلقیت کی مکمل نمائندگی کرتی ہے۔

عارفین کے نزدیک جلالت کا ادراک انسان کے دل و دماغ میں سکون اور احترام پیدا کرتا ہے۔ یہ شعور انسان کو یاد دلاتا ہے کہ ہر حالت میں سب کچھ اللہ کی قدرت اور کبریائی میں ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ

(سورۃ الحشر:23)

ترجمہ: وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، پاکیزہ، امن دینے والا، حفاظت دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، کبریائی والا۔

آیتِ مبارکہ کی جامع شرح و تفسیر

توحید کا اعلان: "هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ"

آیت کا آغاز اللہ کی وحدانیت کے اعلان سے ہوتا ہے۔

یہ جملہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ عبادت، اطاعت اور بندگی کے لائق صرف اللہ ہی ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ کوئی اس کے برابر۔ یہ ایمان کی بنیاد اور اسلام کا مرکزی عقیدہ ہے۔

"اَلْمَلِكُ" کا مطلب ہے حقیقی بادشاہ، جو پوری کائنات کا مالک اور حاکم ہے۔ تمام سلطنتیں، حکومتیں اور طاقتیں اسی کی عطا ہیں، اور سب اسی کے تابع ہیں۔ اس کی بادشاہت ہمیشہ قائم رہنے والی ہے، جس میں کوئی کمی یا زوال نہیں۔

"اَلْقُدُّوْسُ" وہ ذات ہے جو ہر نقص، عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔
اس کی ذات، صفات اور افعال ہر طرح کی خامی سے منزہ ہیں۔ وہ کامل ہے، اور اس کی پاکیزگی بے مثال ہے۔

"اَلسَّلَامُ" کا مطلب ہے وہ ذات جو خود ہر نقص سے محفوظ ہے اور اپنی مخلوق کو سلامتی عطا کرتی ہے۔
دل کا سکون، زندگی کی حفاظت اور آخرت کی نجات یہ سب اسی کی طرف سے ہے۔

"اَلْمُؤْمِنُ" وہ ہے جو بندوں کو خوف سے امن دیتا ہے اور ان کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔
وہ اپنے وعدوں کو سچا کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

"اَلْمُهَيْمِنُ" کا مطلب ہے نگہبان، محافظ اور ہر چیز پر نظر رکھنے والا۔
وہ ہر شے کی نگرانی کرتا ہے، ہر حالت سے باخبر ہے، اور ہر نظام کو سنبھال رہا ہے۔

"اَلْعَزِيْزُ" وہ ہے جس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔
وہ ہر حال میں غالب ہے، اور اس کی طاقت کے سامنے کوئی طاقت ٹھہر نہیں سکتی۔

"اَلْجَبَّارُ" کا مطلب ہے زبردست قوت والا، اور وہ جو ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا ہو۔ وہ اپنی قدرت سے ہر چیز کو اپنے حکم کے تابع رکھتا ہے، اور بندوں کی کمزوریوں کو دور کرتا ہے۔

"اَلْمُتَكَبِّرُ" وہ ہے جو حقیقی عظمت اور بڑائی کا مالک ہے۔
یہ صفت صرف اللہ کے لیے ہے، کیونکہ حقیقی کبریائی اسی کے شایانِ شان ہے۔
انسان کے لیے تکبر مذموم ہے، مگر اللہ کے لیے یہ اس کی شان ہے۔

مرکزی پیغامِ تفسیر: اس آیت میں اللہ کی کئی عظیم صفات جمع کی گئی ہیں، جو اس کی: وحدانیت۔ بادشاہت، پاکیزگی، سلامتی، حفاظت، قدرت اور عظمت کو ظاہر کرتی ہیں۔

یہ آیت بندے کو یہ سکھاتی ہے کہ وہ ایک ایسی ذات کی عبادت کر رہا ہے جو ہر لحاظ سے کامل، قادر اور مہربان ہے۔

عرفانی اعتبار سے یہ آیت دل میں اللہ کی عظمت اور ہیبت پیدا کرتی ہے۔

جب بندہ ان صفات پر غور کرتا ہے تو اس کے دل میں:

* عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے۔ محبت اور یقین بڑھتا ہے

وہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز پر قادر، ہر حال میں نگہبان اور ہر لحاظ سے کامل ہے۔

یہ آیت اللہ کی صفاتِ کمال کا ایک عظیم مجموعہ ہے۔

یہ ہمیں سکھاتی ہے کہ: ''اللہ ہی معبود ہے، وہی بادشاہ ہے، وہی کامل ہے، اور وہی ہر چیز پر غالب اور نگہبان ہے۔''

جب یہ یقین دل میں راسخ ہو جائے تو انسان کی زندگی اللہ کی عظمت، محبت اور اطاعت میں ڈھل جاتی ہے، اور وہ حقیقی بندگی کا راستہ پا لیتا ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تا کہ مسلمانوں کو اللہ کی کبریائی، مطلق قدرت اور ہر معاملے پر اس کی حکمرانی کا شعور دیا جائے۔

وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ۝۱ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝۲

(سورۃ الطارق: 9-10)

ترجمہ: قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے (ستارے/ چمکنے والے) کی۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟

## قسم کا اسلوب اور اس کا مقصد

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کی قسم کھانا اس کی عظمت، اہمیت اور غور و فکر کی دعوت کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں "السَّمَآءِ" (آسمان) اور "الطَّارِق" (رات کو نمودار ہونے والا) کی قسم کھا کر انسان کو کائنات کے ایک عظیم منظر کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

یہ اسلوب انسان کے دل کو جھنجھوڑ کر یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ یہ نظامِ کائنات کتنا عظیم، منظم اور حکمت سے بھرپور ہے۔

"السَّمَآءِ" سے مراد وہ بلند و بالا کائناتی نظام ہے جو انسان کے اوپر پھیلا ہوا ہے ستارے، سیارے، کہکشائیں اور ان کا حیرت انگیز نظام۔

یہ آیت انسان کو آسمان کی وسعت، اس کی بلندی اور اس میں موجود نظم و ترتیب پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ یہ سب اللہ کی قدرت، حکمت اور تخلیقی عظمت کی نشانیاں ہیں۔

"الطَّارِق" کا مفہوم

"الطَّارِق" لغوی طور پر اس چیز کو کہتے ہیں جو رات کے وقت آئے یا ظاہر ہو۔ عام طور پر اس سے مراد چمکنے والا ستارہ لیا گیا ہے جو رات کی تاریکی میں ظاہر ہوتا ہے۔

یہ ستارہ اندھیرے میں روشنی کا مظہر ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ تاریکی کے اندر بھی اللہ کی قدرت سے روشنی موجود ہوتی ہے۔

"وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ" کی حکمت

یہ جملہ انسانی عقل کو متوجہ کرتا ہے کہ تم اپنی محدود سمجھ کے ساتھ اس حقیقت کی گہرائی کو نہیں پا سکتے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کائنات کی حقیقتیں انسان کے فہم سے کہیں زیادہ وسیع ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ان حقیقتوں کو بیان فرما کر انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

روحانی و عرفانی پہلو: عرفانی اعتبار سے "السَّمَاءِ" انسان کی بلندیِ روح اور وسعتِ فکر کی علامت ہے، جبکہ "الطَّارِقِ" دل میں آنے والی وہ روشنی ہے جو غفلت کی رات میں حقیقت کو ظاہر کرتی ہے۔

یہ آیات دل کو بیدار کرتی ہیں کہ انسان اپنی محدود دنیا سے نکل کر کائناتی حقیقت اور خالقِ کائنات کی طرف متوجہ ہو۔

مرکزی پیغام: ان آیات کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ:

- کائنات ایک بامقصد نظام ہے
- ہر مظہر میں اللہ کی قدرت پوشیدہ ہے
- انسان کو غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے

یہ آیات انسان کے اندر فکر، حیرت اور ایمان پیدا کرتی ہیں۔

یہ ابتدائی آیات ایک عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

یہ کائنات اندھیری نہیں، بلکہ حکمت اور روشنی سے بھری ہوئی ہے بس دیکھنے والی آنکھ اور سمجھنے والا دل چاہیے۔

یہی قرآن کا انداز ہے کہ وہ انسان کو غور و فکر کے ذریعے اپنے رب کی معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔

## حدیث جلالیت

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ

ﷺ قَالَ: وَاعْلَمْ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَمَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ

(رواہ الترمذی، حدیث:2516 حسن صحیح)

ترجمہ: اور جان لو کہ جو تمہیں پہنچنے والا تھا وہ تم سے خطا نہیں کر سکتا تھا، اور جو تم سے چوک گیا وہ تمہیں پہنچ نہیں سکتا تھا۔

یہ عقیدہ قرآن سے ثابت ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ

(سورۃ الحج:18)

ترجمہ: بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اللہ کی مشیت مطلق ہے: یہ عقیدہ بتاتا ہے کہ پوری کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی مشیت (ارادہ) سے ہوتا ہے۔

کوئی واقعہ، کوئی تبدیلی، کوئی حرکت اس کے حکم کے بغیر نہیں ہوتی۔

حکمت کے ساتھ فیصلہ: اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے، چاہے انسان اسے سمجھے یا نہ سمجھے۔

بعض اوقات انسان کو تکلیف یا خوشی میں حکمت نظر نہیں آتی، مگر اللہ کا ہر فیصلہ علمِ کامل اور عدل پر مبنی ہوتا ہے۔

یہ عقیدہ بندے کے دل میں یہ یقین پیدا کرتا ہے کہ:

* جو ملا وہ اللہ کی طرف سے خیر تھا- جو نہ ملا وہ بھی حکمت کے تحت تھا

اس سے بندہ بے چینی سے نکل کر سکون اور رضا کی حالت میں آجاتا ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک یہ حقیقت "توحیدِ افعالی" ہے، یعنی:

"حقیقی فاعل صرف اللہ ہے"

بندہ اس شعور تک پہنچتا ہے کہ اس کا اپنا وجود بھی اللہ کے نظامِ مشیت کا حصہ ہے، اس لیے وہ مکمل طور پر اللہ کے سپرد ہو جاتا ہے۔

اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے

اصل پیغام: کائنات میں اصل فاعل صرف اللہ ہے، اور اس کا ہر فیصلہ حکمت، علم اور عدل پر مبنی ہے۔

اور یہ مفہوم قرآنِ مجید سے واضح طور پر ثابت ہے:

وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

(سورۃ الحدید:4)

ترجمہ: اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ

(سورۃ فصلت:53)

ترجمہ: ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق اور ان کے نفسوں میں دکھائیں گے۔

## ہر شے میں اللہ کی قدرت کا مشاہدہ

اس قول کا مرکزی مفہوم یہ ہے کہ جو بندہ کائنات کی ہر چیز میں اللہ کی قدرت، حکمت اور تدبیر کو دیکھتا ہے، اس کے دل میں اللہ کی عظمت بیٹھ جاتی ہے۔

جب انسان ہر چیز کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ شعور پیدا ہوتا ہے کہ میں ہر وقت اللہ کی نگرانی میں ہوں۔ یہی احساس خوفِ خدا (تقویٰ) پیدا کرتا ہے۔

معرفت کا دروازہ: یہ تصور انسان کو "غفلت" سے نکال کر "بیداری" کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ ہر واقعے کو محض اتفاق نہیں بلکہ اللہ کی حکمت سمجھنے لگتا ہے۔

اہلِ عرفان کے نزدیک یہ کیفیت "حضورِ قلب" کہلاتی ہے، یعنی دل ہر وقت اللہ

کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

یہ مقام انسان کو گناہ سے دور اور عبادت کے قریب کر دیتا ہے۔

## علمی نقطہ نظر

* جلالیت الٰہی انسان کے شعور میں اللہ کی کبریائی اور مطلق اختیار کا شعور پیدا کرتی ہے۔

* ہر مظہر، ہر کائناتی نظام، اور ہر قدرتی قانون اللہ کی عظمت اور جلالت کی علامت ہے۔

* جلالیت کا شعور انسان کو عاجزی، خشوع اور خوفِ الٰہی کی طرف لے جاتا ہے۔

* اللہ کی جلالت اس کی صمدیت کی وسعت میں شامل ہے، کیونکہ وہ خود کسی کا محتاج نہیں، اور سب مخلوقات اس کی کبریائی اور قدرت کی محتاج ہیں۔

* عرفا کے نزدیک جلالت کے ادراک سے دل کی ہلچل ختم ہوتی ہے اور روح میں اللہ کی عظمت کے جلوے روشن ہوتے ہیں۔

سوال: کیا کوئی اعلیٰ مخلوق اللہ کی جلالت کے برابر ہو سکتی ہے؟

جواب: ہرگز نہیں۔ جلالت مطلق صرف اللہ کی صفت ہے، کوئی بھی مخلوق اس کی کبریائی اور عظمت کے برابر نہیں ہو سکتی۔

سوال: جلالیت اور ربوبیت میں کیا فرق ہے؟

جواب: ربوبیت اللہ کی نگہداشت اور پرورش کی صفت ہے، جبکہ جلالیت اس کی کبریائی، عظمت اور ہر شے پر مطلق اختیار کی صفت ہے۔

سوال: جلالیت کا شعور انسان کی زندگی میں کیا اثر رکھتا ہے؟

جواب: یہ شعور انسان میں خشوع، خوفِ الٰہی، عاجزی اور اللہ کی عظمت کے شعور کو پیدا کرتا ہے۔

# تجلی اللہ کی جلالیت

* اللہ کی جلالت ہر شے میں ظاہر ہوتی ہے:
* کائنات کی عظمت میں۔
* قدرت کے مظاہر میں۔
* انسان کے قلب میں خشوع کے دوران۔
* ہر تجلی انسان کو یہ شعور دیتی ہے کہ اللہ کی عظمت ہر تصور سے بالاتر ہے۔

''تجلیِ اللہ کی جلالیت'' وہ جلوہ ہے جو دل کو لرزا بھی دیتا ہے اور سنبھال بھی لیتا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جہاں عظمتِ الٰہی اس شدت سے ظاہر ہوتی ہے کہ انسان اپنی ہستی کو بہت چھوٹا محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہاں کائنات کی وسعت، وقت کی رفتار، اور حق کی قطعیت سب ایک ہی سمت اشارہ کرتے ہیں- کہ ایک ایسی قوت ہے جو ہر شے پر غالب ہے، اور جس کے سامنے ہر دعویٰ مٹ جاتا ہے۔

اس تجلی میں صرف ہیبت نہیں، بلکہ ایک گہری بیداری بھی ہوتی ہے۔ انسان دیکھتا ہے کہ ہر چیز اپنے دائرے میں بندھی ہوئی ہے، کوئی اپنی حد سے باہر نہیں جا سکتا۔ یہ احساس اسے جھکنے پر مجبور نہیں کرتا، بلکہ خود بخود جھکا دیتا ہے۔ غرور کی دیواریں ٹوٹنے لگتی ہیں، اور دل ایک ایسے ادب میں داخل ہو جاتا ہے جہاں خاموشی بھی عبادت محسوس ہوتی ہے۔

جلالیت کی یہ تجلی دل کو سخت نہیں کرتی، بلکہ اسے سنجیدہ اور صاف کرتی ہے۔ یہاں خوف محض ڈر نہیں رہتا، بلکہ ایک شعوری احتیاط بن جاتا ہے- ایسا احساس کہ ہر عمل دیکھا جا رہا ہے، ہر نیت کا وزن ہے۔ یہی شعور انسان کو ذمہ داری کا احساس دیتا ہے اور اسے اپنی حقیقت کے قریب لے آتا ہے۔

اور پھر اس تجلی کے بعد ایک عجیب سا سکون اترتا ہے۔ کیونکہ جب انسان اپنی

حد پہچان لیتا ہے، تو وہ اُس عظمت کے سامنے خود کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہی چھوڑ دینا اصل اطمینان ہے- کہ جو سب پر غالب ہے، وہی سنبھالنے والا بھی ہے۔ اور اسی ادراک میں جلالیت کی تجلی ایک مکمل توازن بن جاتی ہے- ہیبت بھی، اور سکون بھی۔

## سائنسی نقطہ نظر

٭ فطرت اور کائنات کے ہر مظہر میں ترتیب، ہم آہنگی اور عظمت کے آثار موجود ہیں۔ سیارے، ستارے، سمندری لہریں، اور حیاتیات ہر شے میں اللہ کی جلالت کی عکاسی کرتی ہیں۔ سائنسی نقطہ نظر سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نظام، ہر قانون اور ہر مظہر کسی اعلیٰ اور مطلق حکمت کا مظہر ہے، جو صرف اللہ کی جلالت سے ممکن ہے۔

## اللہ کی جلالت

اللہ کی جلالت نہ صرف کائنات کی عظمت اور قدرت میں ظاہر ہوتی ہے بلکہ انسان کے قلب میں خشوع اور عاجزی کے اثر سے بھی واضح ہوتی ہے۔ ''جلالت کا شعور انسان کو اپنی محدودیت اور اللہ کی کبریائی کا احساس دلاتا ہے۔ کوئی بھی مخلوق اللہ کی جلالت کے برابر نہیں ہو سکتی۔''

اللہ جلیل ہے، کبریائی کا پیکر
ہر شے میں جلوہ، ہر دم میں فخر
زمین و آسمان، ہوا و پانی
سب کے سب تیرے جلال کے گواہ ہیں
چاند، ستارہ، دریا اور پہاڑ
ہر لمحے میں تجھ کی عظمت کا اظہار

# اللہ کی شان جمالیت (جمیل)

اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک "الجمیل" اس کی بے مثال خوبصورتی، حسنِ کامل اور جمالِ مطلق کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ وہ حسن ہے جو نہ صرف ظاہری ہے بلکہ باطنی، روحانی اور معنوی بھی ہے۔ اللہ کا جمال کسی شکل، صورت یا حد میں مقید نہیں بلکہ وہ ہر خوبی، ہر حسن اور ہر کمال کا اصل سرچشمہ ہے۔ کائنات میں جہاں کہیں بھی حسن نظر آتا ہے، وہ دراصل اسی جمالِ الٰہی کا ایک عکس ہے۔

اللہ کی جمالیت کا پہلا مظہر اس کی تخلیق میں نظر آتا ہے۔ آسمان کی وسعت، ستاروں کی چمک، پھولوں کی رنگینی، پانی کی روانی یہ سب اللہ کے حسنِ تخلیق کی نشانیاں ہیں۔ ہر شے میں ایک توازن، ایک ترتیب اور ایک خوبصورتی ہے جو اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ خالق خود "جمیل" ہے، اور اس نے اپنی تخلیق کو بھی حسن سے مزین کیا ہے۔

اللہ کی شانِ جمالیت اس کی صفات میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی رحمت، اس کا عفو، اس کا درگزر، اس کی شفقت یہ سب اس کے جمالی پہلو کے مظاہر ہیں۔ جب بندہ گناہ کے باوجود معافی پاتا ہے، جب وہ مشکلات کے بعد آسانی دیکھتا ہے، تو وہ دراصل اللہ کے جمال کا تجربہ کر رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ حسن ہے جو دل کو سکون اور روح کو راحت دیتا ہے۔

عرفانی نقطۂ نظر سے ''الجمیل'' کا ادراک انسان کے دل میں محبتِ الٰہی پیدا کرتا ہے۔ جب بندہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کا رب حسن کا کامل نمونہ ہے تو اس کا دل خود بخود اس کی طرف کھنچنے لگتا ہے۔ یہ محبت بندے کو عبادت میں لذت، ذکر میں سکون اور دعا میں حضوری عطا کرتی ہے۔

اللہ کی جمالیت انسان کو بھی حسنِ اخلاق کی طرف بلاتی ہے۔ جو بندہ اللہ کے جمال کو پہچان لیتا ہے، وہ اپنی زندگی میں بھی نرمی، محبت، درگزر اور حسنِ سلوک اختیار کرتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ حقیقی خوبصورتی چہرے میں نہیں بلکہ کردار، نیت اور عمل میں ہے۔

یہ جمال انسان کے باطن کو بھی سنوارتا ہے۔ جب دل میں اللہ کی محبت آ جاتی ہے تو حسد، بغض، کینہ اور غرور ختم ہونے لگتے ہیں، اور ان کی جگہ عاجزی، محبت اور سکون آ جاتا ہے۔ یوں بندہ اندر سے بھی خوبصورت ہو جاتا ہے، اور اس کی روح نور سے بھر جاتی ہے۔

آخرکار، اللہ کی شانِ "الجمیل" بندے کو اس مقام تک لے جاتی ہے جہاں وہ ہر حسن میں اللہ کو یاد کرتا ہے، ہر نعمت میں اس کا شکر ادا کرتا ہے، اور ہر حال میں اس کی محبت میں جیتا ہے۔ یہی حقیقی جمال ہے کہ انسان کا دل، اس کی روح اور اس کی زندگی اللہ کے حسنِ مطلق کی طرف متوجہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ جمالیت، یعنی ''جمیل'' ہونا، اس حقیقت کی کامل نمائندگی ہے کہ اللہ کی ذات ہر خوبی، حسن، اور کمال کی مکمل تجلی ہے۔ جمالیت میں اللہ کی خوبصورتی، حسنِ کائنات میں توازن، اور ہر شے میں دل کو متوجہ کرنے والی کشش شامل ہے۔

جمالیت انسان کے قلب میں سکون، محبت، روحانی کشش اور حسن پسندی پیدا کرتی ہے۔ عرفا کے نزدیک جمالیت کا شعور انسان کو اللہ کی محبت اور حسنِ کائنات کے ادراک کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اللہ کی جمالیت اس کی صمدیت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، کیونکہ وہ خود کسی کا محتاج نہیں، لیکن اس کے جمال کی وسعت ہر مخلوق کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

# قرآن میں اللہ کی جمالیت

قرآن میں اللہ کی ''جمالیت'' اُس لطیف رحمت اور حسن کا بیان ہے جو دل کو نرم کرتا ہے اور روح کو سکون عطا کرتا ہے۔ جہاں جلال انسان کو جھکاتا ہے، وہاں جمال اُسے اپنے رب کے قریب کھینچتا ہے۔ قرآن میں یہ جمالیت اللہ کی صفاتِ رحمت، مغفرت، حلم اور محبت کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے- جیسے وہ بندے کی کمزوری کو جانتے ہوئے بھی اُسے بار بار معاف کرتا ہے، اور گناہوں کے باوجود اُسے اپنی طرف بلاتا رہتا ہے۔

یہ جمالیت قرآن کی زبان میں بھی جھلکتی ہے۔ کبھی جنت کے مناظر، کبھی معافی کی نوید، کبھی اللہ کی قربت کا ذکر- یہ سب دل میں ایک امید اور محبت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی سخت اور دور ہستی کے سامنے نہیں، بلکہ ایک ایسی ذات کے حضور ہے جو اُس کے دل کی حالت کو جانتی ہے اور اُس کی طرف رحمت کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھتی ہے۔

اللہ کی جمالیت کا سب سے خوبصورت پہلو یہ ہے کہ وہ بندے کو مایوسی سے نکال کر امید میں لے آتی ہے۔ قرآن بار بار یہ احساس دلاتا ہے کہ اللہ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے، اور بندہ چاہے جتنا بھی دور ہو جائے، واپسی کا راستہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ یہی جمال دل کو زندہ رکھتا ہے اور انسان کو بار بار اپنے رب کی طرف رجوع کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

یوں قرآن میں جمالیت صرف خوبصورتی کا بیان نہیں، بلکہ ایک زندہ احساس ہے- ایسا احساس جو دل کو نرم کرتا ہے، آنکھوں کو نم کرتا ہے، اور انسان کو اُس حقیقت کے قریب لے آتا ہے جو محبت، رحمت اور بخشش کا سرچشمہ ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

(سورۃ الحشر 24:59)

ترجمہ: وہی اللہ ہے، پیدا کرنے والا، پیدا کرنے والا، وضع کرنے والا۔ سب سے خوبصورت نام اسی کے ہیں۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

شان نزول: یہ آیت مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ اللہ کی جمالیت کی پہچان ہر مظہر میں کی جاسکتی ہے، چاہے وہ کائنات ہو یا اخلاقی حسن۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کے پاس سکون پاؤ، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی۔

(سورۃ الروم:21)

تشریح: یہ آیت جمالیت کی علامت ہے، کیونکہ اللہ نے کائنات میں حسن، محبت اور ہم آہنگی پیدا کی تاکہ مخلوق دل و روح کے سکون کو محسوس کر سکے۔

## حدیث جمالیت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ

رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا، وَنَعْلُهُ حَسَنَةً؟ قَالَ ﷺ: إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ

(رواہ مسلم، حدیث:91)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔'' ایک شخص نے عرض کیا: انسان چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو (کیا یہ بھی تکبر ہے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرا دیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔

## شرح اور جامع وضاحت

یہ حدیث نہایت جامع انداز میں "جمال" اور "تکبر" کے درمیان فرق کو واضح کرتی ہے۔ سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے تکبر کی مذمت فرمائی کہ دل میں معمولی سا بھی تکبر ہو تو یہ جنت میں داخلے میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ پھر جب ایک صحابی نے ظاہری خوبصورتی کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس غلط فہمی کو دور کیا کہ اچھا لباس پہننا یا ظاہری صفائی اختیار کرنا تکبر نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ" یعنی اللہ خود خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ظاہری و

باطنی حسن دونوں کی تعلیم دیتا ہے۔ انسان کا لباس، صفائی، انداز اور رہن سہن اچھا ہونا پسندیدہ ہے، بشرطیکہ اس میں غرور نہ ہو۔

حدیث کے آخری حصے میں تکبر کی اصل تعریف بیان کی گئی:

"بَطَرُ الْحَقِّ" یعنی حق کو رد کرنا،

اور غَمْطُ النَّاسِ یعنی لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

یعنی تکبر کا تعلق ظاہری خوبصورتی سے نہیں بلکہ دل کے رویے سے ہے۔ اگر انسان اچھا لباس پہنے مگر عاجزی اختیار کرے تو یہ جمال ہے، اور اگر سادہ لباس کے باوجود دل میں غرور ہو تو یہ تکبر ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا جمال بندے کو حسنِ ظاہر اور حسنِ باطن دونوں کی طرف بلاتا ہے۔ بندہ اپنے ظاہر کو پاکیزہ رکھے اور اپنے باطن کو عاجزی، محبت اور اخلاص سے آراستہ کرے۔ جب دل تکبر سے خالی ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کے جمال کا آئینہ بن جاتا ہے۔

یہ حدیث ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ: خوبصورتی اختیار کرنا پسندیدہ ہے، مگر تکبر سے بچنا ضروری ہے، اصل حسن دل کی عاجزی اور حق کی قبولیت میں ہے "حقیقی جمال وہ ہے جس میں حسن بھی ہو اور عاجزی بھی۔"

## حدیث حسن و جمال

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ

(رواہ مسلم، حدیث:91)

ترجمہ: بے شک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔

اپنی چیزوں میں حسن اختیار کرنا یعنی: * صفائی - ترتیب - نفاست - سادگی کے ساتھ خوبصورتی

یہ سب اسلام میں پسندیدہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ خود بھی لباس، خوشبو اور صفائی کا اہتمام فرماتے تھے۔

اخلاق میں جمال اصل اور اعلیٰ جمال اخلاق کا ہے:

* نرمی، عاجزی - حسنِ سلوک - معاف کرنا - سچائی

یہ وہ خوبصورتی ہے جو انسان کو اللہ کے قریب کرتی ہے۔

ایک عارف کا قول ہے کہ

أَحِبُّوا الْجَمَالَ فِيْ أَشْيَائِكُمْ وَأَخْلَاقِكُمْ

ترجمہ: اپنی چیزوں اور اخلاق میں حسن کو پسند کرو۔

اسلام یہ نہیں کہتا کہ صرف ظاہر سنوارو یا صرف باطن، بلکہ دونوں میں توازن رکھو۔ ظاہری خوبصورتی دل کی عاجزی کے ساتھ ہو، تب ہی وہ "جمال" بنتی ہے، ورنہ وہ تکبر بن سکتی ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک "جمال" کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے وجود کو اللہ کی پسند کے مطابق ڈھال لے۔

اس کا ظاہر بھی خوبصورت ہو اور باطن بھی نور سے بھرا ہو۔

یہی وہ مقام ہے جہاں انسان اللہ کے "جمیل" ہونے کا عکس بن جاتا ہے۔

* اسلام ظاہری و باطنی حسن دونوں کی تعلیم دیتا ہے

اصل پیغام: حقیقی خوبصورتی وہ ہے جو انسان کی چیزوں میں صفائی اور اس کے اخلاق میں نرمی اور عاجزی پیدا کر دے۔

تشریح: یہ حدیث جمالیت کے ادراک کو عملی زندگی سے جوڑتی ہے اور انسانی رویوں میں حسن کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔

## علمی نقطہ نظر

* جمالیت ہر مظہر میں حسن، توازن اور کمال کا نمونہ پیش کرتی ہے۔
* ہر قدرتی نظام، ہر آیت اور ہر مظہر میں جمالیت کی جھلک نظر آتی ہے۔
* جمالیت کا شعور انسان کے دل میں محبت، سکون اور روحانی کشش پیدا کرتا ہے۔
* اللہ کی جمالیت اس کی صمدیت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، کیونکہ وہ خود کامل ہے اور تمام مخلوقات اس کے جمال کی طرف کھنچی ہوئی ہیں۔
* عرفا کے نزدیک جمالیت انسان کی روح میں اللہ کی محبت اور حسنِ کائنات کے ادراک کی نمائندگی کرتی ہے۔

سوال: کیا کوئی اعلیٰ مخلوق اللہ کی جمالیت کے برابر ہو سکتی ہے؟

جواب: ہرگز نہیں۔ جمالیت مطلق صرف اللہ کی صفت ہے، کوئی بھی مخلوق اس کے حسن یا جمال کے مقابل نہیں ہو سکتی۔

سوال: جمالیت اور جلالیت میں کیا فرق ہے؟

جواب: جلالیت اللہ کی کبریائی اور عظمت کی صفت ہے، جبکہ جمالیت اس کی حسن، خوبصورتی اور دل کو متوجہ کرنے والی کشش کی صفت ہے۔

سوال: جمالیت کا شعور انسان کی زندگی میں کیا اثر رکھتا ہے؟

جواب: یہ شعور انسان میں حسن پسندی، محبت، سکون اور روحانی کشش پیدا کرتا ہے۔

* اللہ کی جمالیت ہر شے میں ظاہر ہوتی ہے:
* کائنات کی ہم آہنگی میں
* قدرت کے مظاہر میں

* انسان کے قلب اور جمالیاتی شعور میں
* یہ تجلی انسان کو یاد دلاتی ہے کہ اللہ کی حسنیت ہر تصور سے بلند ہے۔

## سائنسی نقطہ نظر

* فطرت اور کائنات کے ہر مظہر میں توازن اور ہم آہنگی کے آثار موجود ہیں۔
* پودے، حیوانات، انسانی جسم اور آسمانی مظاہر میں جمالیاتی ہم آہنگی اللہ کی جمالیت کی جھلک ہے۔
* سائنسی نقطہ نظر سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نظام، ہر قانون اور ہر مظہر کسی اعلیٰ اور مکمل حسن کے مظہر کے بغیر ممکن نہیں۔

اللہ کی جمالیت ہر مظہر میں محبت اور کشش پیدا کرتی ہے۔ جمالیت کا شعور انسان کی روحانی زندگی کو توازن، سکون اور حسن کی طرف راغب کرتا ہے۔ ''کوئی بھی مخلوق اللہ کی جمالیت کے جلوے کے مقابل نہیں ہو سکتی۔''

# جمال الٰہی۔حسن ازل کا تصور

اللہ تعالیٰ کی شانِ جمالیت یعنی ''جمیل'' اور اس کے حسن کا تصور، اس حقیقت کی مکمل نمائندگی کرتا ہے کہ اللہ ہر خوبی، حسن اور کمال کا سرچشمہ ہے۔ اللہ کا حسن ازل، یعنی اللہ کا حسن بذاتِ خود، ہر تصور اور مخلوق سے ماورا ہے۔ جمالیت اور حسن بذاتِ خود اللہ کی صفت ہیں جو انسان کے قلب میں محبت، سکون اور روحانی کشش پیدا کرتی ہیں۔

عارفین کے نزدیک اللہ کا حسن ازل انسان کو اللہ کی محبت اور معرفت کی طرف کھینچتا ہے اور روحانی سکون عطا کرتا ہے۔

جمالیت اور حسن کے تین پہلو:

ذاتی حسن: اللہ کا جمال بذاتِ خود کامل اور ہر تصور سے بالا ہے۔ اللہ کی ذات میں ہر کمال، ہر جمال اور ہر عظمت بذاتِ خود موجود ہے۔

تجلی حسن: اللہ کی جمالیت کائنات کے ہر مظہر میں جلوہ کرتی ہے۔ اللہ کی جمالیت کائنات کے ہر مظہر میں جلوہ گر ہے، جیسے روشنی، زندگی، نظامِ کائنات اور حسنِ اخلاق۔

محبت کی کشش: اللہ کا حسن انسان کو اپنی طرف راغب کرتا ہے، دل و روح میں سکون پیدا کرتا ہے۔ دل و روح میں سکون اور محبت پیدا کرتا ہے۔

عارفین کے نزدیک اللہ کا یہ حسن انسان کو اللہ کی محبت اور معرفت کی طرف کھینچتا ہے اور روحانی سکون عطا کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ

(سورۃ آل عمران:31)

ترجمہ: کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

تشریح: اللہ کی محبت اور اس کا حسن انسان کے اعمال اور اتباع سے جڑا ہوا ہے۔ حسن ازل کی حقیقت انسان کے دل میں عشقِ الٰہی پیدا کرتی ہے۔

## حدیث حسن ازل

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنَةً؟ قَالَ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ

(رواہ مسلم، حدیث:91)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا: آدمی چاہتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو

اور جوتا اچھا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر یہ ہے کہ حق کو رد کیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔

## ''جمال'' کے حقیقی مفہوم

یہ حدیث اسلام میں ''جمال'' کے حقیقی مفہوم کو بیان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود "جمیل" ہے، یعنی وہ حسنِ کامل کا مالک ہے، اور اسی لیے وہ اپنے بندوں میں بھی خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ یہاں خوبصورتی صرف ظاہری شکل وصورت تک محدود نہیں بلکہ اس میں صفائی، نفاست، ترتیب، اور حسنِ اخلاق سب شامل ہیں۔

حدیث میں ایک اہم نکتہ یہ واضح کیا گیا کہ اچھا لباس پہننا یا خوبصورت چیزیں پسند کرنا تکبر نہیں ہے، بلکہ تکبر دل کی کیفیت ہے جب انسان حق کو رد کرے اور دوسروں کو کمتر سمجھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ظاہری خوبصورتی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، مگر اس کے ساتھ عاجزی اور اخلاقی حسن کو لازمی قرار دیتا ہے۔

اللہ کی تخلیق میں حسن اور توازن پایا جاتا ہے، اور کائنات کا ہر نظام اس کے جمال کا مظہر ہے۔

قرآن میں بھی بار بار انسان کو کائنات میں غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے، جہاں وہ اللہ کی قدرت اور حسن کو دیکھ سکتا ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک "إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ" کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر اور باطن دونوں کو سنوارے۔

اس کا لباس صاف ہو، اس کا دل عاجز ہو، اس کا اخلاق نرم ہو تب وہ اللہ کے جمال کا عکس بن جاتا ہے۔

٭ اصل خوبصورتی عاجزی، اخلاق اور حق کو قبول کرنے میں ہے

''اللہ حسن کو پسند کرتا ہے، مگر وہ حسن جو دل کی عاجزی اور اخلاق کی پاکیزگی کے ساتھ ہو۔''

علمی نقطہ نظر * اللہ کا حسن از بذاتِ خود کامل، بے نیاز اور ہر تصور سے بالا ہے۔

* ہر مظہر، ہر کائناتی نظام اور ہر قدرتی قانون اللہ کی جمالیت اور حسن کی عکاسی کرتا ہے۔

## عرفانی و وجدانی نقطہ نظر

* اللہ کا حسن از انسان کے دل میں محبت، سکون اور روحانی کشش پیدا کرتا ہے۔

* عرفا کہتے ہیں: جس نے اللہ کے حسن کی پہچان کی، اس کے دل میں سکون، جمال کی طلب اور معرفتِ الٰہی کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔

* اللہ کے حسن از کی وسعت اس کی صمدیت سے جڑی ہوئی ہے: وہ خود کامل ہے اور سب مخلوقات اس کے جمال کے محتاج ہیں۔

سوال: کیا کوئی اعلیٰ مخلوق اللہ کے حسن از کے برابر ہو سکتی ہے؟

جواب: ہرگز نہیں۔ اللہ کا حسن از مطلق ہے اور کوئی مخلوق اس کی جمالیت کے قریب بھی نہیں جا سکتی۔

سوال: اللہ کا حسن اور جمالیت میں کیا فرق ہے؟

جواب: جمالیت مظاہر میں جلوہ گر ہوتی ہے، جبکہ اللہ کا حسن از بذاتِ خود مکمل اور ہر تصور سے بالا ہے۔

سوال: اللہ کا حسن انسان کی زندگی میں کیا اثر رکھتا ہے؟

جواب: یہ انسان کے دل میں محبت، روحانی سکون، جمال پسندی اور اللہ کی طرف رغبت پیدا کرتا ہے۔

# اللہ کے حسن کا جلوہ

* اللہ کا حسن از ہر مظہر میں جلوہ گر ہوتا ہے:
* کائنات میں توازن و ہم آہنگی
* انسانی قلب و روح میں کشش
* اخلاق اور اعمال میں حسنِ سلوک
* یہ تجلی انسان کو یہ شعور دیتی ہے کہ اللہ کی جمالیت اور حسن بذاتِ خود ہر تصور سے بالا ہے۔

اللہ کے حسن کا جلوہ وہ لطیف حقیقت ہے جو ہر شے میں ایک خاموش خوبصورتی کی صورت میں جھلکتا ہے، مگر کسی ایک صورت میں قید نہیں ہوتا۔ یہ حسن آنکھ سے زیادہ دل سے دیکھا جاتا ہے۔ کبھی صبح کی روشنی میں، کبھی بارش کی مہک میں، کبھی کسی بے سبب سکون کے لمحے میں۔ انسان جب اس جلوے کو محسوس کرتا ہے تو اسے لگتا ہے کہ کائنات محض وجود نہیں، بلکہ ایک جمالیاتی اظہار ہے۔ ایک ایسا اظہار جو حسنِ حقیقی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

یہ جلوہ کبھی رحمت کی نرمی میں ظاہر ہوتا ہے، کبھی محبت کی گرمی میں، اور کبھی معافی کی وسعت میں۔ جب دل پر اس حسن کی جھلک پڑتی ہے تو سختی نرم ہو جاتی ہے، بے چینی ٹھہرنے لگتی ہے، اور انسان کے اندر ایک لطیف سی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ خوبصورتی صرف باہر نہیں، بلکہ ایک گہری حقیقت ہے جو ہر شے کے باطن میں چھپی ہوئی ہے۔

اللہ کے حسن کا یہ جلوہ انسان کو اپنے رب کی طرف کھینچتا ہے۔ بغیر جبر کے، بغیر خوف کے۔ یہ محبت کے ذریعے بلاتا ہے، سکون کے ذریعے قریب لاتا ہے، اور امید کے ذریعے دل کو زندہ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو دل اس حسن کو چھو لیتا ہے، وہ پھر

دنیا کی بے رنگی میں بھی ایک رنگ محسوس کرتا ہے۔

آخر کار انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ حسن کا اصل سرچشمہ کوئی منظر نہیں، بلکہ وہ ذات ہے جس نے ہر حسن کو جنم دیا۔ اور جب یہ ادراک گہرا ہوتا ہے تو انسان ہر خوبصورتی میں ایک ہی جلوہ دیکھنے لگتا ہے- ایسا جلوہ جو نظر آ کر بھی نظر سے اوجھل رہتا ہے، مگر دل میں ایک دائمی سکون چھوڑ جاتا ہے۔

## سائنسی نقطہ نظر

* ہر قدرتی مظہر میں ہم آہنگی، توازن اور حسن کے آثار موجود ہیں۔
* انسانی جسم، حیاتیات، پودے، حیوانات اور کائناتی مظاہر اللہ کے حسن ازلی کی عکاسی کرتے ہیں۔
* سائنسی نقطہ نظر سے بھی ہر نظام اور مظہر کسی اعلیٰ اور کامل حسن کے بغیر ممکن نہیں، جو صرف اللہ کے حسن ازلی کی تجلی ہے۔

اللہ کا حسن بذاتِ خود کامل اور ہر تصور سے بلند ہے۔ یہ جمالیت کی بنیادی وجہ ہے، جو انسان کے دل اور روح میں سکون، محبت اور معرفت پیدا کرتی ہے۔ اللہ کے حسن کی وسعت کو محسوس کرنے والا انسان دنیا و آخرت میں اللہ کی طرف رغبت رکھتا ہے اور کسی بھی مخلوق کے جلوے اس کے حسن کے برابر نہیں ہو سکتے۔

# عارف پر حسن ازل کی تجلی

اللہ کے حسن کی تجلی عارف کے دل و جان پر ایک روحانی انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ یہ تجلی صرف عقل سے نہیں، بلکہ قلب اور روح کی مکمل پاکیزگی اور معرفت کے ذریعے محسوس کی جاتی ہے۔ عارف، جو دنیاوی خواہشات سے بالاتر اور اللہ کی معرفت کے طلبگار رہو، اس پر یہ تجلی ایک ''نورانی اثر'' کے طور پر نمودار ہوتی ہے۔

## قلب میں سکون اور محبت

جب اللہ کا حسن عارف کے دل پر جلوہ گر ہوتا ہے تو: دنیاوی اضطراب اور فکری الجھنیں ختم ہو جاتی ہیں۔

دل میں ''محبت الٰہی'' کی گہری لہر دوڑتی ہے۔ ہر سانس اور ہر لمحہ ایک ''روحانی سکون'' کے زیرِ اثر محسوس ہوتا ہے۔

عارف کے لیے یہ سکون دنیا کی ہر نعمت سے بالا اور مستقل ہوتا ہے، کیونکہ یہ سکون اللہ کی جمالیت سے پیدا ہوتا ہے۔

## ہر مظہر میں جمال کی پہچان

تجلی کے اثر سے عارف ہر شے میں اللہ کے حسن کو دیکھنے لگتا ہے:

- آسمان کے توازن اور ستاروں کی ترتیب
- زمین، پانی، درخت اور پودوں میں ہم آہنگی
- انسانوں میں اخلاق و کمال

عارف ہر چیز میں اللہ کی جمالیت کو محسوس کرتا ہے، اور ہر جلوہ اسے اللہ کی قربت

کی یاد دلاتا ہے۔

وجدانی روشنی اور معرفت

* تجلی کے وقت عارف کے دل میں ''نورانی روشنی'' پیدا ہوتی ہے۔
* وہ محسوس کرتا ہے کہ اللہ کی ذات ہر تصور، ہر خیال اور ہر تخیل سے بالا ہے۔
* یہ روشنی ایک ''عرفانی کشف وشہود'' ہے، جو دل وروح کو معرفت الٰہی سے منور کرتی ہے۔

## عاجزی اور خشوع

اللہ کے حسن کی تجلی عارف کو عاجز اور خاشع کر دیتی ہے:

* وہ اپنی ذات، عقل اور طاقت کو محدود محسوس کرتا ہے۔
* ہر حالت میں اللہ کی عظمت اور جمال کے سامنے عاجزی اختیار کرتا ہے۔
* دنیاوی غرور اور تکبر یکدم ختم ہو جاتا ہے۔
* اللہ کے حسن کی تجلی عارف کے دل میں ''محبت وعشق'' پیدا کرتی ہے۔
* یہ عشق صرف محبت تک محدود نہیں، بلکہ ''عبادت، اخلاق، اور مخلوق کی خدمت'' میں ظاہر ہوتا ہے۔
* عارف اپنی زندگی کے ہر لمحے میں اللہ کی جمالیت کی طلب میں گم رہتا ہے۔

ساری مخلوقات سے بالاتر شعور

عارف کا شعور بڑھ جاتا ہے کہ:

* اللہ کے حسن کے مقابل کوئی مخلوق، حتیٰ کہ سب سے اعلیٰ مخلوق بھی، اس کے جمال کے برابر نہیں۔
* اس شعور سے عارف ہر چیز میں اللہ کی وحدت اور مطلقیت دیکھنے لگتا ہے۔

تجلی کا عملی اثر: عارف کے رویے میں حسن اور اخلاق کا عکس نمودار ہوتا ہے۔

* اس کی گفتگو میں محبت اور لطافت شامل ہوتی ہے۔
* اس کی نگاہ ہر شے میں اللہ کی جمالیت کی تجلی دیکھتی ہے۔

ایک صوفی بزرگ فرماتے ہیں:

اللہ کا حسن میرے قلب پر جلوہ گر ہوتا ہے، میں خود کو نہیں پاتا، ہر چیز اللہ میں گھل جاتی ہے، اور صرف روشنی اور محبت رہ جاتی ہے۔ دنیا کے رنگ دھندلے ہو جاتے ہیں، اور ہر نفس میں اللہ کی جمالیت کی عکاسی محسوس ہوتی ہے۔

نتیجہ: عارف پر اللہ کے حسن کی تجلی ایک مکمل روحانی انقلاب ہے:

* قلب میں سکون
* روح میں محبت و کشش
* ہر شے میں جمال کی پہچان
* عاجزی، خشوع اور عشق کی حالت

یہ وہ حالت ہے جو انسان کو "دنیا و آخرت میں اللہ کی قربت" عطا کرتی ہے، اور معرفتِ الٰہی کی سب سے اعلیٰ منزل ہے۔

# اللہ کی شانِ کمالیت

اللہ تعالیٰ کی شانِ کمالیت اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ ہر اعتبار سے کامل، بے عیب اور مطلق کمال کا مالک ہے۔ اس کی ذات میں کسی نقص، کمی یا احتیاج کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ وہ ازل سے کامل ہے اور ابد تک کامل رہے گا، نہ اس کے کمال میں اضافہ ہوسکتا ہے اور نہ کمی۔ یہی ''کمالِ مطلق'' ہے کہ اس کی ہستی ہر حد، ہر قید اور ہر تصور سے ماورا ہے۔

اللہ کی کمالیت اس کی صفات میں نمایاں ہے۔ اس کا علم کامل ہے وہ ہر ظاہر و باطن، ہر چھپی اور کھلی چیز کو جانتا ہے۔ اس کی قدرت کامل ہے کوئی چیز اس کے ارادے کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔ اس کی حکمت کامل ہے ہر فیصلہ عدل، توازن اور مصلحت پر مبنی ہے۔ اس کی رحمت کامل ہے وہ بندوں پر بے حد مہربان اور درگزر کرنے والا ہے۔ یوں اس کی ہر صفت اپنے عروج پر ہے، اور کسی بھی صفت میں کمی کا تصور ممکن نہیں۔

کمالِ الٰہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ہر شے سے بے نیاز ہے، مگر ہر شے اسی کی محتاج ہے۔ وہ نہ کسی کا محتاج ہے اور نہ کسی پر انحصار کرتا ہے، جبکہ پوری کائنات اپنی بقا اور نظام کے لیے اسی پر قائم ہے۔ یہی صفت ''قیّومیت'' کا مظہر ہے کہ وہ خود قائم ہے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔

عرفانی نقطۂ نظر سے اللہ کی کمالیت کا ادراک انسان کے دل میں عاجزی، حیرت اور محبت پیدا کرتا ہے۔ جب بندہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا رب ہر لحاظ سے کامل ہے تو وہ اپنی کمزوری، ناتوانی اور محدودیت کو پہچان لیتا ہے۔ یہی پہچان اسے تکبر سے بچاتی ہے اور اللہ کے سامنے جھکنے پر آمادہ کرتی ہے۔

اللہ کی کمالیت انسان کے لیے ایک رہنمائی بھی ہے۔ بندہ اپنے محدود دائرے میں حسنِ اخلاق، علم، عدل اور احسان کو اختیار کر کے اللہ کی صفات کا عکس بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ وہ کبھی کامل نہیں ہوسکتا، مگر وہ کمال کی طرف سفر ضرور کرسکتا ہے، اور یہی اس کی بندگی کا حسن ہے۔

آخرکار، اللہ کی شانِ کمالیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ حقیقی کمال صرف اللہ کے لیے ہے۔ بندہ جتنا بھی بلند ہو جائے، وہ محدود ہی رہے گا، جبکہ اللہ کا کمال لامحدود اور ابدی ہے۔ یہی شعور انسان کو سکون دیتا ہے کہ اس کا رب کامل ہے، اور اسی کے کمال میں اس کی پناہ، اس کا یقین اور اس کی نجات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ کمالیت، یا ''کمال مطلق''، اس حقیقت کی عکاسی ہے کہ اللہ کی ہر صفت اپنی انتہا تک مکمل ہے۔ کوئی کمی، نقص یا محدودیت اس میں موجود نہیں۔ یہ صفت اللہ کو ہر مخلوق سے ممتاز اور ہر تصور سے بالا کرتی ہے۔

## کمال مطلق کی خصوصیات:

1. ہر صفت میں مکمل ہونا: علم، قدرت، حکمت، جمال، جلال، عدل، محبت۔
2. کسی بھی مخلوق سے موازنہ ممکن نہ ہونا۔
3. ہر مظہر اور ہر فعل میں کمال کا ظاہر ہونا۔

عارفین کے نزدیک، کمال مطلق کا ادراک انسان کے دل و روح کو ''معرفتِ الٰہی'' اور روحانی سکون عطا کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ

(سورۃ البقرہ:255)

ترجمہ: اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور قائم ہے.....

تشریح: اللہ کی کمالیت کی سب سے بڑی علامت اس کی ''صمدیت، زندہ وقائم رہنا'' اور ہر چیز پر کامل اختیار ہے۔ اس آیت میں ہر صفت کی مطلقیت اور کامل کمال واضح ہے۔

شان نزول: یہ آیت مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ اللہ ہر شے میں غالب، حکمت والا اور کمال مطلق ہے، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۶

(سورۃ آل عمران 6:3)

ترجمہ: اور وہی ہے جو تمہیں پیٹوں میں جس طرح چاہتا ہے بنا دیتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

تشریح: اللہ کی کمالیت میں ہر شے پر قدرت اور ہر کام میں حکمت شامل ہے۔ اس کا کوئی نقص یا کمزوری نہیں، ہر فعل میں مکمل علم اور حکمت موجود ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۳

(سورۃ الحدید 3:)

ترجمہ: وہی ہے پہلا اور آخری، ظاہر اور باطن، اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔

تشریح: اللہ کی کمالیت کا مفہوم ہر زمان ومکان میں کامل علم اور موجودگی ہے۔ یہ آیت ظاہر اور باطن، مخلوق اور اعمال میں اس کی کمالیت کی دلیل ہے۔

ایک عارف کا قول ہے کہ

إِنَّ اللهَ كَامِلٌ فِيْ أَصْفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ

ترجمہ: اللہا پنی صفات اور افعال میں کامل ہے۔

اس کے ہر کام میں حکمت، عدل اور توازن ہوتا ہے، چاہے انسان اسے سمجھ سکے یا نہیں۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ

(سورۃ الشوریٰ:11)

ترجمہ: اس جیسی کوئی چیز نہیں۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ ہر نقص سے پاک اور کامل ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ

(سورۃ النحل:60)

ترجمہ: اور اللہ کے لیے سب سے اعلیٰ صفات ہیں۔ یعنی اللہ کی صفات کامل ترین ہیں۔

اہلِ معرفت کے نزدیک ''کمالِ الٰہی'' کا ادراک بندے کے دل میں تین کیفیتیں پیدا کرتا ہے:

1. ''عاجزی'' کہ میں ناقص ہوں، میرا رب کامل ہے
2. ''یقین'' کہ اس کا ہر فیصلہ بہترین ہے
3. ''محبت'' کہ کامل ذات ہی حقیقی محبت کے لائق ہے

* اللہ ہر لحاظ سے کامل، بے عیب اور لامحدود ہے

کمال صرف اللہ کے لیے ہے، اور بندے کا کمال یہ ہے کہ وہ اس کامل رب کو پہچان لے اور اس کے سامنے جھک جائے۔

منقول ہے کہ

مَن عَرَفَ اللهَ فَقَدْ عَرَفَ كُلَّ شَيْءٍ

ترجمہ: جس نے اللہ کو پہچانا، اس نے ہر چیز کو پہچان لیا۔

جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾

(سورۃ الرعد:28)

ترجمہ: خبردار! اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

یہ قول دراصل ایک گہری روحانی حقیقت بیان کرتا ہے:

معرفتِ الٰہی اصل علم ہے: جب انسان اللہ کو پہچان لیتا ہے اس کی وحدانیت، قدرت اور حکمت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کے لیے کائنات کی حقیقتیں واضح ہونے لگتی ہیں۔

وہ جان لیتا ہے کہ:

* ہر شے اللہ کی مخلوق ہے
* ہر نظام اس کے حکم سے چل رہا ہے
* ہر واقعہ اس کی حکمت کے تحت ہے

## کائنات کی حقیقت کا ادراک

ہر چیز کو پہچان لیا کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ہر علم (سائنس، فنون) حاصل کر لیتا ہے، بلکہ یہ کہ وہ ''حقیقتِ اشیاء'' کو سمجھ لیتا ہے یعنی ہر چیز کا اصل تعلق اللہ سے ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک جب دل اللہ سے جڑ جاتا ہے تو:

* دنیا کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے
* فانی اور باقی میں فرق سمجھ آ جاتا ہے
* انسان کا دل غیر اللہ سے آزاد ہو جاتا ہے

یہ معرفت انسان کو:

* عاجزی سکھاتی ہے
* دنیا کی محبت سے نکالتی ہے
* اللہ کی طرف متوجہ کرتی ہے

اصل روحانی پیغام: جس نے اللہ کو پہچان لیا، اس کے لیے دنیا کی ہر چیز اپنی اصل حقیقت میں واضح ہو جاتی ہے کہ سب کچھ اسی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔

تشریح: کمال مطلق کے ادراک سے انسان معرفتِ الٰہی حاصل کرتا ہے۔ عارف ہر مظہر میں اللہ کی مطلقیت دیکھ سکتا ہے۔

## علمی نقطہ نظر

* اللہ کی کمالیت میں ہر صفت کی مکملیت شامل ہے: علم، قدرت، عدل، جمال، جلال، حکمت اور محبت۔* کوئی نقص یا کمی نہیں۔* اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مظہر، ہر نظام اور ہر فعل اس کے کمال مطلق کا مظہر ہے۔

* عارف کے دل میں کمال مطلق کی تجلی سے ''نورانی روشنی، سکون اور عشقِ الٰہی'' پیدا ہوتا ہے۔* عرفا کہتے ہیں: جس نے کمال مطلق کا ادراک کیا، اس کے دل میں دنیاوی خواہشات کی طلب کم ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اللہ کی کمالیت کے سامنے عاجز ہو جاتا ہے۔

* اللہ کی صمدیت اور کمالیت کے شعور سے انسان کی روحانی کشش اور معرفت کاملہ حاصل ہوتی ہے۔

سوال: کمال مطلق اور جمالیت/جلالیت میں کیا فرق ہے؟

جواب: جمالیت اور جلالیت اللہ کی صفات کی مختلف پہلو ہیں، جبکہ کمال مطلق میں ہر صفت کی مکملیت شامل ہے، جو ہر تصور سے بالا ہے۔

سوال: اللہ کی کمالیت انسان کے دل پر کیا اثر ڈالتی ہے؟

جواب: یہ انسان میں ''عاجزی، خشوع، عشقِ الٰہی، معرفت اور سکون'' پیدا کرتی ہے۔

## تجلی کمال مطلق

* کمال مطلق کی تجلی ہر مظہر میں ظاہر ہوتی ہے:
* کائنات کی ہم آہنگی میں
* قوانینِ فطرت میں
* انسان کی فطرت میں کامل حسن و اخلاق میں
* عارف کے دل میں یہ تجلی ''نور، سکون اور معرفت کی روشنی'' پیدا کرتی ہے۔
* یہ تجلی انسان کو یہ شعور دیتی ہے کہ کوئی بھی مخلوق اللہ کے کمال مطلق کے برابر نہیں۔

''تجلیِ کمالِ مطلق'' وہ مقامِ ادراک ہے جہاں انسان کو یہ شعور ملتا ہے کہ کمال کسی درجے، کسی حد یا کسی پیمانے میں مقید نہیں- بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر حد سے ماورا ہے اور ہر حد کو وجود بھی وہی دیتا ہے۔ یہاں ''کامل'' کا مطلب کسی چیز کا بہترین ہونا نہیں، بلکہ وہ ہونا ہے جو کسی کمی، کسی نقص اور کسی انحصار سے پاک ہو۔

اس تجلی میں کائنات کی ہر خوبی، ہر حسن، ہر ترتیب ایک ہی مرکز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جو کچھ انسان خوبصورت سمجھتا ہے، جو کچھ وہ کامل تصور کرتا ہے- وہ سب اس کمالِ مطلق کی جھلکیں ہیں، نہ کہ خود کمال۔ جب یہ ادراک گہرا ہوتا ہے تو انسان کو احساس ہوتا ہے کہ کمال تلاش کرنے کی چیز نہیں، بلکہ ہر تلاش کے پیچھے موجود ایک حقیقت ہے جو پہلے ہی سے قائم ہے۔

یہ تجلی عقل کو عاجز کر دیتی ہے، کیونکہ عقل ہمیشہ موازنہ کرتی ہے، جبکہ کمالِ مطلق

کا کوئی مقابلہ نہیں۔ یہاں سوچ رکتی نہیں، بلکہ اپنی حد کو پہچان کر خاموش ہو جاتی ہے۔ دل ایک ایسی وسعت میں داخل ہوتا ہے جہاں سوال اپنی ضرورت کھو دیتے ہیں، اور ایک خاموش یقین جنم لیتا ہے- ایسا یقین جو نہ دلیل کا محتاج ہوتا ہے نہ وضاحت کا۔

اور اسی خاموش یقین میں ایک گہرا سکون پوشیدہ ہوتا ہے۔ انسان اپنے بکھرے ہوئے تصورات کو چھوڑ کر ایک ہی مرکز میں ٹھہرنے لگتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے، وہ سب ایک ہی کمال کے سائے میں ہے- اور وہ کمال نہ بڑھتا ہے، نہ گھٹتا ہے، نہ بدلتا ہے۔ یہی تجلیِ کمالِ مطلق ہے: ایک ایسی حقیقت کا ادراک جو ہر شے کو معنی دیتی ہے، مگر خود کسی معنی کی محتاج نہیں۔

## سائنسی اور طبیعی نقطہ نظر

* ہر قدرتی مظہر میں ہم آہنگی، توازن اور کامل نظام موجود ہے، جو اللہ کے کمال مطلق کی عکاسی کرتا ہے۔* انسانی جسم، حیاتیات، کائناتی قوانین اور فطرت میں کامل ڈھانچہ اور نظام اللہ کی مطلق کمالیت کے مظاہر ہیں۔

* سائنسی مطالعے بھی دکھاتے ہیں کہ کوئی بھی مظہر بے ترتیب یا ناقص نہیں، یہ سب کمال مطلق کی نشانی ہیں۔

اللہ کی کمالیت ہر صفت میں مکمل اور ہر تصور سے بالا ہے۔ یہ صفت انسان کے دل و روح میں معرفت، عشق اور عاجزی پیدا کرتی ہے۔ کوئی بھی مخلوق اللہ کے کمال مطلق کے برابر نہیں ہو سکتی۔ کمال مطلق کا شعور انسان کو دنیا و آخرت میں اللہ کی طرف راغب کرتا ہے۔

## کمال مطلق راز کا دوسرا نام ہے

کمالِ مطلق واقعی راز کا دوسرا نام ہے، کیونکہ جہاں کمال اپنی انتہا کو پہنچتا ہے

وہاں فہم کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ انسان جس چیز کو مکمل سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، وہ اُسی لمحے اپنی گرفت سے نکل جاتی ہے۔ کمال کوئی ایسی شے نہیں جو پوری طرح بیان ہو سکے- یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو جتنی ظاہر ہوتی ہے اتنی ہی پوشیدہ بھی رہتی ہے، اور یہی اس کا راز ہے۔

یہ راز اس لیے ہے کہ کمال میں کوئی کمی نہیں، اور جس میں کمی نہ ہو وہ انسانی پیمانوں میں نہیں آتا۔ عقل ہمیشہ تقابل کرتی ہے- بہتر، زیادہ، کم- مگر کمالِ مطلق ان سب سے ماورا ہے۔ اس لیے جب انسان اس کے قریب پہنچتا ہے تو سمجھنے کے بجائے حیرت میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ حیرت لاعلمی نہیں، بلکہ ایک لطیف ادراک ہے کہ حقیقت کو مکمل طور پر جاننا ممکن نہیں، مگر اس کے سامنے جھکنا ممکن ہے۔

اسی راز میں ایک عجیب سکون بھی چھپا ہوتا ہے۔ جب انسان یہ قبول کر لیتا ہے کہ ہر چیز کو سمجھنا ضروری نہیں، تو اس کے دل پر ایک بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ جو کامل ہے، وہ اپنی جگہ کامل ہے- اسے ہماری سمجھ کی ضرورت نہیں۔ یہی قبولیت انسان کو ایک خاموش اطمینان دیتی ہے، جہاں سوال باقی رہتے ہیں مگر بے چینی ختم ہو جاتی ہے۔

یوں کمالِ مطلق راز بھی ہے اور رہنمائی بھی۔ یہ انسان کو اپنی حد کا شعور دیتا ہے اور ایک ایسی وسعت میں لے جاتا ہے جہاں جاننے کی ضد ختم ہو کر محسوس کرنے کی لطافت میں بدل جاتی ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں راز، کمال اور سکون ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو بن جاتے ہیں۔

ہر صفت میں جلوہ، ہر شے میں ساز- علم و قدرت، حکمت و جمال
ہر لمحہ دکھاتا ہے وہ کامل مثال- وہ زندہ ہے، وہ قائم ہے، وہ غالب ہے
ہر ذرے میں اس کی کمالیت عالمی حقیقت ہے- وہ واحد، وہ کامل، سب سے بالا
ہر دل میں جلوہ، ہر روح میں نوالا

# اللہ کی شانِ جبّاریت (جبّار)

اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک "الجبّار" اس کی عظیم قدرت، کامل اختیار اور ناقابلِ تسخیر غلبہ کو ظاہر کرتا ہے۔ "جبّار" وہ ہے جو ہر شے پر غالب ہے، جس کے حکم کے سامنے کوئی طاقت ٹھہر نہیں سکتی، اور جس کی مشیت کے بغیر کائنات میں ایک ذرّہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ اس کی جبّاریت اس کے اقتدارِ مطلق اور حاکمیتِ کامل کا اعلان ہے۔

"الجبّار" کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے والا ہے۔ اللہ نہ صرف اپنی قدرت سے ہر چیز کو قابو میں رکھتا ہے بلکہ بندوں کے ٹوٹے دلوں کو سہارا دیتا ہے، ان کی کمزوریوں کو دور کرتا ہے اور ان کی کمیوں کو پورا کرتا ہے۔ یوں اس کی جبّاریت صرف جلال نہیں بلکہ رحمت کا پہلو بھی رکھتی ہے۔

اللہ کی جبّاریت کائنات کے نظام میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ آسمانوں کی بلندی، زمین کی مضبوطی، ستاروں کی گردش اور قدرت کے قوانینیہ سب اس بات کی دلیل ہیں کہ ایک زبردست قوت سب کچھ سنبھال رہی ہے۔ کوئی مخلوق اس کے نظام سے باہر نہیں جا سکتی، اور نہ ہی اس کے حکم کو بدل سکتی ہے۔

یہ صفت بندے کے دل میں خوفِ خدا اور عظمتِ الٰہی پیدا کرتی ہے۔ جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کا رب "الجبّار" ہے تو وہ گناہوں سے بچنے لگتا ہے، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ کوئی چیز اللہ کی گرفت سے باہر نہیں۔ یہی شعور تقویٰ کی بنیاد بنتا ہے اور انسان کو سیدھے راستے پر قائم رکھتا ہے۔

عرفانی اعتبار سے "الجبّار" کا ادراک انسان کو اپنی عاجزی اور کمزوری کا احساس دلاتا ہے۔ بندہ دیکھتا ہے کہ وہ خود کمزور، محتاج اور محدود ہے، جبکہ اس کا رب

طاقتور، غالب اور بے نیاز ہے۔ یہی احساس اسے اللہ کے سامنے جھکنے، اس سے مدد مانگنے اور اسی پر بھروسہ کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔

اللہ کی جبّاریت انسان کے لیے ایک درس بھی ہے کہ وہ اپنی طاقت کا غلط استعمال نہ کرے۔ کیونکہ حقیقی جبّار صرف اللہ ہے، انسان اگر تکبر کرے یا دوسروں پر ظلم کرے تو وہ اللہ کی ناراضی کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس لیے بندے کو چاہیے کہ وہ عاجزی، عدل اور رحم کو اختیار کرے۔

آخرکار، اللہ کی شانِ جبّاریت یہ سکھاتی ہے کہ پوری کائنات ایک عظیم قدرت کے تابع ہے، اور وہی ہر چیز کو سنبھالنے والا ہے۔ بندہ جب اس حقیقت کو دل سے مان لیتا ہے تو وہ خوف اور پریشانی سے آزاد ہو جاتا ہے، کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کا رب سب کچھ ٹھیک کرنے والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا اور ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔

اللہ کی شانِ جبّاریت، یا جبّار ہونا، اس حقیقت کی نمائندگی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی محدودیت، ضعف، اور کمزوری سے بالاتر ہے۔ جبّاریت کا مفہوم صرف ظلم یا سختی نہیں، بلکہ ''کامل قوت، غالب قدرت، اور ہر معاملے میں مطلق اختیار'' کو ظاہر کرتا ہے۔

- اللہ جبّار ہے، یعنی ہر مخلوق کے لیے اس کی قدرت مکمل اور غیر محدود ہے۔
- کوئی بھی مخلوق اللہ کی قوت اور جبر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔
- عرفانی نقطہ نظر سے جبّاریت انسان کے دل میں عاجزی، خشوع، اور معرفت پیدا کرتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَ تَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا

بَيْنَهُمَا ۚ

(سورۃ الزخرف:۸۵)

ترجمہ: اور بابرکت ہے وہ جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب پر ہے۔

تشریح: کائنات اور تمام مظاہر میں اللہ کی جبّاریت، اختیار اور غالب ہونے کی صفت واضح ہے۔

٭ اس آیت میں جبّاریت کی نشانی یہ ہے کہ ہر شے اس کے اختیار میں ہے۔ مکمل اختیار کی صفت ہے۔ یہ صفت انسان کے دل و روح میں عاجزی، خشوع اور معرفت پیدا کرتی ہے۔ کوئی بھی مخلوق اس کی جبّاریت کے برابر نہیں ہوسکتی۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ

(سورۃ الحشر:23)

ترجمہ: وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ، پاک، سلامتی دینے والا، مؤمن، مہیمن، غالب، جبّار، اور متکبر ہے۔

تشریح: ٭ اللہ کی جبّاریت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر کام میں غالب، ہر فیصلے میں کامل اور ہر مخلوق کے لیے مکمل اختیار رکھتا ہے۔

٭ جبّاریت کے ساتھ اللہ کی صفاتِ جلال، قدرت، اور عظمت بھی منسلک ہیں۔

شانِ نزول: یہ آیت مسلمانوں کو یہ شعور دینے کے لیے نازل ہوئی کہ اللہ کے سامنے کوئی مخلوق اپنی محدودیت کے ساتھ موجود ہے اور اس کی ہر طاقت اور طاقتور عمل اللہ کے جبر کے مقابلے میں محدود ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ

(سورۃ الانعام:18)

ترجمہ: اور وہ اپنی مخلوق پر غالب اور غالب کرنے والا ہے۔

تشریح:* اللہ کی جبّاریت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر مخلوق پر قدرت رکھتا ہے اور کوئی بھی اس کے فیصلے اور قدرت کو روک نہیں سکتا۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

اَللّٰہُ جَبَّارٌ عَلٰی خَلْقِہٖ وَقَادِرٌ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ

ترجمہ: اللہ اپنی مخلوق پر جبّار اور ہر شے پر قادر ہے۔

یہ قول اللہ کی مطلق قوت اور جبّاریت کی وضاحت کرتی ہے۔

*کوئی بھی مخلوق اس کے جبر اور قوت کا مقابلہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتی۔

ایک عارف نے کیا خوب کہا ہے کہ

مَن تَعَرَّفَ عَلٰی جَبَّارِیَّۃِ اللّٰہِ فَقَدْ عَلِمَ کَمَالَہٗ

ترجمہ: جس نے اللہ کی جبّاریت کو پہچانا، اس نے اس کے کمال کو جان لیا۔

یہ جملہ دراصل ایک ''عرفانی وحکمت آموز قول'' ہے، جو اہلِ تصوف اور علماء کے ہاں معنیٰ کے اعتبار سے درست سمجھا جاتا ہے۔

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اللہ کی صفتِ "الجبّار" کو سمجھتا ہے کہ وہ ہر چیز پر غالب، ہر شے کو قابو میں رکھنے والا اور ہر ٹوٹے کو جوڑنے والا ہے تو اس کے دل میں اللہ کی عظمت اور قدرت کا یقین پیدا ہوتا ہے۔

## کمالِ الٰہی کی پہچان

جب بندہ دیکھتا ہے کہ اللہ کی قدرت ناقابلِ شکست ہے، اس کا حکم غالب ہے

اوراس کا نظام کامل ہے، تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس کا رب ہر لحاظ سے کامل ہے اس کے علم میں، اس کی قدرت میں اور اس کی حکمت میں کوئی کمی نہیں۔

یہ معرفت بندے کے دل میں دو بڑی کیفیتیں پیدا کرتی ہے:

خوفِ خدا (کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے)

سکون واعتماد (کہ وہی ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا ہے)

اہلِ معرفت کے نزدیک "جبّاریت" کا شعور انسان کو اپنی عاجزی کا احساس دلاتا ہے۔

وہ سمجھتا ہے کہ میں کچھ نہیں، اور سب کچھ اللہ کی قدرت کے تابع ہے۔

یہی ادراک اسے اللہ کے قریب لے جاتا ہے۔

* اللہ کی جبّاریت اس کے کمال، قدرت اور حکمت کو ظاہر کرتی ہے

جو اللہ کی قدرت اور غلبہ کو پہچان لیتا ہے، وہ اس کے کمال اور عظمت کو بھی سمجھ لیتا ہے، اور اسی کے سامنے جھک جاتا ہے۔

عرفا کے نزدیک اللہ کی جبّاریت کو پہچاننا معرفتِ الٰہی کا حصہ ہے۔

* جبّاریت انسان کے دل میں عاجزی اور خشوع پیدا کرتی ہے۔

## علمی نقطہ نظر

* اللہ کی جبّاریت میں شامل ہے ہر مخلوق پر مکمل اختیار، ہر نظام پر غالب ہونا، اور ہر حالت میں محدودیت سے آزاد ہونا۔

* کوئی بھی مخلوق اس کے اختیار اور قوت کا مقابلہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتی۔

* عارف کے دل پر جب اللہ کی جبّاریت تجلی کرتی ہے:

* وہ عاجزی اور خشوع محسوس کرتا ہے۔

* ہر چیز میں اللہ کی مطلق قوت دیکھتا ہے۔ دنیاوی غرور اور تکبر ختم ہو جاتا ہے۔
* جبّاریت انسان میں ''روحانی انکساری اور معرفت کاملہ'' پیدا کرتی ہے۔

سوال: جبّاریت اور عدل میں کیا فرق ہے؟

جواب: جبّاریت اللہ کی مطلق قوت اور غالب ہونے کی صفت ہے، جبکہ عدل اس طاقت کے استعمال میں انصاف اور حکمت کا مظہر ہے۔

سوال: اللہ کی جبّاریت انسان پر کیا اثر ڈالتی ہے؟

جواب: یہ انسان میں ''عاجزی، خشوع، خوفِ الٰہی، اور معرفت'' پیدا کرتی ہے۔

## تجلی جبّاریت

* اللہ کی جبّاریت ہر مظہر میں ظاہر ہوتی ہے:
* قدرت کے مظاہر میں غالب قوت-قوانین فطرت میں مکمل حکمت
* انسانی زندگی اور نظام کائنات میں ہر فیصلے کی مطلق قوت
* عارف کے دل میں یہ تجلی ''نور، سکون اور معرفت کی روشنی'' پیدا کرتی ہے۔

''تجلیِ جبّاریت'' وہ جلوہ ہے جس میں اللہ کی شانِ ''الجبار'' اپنی قوتِ اصلاح اور غلبے کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ "جبّار" کا ایک پہلو وہ ہے جو ٹوٹے کو جوڑ دے، بکھرے کو سمیٹ دے، اور ایک پہلو وہ ہے جو سرکشی کو توڑ کر حق کے سامنے جھکا دے۔ اس تجلی میں ایک ایسی طاقت محسوس ہوتی ہے جو ہر چیز کو اس کی اصل ترتیب میں واپس لے آتی ہے- چاہے وہ دل کی ٹوٹ پھوٹ ہو یا نفس کی سختی۔

جب یہ تجلی دل پر اترتی ہے تو انسان کے اندر کی بے ترتیبی بے نقاب ہونے لگتی ہے۔ وہ اپنی کمزوریوں، اپنی خطاؤں اور اپنی حدوں کو واضح طور پر دیکھنے لگتا ہے۔ یہ احساس ابتدا میں بھاری لگتا ہے، مگر اسی میں اصلاح کا در کھلتا ہے۔ کیونکہ جب تک ٹوٹنا نہ ہو، جڑنا ممکن نہیں۔ جبّاریت پہلے جھکاتی ہے، پھر سنبھالتی ہے۔

اس جلوے میں ایک ہیبت بھی ہے اور ایک مرمت بھی۔ یہ صرف غالب آنے کی صفت نہیں، بلکہ درست کرنے کی رحمت بھی ہے۔ انسان محسوس کرتا ہے کہ جو اسے توڑ رہا ہے، وہی اسے ایک بہتر صورت میں جوڑ بھی رہا ہے۔ یوں یہ تجلی سختی کے پردے میں نرمی کا راز رکھتی ہے- ایسی نرمی جو کمزوری کو طاقت میں بدل دیتی ہے۔

اور جب یہ ادراک گہرا ہوتا ہے تو دل میں ایک نیا سکون پیدا ہوتا ہے۔ انسان سمجھنے لگتا ہے کہ جو کچھ اس پر گزر رہا ہے، وہ محض بکھراؤ نہیں، بلکہ ایک ترتیبِ نو ہے۔ یہی تجلیِ جبّاریت کا کمال ہے: کہ وہ انسان کو توڑ کر مٹاتی نہیں، بلکہ توڑ کر سنوارتی ہے- اور اسے اُس حقیقت کے قریب لے آتی ہے جو ہر چیز کو اپنی حکمت سے قائم رکھے ہوئے ہے۔

## سائنسی نقطہ نظر

* ہر قدرتی مظہر میں توازن اور کامل نظام موجود ہے، جو اللہ کی جبّاریت کی عکاسی کرتا ہے۔

* زمین، آسمان، ستارے اور انسانی جسم ایک ''غالب اور مطلق نظام'' کے تحت چل رہے ہیں، جو صرف جبّار کی طاقت کی علامت ہے۔

جبّار ہے وہ اللہ، غالب ہر مقام- اس کی قوت سے روشن ہے ہر شام
زمین و آسمان، ہوا و پانی- وہ واحد، وہ غالب، سب سے بالا

اللہ کی جبّاریت ہر محدودیت سے آزاد، ہر مخلوق پر غالب اور ہر کائناتی نظام پر مکمل اختیار کی صفت ہے۔ یہ صفت انسان کے دل و روح میں عاجزی، خشوع اور معرفت پیدا کرتی ہے۔ کوئی بھی مخلوق اس کی جبّاریت کے برابر نہیں ہو سکتی۔

# اللہ کی شانِ قہریت (القھّار)

اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک "القَھّار" اس کی کامل غلبہ، مطلق قدرت اور ہر شے پر حتمی اختیار کو ظاہر کرتا ہے۔ "قھّار" وہ ہے جو ہر طاقت پر غالب، ہر سرکشی کو دبانے والا اور ہر نظام کو اپنے حکم کے تابع رکھنے والا ہے۔ کائنات میں کوئی قوت ایسی نہیں جو اس کے فیصلے کو روک سکے یا اس کے ارادے کو بدل سکے۔

اللہ کی قہریت اس بات کا اعلان ہے کہ وہ ہر شے پر حاکم ہے۔ زمین و آسمان، زمان و مکان، زندگی و موت سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ کوئی بادشاہ، کوئی طاقت، کوئی نظام اس کے سامنے مستقل حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ جب چاہے عزت دے، جب چاہے ذلت دے، اور یہ سب اس کی حکمت اور عدل کے تحت ہوتا ہے۔

یہ صفت انسان کے دل میں خوفِ خدا پیدا کرتی ہے۔ جب بندہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ "القھّار" ہے تو وہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کوئی عمل اللہ کی گرفت سے باہر نہیں۔ یہی خوف انسان کو سیدھے راستے پر قائم رکھتا ہے اور اسے تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔

لیکن اللہ کی قہریت صرف جلال نہیں بلکہ عدل اور حکمت کے ساتھ ہے۔ وہ ظالموں کو سزا دیتا ہے، سرکشوں کو روکتا ہے اور ظلم کو ختم کرتا ہے۔ اس کی قہریت مظلوموں کے لیے امید اور انصاف کا ذریعہ بھی ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایک ایسی ذات ہے جو ہر ظالم کو روک سکتی ہے۔

عرفانی اعتبار سے "القھّار" کا ادراک انسان کے اندر سے تکبر کو ختم کرتا ہے۔ بندہ دیکھتا ہے کہ اس کی طاقت عارضی ہے، اس کا اختیار محدود ہے، جبکہ اللہ کی قدرت مطلق ہے۔ یہی شعور اسے عاجزی، انکساری اور اللہ کی طرف رجوع کی حالت میں

لے آتا ہے۔

یہ صفت بندے کو دنیا کی فانی طاقتوں سے بے نیاز بھی کرتی ہے۔ جب وہ جان لیتا ہے کہ اصل قہّار صرف اللہ ہے تو وہ لوگوں کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے اور صرف اللہ سے ڈرنے لگتا ہے۔ یہی آزادی اسے سچ پر قائم رہنے کی ہمت دیتی ہے۔

آخر کار، اللہ کی شانِ قہریت یہ سکھاتی ہے کہ کائنات میں حقیقی غلبہ صرف اللہ کا ہے۔ بندہ جب اس حقیقت کو دل سے مان لیتا ہے تو وہ ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، ظلم سے بچتا ہے، اور عدل و تقویٰ کی راہ اختیار کرتا ہے۔ یہی ادراک انسان کو سکون، یقین اور حقیقی بندگی کی طرف لے جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ قہریت، یعنی ''القھار'' ہونا، اللہ کی ہر مظہر پر غالب، ہر قوت پر غالب، ہر عاجز اور نافرمان مخلوق پر قاہر ہونے کی صفت کی نمائندگی کرتی ہے۔

قہریت کی تعریف: اللہ ہر شے اور ہر مخلوق پر اپنی قدرت اور حکمت سے غالب ہے۔

- یہ صفت صرف سختی یا انتقام نہیں بلکہ ہر شے پر غالب ہونے اور کسی بھی مخلوق کو اپنی حکمت اور قدرت کے مطابق چلانے کی مطلق صفت ہے۔
- عرفانی نقطہ نظر سے قہریت انسان کے دل میں عاجزی، خشوع اور معرفت پیدا کرتی ہے۔

عارفین فرماتے ہیں: عارف کے دل پر اللہ کی قہریت تجلی کرتی ہے، تو وہ ہر محدود طاقت اور مخلوق کی عاجزی کو محسوس کرتا ہے اور صرف اللہ کی مطلق قدرت کو پہچانتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾

(سورۃ المومن:16)

ترجمہ: اس دن حکومت کس کی ہے؟ اللہ کے لیے جو ایک ہے، محکوم ہے۔

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

(سورۃ الرعد:16)

ترجمہ: کہو کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ایک غالب ہے۔

تشریح: * ہر مخلوق اللہ کے حکم کے تحت ہے اور کوئی بھی اس کے فیصلے یا قدرت کے مقابلے کے قابل نہیں۔

* عرفا کہتے ہیں کہ یہ انسان کو عاجزی اور خشوع کی تعلیم دیتی ہے۔

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً

(سورۃ الانعام:61)

ترجمہ: اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے۔

شان نزول: یہ آیت ان لوگوں کے لیے نازل ہوئی جو اللہ کی قہریت کو نظر انداز کرتے تھے، تاکہ انسان عاجزی اور خشوع کے ساتھ اللہ کی مطلق قوت کو پہچانے۔

ایک عارف کا قول ہے کہ

اَللّٰهُ قَهَّارٌ فَوْقَ خَلْقِهٖ وَقَادِرٌ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

ترجمہ: اللہ اپنی مخلوق پر قاہر اور ہر شے پر قادر ہے۔

تشریح: * اللہ کی قہریت کا ادراک انسان میں عاجزی اور معرفت پیدا کرتا ہے۔

* کوئی بھی مخلوق اللہ کے حکم اور قدرت کے مقابلے کی استطاعت نہیں رکھتی۔

منقول ہے کہ

مَنْ عَرَفَ الْقَهَّارَ فَقَدْ عَلِمَ كَمَالَهٗ

ترجمہ: جس نے اللہ کی قہریت کو پہچانا، اس نے اس کے کمال کو جان لیا۔

تشریح:*عرفا کے نزدیک اللہ کی قہریت کو پہچاننا معرفتِ الٰہی اور روحانی سکون کا ذریعہ ہے۔ اس صفت کے ادراک سے انسان کے دل میں خشوع اور عاجزی پیدا ہوتی ہے۔

## علمی نقطہ نظر

* اللہ کی قہریت میں شامل ہے:

1. ہر مخلوق اور مظہر پر غالب ہونا
2. ہر حکم میں نافذ اور قاہر ہونا
3. کسی بھی شے میں محدودیت اور کمی نہ ہونا

* یہ صفت تمام کائنات اور مظاہر میں واضح ہے: زمین، آسمان، قوانین فطرت، انسانی زندگی اور نظام کائنات۔

* عارف کے دل میں جب قہریت تجلی کرتی ہے:

* وہ ہر مظہر میں اللہ کی مطلق غالب ہونے کی صفت دیکھتا ہے۔

* دنیاوی غرور، تکبر اور طاقت کی خواہش کم ہو جاتی ہے۔

* دل میں معرفت کاملہ اور خشوع پیدا ہوتا ہے۔

*عرفا فرماتے ہیں: اللہ کی قہریت کا شعور انسان کو عاجزی، خشوع اور معرفت کی اعلیٰ منزل تک لے جاتا ہے۔

سوال 2: قہریت اور جباریت میں کیا فرق ہے؟

جواب: جباریت میں غالب ہونے کی صفت ہے، جبکہ قہریت میں ہر عمل، حکم اور مظہر پر نافذ غالب ہونے کی صفت شامل ہے۔

سوال 3: قہریت انسان کے دل پر کیا اثر ڈالتی ہے؟

جواب: یہ انسان میں ''عاجزی، خشوع، خوفِ الٰہی اور معرفت'' پیدا کرتی ہے۔

# تجلی القہریت

* اللہ کی قہریت ہر مظہر میں ظاہر ہوتی ہے:
* قوانین فطرت اور کائنات میں غالب طاقت
* انسانی زندگی میں ہر فیصلہ اور عمل پر نافذ اختیار
* مظاہر قدرت میں غیر محدود حکمت
* عارف کے دل میں یہ تجلی ''نور، سکون اور معرفت کی روشنی'' پیدا کرتی ہے۔
* یہ شعور انسان کو یہ یاد دلاتا ہے کہ کوئی بھی مخلوق اللہ کی قہریت کے برابر نہیں۔

''تجلیِ قہریت'' وہ جلوہ ہے جس میں اللہ کی صفتِ ''القہار'' اپنی کامل غلبہ اور حاکمیت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جہاں ہر شے اپنی بے بسی کو پہچان لیتی ہے، اور یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی قوت اُس غالب حقیقت کے مقابلے میں مستقل نہیں۔ یہاں اختیار کا غرور ٹوٹتا ہے اور انسان دیکھتا ہے کہ جو کچھ ہے، وہ ایک ہی اقتدار کے تابع ہے۔

اس تجلی میں ایک گہری ہیبت ہوتی ہے۔مگر یہ ہیبت اندھی نہیں، بلکہ بیدار کرنے والی ہے۔ انسان کے اندر جو سرکشی، انا اور خودمختاری کا وہم ہوتا ہے، وہ اس جلوے کے سامنے قائم نہیں رہتا۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ خود کچھ نہیں تھامے ہوئے، بلکہ خود بھی تھاما ہوا ہے۔ یہی احساس اُسے جھکنے کی طرف لے جاتا ہے، اور اسی جھکنے میں ایک نئی پہچان جنم لیتی ہے۔

تجلیِ قہریت کا مقصد صرف مغلوب کرنا نہیں، بلکہ حقیقت کو واضح کرنا ہے۔ یہ انسان کو دکھاتی ہے کہ ہر چیز فنا پذیر ہے، ہر طاقت محدود ہے، اور ہر دعویٰ عارضی ہے۔ جب یہ ادراک دل میں اترتا ہے تو انسان کی ترجیحات بدلنے لگتی ہیں۔ وہ ظاہری قوتوں سے زیادہ اُس اصل قوت کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو سب پر غالب ہے۔

اور پھر اس ہیبت کے بعد ایک عجیب سا سکون آتا ہے۔ کیونکہ جب انسان یہ مان لیتا ہے کہ اصل اختیار اُس کے پاس نہیں، تو اُس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ یہی تجلیِ قہریت کا کمال ہے: کہ وہ انسان کو مغلوب کر کے آزاد کرتی ہے- آزاد اس وہم سے کہ وہ خود سب کچھ سنبھالے ہوئے ہے، اور قریب اُس حقیقت کے جو واقعی سب کو سنبھالے ہوئے ہے۔

## سائنسی اور طبیعی نقطہ نظر

* زمین، آسمان، ستارے، اور انسانی جسم ایک ''مکمل اور غالب نظام'' کے تحت ہیں۔ ہر مظہر اور ہر شے میں عدم نقص اور کامل توازن اللہ کی قہریت کے مظاہر ہیں۔

* سائنسی مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر نظام اور مظہر میں کوئی خلل نہیں، یہ سب اللہ کی قدرت اور قہریت کا مظہر ہے۔ ''اللہ اللہ کی شان کی قہریت ہر محدودیت سے آزاد، ہر مظہر اور ہر شے پر غالب، اور ہر کائناتی نظام پر نافذ ہونے کی صفت ہے۔'' یہ صفت انسان کے دل و روح میں عاجزی، خشوع اور معرفت پیدا کرتی ہے۔ کوئی بھی مخلوق اس کی قہریت کے برابر نہیں ہو سکتی۔

1. اللہ کی قہریت ہر موجود، ہر مظہر اور ہر نظام پر نافذ ہے۔

2. یہ صفت صرف طاقت یا سختی نہیں بلکہ ہر شے پر غالب ہونے اور حکمت کے مطابق چلانے کی مطلق صفت ہے۔

3. عرفانی نقطہ نظر سے قہریت انسان کو ''عاجزی، خشوع، معرفت، اور اللہ کی قربت'' عطا کرتی ہے۔

عارفین فرماتے ہیں: عارف باللہ کے دل پر اللہ کی قہریت کی تجلی ہوتی ہے۔

اور حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے جلال کی تلوار سے عاشقوں کے جگر کا خون کیا۔

# شانِ اَحدیت+صمدیت

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''احدیت'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ اپنی ذات میں یکتا، بے مثال اور بے شریک ہے۔ ''احد'' کا مطلب ہے وہ ہستی جو کسی بھی اعتبار سے تقسیم، تعدد یا شراکت سے پاک ہو۔ نہ اس کی ذات کا کوئی حصہ ہے، نہ اس کی مثل کوئی اور ہے۔ وہ اپنی حقیقت میں ایسا یکتا ہے کہ عقلیں اس کی یکتائی کی انتہا کو نہیں پا سکتیں۔

احدیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نہ کسی کا باپ ہے، نہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔ اس کی ذات ہر تصور، ہر تشبیہ اور ہر مثال سے بلند ہے۔ وہ ایسا واحد ہے جس کی وحدت عددی نہیں بلکہ حقیقی اور مطلق ہے، یعنی اس کے ساتھ کسی دوسرے کے وجود کا امکان بھی نہیں۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی شانِ ''صمدیت'' اس کی بے نیازی اور مخلوق کی مکمل احتیاج کو بیان کرتی ہے۔ ''الصمد'' وہ ہے جس کی طرف سب محتاج ہوں، مگر وہ خود کسی کا محتاج نہ ہو۔ پوری کائنات اپنی ہر ضرورت میں اسی کی طرف رجوع کرتی ہے، جبکہ وہ ہر ضرورت سے پاک اور کامل ہے۔

صمدیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مخلوق اپنی بقا، رزق، ہدایت اور مدد کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرے۔ انسان ہو یا فرشتے، زمین ہو یا آسمان سب اسی کے در کے محتاج ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، اس کی ذات خود قائم بالذات ہے اور سب کو قائم رکھنے والی ہے۔

عرفانی اعتبار سے احدیت اور صمدیت کا شعور انسان کے دل میں گہری عاجزی پیدا کرتا ہے۔ جب بندہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا رب واحد بھی ہے اور بے نیاز بھی، تو وہ ہر

غیر اللہ سے امید توڑ کر صرف اللہ سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ یہی تعلق اسے حقیقی سکون عطا کرتا ہے۔

یہ ادراک انسان کو شرک کی ہر شکل سے بچاتا ہے اور اس کے دل کو خالص توحید کی روشنی سے بھر دیتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ نہ کوئی مددگار مستقل ہے، نہ کوئی طاقت مستقل اختیار رکھتی ہے، بلکہ سب کچھ اللہ کے حکم اور ارادے کے تابع ہے۔

آخر کار، شانِ احدیت اور صمدیت انسان کو اس مقام تک لے جاتی ہے جہاں وہ ہر طرف سے اللہ ہی کو دیکھتا ہے وہی آغاز ہے، وہی انجام ہے، اور وہی ہر محتاج کا سہارا ہے۔ یہی یقین انسان کو خوف، اضطراب اور فکری انتشار سے نکال کر سکونِ قلب اور معرفتِ الٰہی کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

قرآنِ مجید کا مرکزی پیغام ''توحید'' ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا نچوڑ یہی رہا کہ انسان اپنی نگاہ مخلوق سے ہٹا کر خالق کی طرف کرے، اسباب سے اوپر اٹھ کر مسبب الاسباب کو پہچانے، اور کثرت کے پردوں میں وحدت کی جلوہ گری دیکھے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ اَحدیت وصمدیت دراصل معرفتِ الٰہی کی بنیاد ہے۔ جب تک بندہ اللہ کو ''احد'' اور ''صمد'' نہیں پہچانتا، اس کا ایمان رسمی رہتا ہے؛ اور جب پہچان لیتا ہے تو عبادت ذوق بن جاتی ہے، دعا حضوری بن جاتی ہے اور زندگی بندگی میں ڈھل جاتی ہے۔

## قرآن مجید میں توحید کا اسلوب

### مفہومِ توحید-لغوی واصطلاحی تحقیق

''توحید'' کا مادہ ''وحد'' ہے، جس کے معنی ہیں کسی کو یکتا ماننا۔

اصطلاح میں توحید یہ ہے کہ: اللہ کو ذات، صفات، افعال اور عبادت میں یکتا

مانا جائے۔علماءِ عقیدہ نے توحید کو تین دائروں میں بیان کیا:

## توحیدِ ربوبیت

''توحیدِ ربوبیت'' وہ بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ ہی واحد رب ہے-یعنی'' پیدا کرنے والا، پالنے والا، رزق دینے والا اور کائنات کی تدبیر کرنے والا''۔اس میں یہ یقین شامل ہے کہ ہر شے کا آغاز بھی اسی سے ہے اور اس کا نظام بھی اسی کے حکم سے چل رہا ہے۔نہ کوئی اس کا شریک ہے، نہ اس کے فیصلوں میں کوئی دخل رکھتا ہے۔

یہ توحید انسان کو یہ شعور دیتی ہے کہ اس کی زندگی خودمختار نہیں، بلکہ ایک اعلیٰ حکمت کے تحت جاری ہے۔جو کچھ ملتا ہے، جو کچھ چھن جاتا ہے، جو راستے کھلتے ہیں یا بند ہوتے ہیں-سب اسی ربوبیت کے دائرے میں آتے ہیں۔اس یقین سے دل میں اعتماد پیدا ہوتا ہے، کیونکہ بندہ جان لیتا ہے کہ وہ کسی بے ترتیب دنیا میں نہیں، بلکہ ایک منظم اور باحکمت نظام میں ہے۔

روحانی طور پر توحیدِ ربوبیت انسان کے اندر سے بے جا خوف اور غیر ضروری انحصار کو ختم کرتی ہے۔وہ مخلوق سے امیدیں کم کر کے خالق پر توکل سیکھتا ہے۔اس کا دل حالات کے اتار چڑھاؤ سے کم متاثر ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہر چیز ایک ہی رب کے کنٹرول میں ہے۔

یوں توحیدِ ربوبیت صرف ایک عقیدہ نہیں، بلکہ ایک زندہ احساس ہے-ایسا احساس جو انسان کی نظر، اس کے فیصلوں اور اس کے سکون کو بدل دیتا ہے۔یہ اسے بکھراؤ سے نکال کر ایک مرکز پر لے آتی ہے: کہ سب کچھ اسی ایک رب کے تحت ہے، اور اسی کے سپرد ہے۔

# توحیدِ الوہیت

''توحیدِ الوہیت'' کا مطلب ہے کہ ''عبادت، بندگی اور ہر قسم کی اطاعت صرف اللہ کے لیے خاص ہو''۔ اگر توحیدِ ربوبیت یہ سکھاتی ہے کہ پیدا کرنے والا اور چلانے والا ایک ہے، تو توحیدِ الوہیت یہ تقاضا کرتی ہے کہ ''پوجا، دعا، امید، خوف اور محبت کا مرکز بھی صرف وہی ایک ہو'' کسی اور کو اس میں شریک نہ کیا جائے۔

یہ توحید انسان کے باطن کو صاف کرتی ہے۔ وہ اپنے دل کا جائزہ لیتا ہے کہ وہ کس سے امید باندھتا ہے، کس سے ڈرتا ہے، اور کس کے لیے جھکتا ہے۔ جب یہ سب صرف اللہ کے لیے ہو جاتا ہے تو عبادت رسم نہیں رہتی، بلکہ ایک زندہ تعلق بن جاتی ہے۔ دعا صرف مانگنے کا عمل نہیں رہتی، بلکہ ایک گہری وابستگی بن جاتی ہے۔

توحیدِ الوہیت کا اصل اثر زندگی کے ہر پہلو میں ظاہر ہوتا ہے۔ انسان کا عمل، نیت اور ترجیحات سب ایک مرکز کے گرد گھومنے لگتے ہیں۔ وہ لوگوں کے لیے نہیں، بلکہ اللہ کی رضا کے لیے جیتا ہے۔ اسی سے اخلاص پیدا ہوتا ہے- ایسا اخلاص جو چھپ کر بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ظاہر میں۔

روحانی طور پر یہ توحید انسان کو آزاد کرتی ہے۔ وہ مخلوق کی غلامی سے نکل کر خالق کی بندگی میں آ جاتا ہے۔ یہی اصل آزادی ہے، کیونکہ جب دل ایک ہی مرکز سے جڑ جاتا ہے تو بکھراؤ ختم ہو جاتا ہے اور انسان ایک گہرے سکون میں داخل ہو جاتا ہے۔

یوں توحیدِ الوہیت صرف عبادت کا اصول نہیں، بلکہ زندگی کا محور ہے- ایسا محور جو انسان کو اندر سے یکجا کر دیتا ہے اور اسے اُس ایک حقیقت کے ساتھ جوڑ دیتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

# توحیدِ اسماء وصفات

''توحیدِ اسماء وصفات'' یہ یقین ہے کہ اللہ اپنے ناموں اور صفات میں یکتا ہے- نہ اس کی صفات کسی مخلوق جیسی ہیں، نہ کوئی اس کے اسماء کے کمال میں اس کا شریک ہے۔ وہ ''الرحمٰن'' ہے تو اس کی رحمت بے حد اور بے مثال ہے، وہ ''العلیم'' ہے تو اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ ''القدیر'' ہے تو اس کی قدرت کے سامنے کوئی حد نہیں۔

اس توحید کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ کے ناموں اور صفات کو اسی طرح مانا جائے جیسے قرآن وسنت میں آئے ہیں- بغیر تشبیہ (کسی مخلوق جیسا بنانے کے) اور بغیر تعطیل (معنی کو بالکل ختم کرنے کے)۔ یعنی انسان نہ تو اللہ کو اپنی سمجھ کے پیمانے پر محدود کرے، نہ ہی اس کی صفات کے معنی سے انکار کرے۔

یہ عقیدہ دل میں ایک خاص ادراک پیدا کرتا ہے۔ انسان جب اللہ کے اسماء پر غور کرتا ہے تو اسے کائنات میں ایک گہرا نظم اور رحمت نظر آنے لگتی ہے۔ ہر صفت ایک دروازہ بن جاتی ہے معرفت کا- کہ کہیں رحمت جھلک رہی ہے، کہیں حکمت، کہیں عدل، کہیں قدرت۔ مگر یہ سب صفات اپنی انتہا میں انسانی تصور سے بلند رہتی ہیں۔

روحانی طور پر توحیدِ اسماء وصفات انسان کو عاجزی اور حیرت دونوں عطا کرتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جسے وہ جان رہا ہے، وہ اسی وقت اس کے علم سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔ یہی احساس دل میں ادب پیدا کرتا ہے اور دل کو ایک ایسی خاموشی میں لے جاتا ہے جہاں معرفت بڑھتی ہے مگر دعویٰ ختم ہو جاتا ہے۔

یوں توحیدِ اسماء وصفات انسان کو یہ سکھاتی ہے کہ اللہ کو ماننا صرف اس کی ذات کو ماننا نہیں، بلکہ اس کے کمال، اس کی صفات اور اس کے بے مثال حسن کو اسی طرح تسلیم کرنا ہے جیسا وہ ہے- بغیر کمی اور بغیر تشبیہ کے۔

یہ تقسیم توضیح کے لیے ہے، حقیقت میں توحید ایک ہی ہے۔
جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢

(الاخلاص 1-2)

ترجمہ: فرما دیجئے! وہ اللہ ایک ہے، اللہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔

یہ سورت توحید کا نچوڑ ہے۔
امام طبری فرماتے ہیں: ''احد'' وہ ہے جس کی مثل کوئی نہیں۔
ابن کثیر کے مطابق یہ سورت اللہ کی یکتائی کا قطعی اعلان ہے۔
قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ کبھی تخلیق کا ذکر کر کے توحید سمجھاتا ہے:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝٣٥

(الطور:35)

ترجمہ: یا وہ کسی چیز سے پیدا نہیں ہوئے یا وہ خالق ہیں؟

کبھی نظامِ کائنات کو دلیل بناتا ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

(الانبیاء:22)

ترجمہ: اگر ان میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو دونوں برباد ہو جاتے۔

یعنی اگر دو معبود ہوتے تو کائنات میں فساد ہوتا۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں توحید

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ

ترجمہ: جو شخص سچے دل سے کہے گا "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں" وہ جنت میں جائے گا۔

یہ احادیث بتاتی ہیں کہ توحید صرف عقیدہ نہیں، اخلاص کا دروازہ ہے۔

## عقلی وکلامی دلائلِ توحید

علماء کلام نے دلیلِ امکان ووجوب بیان کی: ہر ممکن الوجود کسی واجب الوجود کا محتاج ہے۔ وہ واجب الوجود ایک ہی ہوسکتا ہے، کیونکہ دو واجب ماننے سے تضاد لازم آئے گا۔

''عقلی وکلامی دلائلِ توحید'' دراصل وہ منظم استدلال ہیں جن کے ذریعے انسان اپنی عقل سے اس نتیجے تک پہنچتا ہے کہ کائنات کا خالق، مالک اور مدبر ایک ہی ہے۔ یہ دلائل قرآن کے بیان کردہ اصولوں کی عقلی توضیح بھی ہیں اور انسان کی فطرت میں موجود سوالات کا جواب بھی۔

### دلیلِ نظم (Argument from Order)

کائنات کا ہم آہنگ نظام - سیاروں کی گردش، فطرت کے قوانین، انسانی جسم کی پیچیدہ ساخت - یہ سب اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اتفاقی نہیں ہوسکتا۔ اگر ایک سے زیادہ مستقل خالق ہوتے تو نظام میں تضاد اور ٹکراؤ پیدا ہوتا۔ مگر کائنات میں ایک مربوط نظم پایا جاتا ہے، جو ایک ہی حکمت اور ارادے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

### دلیلِ امکان ووجوب (Contingency Argument)

کائنات کی ہر چیز ''ممکن الوجود'' ہے - یعنی وہ ہو بھی سکتی تھی اور نہ بھی ہوسکتی تھی۔ جو چیز خود اپنی ذات سے واجب نہیں، وہ کسی ''واجب الوجود'' کی محتاج ہے۔ عقل یہ ماننے پر مجبور ہوتی ہے کہ ایک ایسی ہستی موجود ہے جو خود اپنی ذات سے قائم ہے اور

باقی سب کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

دلیلِ اغیار-عدمِ شریک کی دلیل

اگر ایک سے زیادہ خداؤں کا تصور کیا جائے تو یا تو ان کے ارادے ہمیشہ ایک ہوں گے (جو پھر تعدد کو بے معنی بنا دیتا ہے)، یا مختلف ہوں گے (جس سے کائنات میں فساد لازم آتا ہے)۔ قرآن اسی نکتے کو بیان کرتا ہے کہ اگر دو معبود ہوتے تو نظامِ کائنات بگڑ جاتا۔

کلامی پہلو (نصوص اور فطرت کی ہم آہنگی)

کلامی طور پر توحید صرف عقلی نتیجہ نہیں بلکہ وحی کی تصدیق بھی ہے۔ انبیاء کی دعوت ہمیشہ ایک ہی رہی: ''لا الٰہ الا اللہ''۔ یعنی عقل جس نتیجے تک پہنچتی ہے، وحی اسے واضح اور قطعی بنا دیتی ہے۔

خلاصہ: عقلی و کلامی دلائل اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ توحید محض ایک عقیدہ نہیں، بلکہ ایک منطقی ضرورت بھی ہے۔ کائنات کا نظم، اس کا وجود، اور اس کی ہم آہنگی سب اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حقیقتِ اعلیٰ ایک ہی ہے- جو خالق بھی ہے، مالک بھی ہے، اور مدبر بھی۔

## وصف اَحدیت گہرائی

''احد'' عددی ایک نہیں بلکہ وحدتِ مطلقہ ہے۔

وہ: ذات میں یکتا- صفات میں کامل

افعال میں منفرد- عبادت میں مستحقِ واحد

احدیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اس جیسا نہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ

(الشوریٰ 11:42)

ترجمہ: اُس جیسا کچھ نہیں ہے۔

یہ آیت تنزیہ کی انتہا ہے۔

''وصفِ احدیت کی گہرائی'' اُس لطیف ادراک کا نام ہے جو ''اَحَد'' کے مفہوم کو ہر کثرت، ہر تقسیم اور ہر تصور سے ماوراد یکھتا ہے۔ ''احَد'' صرف عددی "ایک" نہیں، بلکہ وہ حقیقت ہے جو نہ ٹوٹتی ہے، نہ تقسیم ہوتی ہے، نہ اس کا کوئی ثانی، شریک یا جزو ہوتا ہے۔ یہ وہ وحدت ہے جو کسی گنتی میں نہیں آتی، کیونکہ گنتی وہاں شروع ہی نہیں ہوتی۔

احدیت کی پہلی گہرائی یہ ہے کہ اللہ کی ذات میں نہ ترکیب ہے، نہ اجزاء، نہ کوئی اندرونی تقسیم۔ انسان جب کسی شے کو سمجھتا ہے تو اسے حصوں میں بانٹتا ہے، مگر ''اَحَد'' وہ حقیقت ہے جو کسی تجزیے میں نہیں سماتی۔ یہ شعورِ عقل کو اس مقام پر لے جاتا ہے جہاں وہ کہتی ہے: میں سمجھنے سے قاصر ہوں، مگر انکار بھی ممکن نہیں۔

دوسری گہرائی یہ ہے کہ احدیت ہر نسبت سے آزاد ہے۔ نہ وہ کسی چیز سے بنی ہے، نہ کسی کا حصہ ہے، نہ کسی کے اندر شامل ہے، نہ کسی سے باہر محدود ہے۔ یہ تصور انسان کے ہر عادی فکری سانچے کو توڑ دیتا ہے، کیونکہ انسان ہمیشہ تعلقات اور حدود میں سوچتا ہے، جبکہ احدیت ہر حد سے پہلے اور ہر نسبت سے بالا ہے۔

تیسری گہرائی یہ ہے کہ احدیت کثرت کے پیچھے چھپی ہوئی واحد حقیقت کو بےنقاب کرتی ہے۔ کائنات کی بےشمار صورتیں، رنگ، آوازیں اور نظام- all different in appearance مگر سب ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو اپنی اصل میں "ایک" ہے۔ یہاں کثرت ختم نہیں ہوتی، مگر بےمعنی ہو جاتی ہے، کیونکہ اصل مرکز ایک ہی رہتا ہے۔

اور جب یہ ادراک دل میں اترتا ہے تو انسان کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ وہ ہر شے

میں اختلاف نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف اظہار دیکھنے لگتا ہے۔ یہی وصفِ احدیت کی گہرائی ہے: کہ وہ انسان کو تعداد سے نکال کر وحدت کے اُس شعور میں لے جاتی ہے جہاں ہر شے اپنی جگہ موجود رہتی ہے، مگر دل صرف ایک ہی حقیقت کے سامنے جھک جاتا ہے۔

## صفتِ صمدیت کی گہرائی

''صمد'' وہ ذات ہے جس کی طرف سب محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔

انسان کی ہر حاجت - رزق، صحت، سکون، ہدایت - اسی کے در سے وابستہ ہے۔ صمدیت کا شعور انسان کو بندگی سکھاتا ہے۔

عرفانی زاویہ - وحدت کا مشاہدہ

اہلِ معرفت کہتے ہیں:

جب دل سے غیر اللہ نکل جائے تو احدیت جلوہ گر ہوتی ہے۔

کثرت میں وحدت دیکھنا یہی عرفان ہے۔

درخت، پہاڑ، آسمان - سب اسی کے فعل کی تجلی ہیں۔

''صفتِ صمدیت کی گہرائی'' اُس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے جسے قرآن میں "الصمد" کہا گیا - یعنی وہ ذات جو خود ہر لحاظ سے کامل، بے نیاز اور سب کی محتاجی کا مرکز ہے، مگر خود کسی کی محتاج نہیں۔

صمدیت کا پہلا ادراک یہ ہے کہ ہر شے کسی نہ کسی سطح پر وابستہ ہے - انسان، وقت، کائنات، حتیٰ کہ سوچیں بھی - مگر ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کسی پر انحصار نہیں۔ وہ نہ پیدا کی گئی ہے، نہ کسی سہارا کی ضرورت رکھتی ہے۔ یہ شعور دل میں ایک عجیب سا سکون پیدا کرتا ہے کہ اصل سہارا کبھی بدلتا نہیں، کیونکہ وہ خود کسی تبدیلی کا محتاج نہیں۔

صمدیت کی دوسری گہرائی یہ ہے کہ ہر ضرورت کا رجوع اسی کی طرف ہے، مگر اس

کی ذات میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوتی۔ انسان جتنا بھی مانگے، کائنات جتنا بھی سہارے تلاش کرے- وہ سب کچھ دیتا ہے، مگر اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی۔ یہ وہ وسعت ہے جو انسانی عقل کے پیمانوں میں نہیں سماتی۔

تیسری گہرائی یہ ہے کہ صمدیت بندے کے اندر سے بے جا انحصار کو ختم کرتی ہے۔ انسان مخلوق سے امیدیں کم کر کے اُس ذات پر اعتماد کرنا سیکھتا ہے جو خود قائم ہے۔ اس سے دل میں ایک داخلی آزادی پیدا ہوتی ہے- نہ تکبر، نہ مایوسی- بلکہ ایک متوازن اعتماد کہ اصل سہارا کہیں نہیں بکھرا ہوا، بلکہ ایک ہی مرکز میں قائم ہے۔

اور جب یہ ادراک گہرا ہو جائے تو انسان ہر شے کو محتاج اور ہر شے کے پیچھے ایک بے نیاز حقیقت کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہی صمدیت کی گہرائی ہے: کہ کائنات کی ہر کمی ایک کامل حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے، جو خود کسی کمی سے پاک ہے اور سب کی کمیوں کو پورا کرنے والی ہے۔

## جامع معرفتی خلاصہ

توحید کا دائرہ بہت وسیع ہے:

* کائنات کی ہر حرکت توحید کی دلیل ہے
* دل کی ہر دھڑکن اس کی محتاج ہے
* عقل کی ہر دلیل اسی کی طرف رہنمائی کرتی ہے

جب بندہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو سمجھ لیتا ہے تو اس کے اندر سے خوف نکل جاتا ہے، حرص ختم ہو جاتی ہے، اور دل مطمئن ہو جاتا ہے۔

# حصول معرفتِ الٰہی کا طریق اعلیٰ

''حصولِ معرفتِ الٰہی کا طریقِ اعلیٰ'' کوئی ایک تکنیک یا فوری راستہ نہیں، بلکہ ایک ہمہ جہت سفر ہے جس میں ''علم، عمل، اخلاص اور باطنی بیداری'' ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جس میں انسان صرف ''جاننے'' سے آگے بڑھ کر ''پہچاننے'' اور پھر ''محسوس کرنے'' کی طرف جاتا ہے۔

سب سے پہلا اصول ''صحیح علم'' ہے۔ یعنی اللہ کو اُس کے اسماء، صفات اور قرآن وسنت کے مطابق سمجھنا۔ جب تصور درست ہو تو دل غلط سمت میں نہیں بھٹکتا۔ ناقص تصور ہمیشہ معرفت کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔

دوسرا مرحلہ ''اخلاصِ عمل'' ہے۔ یعنی عبادت، دعا، اور اطاعت کو دکھاوے یا عادت کے بجائے صرف اللہ کے لیے خاص کرنا۔ جب عمل صاف ہوتا ہے تو دل کی سکرین بھی صاف ہونے لگتی ہے، اور اسی صفائی میں معرفت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

تیسرا مرحلہ ''کثرتِ ذکر اور مراقبۂ حضور'' ہے۔ ذکر صرف زبان کی تکرار نہیں بلکہ دل کو مسلسل اللہ کی طرف متوجہ رکھنا ہے۔ وقت کے ساتھ یہ ذکر ایک کیفیت بن جاتا ہے، اور انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ تنہا نہیں، بلکہ ایک مسلسل معیت میں ہے۔

چوتھا مرحلہ ''نفس کی اصلاح'' ہے۔ خواہشات، غرور، غفلت اور تعلقاتِ دنیا کی غیر معتدل وابستگی کم ہوتی ہے تو دل میں جگہ پیدا ہوتی ہے۔ خالی جگہ ہی نورِ معرفت کا ظرف بنتی ہے۔

پانچواں مرحلہ ''تفکر و تدبر'' ہے۔ کائنات، قرآن اور اپنی ذات پر غور انسان کو

اس حقیقت تک لے جاتا ہے کہ ہر نظام ایک ہی حکمت کا اظہار ہے۔ یہ غور وفکر دل کو دلیل سے یقین اور یقین سے سکون کی طرف لے جاتا ہے۔

اور آخر میں ایک اہم بات: ''معرفت'' کمائی نہیں جاتی، بلکہ ''عطا'' ہوتی ہے۔ انسان راستہ اختیار کرتا ہے، مگر نور اللہ ہی دیتا ہے۔ جتنا دل عاجزی، طلب اور صدق سے بھر جاتا ہے، اتنا ہی یہ نور ظاہر ہوتا ہے۔

یوں طریقِ اعلیٰ یہ ہے: علم سے آغاز، عمل سے صفائی، ذکر سے زندگی، نفس سے آزادی، فکر سے وسعت، اور اخلاص سے قبولیت - اور پھر ایک ایسا لمحہ آتا ہے جہاں تلاش خاموش ہو جاتی ہے، مگر پہچان جاگ اٹھتی ہے۔

معرفت کے تین مدارج:

## 1. علم الیقین

''علم الیقین''، یقین کی پہلی منزل ہے - وہ یقین جو ''سننے، سیکھنے اور دلیل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے''۔ اس مرحلے میں انسان حقیقت کو براہِ راست مشاہدہ نہیں کرتا، بلکہ اس تک علم کے ذریعے پہنچتا ہے۔ جیسے کسی آگ کے بارے میں بتایا جائے کہ وہ جلاتی ہے - یہ جاننا "علم الیقین" ہے، اگرچہ ہاتھ ابھی آگ میں نہیں ڈالا گیا ہوتا۔

اس مقام پر دل کو ایک فکری اطمینان ملتا ہے کہ جو کچھ بتایا جا رہا ہے وہ دلیل، وحی یا معتبر خبر کے ذریعے ثابت ہے۔ انسان اللہ، آخرت، حساب اور حقیقتِ وجود کو سمجھنے لگتا ہے، مگر یہ سمجھ بوجھ ابھی عقل کے دائرے میں ہوتی ہے، دل کے مشاہدے میں نہیں اتری ہوتی۔

علم الیقین انسان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی سمت لے جاتا ہے۔ وہ شک کی دھند سے باہر آ کر ایک واضح فکری نقشہ حاصل کرتا ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر

آگے بڑھ کر ''عین الیقین'' اور پھر ''حق الیقین'' کی منازل آتی ہیں۔

روحانی طور پر یہ مرحلہ ایک بیداری کا آغاز ہے۔ انسان جان لیتا ہے کہ حقیقت صرف دنیا تک محدود نہیں، بلکہ اس کے پیچھے ایک بڑا نظام اور ایک اعلیٰ حقیقت موجود ہے۔ اگرچہ ابھی مشاہدہ نہیں ہوا، مگر یقین مضبوط ہو جاتا ہے کہ یہ سب حقیقت پر مبنی ہے، وہم نہیں۔

یوں علم الیقین وہ پہلا دروازہ ہے جہاں سے انسان معرفت کے سفر میں داخل ہوتا ہے- جہاں جاننا شروع ہوتا ہے، مگر دیکھنا ابھی باقی ہوتا ہے۔

## 2. عین الیقین

''عین الیقین'' یقین کی وہ منزل ہے جہاں سننے اور جاننے کے بعد انسان ''خود دیکھنے کے درجے میں داخل ہو جاتا ہے''۔ یہ علم الیقین سے آگے کا مرحلہ ہے- اب حقیقت صرف خبر نہیں رہتی، بلکہ مشاہدہ بن جاتی ہے۔

جیسے کسی کو آگ کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہ جلاتی ہے (علم الیقین)، پھر وہ دور سے آنکھوں سے آگ کو دیکھ لے کہ واقعی جل رہی ہے- یہ عین الیقین ہے۔ اب دلیل کمزور نہیں ہوتی، مگر اسے دیکھ کر دل کا اطمینان زیادہ گہرا ہو جاتا ہے۔

اس مقام پر یقین زیادہ زندہ، زیادہ واضح اور زیادہ قریب محسوس ہوتا ہے۔ انسان کو اب حقیقت کے وجود پر صرف اعتماد نہیں رہتا، بلکہ اس کی ''ظاہری جھلک'' سامنے آ جاتی ہے۔ شک کی گنجائش کم ہو جاتی ہے، اور ادراک زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

روحانی لحاظ سے عین الیقین وہ کیفیت ہے جہاں دل کی آنکھیں کھلنے لگتی ہیں۔ انسان کائنات میں نظم، قدرت اور تدبیر کو صرف مانتا نہیں، بلکہ اس کے آثار کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ ہر شے ایک نشانی بن جاتی ہے، ہر منظر ایک اشارہ بن جاتا ہے۔

مگر یہ ابھی بھی مشاہدہ ہے۔مکمل اتصال نہیں۔ دیکھنے والا اور دیکھا جانے والا ابھی الگ ہیں۔اس لیے یہ مرحلہ علم سے زیادہ روشن ہے،مگر حق کے مکمل تجربے سے ابھی آگے ہے۔

یوں عین الیقین وہ مقام ہے جہاں یقین ''سنا ہوا'' نہیں رہتا، بلکہ ''دیکھا ہوا'' بن جاتا ہے۔اور دل کو ایک نئی، گہری اور خاموش تسلی عطا کرتا ہے۔

## 3.حق الیقین

''حقُّ الیقین'' یقین کی وہ آخری اور سب سے گہری منزل ہے جہاں علم اور مشاہدہ دونوں ختم ہو کر ''براہِ راست تجربہ اور شمولیت'' میں بدل جاتے ہیں۔اس مقام پر حقیقت کو صرف جانا یا دیکھا نہیں جاتا، بلکہ اس میں ''جیا جاتا ہے''۔

جیسے آگ کے بارے میں سننا علم الیقین ہے، دور سے دیکھنا عین الیقین ہے، مگر اس میں داخل ہو کر اس کی حرارت کو اپنے وجود میں محسوس کرنا حق الیقین ہے۔ اب دیکھنے والا اور دیکھا جانے والا الگ نہیں رہتے۔تجربہ خود حقیقت بن جاتا ہے۔

اس مقام پر شک، فاصلہ اور دوئی کا احساس تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔انسان حقیقت کو کسی خارجی شے کے طور پر نہیں دیکھتا، بلکہ اسے اپنے حال اور اپنے وجود کے اندر جاری محسوس کرتا ہے۔یہاں علم یقین میں، اور یقین حال میں بدل جاتا ہے۔

روحانی لحاظ سے حق الیقین وہ مقام ہے جہاں ادراک مکمل ہو کر خاموشی میں ڈھل جاتا ہے۔انسان الفاظ سے آگے نکل جاتا ہے، کیونکہ اب بیان نہیں، بلکہ وجود خود گواہی دیتا ہے۔ہر شے کی حقیقت ایک ہی مرکز سے جڑی محسوس ہوتی ہے، اور دل ایک گہری، ناقابلِ بیان سکون کی کیفیت میں ٹھہر جاتا ہے۔

یہی وہ آخری مرحلہ ہے جہاں تلاش اپنی انتہا کو پہنچتی ہے۔اور انسان کو یہ ادراک ہوتا ہے کہ جس حقیقت کو وہ دور سے تلاش کر رہا تھا، وہ ہمیشہ اس کے قریب،

بلکہ اس کے اندر ایک مسلسل مشاہدے کی صورت میں موجود تھی۔

یہ تین جملے دراصل ''معرفت کے تدریجی سفر'' کی نہایت بلیغ تقسیم ہیں:

## پہلا درجہ: دلیل سے

یہ ''علم الیقین'' کا مرحلہ ہے۔ یہاں انسان حق کو ''عقل، خبر اور استدلال'' کے ذریعے پہچانتا ہے۔ وہ سنتا ہے، سمجھتا ہے، اور نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ایک حقیقت ہے جو کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ یقین مضبوط ہوتا ہے، مگر ابھی پردوں کے پیچھے ہوتا ہے- دل مان لیتا ہے، مگر آنکھ نہیں دیکھتی۔

## دوسرا درجہ: مشاہدہ سے

یہ ''عین الیقین'' ہے۔ یہاں حق صرف مانا نہیں جاتا بلکہ ''اس کے آثار اور جلوے محسوس کیے جاتے ہیں''۔ انسان کائنات میں نظم، قدرت اور تدبیر کو دیکھنے لگتا ہے۔ دلیل اب بصارت میں ڈھل جاتی ہے۔ یقین زیادہ زندہ اور قریب ہو جاتا ہے، مگر دیکھنے والا اور دیکھا جانے والا ابھی الگ رہتے ہیں۔

## تیسرا درجہ: فنا سے

یہ ''حق الیقین'' کا باطن ہے۔ یہاں صرف دیکھنا نہیں رہتا، بلکہ ''دوئی ختم ہو جاتی ہے''۔ انسان اپنے نفس کے فاصلوں سے نکل کر اس حقیقت کے قریب نہیں رہتا، بلکہ اس کے ادراک میں ڈوب جاتا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جہاں علم اور مشاہدہ دونوں خاموش ہو جاتے ہیں، اور صرف حال باقی رہتا ہے۔

یوں یہ تینوں درجے ایک ہی سفر کے مختلف منازل ہیں:

دلیل- مشاہدہ- فنا- یعنی جاننا- دیکھنا- ہونا

# شانِ الحیّ القیّوم کی معرفت

اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک ''الحیّ'' اس کی کامل اور ابدی حیات کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی زندگی کسی آغاز، انجام یا کمزوری کی محتاج نہیں۔ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کی حیات مخلوق کی طرح نہیں جو موت، فنا اور ضعف کا شکار ہو، بلکہ وہ ایسی حیات ہے جو خود قائم ہے اور سب کو زندگی عطا کرتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک "القیّوم" اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ وہ خود قائم ہے اور پوری کائنات کو قائم رکھنے والا ہے۔ آسمان، زمین، انسان، فرشتے، نظامِ کائنات سب اسی کے حکم اور اس کی تدبیر سے قائم ہیں۔ اگر اس کی مدد اور نگہبانی لمحہ بھر بھی منقطع ہو جائے تو سارا نظام ختم ہو جائے۔

"الحیّ القیّوم" کا ذکر قرآنِ مجید میں سب سے جامع انداز میں آیت الکرسی میں آیا ہے، جو اللہ کی حیاتِ کامل اور قیّومیتِ کامل کا اعلان ہے۔ اس اسمِ مبارک میں یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ نہ اس کی ذات کو نیند آتی ہے، نہ غفلت، نہ کمزوری، بلکہ وہ ہر لمحہ ہر چیز پر پوری طرح نگاہ رکھے ہوئے ہے۔

قیّومیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شے اللہ کی محتاج ہے۔ انسان کا سانس لینا، زمین کا گھومنا، پانی کا بہنا، اور دل کا دھڑکنا سب اسی کے حکم سے جاری ہے۔ کوئی چیز اس کے بغیر نہ وجود رکھ سکتی ہے اور نہ بقا۔ وہی ہر چیز کو تھامے ہوئے ہے، مگر خود کسی سہارے کا محتاج نہیں۔

عرفانی نقطۂ نظر سے "الحیّ القیّوم" کا ادراک انسان کے دل میں یقین اور سکون پیدا کرتا ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب ہمیشہ زندہ ہے اور ہر لمحہ اس کا نظام سنبھالے ہوئے ہے، تو وہ اپنے خوف، پریشانی اور بے یقینی سے آزاد ہو

جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی زندگی ایک بے سہارا نہیں بلکہ ایک قائم و دائم رب کے سہارے پر ہے۔

یہ معرفت انسان کو توکل کی منزل تک پہنچاتی ہے۔ بندہ اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ وہ خود کچھ بھی نہیں، مگر اس کا رب ہر چیز کا سہارا ہے۔ یہی شعور اسے عاجزی، امید اور مضبوط ایمان عطا کرتا ہے، اور وہ ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرنے لگتا ہے۔

آخرکار، "الحیّ القیّوم" کی معرفت انسان کو اس مقام تک لے جاتی ہے جہاں وہ ہر شے میں اللہ کی حیات اور قیّومیت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے دل سے خوف ختم ہوجاتا ہے اور یقین پیدا ہوجاتا ہے کہ جس رب کے ہاتھ میں زندگی اور نظامِ کائنات ہے، وہی اس کا بھی محافظ ہے اور وہی اس کی نجات کا سرچشمہ ہے۔

اگر توحیدِ ذات اللہ کی پہچان کی بنیاد ہے تو ''حیات اور قیومیت'' اس پہچان کی حرکت اور شعور ہیں۔

اللہ صرف موجود نہیں، وہ زندہ ہے، اور صرف زندہ نہیں، وہ سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ کائنات کا ہر ذرّہ، ہر حرکت، ہر نظام، اسی قیومیت کا محتاج ہے۔

یہ باب اسی عظیم شان کی معرفت کے لیے تحریر کیا جارہا ہے تاکہ قاری سمجھے کہ:

## اللہ کی حیات کیسی ہے؟

اللہ کی صفتِ ''حیات'' ایسی ہے جو مخلوق کی زندگی سے مکمل طور پر مختلف اور بلند ہے۔ قرآن میں اللہ کو ''الحیّ'' کہا گیا ہے، یعنی وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کی حیات نہ کسی آغاز کی محتاج ہے، نہ کسی انجام کی۔

1۔ غیر مخلوق اور ازلی حیات

انسان اور تمام مخلوق کی زندگی عطا کردہ اور محدود ہے۔ پیدا ہوتی ہے، بدلتی ہے، اور ختم ہوجاتی ہے۔ مگر اللہ کی حیات ''خود اپنی ذات سے قائم'' ہے، اسے کسی نے زندہ

نہیں کیا، نہ وہ کسی سبب پر قائم ہے۔

2-کامل اور بے نقص حیات

اللہ کی حیات میں نہ کمزوری ہے، نہ نیند، نہ غفلت، نہ زوال۔ قرآن میں آتا ہے:

''نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند''

یعنی اس کی زندگی ہر نقص، ہر کمزوری اور ہر تبدیلی سے پاک ہے۔

3-سب کو قائم رکھنے والی حیات

اس کی حیات صرف ''موجود رہنے'' کا نام نہیں بلکہ وہ حیات ہے جس سے ''سب کی زندگی قائم ہے''۔ ہر زندہ شے اسی کے حکم اور عطا سے زندہ ہے، مگر وہ خود کسی کا محتاج نہیں۔

4-انسانی فہم سے ماورا حقیقت

اللہ کی حیات ''کیسی ہے'' یہ کیفیت انسانی تصور میں پوری طرح نہیں آ سکتی، کیونکہ وہ مخلوق جیسی نہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ ''حقیقی، کامل، اور لازوال حیات'' ہے۔

خلاصہ: اللہ کی حیات نہ آغاز رکھتی ہے، نہ انجام، نہ کمزوری، نہ محتاجی- وہ ایسی زندگی ہے جو سب زندگیوں کی بنیاد ہے، مگر خود کسی بنیاد کی محتاج نہیں۔

## قیومیت کا مفہوم کیا ہے؟

''قیومیت کا مفہوم'' اللہ کے اسمِ مبارک ''القیّوم'' سے سمجھا جاتا ہے۔ اس کا بنیادی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ''خود قائم ہے اور پوری کائنات کو قائم رکھنے والا ہے''۔

1-خود قائم ہونا

اللہ کی ذات کسی سہارے، کسی سبب یا کسی مدد کی محتاج نہیں۔ وہ اپنی ذات سے

قائم ہے- نہ اسے کسی نے قائم کیا، نہ اس کے وجود کو کوئی سہارا درکار ہے۔

2- سب کو قائم رکھنا

قیومیت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا وجود، اس کی بقا اور اس کا نظام اللہ کے حکم سے قائم ہے۔ اگر اس کا تعلق لمحہ بھر کے لیے بھی منقطع ہو جائے تو کوئی شے اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتی۔

3- مسلسل تدبیر اور نگرانی

''القیّوم'' صرف تخلیق کرنے والا نہیں، بلکہ ہر لمحہ ہر شے کی ''تدبیر، حفاظت اور نظام کو جاری رکھنے والا'' ہے۔ کائنات ایک لمحہ کے لیے بھی خود کار نہیں، بلکہ ہر آن اس کے قیوم ہونے سے قائم ہے۔

4- انسانی فہم میں جھلک

انسانی سطح پر اس کا ادراک یہ ہے کہ ہم خود اپنی زندگی کے مالک نہیں- نہ سانس، نہ دل کی دھڑکن، نہ وقت کا تسلسل ہمارے اختیار میں ہے۔ سب کچھ ایک قائم رکھنے والی حقیقت کے سہارے جاری ہے۔

خلاصہ: ''قیومیت'' کا مطلب ہے:

''وہ ذات جو خود بھی ہمیشہ قائم ہے اور ہر شے کو ہر لمحہ قائم رکھے ہوئے ہے- بغیر کسی سہارے کے، مکمل قدرت اور مستقل تدبیر کے ساتھ۔''

## کیوں صرف وہی اس شان کا مستحق ہے؟

یہ سوال دراصل توحید کی گہرائی میں داخل کرتا ہے- اور جواب بھی دلیل، فطرت اور عقل تینوں میں چھپا ہوا ہے۔

1- اس لیے کہ وہ خود قائم ہے، محتاج نہیں

ہر وہ شے جو کسی پر انحصار کرے، وہ کامل نہیں ہو سکتی۔ کائنات کی ہر چیز محتاج

ہے- وجود میں آنے کی بھی، باقی رہنے کی بھی۔ مگر وہ ذات جو "القیّوم" ہے، خود قائم ہے اور سب کو قائم رکھتی ہے۔ جو خود محتاج نہ ہو، وہی حقیقی اقتدار اور کمال کا مستحق ہے۔

2- اس لیے کہ سب کچھ اسی سے ہے، مگر وہ کسی سے نہیں

ہر شے کا آغاز اسی سے ہے، ہر نظام اسی کے حکم سے چل رہا ہے۔ جب ہر نعمت، ہر طاقت اور ہر وجود اسی سے وابستہ ہو تو پھر شکر، عبادت اور جھکاؤ بھی صرف اسی کا حق بنتا ہے۔ دوسروں کے پاس جو کچھ ہے، وہ عطا ہے- اور عطا کرنے والے کا حق ہمیشہ مقدم ہوتا ہے۔

3- اس لیے کہ اس جیسا کوئی نہیں

اگر کوئی شریک یا ہم مثل ہوتا تو کمال تقسیم ہو جاتا، مگر اللہ کی ذات "لاشریک، لا مثیل" ہے۔ جب کمال غیر منقسم ہو، تو اس کا حق بھی غیر منقسم ہوتا ہے۔

4- فطرت کی گواہی

انسان کی فطرت خود جھکتی ہے، کسی نہ کسی "اعلیٰ حقیقت" کو مانتی ہے۔ یہ اندرونی جھکاؤ اس بات کی دلیل ہے کہ اصل مستحق صرف وہی ہے جو سب سے بلند، سب سے کامل اور سب سے بے نیاز ہے۔

خلاصہ: صرف وہی اس شان کا مستحق ہے کیونکہ وہی:

- خود قائم ہے، کسی کا محتاج نہیں
- سب کا خالق اور مالک ہے
- ہر کمال کا منبع ہے
- اور ہر شے سے بے مثال و بے نظیر ہے

اسی لیے عبادت، محبت اور اطاعت کا حقیقی مرکز صرف وہی ہے- کیونکہ کمال جہاں مکمل ہو، حق بھی وہیں مکمل ہوتا ہے۔

# اس معرفت کا اثر عارف پر کیا ہوتا ہے؟

جب عارف باللہ اس درجے کی معرفت تک پہنچتا ہے کہ سب کچھ ایک ہی حقیقت کے سہارے قائم ہے، تو اس کا اندرونی نظام بدلنے لگتا ہے- نہ صرف سوچ، بلکہ دیکھنے، محسوس کرنے اور جینے کا انداز بھی۔

1- اَنا کا سکڑ جانا

عارف کے اندر "میں" کی شدت کم ہونے لگتی ہے۔ وہ اپنی ذات کو مرکز نہیں سمجھتا۔ اس کے فیصلوں سے تکبر نکل جاتا ہے اور اس کی جگہ ایک خاموش عاجزی لے لیتی ہے۔

2- خوف اور امید کا توازن

وہ دنیا کے اتار چڑھاؤ سے پہلے جیسا متاثر نہیں ہوتا۔ نہ مکمل بے نیازی، نہ مکمل بے چینی- بلکہ ایک ایسا سکون جس میں وہ ہر حال کو ایک ہی حکمت کے دائرے میں دیکھتا ہے۔

3- مخلوق سے تعلق میں نرمی

اس کا برتاؤ سخت نہیں رہتا۔ وہ لوگوں کو مخالفت یا برتری کی نظر سے نہیں دیکھتا، کیونکہ اسے ہر شے کے پیچھے ایک ہی تدبیر نظر آنے لگتی ہے۔ یوں دل میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

4- عبادت میں گہرائی

اس کی عبادت رسم نہیں رہتی۔ وہ صرف عمل نہیں کرتا، بلکہ ''حضور'' میں داخل ہوتا ہے۔ ذکر، دعا اور نماز اس کے لیے بوجھ نہیں بلکہ قربت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

5- خاموشی کا غلبہ

وہ بہت کچھ جاننے کے باوجود کم بولنے لگتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ اس نے محسوس کیا

ہوتا ہے، وہ لفظوں میں مکمل نہیں آ سکتا۔ اس کی خاموشی ہی اس کی گواہی بن جاتی ہے۔

6- مستقل سکون

سب سے گہرا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر ایک ایسا سکون پیدا ہوتا ہے جو حالات سے آزاد ہوتا ہے۔ نہ خوشی اسے حد سے بڑھاتی ہے، نہ غم اسے توڑتا ہے۔

خلاصہ: اس معرفت کا اثر یہ ہے کہ انسان ''خود'' سے نکل کر ''حقیقت'' کے قریب ہو جاتا ہے- اس کا دل نرم، اس کی نظر وسیع، اور اس کی روح مطمئن ہو جاتی ہے۔ وہ جیتا بھی ہے، مگر ایک نئے شعور کے ساتھ۔

## الحیّ القیّوم- قرآنی نص

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ

(البقرہ:255)

ترجمہ: اللہ- اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، تمام جہانوں کا پالنے والا۔ اللہ- اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، تمام جہانوں کا پالنے والا۔

یہ آیت الکرسی کا آغاز ہے اور آیت الکرسی قرآن کی عظیم ترین آیت قرار دی گئی ہے۔

## لغوی ونحوی تحقیق

الحیّ

* مادہ: ح ی ی
* معنی: زندہ ہونا

لیکن اللہ کی حیات مخلوق کی طرح نہیں ہے۔

وہ: * ازلی ہے- ابدی ہے- غیر فانی ہے- غیر محتاج ہے

القیّوم

* قیام سے مشتق * قائم بالذات * مقیم لغیرہ (دوسروں کو قائم رکھنے والا)

قیومیت کا مطلب ہے کہ: کائنات کا وجود ہر لمحہ اللہ کے قائم رکھنے سے ہے۔

## قرآنی اسلوب میں حیاتِ الٰہی

قرآن کہتا ہے:

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ

(الفرقان:58)

ترجمہ: یعنی اس زندہ پر بھروسہ کرو جو کبھی نہیں مرتا۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ: * مخلوق فانی ہے * اللہ باقی ہے زندگی کی اصل حقیقت وہی ہے، باقی سب عارضی ہے۔ قیومیت کا کلامی و فلسفیانہ مفہوم علماء عقیدہ کے نزدیک قیومیت کا مطلب ہے: کائنات کا وجود لمحہ بہ لمحہ اللہ کے ارادے اور قدرت سے قائم ہے۔

امام ماتریدی فرماتے ہیں: اگر ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ کا قائم رکھنا نہ ہو تو کائنات فنا ہو جائے۔

فخر الدین رازی کے مطابق قیومیت واجب الوجود ہونے کی دلیل ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حیّ و قیوم

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ

یہ دعا اس بات کی دلیل ہے کہ مصیبت کے وقت بندہ اسی زندہ و قائم رکھنے والے کو پکارتا ہے۔

## عرفانی زاویہ- قیومیت کا مشاہدہ

عرفان کے زاویے سے ''قیومیت'' صرف ایک عقیدہ نہیں رہتا، بلکہ ایک ''جاری مشاہدہ'' بن جاتا ہے- ایسا مشاہدہ جو ہر لمحہ دل کے اندر کھلتا رہتا ہے۔

اس مقام پر عارف یہ محسوس کرتا ہے کہ کائنات خود اپنی طاقت پر قائم نہیں۔ ہر حرکت، ہر سانس، ہر نظام ایک ایسی غیر مرئی وابستگی میں بندھا ہوا ہے جو ہر شے کو ہر لمحہ قائم رکھے ہوئے ہے۔ یہ احساس کسی فلسفیانہ سوچ کی طرح نہیں، بلکہ ایک زندہ ادراک کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

پہلا مشاہدہ یہ ہے کہ ''سب کچھ قائم ہے مگر خود سے قائم نہیں''۔ درخت کھڑا ہے، مگر اپنی طاقت سے نہیں؛ دل دھڑک رہا ہے، مگر اپنے اختیار سے نہیں؛ وقت چل رہا ہے، مگر اپنی ذات سے نہیں۔ یہ تسلسل عارف کو ایک ایسے مرکز کی طرف متوجہ کرتا ہے جو سب کو تھامے ہوئے ہے۔

دوسرا مشاہدہ یہ ہوتا ہے کہ ''قیام ایک مسلسل عطا ہے، کوئی خودکار نظام نہیں''۔ ہر لمحہ گویا ایک نئی تخلیق ہے، ایک نیا سہارا ہے، ایک نئی بقا ہے۔ یہ شعور انسان کو غفلت سے نکال کر مسلسل حاضری میں لے آتا ہے۔

تیسرا مشاہدہ یہ ہے کہ ''خود انسان بھی ایک قائم رکھے جانے والی حالت ہے، قائم رکھنے والا نہیں''۔ سانس، سوچ، احساس- سب کچھ عطا شدہ ہے۔ یہ ادراک انا کی جڑیں نرم کر دیتا ہے اور دل میں ایک گہری عاجزی پیدا کرتا ہے۔

اور پھر عارف ایک عجیب سکون میں داخل ہوتا ہے- جہاں اسے ہر شے ''قائم'' نظر آتی ہے، مگر ہر قائم چیز کے پیچھے ایک ہی ''قائم رکھنے والا'' محسوس ہوتا ہے۔ یہ نہ

خیال رہتا ہے، نہ دلیل- یہ ایک خاموش حضور بن جاتا ہے۔

نتیجہ: عرفانی مشاہدے میں قیومیت یہ سکھاتی ہے کہ کائنات بکھری ہوئی نہیں، بلکہ ہر لمحہ ایک ہی ہاتھ میں تھامی ہوئی ہے- اور یہی ادراک دل کو خوف سے نکال کر ایک مستقل اطمینان میں لے جاتا ہے۔

عارفین کہتے ہیں: جب بندہ یہ دیکھ لے کہ اس کا سانس بھی اللہ کے قائم رکھنے سے ہے، تو غرور ختم ہو جاتا ہے۔

دل کی دھڑکن، آنکھ کی بینائی، عقل کی روشنی، سب قیومیت کی تجلی ہے۔

اگر قیوم نہ ہوتا تو: *عقل بے کار *جسم بے جان *زمین بے حرکت

قیومیت کا شعور دل میں فنا اور تسلیم پیدا کرتا ہے۔

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

یہ سوال دراصل توحید کی جڑ کو چھوتا ہے، اور اس کا جواب کسی ایک دلیل میں محدود نہیں بلکہ فطرت، عقل اور وحی تینوں میں کھلتا ہے۔

1- کیونکہ وہ خود کامل ہے، اس کی ذات میں کوئی کمی نہیں

اللہ کی ذات ہر نقص، ہر حاجت اور ہر محتاجی سے پاک ہے۔ جو ذات خود کامل ہو، وہی ہر کمال کی اصل مستحق ہوتی ہے۔ کمال کسی تقسیم کا نام نہیں- اور اللہ کا کمال غیر منقسم اور مطلق ہے۔

2- کیونکہ ہر چیز اسی سے ہے، اور وہ کسی سے نہیں

وجود، زندگی، عقل، وقت- سب اسی کی عطا ہیں۔ جب ہر نعمت کا منبع وہی ہو تو شکر، بندگی اور جھکاؤ بھی اسی کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ جو سب کچھ دیتا ہے، وہی اصل حق دار ہے۔

3- کیونکہ اس جیسا کوئی نہیں

اگر اس کا کوئی شریک یا ہم مثل ہوتا تو عظمت تقسیم ہو جاتی۔ مگر وہ ''احد'' ہے۔ یعنی نہ اس کی کوئی مثال ہے، نہ مقابل۔ جب کوئی ہم سر نہ ہو تو استحقاق بھی واحد رہتا ہے۔

4- کیونکہ وہ قائم رکھنے والا ہے، سب کچھ اس کے سہارے ہے

کائنات کا ہر نظام اسی کے قیوم ہونے سے قائم ہے۔ جو خود کسی سہارے کا محتاج نہ ہو اور سب کو تھامے ہوئے ہو، وہی حقیقی مالکِ حمد و عبادت ہے۔

5- فطرت کی گواہی

انسان کی فطرت خود جھکنے اور کسی اعلیٰ حقیقت کو ماننے پر مجبور ہے۔ یہ اندرونی جھکاؤ اس بات کا اشارہ ہے کہ اصل مستحق وہی ہے جو سب سے بلند، سب سے کامل اور سب سے بے نیاز ہے۔

خلاصہ: اللہ اس شان کے لائق ہے کیونکہ وہ:

- کامل ہے، اس میں کوئی نقص نہیں
- سب کا خالق اور مالک ہے
- واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں
- قائم رکھنے والا ہے، سب اس پر قائم ہیں
- اور ہر شے اسی کی محتاج ہے، جبکہ وہ کسی کا محتاج نہیں

اسی لیے اس کا حق صرف تسلیم نہیں، بلکہ مکمل جھکاؤ اور اخلاص کے ساتھ بندگی ہے۔

## موت کا خوف ختم

کیونکہ حقیقی زندگی اللہ کے پاس ہے۔

معرفت کا درجہ- قیومیت کی معرفت انسان کو یہ سکھاتی ہے:

میں قائم بالذات نہیں- میرا علم، میرا مال، میری قوت، سب عطیہ ہے
یہ شعور تکبر کو جلا دیتا ہے۔

## جامع خلاصہ-- اللہ کی حیات اور قیومیت

اللہ کی ''حیات'' ازلی ہے، ابدی ہے اور غیر فانی ہے۔ نہ اس کی زندگی کی کوئی ابتدا ہے، نہ کوئی انتہا۔ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کی حیات مخلوق کی طرح نہیں جو حادث، محدود اور محتاج ہو- بلکہ وہ کامل، خود قائم اور ہر نقص سے پاک ہے۔

اللہ کی ''قیومیت'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ نہ صرف خود قائم ہے بلکہ پوری کائنات کا سہارا بھی وہی ہے۔ ہر وجود اسی کے حکم سے قائم ہے، ہر نظام اسی کی تدبیر سے چل رہا ہے، اور ہر لمحہ اسی کے اذن سے جاری ہے۔ اگر اس کا تعلق لمحہ بھر کے لیے بھی منقطع ہو جائے تو کچھ بھی اپنی حالت پر باقی نہ رہے۔

جب بندہ ''الحیّ القیّوم'' کو دل سے سمجھ لیتا ہے تو اس کا باطن بدلنے لگتا ہے۔ دل بے حسی سے نکل کر بیداری میں آ جاتا ہے، اور احساسِ تنہائی ختم ہو جاتا ہے۔

پھر اس کے اندر یہ یقین جاگتا ہے:

میرا رب زندہ ہے، اس پر کبھی غفلت نہیں آتی۔

میرا رب سن رہا ہے، کوئی آواز اس سے اوجھل نہیں۔

میرا رب مجھے تھامے ہوئے ہے، میں خود قائم نہیں، بلکہ قائم رکھا جا رہا ہوں۔

اور یہی یقین انسان کے دل کو توڑتا نہیں، بلکہ جوڑ دیتا ہے- غفلت سے نکال کر ذکر کی طرف، بے یقینی سے نکال کر اطمینان کی طرف، اور دوری سے نکال کر رجوع کی طرف لے آتا ہے۔

# شانِ خالقیت - ربوبیت

## الخالق، البارئ، المصوّر، الرب

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''خالقیت'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہی ہر شے کا حقیقی پیدا کرنے والا ہے۔ ''الخالق'' وہ ذات ہے جو عدم سے وجود عطا کرتی ہے، بغیر کسی مثال، بغیر کسی مادہ اور بغیر کسی مدد کے۔ پوری کائنات کا ہر ذرہ اسی کے ارادے اور حکم سے وجود میں آیا، اور اس کے بغیر کسی چیز کا تصور بھی ممکن نہیں۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا اسم ''البارئ'' اس بات کو بیان کرتا ہے کہ وہ ہر چیز کو اس کے صحیح انداز، ترتیب اور حکمت کے مطابق وجود میں لاتا ہے۔ اس کی تخلیق میں کوئی بے ترتیبی یا نقص نہیں ہوتا۔ ہر مخلوق ایک خاص مقصد، نظام اور توازن کے ساتھ پیدا کی گئی ہے، جو اس کی کامل تدبیر کا مظہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اسم ''المصوّر'' اس کی اس شان کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہر مخلوق کو اس کی مخصوص صورت، شکل اور پہچان عطا کرتا ہے۔ انسان کی صورت ہو یا کائنات کے ذرات کی ترتیب، ہر چیز ایک خاص نقش اور حکمت کے ساتھ بنی ہوئی ہے۔ کوئی دو مخلوقات مکمل طور پر ایک جیسی نہیں، جو اس کے مصوّر ہونے کی واضح دلیل ہے۔

یہ تینوں صفات مل کر اللہ کی خالقیت کے کمال کو ظاہر کرتی ہیں کہ وہ صرف پیدا کرنے والا ہی نہیں بلکہ ترتیب دینے والا، صورت عطا کرنے والا اور مکمل نظام بنانے والا بھی ہے۔ اس کی تخلیق میں نہ غلطی ہے نہ اتفاق، بلکہ ہر شے ایک مکمل منصوبہ اور حکمت کے تحت وجود میں آئی ہے۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا اسم ''الرب'' اس بات کو واضح کرتا ہے کہ وہ صرف خالق ہی نہیں بلکہ ہر مخلوق کی پرورش کرنے والا، اس کی ضروریات پوری کرنے والا اور اسے درجہ بہ درجہ کمال تک پہنچانے والا ہے۔ ربوبیت کا مطلب ہے تدریجی پرورش، نگہبانی اور رہنمائی۔

اللہ کی ربوبیت اس کائنات کے ہر نظام میں ظاہر ہے۔ بیج کا درخت بننا، بچے کا جوان ہونا، اور انسان کا شعور و ہدایت کی طرف بڑھنا یہ سب اسی رب کی پرورش کے مراحل ہیں۔ وہ ہر لمحہ اپنی مخلوق کی ضروریات پوری کرتا ہے اور اسے اس کے کمال تک پہنچاتا ہے۔

آخر کار، الخالق، البارئ، المصوّر، اور الرب کی معرفت انسان کو یہ شعور دیتی ہے کہ وہ خود بھی اللہ کی تخلیق، اس کی تدبیر اور اس کی ربوبیت کے سائے میں ہے۔ یہ ادراک بندے کے دل میں عاجزی، شکر اور یقین پیدا کرتا ہے کہ اس کا رب نہ صرف اسے پیدا کرنے والا ہے بلکہ ہر لمحہ اسے سنوارنے اور سنبھالنے والا بھی ہے۔

جیسا کہ میں ہم نے اللہ کی ''احدیت'' کو پہچانا، اور بابِ دوم میں اس کی ''حیات و قیومیت'' کو سمجھا، تو اب ہم اس کی اُس شان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کے بغیر کائنات کا تصور ممکن نہیں: ''خالقیت اور ربوبیت''۔

اللہ صرف زندہ اور قائم رکھنے والا نہیں — وہ ''پیدا کرنے والا'' بھی ہے، ''پرورش کرنے والا'' بھی ہے، اور ہر مخلوق کو اس کے کمال تک پہنچانے والا بھی۔

## قرآنی نصوصِ خالقیت

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ

(الحشر:24)

ترجمہ: وہ اللہ ہے، خالق، پیدا کرنے والا، وضع کرنے والا۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

(الزمر 62:39)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

یہ آیات اعلان کرتی ہیں کہ کائنات کی ہر شے کا خالق اللہ ہے- چاہے وہ مادی ہو یا غیر مادی، ظاہری ہو یا باطنی۔

## لغوی تحقیق - خالق، بارئ، مصوّر

الخالق: تقدیر اور اندازہ مقرر کرنے والا، عدم سے وجود دینے والا۔

البارئ: ایسی تخلیق جو نقص اور تضاد سے پاک ہو۔

المصوّر: ہر مخلوق کو منفرد صورت دینے والا۔

ابن عاشور فرماتے ہیں کہ یہ تینوں نام تخلیق کے مختلف مراحل کی طرف اشارہ کرتے ہیں: تقدیر، ایجاد، تشکیل۔

## ربوبیت کا مفہوم

''رب'' کا معنی ہے:

مالک- مدبر- پرورش کرنے والا- کمال تک پہنچانے والا

قرآن کا آغاز ہی اس اعلان سے ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١

(الفاتحہ 2:)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار۔

ربوبیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے صرف پیدا نہیں کیا بلکہ:

* رزق دیا * ہدایت دی * نظام بنایا * پرورش کی

امام طبری کے مطابق ''رب'' وہ ہے جو تخلیق کے بعد تدبیر کرے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ صرف اسی کی عبادت کرے۔

امام فخر الدین رازی نے لکھا کہ ربوبیت کائناتی نظم کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ربوبیت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دعا میں ربوبیت کا اقرار کرتے تھے، کیونکہ بندہ جب دعا کرتا ہے تو وہ رب کی پرورش پر اعتماد کرتا ہے۔

## عرفانی زاویہ- ربوبیت کا مشاہدہ

عارفین کہتے ہیں: جب بندہ اپنی زندگی پر غور کرے-

بچپن سے جوانی، کمزوری سے طاقت، جاہلیت سے ہدایت-

تو اسے ہر موڑ پر ربوبیت کا ہاتھ نظر آئے گا۔

بیج زمین میں پڑتا ہے، کون اسے درخت بناتا ہے؟

بچہ ماں کے رحم میں پرورش پاتا ہے، کون اس کی حفاظت کرتا ہے؟

یہ سب ربوبیت کی تجلیات ہیں۔

توحیدِ خالقیت کا عملی اثر

اگر اللہ خالق ہے تو: کسی اور سے ڈر کیوں؟

* رزق کیلئے حرام کیوں؟ تکبر کس بات کا؟

خالقیت کا یقین انسان کو عاجزی، شکر اور توکل سکھاتا ہے۔

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

کیونکہ: وہ عدم سے وجود لایا- وہی نظام کو سنبھال رہا ہے

وہی ہر مخلوق کو اس کے مناسب رزق دیتا ہے- اس کی تخلیق میں نقص نہیں

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ

(الملک:3)

ترجمہ: آپ رحمٰن کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں دیکھیں گے۔

اگر کوئی اور خالق ہوتا تو کائنات میں تضاد ہوتا۔

اللہ کی ''ربوبیت'' کا مطلب ہے: پیدا کرنا، پرورش کرنا، رزق دینا، تدبیر کرنا اور ہر شے کو ایک مرحلہ بہ مرحلہ کمال تک پہنچانا۔ سوال یہ ہے کہ یہ شان صرف اسی کے لیے کیوں ہے؟

1- کیونکہ وہ خالق بھی ہے اور مدبّر بھی

جو ذات ہر شے کو عدم سے وجود میں لاتی ہے، وہی اس کے ہر لمحے کی تدبیر بھی کرتی ہے۔ تخلیق اور تدبیر کا یہ کامل تسلسل کسی غیر کے بس میں نہیں۔ اس لیے ربوبیت کا حق اسی کو ہے جس نے آغاز بھی دیا اور نظام بھی قائم رکھا۔

2- کیونکہ ہر شے اسی کی محتاج ہے

کائنات کا کوئی ذرہ بھی اپنے آپ قائم نہیں رہ سکتا۔ سانس، وقت، زندگی، رزق- سب مسلسل عطا کے محتاج ہیں۔ جب ہر شے محتاج ہو اور ایک ہی ذات سب کو تھامے ہوئے ہو، تو اصل رب وہی ہے۔

3- کیونکہ اس کی تدبیر میں کوئی شریک نہیں

اگر کئی رب ہوتے تو نظام بکھر جاتا، فیصلے ٹکراتے، اور کائنات میں فساد پیدا ہوتا۔ مگر یہاں ایک کامل نظم ہے، ایک ہم آہنگی ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ رب بھی ایک ہی ہے۔

4- کیونکہ اس کی پرورش بے سبب اور کامل ہے

وہ صرف ضرورت کے مطابق نہیں دیتا، بلکہ بغیر مانگے بھی عطا کرتا ہے۔ زندگی کو صرف قائم نہیں رکھتا، بلکہ مرحلہ بہ مرحلہ سنوارتا بھی ہے۔ یہ ربوبیت کا وہ پہلو ہے جو رحمت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

5- فطرت کی گواہی

انسان کی فطرت خود اس بات کو مانتی ہے کہ کوئی اعلیٰ نظم اور پرورش کرنے والی ہستی موجود ہے۔ یہ اندرونی احساس اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ربوبیت کا حق صرف اسی کو ہے جو سب کا اصل سہارا ہے۔

خلاصہ: اللہ اس شانِ ربوبیت کے لائق ہے کیونکہ:

- وہی خالق ہے، وہی مدبّر ہے
- سب اسی کے محتاج ہیں
- اس کا کوئی شریک نہیں
- اس کی پرورش کامل اور مسلسل ہے
- اور پوری کائنات اس کی تدبیر کی گواہ ہے

اسی لیے ربوبیت صرف ایک صفت نہیں، بلکہ ایک ایسا کامل نظام ہے جس کا مرکز صرف ایک ہی حقیقت ہے- اور وہ اللہ ہے۔

## عارفانہ پیغام

اے قاری! جب تیرا دل اس حقیقت کو پہچان لے کہ تیرا وجود اپنی طرف سے

نہیں بلکہ ایک خالق کے عطا کردہ فیض سے ہے، تو پھر ہستی کا غرور خود بخود ٹوٹنے لگتا ہے۔ انسان جو خود کو کچھ سمجھتا تھا، وہ یہ جان لیتا ہے کہ وہ خود "ہونا" نہیں، بلکہ "ہونے دیا جانا" ہے۔

اور جب یہ شعور گہرا ہو جائے کہ تدبیر، پرورش اور ہر لمحے کی بقا اسی رب کے ہاتھ میں ہے، تو نافرمانی کا راستہ بھی دل میں کمزور پڑنے لگتا ہے۔ کیونکہ پھر بندہ صرف قانون نہیں دیکھتا، بلکہ اس ذات کو دیکھتا ہے جو ہر لمحہ اسے تھامے ہوئے ہے۔

خالقیت اور ربوبیت کا یہ ادراک انسان کو خوف میں نہیں، بلکہ "ادب اور بندگی" میں لے آتا ہے۔ وہ اپنی آزادی کے فریب سے نکل کر ایک ایسی وابستگی میں داخل ہو جاتا ہے جہاں جھکنا کمزوری نہیں، بلکہ پہچان بن جاتا ہے۔

اور یہی اصل عروج ہے- کہ انسان خود کو پا کر بھی خود سے آزاد ہو جائے، اور اپنے رب کو پہچان کر اس کے سامنے مکمل بندگی میں آ جائے۔

## جامع خلاصۂ باب

اللہ: * خالق ہے- عدم سے وجود دینے والا
* باریٔ ہے- نقص سے پاک تخلیق کرنے والا
* مصور ہے- ہر شے کو منفرد صورت دینے والا
* رب ہے- پرورش کرنے والا اور کمال تک پہنچانے والا
کائنات کا ہر ذرّہ اس کی خالقیت کا شاہد ہے،
اور زندگی کا ہر لمحہ اس کی ربوبیت کی دلیل ہے۔

# شانِ قدرت وارادت

## القدیر، القادر، المقتدر، الفعّال لما یرید

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''قدرت'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ ہر شے پر کامل اختیار رکھتا ہے۔ اس کی قدرت کسی سبب، ذریعہ یا حد کی محتاج نہیں۔ وہ جب چاہے عدم کو وجود میں بدل دے، اور جب چاہے موجود کو فنا کر دے۔ پوری کائنات اس کی قدرت کے سامنے عاجز اور بے بس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک ''القادر'' اس کی اصل قدرت کو بیان کرتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ کوئی شے اس کے دائرۂ اختیار سے باہر نہیں۔ اس کا ارادہ جب کسی چیز سے متعلق ہوتا ہے تو اس کے لیے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ وہ اپنی قدرت سے ہر ممکن کو ممکن اور ہر ناممکن کو اپنے حکم سے ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح اسمِ مبارک ''القدیر'' اس کی قدرت کے کمال اور ہمہ گیری کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی قدرت مسلسل، مکمل اور ہر لمحہ نافذ ہے۔ نہ وہ کسی کام سے عاجز ہوتا ہے اور نہ اس کی قدرت میں کمی آتی ہے۔ ہر شے اس کے علم، حکمت اور قدرت کے دائرے میں مکمل طور پر شامل ہے

اسمِ مبارک ''المقتدر'' اس بات کو بیان کرتا ہے کہ اس کی قدرت انتہائی غالب، زبردست اور ہر مزاحمت کو توڑ دینے والی ہے۔ جب وہ کسی فیصلے کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی قوت اسے روک نہیں سکتی۔ اس کی قدرت کے سامنے تمام طاقتیں کمزور اور بے اثر ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا وصف ''الفعّال لما یرید'' اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے ارادے میں نہ کوئی تاخیر ہوتی ہے، نہ کوئی ناکامی۔ اس کا ہر فیصلہ حکمت، علم اور عدل پر مبنی ہوتا ہے، اور اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

قدرت اور ارادے کا یہ نظام انسان کو یہ شعور دیتا ہے کہ کائنات میں ہر واقعہ اللہ کے ارادے سے ہوتا ہے۔ انسان کے لیے اس میں سبق یہ ہے کہ وہ اپنی تدبیر کے ساتھ ساتھ اللہ کی مشیت پر بھی یقین رکھے، کیونکہ اصل فیصلہ اسی کا ہوتا ہے جو سب پر غالب ہے۔

آخر کار، اللہ کی شانِ قدرت و ارادہ انسان کے دل میں توکل، یقین اور عاجزی پیدا کرتی ہے۔ بندہ جب یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز پر قادر اور ہر ارادے کو نافذ کرنے والا ہے، تو وہ اپنی کمزوری کو پہچان کر اسی کی طرف رجوع کرتا ہے، اور اسی میں اسے سکون اور نجات ملتی ہے۔

اگر اللہ خالق ہے تو وہ ''قادر'' بھی ہے؛ اگر وہ رب ہے تو وہ ''مختار'' بھی ہے۔

کائنات کی تخلیق صرف علم سے نہیں ہوتی، بلکہ قدرت اور ارادہ سے ہوتی ہے۔

یہ باب اللہ تعالیٰ کی اس عظیم شان پر ہے جس کے بغیر نہ تخلیق ممکن ہے، نہ تدبیر، نہ جزا، نہ سزا۔

اللہ کی قدرت اندھی قوت نہیں، بلکہ حکمت اور علم کے ساتھ جڑی ہوئی کامل مشیت ہے۔ اور اس کا ارادہ مجبور نہیں، بلکہ مطلق اور غالب ہے۔

## قرآنی نصوصِ قدرت

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾

(البقرہ:20)

ترجمہ: بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٦﴾

(البروج:16)

ترجمہ: وہ جو چاہتا ہے کرنے والا ہے۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٨٢﴾

(یٰسین:82)

ترجمہ: اس کا حکم صرف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اسے کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

یہ آیات اعلان کرتی ہیں کہ اللہ کی قدرت:

ہمہ گیر ہے- غیر مغلوب ہے- ارادہ کے تابع ہے

لغوی وکلامی تحقیق

القدیر: وہ جو مکمل قدرت رکھتا ہو۔

القادر: صاحب قدرت۔

المقتدر: غالب قدرت والا۔

علماء کلام کے مطابق قدرت کا تعلق "ممکنات" سے ہے۔

ناممکن بالذات (مثلاً شریکِ باری کا وجود) عقلاً محال ہے، اس لئے قدرت کا تعلق اس سے نہیں۔

## ارادہ ومشیت الٰہی کا مفہوم

''ارادہِ الٰہی'' اور ''مشیتِ الٰہی'' دو ایسی صفات ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ کائنات میں کچھ بھی خود بخود یا اتفاقاً نہیں ہوتا، بلکہ ہر چیز ایک کامل علم اور حکمت کے تحت وقوع

پذیر ہوتی ہے۔

1-ارادہ کیا ہے؟

ارادہ اس بات کو کہتے ہیں کہ اللہ کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ اپنی حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ یعنی کوئی بھی واقعہ اس کے علم اور اختیار سے باہر نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہوتا ہے، وہ اس کے ارادے کے دائرے میں ہوتا ہے۔

2-مشیت کیا ہے؟

مشیت کا مطلب ہے "کسی چیز کو وجود میں لانے کا عملی نفاذ"۔ یعنی جب اللہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اپنے حکم سے اسے وقوع پذیر کر دیتا ہے۔ مشیت ارادے کا ظہور ہے- جو وہ چاہتا ہے، وہ ہو جاتا ہے۔

3-دونوں کا تعلق

ارادہ ایک علمی و حکمی فیصلہ ہے، جبکہ مشیت اس فیصلے کا عملی ظہور ہے۔ ہر مشیت ارادے کے تابع ہے، اور کوئی چیز اللہ کے ارادے اور مشیت کے بغیر ممکن نہیں۔

4-انسانی ادراک

انسان جب اس حقیقت کو سمجھتا ہے تو اسے یہ شعور حاصل ہوتا ہے کہ کائنات بے ترتیب نہیں۔ خوشی، غم، کامیابی، ناکامی- سب ایک اعلیٰ حکمت کے تحت ہیں۔ یہ ادراک دل میں سکون اور اعتماد پیدا کرتا ہے۔

خلاصہ: ارادہ و مشیتِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ:

* ہر چیز اللہ کے علم اور اختیار سے ہے
* جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے
* کائنات ایک منظم، باحکمت نظام کے تحت چل رہی ہے
* اور کوئی شے اس کے ارادے اور مشیت سے باہر نہیں

یہی شعور انسان کو بے یقینی سے نکال کر ایک گہری تسلیم اور اطمینان میں لے آتا

ہے۔

قرآن میں ارادہ اور مشیت دونوں الفاظ آئے ہیں۔

ارادہ: کسی فعل کا قصد، مشیت: اس قصد کا نفاذ

وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ

(الانسان:30)

ترجمہ: اور تم نہیں چاہو گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

یعنی تمہاری مشیت بھی اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔

قدرت اور حکمت کا تعلق اللہ کی قدرت اندھی نہیں۔

وہ حکمت اور علم کے ساتھ مربوط ہے۔

وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ

ترجمہ: اور وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔

قدرت اگر حکمت سے خالی ہو تو ظلم بن جائے۔

لیکن اللہ کی قدرت عدل اور حکمت کے ساتھ ہے۔

امام ماتریدی کے نزدیک اللہ کی قدرت ازلی ہے، حادث نہیں۔

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ "کن فیکون" اللہ کی سرعتِ نفاذ کی مثال ہے، نہ کہ لفظی حکم کی حاجت۔

ابو حامد غزالی نے لکھا کہ قدرت کا یقین توکل کی بنیاد ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قدرت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ

ترجمہ: اے اللہ جو کچھ تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روکے اسے دینے والا کوئی نہیں۔

یہ الفاظ اعلان کرتے ہیں کہ دینے اور روکنے کی قدرت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

## عرفانی زاویہ قدرت کا مشاہدہ

اہلِ معرفت کہتے ہیں:

جب بندہ اپنی کمزوری کو دیکھتا ہے اور اللہ کی قدرت کو پہچانتا ہے تو اس کے دل میں انکسار پیدا ہوتا ہے۔ بارش کا برسنا، دل کا بدل جانا، حالات کا پلٹ جانا یہ سب قدرت کی تجلیات ہیں۔ کبھی ایک لمحے میں عزت ذلت میں بدل جاتی ہے، کبھی ایک دعا تقدیر بدل دیتی ہے۔

یہ سب اسی قادرِ مطلق کی نشانیاں ہیں۔

انسان کا اختیار اور اللہ کی قدرت – اللہ خالقِ افعال ہے

* انسان کاسب (کمانے والا) ہے

انسان کو اختیار دیا گیا ہے، مگر وہ مطلق نہیں۔

وہ اللہ کی مشیت کے تحت ہے۔

یہ توازن جبر اور تفویض کے درمیان اعتدال ہے۔

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

اللہ اس شانِ قدرت و اختیار کا لائق اس لیے ہے کہ وہ ''واجب الوجود'' ہے – یعنی اس کا وجود کسی غیر کا محتاج نہیں، بلکہ خود اپنی ذات سے قائم ہے۔ جو ذات خود اپنی بنیاد پر قائم ہو، وہی ہر وجود کی اصل بنیاد بن سکتی ہے۔

اس کی ''قدرت ذاتی اور غیر محدود'' ہے۔ مخلوق کی طاقت عارضی، محدود اور عطا شدہ ہوتی ہے، مگر اس کی قدرت نہ کسی سبب کی محتاج ہے، نہ کسی حد میں مقید۔ وہ چاہے تو عدم سے وجود پیدا کرے اور چاہے تو موجود کو عدم میں لے آئے۔

اس پر ''کوئی غالب نہیں آ سکتا''۔ اگر کوئی اس کے مقابلے میں مستقل ارادہ یا اختیار رکھتا تو کائنات میں تضاد، ٹکراؤ اور انتشار لازم آتا۔ مگر یہاں مکمل ہم آہنگی اور نظم ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اقتدار ایک ہی ہاتھ میں ہے۔

اگر واقعی متعدد قادر ہستیاں ہوتیں تو کائنات کا نظام بکھر جاتا۔ کبھی فیصلے ٹکراتے، کبھی تدبیر متضاد ہوتی، اور کبھی وجود کا تسلسل ہی ختم ہو جاتا۔ مگر اس کے برعکس ہمیں ایک ایسا منظم اور مربوط نظام نظر آتا ہے جو ایک ہی کامل ارادے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ:

- وہ واجب الوجود ہے
- اس کی قدرت ذاتی اور غیر محدود ہے
- اس پر کوئی غالب نہیں
- اور کائنات کا کامل نظم اس کی واحدانیتِ قدرت کی دلیل ہے

اسی لیے قدرت، اختیار اور حاکمیت کی حقیقی شان صرف اسی کے لیے ہے، اور کوئی اس کا شریک نہیں۔

## عملی اثر

قدرتِ الٰہی پر ایمان انسان میں:

- توکل۔ صبر۔ شجاعت اور قناعت پیدا کرتا ہے۔

جو جان لے کہ اللہ قادر ہے، وہ مایوس نہیں ہوتا۔

## جامع خلاصہ

اللہ تعالیٰ ''القدیر'' ہے، یعنی ہر ممکن شے پر کامل قدرت رکھنے والا۔ وہ ''القادر'' ہے، جس کی قدرت کسی کمی یا ضعف سے پاک اور مکمل ہے۔ وہ ''المقتدر'' ہے، یعنی ایسا غالب اور نافذ کرنے والا جس کے سامنے کوئی قوت کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اور وہ ''فعالٌ لما یرید'' ہے- جو چاہتا ہے اسے اپنے کامل ارادے سے بغیر کسی رکاوٹ کے وجود میں لے آتا ہے۔

اس کی قدرت نہ عارضی ہے، نہ مخلوق کی طرح حاصل کردہ، بلکہ یہ ''ازلی، ذاتی اور غیر محدود'' ہے۔ نہ اس میں کمی آ سکتی ہے، نہ اضافہ کی ضرورت ہے۔ یہ قدرت کسی اندھے زور کا نام نہیں، بلکہ ''کامل حکمت سے جڑی ہوئی'' ہے- یعنی اس کا ہر فعل علم، عدل اور حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

جب بندہ اس عظیم شان کو پہچان لیتا ہے تو اس کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ وہ اسباب کو اصل طاقت نہیں سمجھتا، بلکہ ان کے پیچھے کارفرما حقیقت کو دیکھنے لگتا ہے۔ پھر وہ ''اسباب کا غلام نہیں رہتا، بلکہ مسبب الاسباب کا بندہ بن جاتا ہے''۔

یہ شعور انسان کو توکل، اعتماد اور سکون عطا کرتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اصل قوت کسی وسیلے میں نہیں، بلکہ اس ذات میں ہے جو ہر وسیلے کو بھی وجود بخشتی ہے اور ہر نتیجے کو بھی۔

# شانِ علمِ الٰہی

(اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے)

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''علمِ الٰہی'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ ہر ظاہر اور ہر باطن کو جانتا ہے، ہر چھپی اور کھلی بات اس پر واضح ہے۔ نہ اس سے کوئی ذرہ زمین میں چھپ سکتا ہے اور نہ آسمان میں، کیونکہ اس کا علم زمان و مکان کی حدود سے بالاتر ہے۔

اللہ کا علم ازلی اور ابدی ہے، یعنی وہ ہمیشہ سے ہر چیز کو جانتا ہے اور ہمیشہ جانتا رہے گا۔ اس کے علم میں نہ اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی۔ انسان کا علم محدود اور تدریجی ہوتا ہے، جبکہ اللہ کا علم کامل، جامع اور ہر لمحہ ہر شے کو محیط ہے۔

قرآنِ مجید میں بار بار اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ''علیم'' ہے اور ''خبیر'' ہے۔ وہ دلوں کے راز جانتا ہے، نیتوں کو پہچانتا ہے اور مستقبل کے تمام حالات بھی اس کے علم میں ہیں۔ انسان جو کچھ سوچتا ہے، بولتا ہے یا چھپاتا ہے، سب اس کے علم میں ہے۔

اللہ کے علم کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ وہ نہ صرف موجودات کو جانتا ہے بلکہ ممکنات اور غیر موجود چیزوں کو بھی اپنے کامل علم میں رکھتا ہے۔ اس کا علم ہر زمانے، ہر مقام اور ہر حالت کو گھیرے ہوئے ہے، اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔

عرفانی اعتبار سے علمِ الٰہی کا شعور انسان کے دل میں احتیاط، عاجزی اور خشیت پیدا کرتا ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ میرا رب میرے دل کے خیالات تک سے واقف ہے تو وہ اپنی نیتوں کو پاک کرنے کی کوشش کرتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے۔ یہی شعور تقویٰ کی بنیاد بنتا ہے۔

یہ معرفت انسان کو یقین دلاتی ہے کہ اس کی زندگی کا کوئی لمحہ بے مقصد نہیں، کیونکہ اللہ ہر چیز کو پہلے سے جانتا ہے اور اسی کے علم کے مطابق نظامِ کائنات چل رہا ہے۔ اس یقین سے دل کو سکون اور روح کو اطمینان ملتا ہے۔

آخر کار، شانِ علمِ الٰہی انسان کو اس مقام تک پہنچاتی ہے جہاں وہ ہر حال میں اللہ کی نگرانی کو محسوس کرتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز کو جاننے والا ہے، اس لیے وہ اپنے ظاہر اور باطن دونوں کو درست کرتا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہے، جو سب کچھ جاننے والا اور سب کچھ سنبھالنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی ایک عظیم اور جامع صفت ''علم'' ہے۔ وہ علم جو نہ ابتدا رکھتا ہے نہ انتہا، نہ اس میں خطا کا احتمال ہے نہ نسیان کا شائبہ۔ اُس کا علم ازلی بھی ہے اور ابدی بھی، محیط بھی ہے اور دقیق بھی، ظاہر پر بھی محیط ہے اور باطن پر بھی۔

قرآنِ مجید میں بار بار یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے، دلوں کے راز بھی، آنکھوں کی خیانت بھی، اور ذرّات کی حرکت بھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۸۲﴾

(سورۃ البقرہ:282)

ترجمہ: اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

## اللہ کا علم ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

(سورۃ طٰہٰ:110)

ترجمہ: وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور وہ لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

عالمانہ تشریح:

یہ آیت اللہ کے علم کی وسعت کو بیان کرتی ہے۔

''مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ'' سے مراد حال و مستقبل ہے، اور " مَا خَلْفَهُم " سے مراد ماضی ہے۔ یعنی زمانہ اس کے علم میں قید ہے۔ مخلوق کا علم محدود اور حادث ہے، جبکہ اللہ کا علم غیر محدود اور قدیم ہے۔

عارفانہ تفسیر: عارفین کہتے ہیں: جس کا رب اتنا جاننے والا ہو، اُس کے بندے کو فریب اور دکھاوے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جس کے سامنے وہ جھکتا ہے، وہ اُس کے دل کی دھڑکن تک جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ایسا کامل، ازلی اور غیر محدود ہے کہ کوئی شے اس کے دائرۂ احاطہ سے باہر نہیں۔ وہ ماضی، حال اور مستقبل کو ایک ہی ادراک میں جانتا ہے۔ نہ اس کا علم سیکھنے سے بڑھتا ہے، نہ بھول سے کم ہوتا ہے بی کیونکہ وہ مخلوق کی طرح محدود نہیں، بلکہ خود علم کا خالق ہے۔

اس کا علم صرف ظاہر تک محدود نہیں، بلکہ دلوں کے ارادے، نیتوں کے راز، اور کائنات کے پوشیدہ ترین گوشے تک محیط ہے۔ قرآن کے بیان کے مطابق وہ ''دلوں کے بھیدوں'' اور" آنکھوں کی خیانت" تک کو جانتا ہے۔ یعنی کوئی چیز اس سے نہ چھپی ہے، نہ چھپ سکتی ہے۔

یہ علم زمانی قید سے بھی آزاد ہے۔ انسان کے لیے ماضی گزر چکا، مستقبل نامعلوم ہے، اور حال محدود ہے بی مگر اللہ کے لیے سب کچھ ایک ہی دائرۂ علم میں حاضر ہے۔ اس لیے اس کے علم میں نہ انتظار ہے، نہ حیرت، نہ نیا پن بی سب کچھ پہلے ہی معلوم

اور محیط ہے۔

روحانی طور پر جب انسان اس حقیقت کو سمجھتا ہے تو اس کے اندر ایک گہری بیداری پیدا ہوتی ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ وہ کہیں بھی تنہا اور غیر دیکھی حالت میں نہیں۔ ہر حرکت، ہر سوچ اور ہر نیت ایک ایسے علم کے دائرے میں ہے جو اسے ہر لمحہ گھیرے ہوئے ہے۔

یہ شعور انسان کو خوف اور امید دونوں کے درمیان ایک متوازن کیفیت میں لے آتا ہے نہ غفلت رہتی ہے، نہ مایوسی نہ بلکہ ایک مسلسل احساسِ حضور پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر شے اس کے رب کے علم میں ہے، اور وہ علم ہر شے کو مکمل طور پر محیط ہے۔

## اللہ دلوں کے رازوں کا جاننے والا

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

(سورۃ آل عمران:119)

ترجمہ: بے شک اللہ دلوں کے رازوں کو جاننے والا ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کچھ منافقین ظاہر میں ایمان کا اظہار کرتے تھے مگر دل میں کفر رکھتے تھے۔ اللہ نے واضح فرما دیا کہ وہ دلوں کے پوشیدہ رازوں کو بھی جانتا ہے۔

علمی تفسیر: ذات الصدور "یعنی دل کے وہ خیالات جو زبان پر نہیں آتے۔" اللہ کا علم محض ظاہری اعمال تک محدود نہیں بلکہ نیتوں، ارادوں اور باطنی کیفیات تک محیط ہے۔

عرفانی پہلو: اہلِ معرفت کہتے ہیں: اصل اصلاح ظاہر کی نہیں، باطن کی ہے۔ کیونکہ جس ذات کے حضور پیش ہونا ہے وہ ظاہر نہیں، باطن دیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو نہیں جانتا، بلکہ وہ ''دلوں کے اندر چھپے ہوئے رازوں، نیتوں اور ارادوں'' تک کو جاننے والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسان زبان سے کیا کہہ رہا ہے اور دل میں کیا چھپا رہا ہے۔ کوئی خیال، کوئی جذبہ، کوئی نیت اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

دل انسان کے اندر سب سے پوشیدہ مقام ہے بی جہاں نہ کوئی آنکھ پہنچ سکتی ہے، نہ کوئی انسان۔ مگر اللہ کا علم وہاں بھی موجود ہے۔ قرآن اسی حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ وہ ''سینوں کے راز'' جانتا ہے، یعنی وہ چیزیں جو ابھی لفظ بھی نہیں بنی ہوتیں۔

یہ شعور انسان کو یہ احساس دیتا ہے کہ اس کی باطنی دنیا بھی بے مقصد اور بے نگرانی نہیں۔ ہر نیت، ہر ارادہ اور ہر چھپا ہوا خیال بھی ایک ایسے علم کے دائرے میں ہے جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے انسان کی ذمہ داری کا احساس گہرا ہو جاتا ہے۔

روحانی طور پر یہ ادراک دل میں ''اخلاص'' پیدا کرتا ہے۔ جب انسان یہ جان لیتا ہے کہ اصل دیکھنے والا دل کو دیکھ رہا ہے، تو وہ ظاہر سے زیادہ باطن کو سنوارنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی عبادت دکھاوا نہیں رہتی، بلکہ ایک سچی کیفیت بن جاتی ہے۔

یوں اللہ کا دلوں کے رازوں کو جاننا انسان کو خوف سے زیادہ ''بیداری اور اصلاح'' کی طرف لے جاتا ہے بی کہ وہ اپنے اندر کو بھی اسی طرح سنوارے جیسے وہ اپنے باہر کو سنوارنے کی کوشش کرتا ہے۔

## اللہ کا علم الذرّات

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا

(سورۃ الانعام:59)

ترجمہ: اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے۔

عالمانہ تفسیر: یہ آیت اللہ کے علم کی جزئیات تک رسائی کو بیان کرتی ہے۔ پتے کا گرنا بظاہر ایک معمولی واقعہ ہے، مگر اللہ کے علم میں وہ بھی محفوظ ہے۔

معرفتی تاثر: جب بندہ جان لے کہ اُس کے آنسو کا گرنا بھی رب کے علم میں ہے، تو وہ تنہائی میں بھی گناہ سے بچتا ہے اور تنہائی میں بھی رب سے مناجات کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ایسا کامل اور غیر محدود ہے کہ وہ کائنات کے سب سے چھوٹے حصوں بی حتیٰ کہ ''ذرّات (atoms/particles)'' تک کا بھی احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کوئی ذرہ زمین کے اندر ہو، آسمان میں معلق ہو، اندھیرے میں چھپا ہو یا کسی حرکت میں ہو بی وہ اللہ کے علم سے باہر نہیں۔

یہ علم صرف ظاہری مشاہدے پر مبنی نہیں، بلکہ ایسا ازلی اور کامل علم ہے جو ہر شے کی حقیقت، اس کی حالت، اس کی حرکت اور اس کے انجام تک کو شامل ہے۔ انسان کے لیے ایک ذرہ بھی بعض اوقات ناقابلِ مشاہدہ ہوتا ہے، مگر اللہ کے لیے وہ بھی واضح اور معلوم ہے۔

قرآن کا پیغام یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ ''ذرہ برابر'' چیز بھی اس کے علم سے پوشیدہ نہیں۔ یعنی کائنات کی سب سے چھوٹی اکائی بھی اسی کے علم کے دائرے میں ہے جس طرح سب سے بڑی کہکشائیں۔

روحانی طور پر جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کا رب ذرّات تک کو جانتا ہے تو اس کے اندر ''بیداری اور احتیاط'' پیدا ہوتی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی بھی عمل، چاہے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، نظر سے اوجھل نہیں۔

یہ شعور انسان کو یہ احساس دیتا ہے کہ کائنات محض بڑے بڑے نظاموں کا نام نہیں، بلکہ ہر لمحہ، ہر چھوٹی حرکت ایک ایسی نگاہ کے سامنے ہے جو ہر چیز کو مکمل طور پر جانتی ہے۔ اور یہی ادراک دل میں ایک گہرا سکون اور ذمہ داری پیدا کرتا ہے۔

# اللہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ

(سورۃ الحشر:22)

ترجمہ: وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔

تفسیری وضاحت: غیب وہ ہے جو مخلوق کی نگاہ سے پوشیدہ ہے۔ شہادت وہ ہے جو ظاہر ہے۔ اللہ دونوں کو یکساں جانتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے سب کچھ پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تقدیر لکھ دی تھی''۔ (مسلم)

یہ حدیث اللہ کے پیشگی علم کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم اس قدر کامل اور محیط ہے کہ اس کے لیے ''ظاہر اور غیب میں کوئی پردہ باقی نہیں رہتا''۔ جو چیز انسان کی آنکھوں کے سامنے ہے، وہ بھی اسی کے علم میں ہے، اور جو پردوں میں چھپی ہوئی ہے، وہ بھی اسی کے علم میں اسی طرح واضح ہے جیسے ظاہر۔

''ظاہر'' وہ ہے جو انسان دیکھ، سن اور محسوس کر سکتا ہے بی مگر اللہ کے لیے کوئی چیز "ظاہر" اس لیے نہیں کہ وہ دیکھنے کا محتاج ہو، بلکہ اس لیے کہ ہر شے اس کے علم میں پہلے ہی موجود ہے۔

اور ''غیب'' وہ ہے جو انسان کی پہنچ، اس کی عقل اور اس کے حواس سے باہر ہے بی مگر اللہ کے لیے غیب بھی غیب نہیں، کیونکہ اس کا علم کسی حد، فاصلے یا پردے کا محتاج نہیں۔

یہ حقیقت انسان کو یہ شعور دیتی ہے کہ کائنات دو حصوں میں بٹی ہوئی نہیں، بلکہ ایک ہی علم کے دائرے میں سمٹی ہوئی ہے۔ جو کچھ انسان جانتا ہے اور جو نہیں جانتا،

سب ایک ہی حقیقت کے سامنے یکساں طور پر معلوم ہے۔

روحانی طور پر یہ ادراک دل میں ''ادب اور بیداری'' پیدا کرتا ہے۔ انسان جان لیتا ہے کہ وہ کہیں بھی غیر محسوس یا غیر دیکھی حالت میں نہیں۔ اس کا ظاہر بھی دیکھا جارہا ہے اور اس کا باطن بھی۔

یہ شعور نہ صرف خوف پیدا کرتا ہے، بلکہ ایک گہرا اطمینان بھی دیتا ہے بی کہ وہ ذات جو سب کچھ جانتی ہے، وہی ہر چیز کو سنبھالے ہوئے بھی ہے۔

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

قرآنی اسلوب میں

اللہ خالق ہے۔ جو پیدا کرتا ہے وہ جانتا بھی ہے۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾

(سورۃ الملک: 14)

ترجمہ: کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا؟ اور وہ باریک بین، خبر رکھنے والا ہے۔

حدیثی اسلوب میں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تمہاری صورتوں اور مال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔'' (مسلم)

عارف کہتا ہے: جس کا رب عالم ہو، وہ بندہ جاہلانہ زندگی کیسے گزار سکتا ہے؟

علمِ الٰہی کا ادراک بندے کو تقویٰ عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس شان کے لائق ہے کہ وہی ''خالق ہے''، اور جو خالق ہوتا ہے وہی اپنی مخلوق کی حقیقت کو سب سے بہتر جانتا ہے۔ اس کی تخلیق محض وجود میں لانا نہیں، بلکہ ہر ذرّے کو علم، حکمت اور ترتیب کے ساتھ پیدا کرنا ہے۔ اسی لیے اس کا علم بھی

کامل اور محیط ہے۔

جو ذات تخلیق کرتی ہے، وہی اپنی تخلیق کے ہر پہلو کو جانتی ہے۔ کیونکہ تخلیق علم کے بغیر ممکن نہیں، اور کامل تخلیق کامل علم کی دلیل ہے۔

اسی لیے اللہ کی صفتِ علم کسی بیرونی ذریعہ سے نہیں، بلکہ اس کی ''خالقیت سے لازم وملزوم'' ہے۔ وہ صرف بنانے والا نہیں، بلکہ ہر بنائی ہوئی چیز کی حقیقت، اس کی حالت، اس کے ظاہر اور اس کے باطن کو بھی جاننے والا ہے۔

خلاصہ: اللہ اس شان کے لائق ہے کیونکہ:

* وہ خالق ہے، اور خالق اپنی مخلوق سے بے خبر نہیں ہوسکتا
* اس کا علم اس کی تخلیق کی طرح کامل ہے
* وہ لطیف بھی ہے (باریک ترین چیز کو جاننے والا)
* اور خبیر بھی ہے (ہر باطن اور ہر حقیقت سے باخبر)

یوں قرآن ہمیں یہ اصول سکھاتا ہے کہ ''تخلیق ہی علم کی دلیل ہے، اور خالقیت ہی کامل علم کی بنیاد ہے۔''

## علمِ الٰہی کی جامع صفات

* العلیم (بہت زیادہ جاننے والا)
* الخبیر (ہر خبر رکھنے والا)
* اللطیف (باریک بین)
* الحفیظ (محفوظ رکھنے والا)
* الشدید (گواہ)
* الرقیب (نگران)

یہ سب صفات مل کر علمِ الٰہی کی وسعت کو ظاہر کرتی ہیں۔

علمِ الٰہی وہ کامل، ازلی اور غیر محدود علم ہے جو ہر چیز کو ہر پہلو سے محیط ہے۔ اس کی صفات انسانی علم سے مکمل طور پر مختلف ہیں، کیونکہ یہ نہ سیکھا جاتا ہے، نہ بھلایا جاتا ہے، اور نہ کسی مرحلے میں بڑھتا یا کم ہوتا ہے۔

1- ازلیت وابدیت

اللہ کا علم ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس میں نہ کوئی آغاز ہے نہ انجام۔ ماضی، حال اور مستقبل سب اس کے علم میں یکساں حاضر ہیں۔

2- احاطۂ کامل

اس کا علم ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے بی ظاہر کو بھی اور باطن کو بھی، چھوٹے سے چھوٹے ذرّے کو بھی اور عظیم ترین کائنات کو بھی۔ کوئی چیز اس کے دائرۂ علم سے باہر نہیں۔

3- علمِ کلی وجزئی

وہ صرف کلیات نہیں جانتا بلکہ ہر جزئی تفصیل بھی اس کے علم میں ہے۔ انسان کی نیت، دل کی کیفیت، اور کائنات کے باریک ترین نظام سب اس کے علم میں واضح ہیں۔

4- علمِ قبل از وقوع

اس کا علم کسی چیز کے ہونے کے بعد نہیں، بلکہ اس کے ہونے سے پہلے بھی مکمل ہوتا ہے۔ یعنی ہر شے اس کے علم میں پہلے سے موجود ہوتی ہے، پھر وقوع پذیر ہوتی ہے۔

5- غیر تغیر پذیر علم

اس کے علم میں نہ اضافہ ہوتا ہے نہ کمی، کیونکہ وہ کامل ہے۔ انسانی علم بدلتا ہے، مگر علمِ الٰہی ہر تبدیلی سے بلند اور مستقل ہے۔

6- ظاہر وغیب کا احاطہ

جو چیز ظاہر ہے اور جو غیب میں ہے، دونوں اس کے علم میں برابر ہیں۔ کوئی پردہ اس کے علم کو چھپا نہیں سکتا۔

7-علم مع حکمت

اس کا علم محض معلومات نہیں بلکہ حکمت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ وہ ہر چیز کو جانتا بھی ہے اور اسی علم کے مطابق فیصلہ بھی فرماتا ہے۔

خلاصہ: علمِ الٰہی وہ صفت ہے جو:

* ازلی وابدی ہے
* ہر شے کو محیط ہے
* جزئیات وکلیات کو شامل ہے
* وقوع سے پہلے بھی کامل ہے
* اور ظاہر وغیب دونوں پر یکساں حاوی ہے

یہی کامل علم اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ ہر چیز کا حقیقی جاننے والا ہے، اور اس کے علم کے باہر کوئی حقیقت نہیں۔

## اس شان کا خلاصہ

اللہ کا علم: ازلی ہے، ابدی ہے * محدود نہیں * ظاہر و باطن پر محیط ہے * دلوں کے راز جانتا ہے * تقدیر لکھنے والا ہے جب بندہ اس حقیقت کو مان لیتا ہے تو:

* وہ ریا سے بچتا ہے- اخلاص اختیار کرتا ہے
* تقویٰ پیدا ہوتا ہے- اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے

علمِ الٰہی کا یقین دراصل ''معرفتِ الٰہی کا دروازہ'' ہے۔

اور معرفت ہی توحید کی روح ہے۔

# اللہ کی شانِ قدرت

(اللہ ہر چیز پر قادر ہے)

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''قدرتِ الٰہی'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ ہر چیز پر مکمل اور لامحدود قدرت رکھتا ہے۔ اس کی قدرت کسی سبب، واسطے یا مدد کی محتاج نہیں۔ وہ جب چاہے عدم سے وجود پیدا کر دے، اور جب چاہے موجود کو فنا کر دے۔ پوری کائنات اس کے حکم کے سامنے عاجز اور اس کی قدرت کے تابع ہے۔

اللہ کی قدرت کامل، مطلق اور ہر لمحہ جاری ہے۔ وہ صرف تخلیق ہی نہیں کرتا بلکہ ہر شے کو سنبھالتا، چلاتا اور برقرار رکھتا ہے۔ آسمانوں کا قائم رہنا، زمین کا نظام، ستاروں کی گردش اور انسان کی زندگی سب اسی کی قدرت کا نتیجہ ہیں۔ اگر اس کی قدرت ایک لمحے کے لیے بھی منقطع ہو جائے تو کائنات کا نظام ختم ہو جائے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کو ''القدیر'' اور ''القادر'' کہا گیا ہے، جو اس کی قدرت کے کمال کو بیان کرتا ہے۔ اس کی قدرت میں نہ کوئی کمزوری ہے، نہ تھکن، نہ ناکامی۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، چاہے وہ انسانی عقل کے مطابق ممکن ہو یا ناممکن دکھائی دے۔

اللہ کی قدرت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ارادے کو فوری طور پر نافذ کرتا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے صرف ''کن'' کہتا ہے اور وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ یہ اس کی قدرتِ مطلقہ کا سب سے بڑا مظہر ہے کہ اس کے حکم اور وجود کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں۔

عرفانی اعتبار سے قدرتِ الٰہی کا شعور انسان کے دل میں خوفِ خدا اور امید دونوں پیدا کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرا رب ہر چیز پر قادر ہے، اس لیے وہ گناہ سے ڈرتا بھی ہے اور رحمت کی امید بھی رکھتا ہے۔ یہی توازن انسان کو روحانی طور پر مضبوط

کرتا ہے۔

یہ معرفت انسان کو توکل اور بھروسے کی طرف لے جاتی ہے۔ جب بندہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز پر قادر ہے تو وہ اپنی کمزوریوں کے باوجود مطمئن ہو جاتا ہے، کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کا سہارا ایک ایسی ہستی ہے جو ہر مشکل کو آسان کر سکتی ہے۔

آخر کار، شانِ قدرتِ الٰہی انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ اصل طاقت صرف اللہ کے پاس ہے۔ بندہ جتنا بھی طاقتور ہو، وہ محدود ہے، جبکہ اللہ کی قدرت لامحدود ہے۔ یہی یقین انسان کے دل کو سکون، اعتماد اور اللہ کی طرف مکمل رجوع عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی ایک عظیم اور جلالی صفت ''قدرت'' ہے۔ قدرت وہ صفت ہے جس کے ذریعے عدم کو وجود ملتا ہے، مردہ زندہ ہوتا ہے، ناممکن ممکن بنتا ہے، اور کائنات اپنے نظام کے ساتھ قائم رہتی ہے۔

قرآنِ مجید میں بار بار اعلان فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾

(سورۃ البقرہ:20)

ترجمہ: بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

یہ محض جملہ نہیں، یہ عقیدۂ توحید کی بنیاد ہے۔

## تخلیقِ کائنات میں قدرتِ الٰہی

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ

(سورۃ الاعراف:54)

ترجمہ: بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔

عالمانہ تفسیر: اللہ کی قدرت تدریجی بھی ہے اور فوری بھی۔ وہ ''کن'' کہہ کر فوراً پیدا کر سکتا تھا، مگر چھ دنوں میں پیدا کرنا نظام، حکمت اور ترتیب کی تعلیم ہے۔

عرفانی تاثر: عارف کہتا ہے: جس نے آسمان بنائے، وہ میرے دل کی اصلاح کیوں نہیں کر سکتا؟ بس مجھے اُس کی طرف رجوع کرنا ہے۔

تخلیقِ کائنات اللہ کی قدرت کا وہ عظیم مظہر ہے جس میں اس کی ''قدرت، علم اور ارادہ'' ایک کامل نظام کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ کائنات کسی اتفاق، حادثے یا بے ترتیب عمل کا نتیجہ نہیں، بلکہ ایک ''کن'' کے حکم سے وجود میں آئی اور اسی کے حکم سے قائم ہے۔

قرآن اس حقیقت کو نہایت جامع انداز میں بیان کرتا ہے کہ جب اللہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے کہتا ہے: ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتی ہے۔ اس میں یہ واضح ہے کہ اس کی قدرت کسی وقت، مادے یا وسیلے کی محتاج نہیں۔

1- عدم سے وجود کا ظہور

اللہ کی قدرت یہ ہے کہ وہ ''عدم کو وجود'' میں لاتا ہے۔ جہاں کچھ بھی نہ تھا، وہاں آسمان، زمین، کہکشائیں، وقت اور زندگی وجود میں آ گئے۔ یہ اس کی قدرتِ کاملہ کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

2- بغیر تھکن اور بغیر رکاوٹ کے تخلیق

اس کی تخلیق میں نہ محنت ہے، نہ تھکن، نہ رکاوٹ۔ قرآن کہتا ہے کہ اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ یعنی اس کی قدرت ہر کمزوری سے پاک ہے۔

3- کائنات کا منظم نظام

قدرتِ الٰہی صرف تخلیق تک محدود نہیں بلکہ ہر شے کو ایک ''محکم نظم'' میں قائم رکھتی ہے۔ سیاروں کی گردش، وقت کا تسلسل، زندگی کے قوانین بی سب اسی قدرت کے تحت ایک مربوط نظام ہیں۔

4-تدریجی اور حکیمانہ تخلیق

اللہ کی قدرت حکمت سے جڑی ہوئی ہے۔ وہ چاہتا تو ہر چیز فوراً پیدا کر دیتا، مگر اس نے کائنات کو ایک حکیمانہ ترتیب کے ساتھ پیدا کیا تا کہ اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہوں۔

5-ہر لمحہ جاری تخلیق

قدرتِ الٰہی صرف ماضی کا واقعہ نہیں بلکہ ایک **مسلسل عمل** ہے۔ ہر لمحہ زندگی، رزق اور وجود اسی قدرت کے سہارے جاری ہے۔

خلاصہ: تخلیقِ کائنات میں قدرتِ الٰہی یہ ظاہر کرتی ہے کہ:

- وہ عدم سے وجود پیدا کرنے والا ہے
- اس کی قدرت غیر محدود اور بے کمزوری ہے
- کائنات کا ہر نظام اسی کے حکم سے قائم ہے
- اور اس کی تخلیق حکمت اور ارادے کے ساتھ مسلسل جاری ہے

یہی شعور انسان کو یہ سمجھاتا ہے کہ کائنات نہ خود بنی ہے، نہ خود چل رہی ہے بی بلکہ ہر لمحہ ایک کامل قدرت کے سہارے قائم ہے۔

## کن فیکون ارادۂ الٰہی

اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ ﴿۸۲﴾

(سورۃ یٰسین:82)

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا

ہے ''ہوجا'' تو وہ ہوجاتی ہے۔

علمی تشریح: یہ آیت اللہ کے ارادہ اور قدرت کی مطلقیت کو بیان کرتی ہے۔ اس کے لیے اسباب کی محتاجی نہیں۔ اس کی قدرت سبب کی خالق ہے۔

مرادی تفسیر: اللہ کی مراد یہ ہے کہ بندہ اسباب پر بھروسہ نہ کرے بلکہ مُسبب الاسباب پر یقین رکھے۔

## موت وحیات پر قدرت

هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ

(سورۃ یونس:56)

ترجمہ: اور وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔

حدیث مبارکہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَقْبِضُ اللهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيَطْوِي السَّمَآءَ بِيَمِيْنِهِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوْكُ الْأَرْضِ

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: قیامت کے دن اللہ زمین کو قبضے میں لے لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ سے لپیٹ دے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

یہ حدیث اللہ کی کامل قدرت اور مطلق حاکمیت کو بیان کرتی ہے۔ دنیا کے تمام بادشاہ، طاقتور، حکمران سب فنا ہوجائیں گے۔ باقی صرف اللہ کی قدرت ہوگی۔

موت اور حیات اللہ کی قدرت کے وہ دو عظیم مظاہر ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ''زندگی دینا بھی اسی کے اختیار میں ہے اور اسے واپس لینا بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے''۔ نہ کوئی زندگی اپنی طرف سے آتی ہے، نہ کوئی موت بغیر اس کے اذن کے واقع ہوتی ہے۔

1- حیات دینا

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو ''عدم سے زندگی پیدا کرتا ہے''۔ ایک بے جان قطرے سے انسان، ایک کمزور بیج سے درخت، اور ایک بے حس مادّے سے شعور رکھنے والی مخلوق وجود میں آتی ہے۔ یہ سب اس کی قدرت کا اظہار ہے کہ وہ مردہ کو زندہ کر دیتا ہے۔

2- موت دینا

موت بھی اسی کے حکم سے آتی ہے۔ زندگی کا اختتام نہ حادثہ ہے، نہ بے اختیار عمل، بلکہ ایک ''متعین وقت اور کامل حکمت کے ساتھ ہونے والا فیصلہ'' ہے۔ وہی جان لیتا ہے کہ کب کسی نفس کا وقت مکمل ہوا۔

3- زندگی اور موت کا نظام

قرآن کے مطابق اللہ نے ''موت اور زندگی کو پیدا کیا'' تاکہ انسانوں کا امتحان ہو۔ یعنی یہ دونوں محض واقعات نہیں بلکہ ایک حکیمانہ نظام کا حصہ ہیں جس کے پیچھے مقصد اور حساب موجود ہے۔

4- ہر لمحہ جاری اختیار

یہ قدرت صرف آغاز اور اختتام تک محدود نہیں، بلکہ ہر لمحہ جاری ہے۔ ہر سانس، ہر دھڑکن، ہر لمحۂ زندگی اسی کے اذن سے قائم ہے، اور اسی کے حکم سے رکی بھی جا سکتی ہے۔

خلاصہ: موت و حیات پر اللہ کی قدرت یہ ظاہر کرتی ہے کہ:

* زندگی اسی کی عطا ہے
* موت اسی کے حکم سے ہے
* کوئی شے اس اختیار سے باہر نہیں
* اور یہ نظام ایک حکمت اور امتحان کے تحت جاری ہے

یہ شعور انسان کو یہ یقین دیتا ہے کہ وہ نہ اپنی زندگی کا مالک ہے، نہ اپنی موت کا بلکہ ہر لمحہ ایک ایسی قدرت کے تحت ہے جو کامل، حکیم اور بے مثال ہے۔

## اللہ کی قدرت ناممکن کو ممکن بنانے والا

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ

(سورۃ یٰسین:79)

ترجمہ: کہہ دو انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا۔

شانِ نزول: ایک کافر بوسیدہ ہڈی لایا اور اسے ریزہ ریزہ کر کے کہا: کون اسے زندہ کرے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جس نے پہلی بار پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔

عرفانی پہلو: جس نے ہڈی کو زندہ کرنا ہے، وہ مردہ دل کو کیوں نہیں جگا سکتا؟

اصل سوال یہ نہیں کہ اللہ کیا کر سکتا ہے،

اصل سوال یہ ہے کہ ہم اُس کی قدرت پر کتنا یقین رکھتے ہیں۔

یہ حقیقت انسانی عقل کی حد کو چھو کر اس مقام پر لے جاتی ہے جہاں ''ممکن'' اور "ناممکن" کے تصورات خود محدود ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز ناممکن نہیں، کیونکہ ناممکن ہونا بھی دراصل مخلوق کی محدود فہم کا پیمانہ ہے، خالق کی قدرت کی حد نہیں۔

1- قدرتِ مطلقہ

اللہ کی قدرت کسی قانون، مادے یا وقت کی پابند نہیں۔ وہ چاہے تو عدم سے وجود پیدا کر دے، مردہ کو زندہ کر دے، اور حالات کے بہاؤ کو ایک لمحے میں بدل دے۔ اس لیے جسے انسان ناممکن سمجھتا ہے، وہ اس کے لیے محض ایک "کن" کے تابع ہے۔

2- اسباب کا محتاج نہ ہونا

انسانی دنیا میں ہر کام سبب کا محتاج ہوتا ہے، مگر اللہ اسباب کا بھی خالق ہے۔ وہ اسباب کے بغیر بھی نتائج پیدا کرتا ہے، اور چاہے تو اسباب کو بدل کر ان کے خلاف نتیجہ ظاہر کر دیتا ہے۔ یہی اس کی قدرت کی انفرادیت ہے۔

3- ناممکن کا تصور ہی مخلوق کا ہے

ناممکن وہ ہوتا ہے جو انسانی علم، تجربے اور وسائل کی حد سے باہر ہو۔ مگر اللہ کا علم اور قدرت ان سب حدود سے ماورا ہیں۔ اس لیے اس کے لیے کوئی شے "ناممکن" نہیں رہتی، بلکہ ہر چیز "مقدور" بن جاتی ہے۔

4- قرآن کی گواہی

قرآن بار بار یہ شعور دیتا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ چاہے تو قوانینِ فطرت کے مطابق بھی کام کرتا ہے اور چاہے تو ان کو معطل کر کے اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے۔ دونوں صورتیں اس کے اختیار میں ہیں۔

خلاصہ: اللہ ناممکن کو ممکن بنانے والا اس لیے ہے کہ:

- اس کی قدرت مطلق اور غیر محدود ہے
- وہ اسباب کا محتاج نہیں بلکہ ان کا خالق ہے
- ناممکن کا تصور صرف انسان کی محدود سوچ ہے
- اور اس کے لیے ہر چیز "کن" کے دائرے میں ہے

یوں انسان جسے حد سمجھتا ہے، اللہ کے لیے وہ بھی ایک کھلی وسعت ہے۔

# تقدیر اور قدرت الٰہی

تقدیر اور قدرتِ الٰہی ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ ''قدرت'' وہ اختیار ہے جس سے اللہ ہر چیز کو پیدا کرتا اور جاری رکھتا ہے، اور ''تقدیر'' وہ کامل علم اور حکمت ہے جس کے مطابق ہر شے کا اندازہ، وقت، مقدار اور انجام پہلے سے مقرر ہے۔

1- قدرتِ الٰہی

اللہ کی قدرت یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر کامل اختیار رکھتا ہے۔ وہ چاہے تو وجود دے، چاہے تو عدم میں لے جائے، چاہے تو حالات بدل دے اور چاہے تو قوانین کے مطابق نظام کو جاری رکھے۔ اس کی قدرت کسی رکاوٹ کی محتاج نہیں۔

2- تقدیرِ الٰہی

تقدیر کا مطلب ہے کہ کائنات میں کوئی چیز بے ترتیب یا بغیر علم کے نہیں۔ ہر چیز ایک ''معلوم، مقرر اور حکیمانہ اندازے'' کے مطابق وجود میں آتی ہے۔ انسان کی زندگی، اس کے حالات، اس کے امکانات بی سب ایک اعلیٰ علم کے دائرے میں پہلے سے موجود ہیں۔

3- علم، ارادہ اور قدرت کا تعلق

تقدیر اللہ کے ''کامل علم'' پر قائم ہے، اس کا ''ارادہ'' اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، اور اس کی ''قدرت'' اس فیصلے کو وجود میں لاتی ہے۔ یوں ہر واقعہ ایک کامل نظام کا حصہ بن جاتا ہے، نہ کہ حادثہ۔

4- انسان کا فہم

انسان تقدیر کو مکمل طور پر نہیں جان سکتا، مگر اس پر ایمان اسے یہ شعور دیتا ہے کہ کائنات بے مقصد نہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک حکمت کے تحت ہے، اور جو کچھ ہوگا

وہ بھی اسی علم کے مطابق ہوگا۔

خلاصہ: تقدیر اور قدرتِ الٰہی کا مفہوم یہ ہے کہ:

* ہر چیز اللہ کے کامل علم کے مطابق مقرر ہے
* اس کی قدرت اس تقدیر کو نافذ کرتی ہے
* کوئی واقعہ اتفاقی نہیں بلکہ حکمت کے تحت ہے
* اور کائنات ایک منظم، باعلم اور باقدرت نظام کے تحت جاری ہے

یہ شعور انسان کو بے یقینی سے نکال کر ایک گہری تسلیم اور اطمینان میں لے آتا ہے کہ سب کچھ ایک کامل رب کے اختیار میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: كَتَبَ اللهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ

(رواہ مسلم، کتاب القدر، حدیث:2653)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں۔

## شرح وتفسیر (جامع مفہوم)

یہ حدیث اسلامی عقیدۂ ''تقدیر (قضاء وقدر)'' کی بنیادی اور عظیم ترین دلیل

ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہونے والا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے ازلی علم اور اس کے اٹل فیصلے کے مطابق پہلے سے لکھا جا چکا ہے۔

تقدیر کا ازلی نظام: اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کرنے سے بہت پہلے ہر چیز کا علم اپنے پاس رکھا اور اسے ''لوحِ محفوظ'' میں لکھ دیا۔ اس میں انسان کی پیدائش، موت، رزق، خوشی، غم اور تمام واقعات شامل ہیں۔

علمِ الٰہی کی وسعت: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کا علم زمان و مکان سے ماورا ہے۔ انسان کو جو چیز ''مستقبل'' نظر آتی ہے، وہ اللہ کے علم میں ''ماضی'' کی طرح واضح ہے۔

اختیار اور ذمہ داری: اگرچہ تقدیر لکھی جا چکی ہے، لیکن انسان کو عمل کا اختیار دیا گیا ہے۔ اسی اختیار کی بنیاد پر اس سے حساب لیا جائے گا۔ تقدیر انسان کو مجبور نہیں کرتی بلکہ اللہ کے کامل علم کو ظاہر کرتی ہے۔

توکل اور سکون: جب انسان یہ یقین حاصل کر لیتا ہے کہ ہر چیز پہلے سے اللہ کے علم اور فیصلے کے مطابق ہے تو اس کے دل سے بے چینی ختم ہو جاتی ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے، وہ کسی حکمت کے تحت ہوتا ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک یہ حدیث انسان کو ''رضا بالقضاء'' کے مقام تک لے جاتی ہے۔ یعنی بندہ ہر حال میں اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا رب سب سے زیادہ علم اور حکمت رکھنے والا ہے۔

* تقدیر اللہ کے ازلی علم کا اظہار ہے
* ہر چیز پہلے سے لوحِ محفوظ میں لکھی جا چکی ہے
* یہ عقیدہ انسان کو توکل، صبر اور سکون عطا کرتا ہے

کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے، سب اللہ کے ازلی علم اور کامل حکمت کے مطابق ہے اور یہی ایمان دل کو سکون عطا کرتا ہے۔

تحقیقی وضاحت: یہ حدیث اللہ کی قدرت کے ساتھ اس کے علم اور ارادہ کی ازلیت کو بھی بیان کرتی ہے۔ تقدیر کا لکھا جانا جبر نہیں بلکہ قدرتِ کاملہ کی علامت ہے۔

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ

(سورۃ الزمر:67)

ترجمہ: انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔

اللہ کی قدرت کو کم سمجھنا توحید کی کمی ہے۔

یہ آیت ایک بنیادی حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ اللہ کی شان کو سمجھنے میں انسان کی فہم ہمیشہ قاصر رہتی ہے، اور اس کی عظمت کا حق ادا نہیں ہو پاتا۔ یہ کمی اللہ کی شان میں نہیں، بلکہ انسان کے ادراک میں ہے۔

1- کیونکہ اس کی قدرت مطلق ہے

اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی قدرت کسی حد، سبب یا قانون کی پابند نہیں۔ جس ذات کی قدرت ہر ممکن اور ناممکن پر محیط ہو، اس کی شان بھی لامحدود ہوتی ہے۔

2- کیونکہ وہ خالقِ کائنات ہے

جو ذات عدم سے وجود لائے، آسمان و زمین بنائے، اور ہر ذرّے کو نظام عطا کرے بی وہی اصل مالکِ عظمت ہے۔ تخلیق خود اس کی لامحدود قدرت کی دلیل ہے۔

3- کیونکہ وہ ہر شے سے بے نیاز ہے

وہ کسی کا محتاج نہیں، جبکہ سب اس کے محتاج ہیں۔ جو ذات خود کفیل ہو اور سب کو قائم رکھے، وہی حقیقی عظمت کی مستحق ہے۔

4- کیونکہ اس کی شان کا ادراک محدود ہے

انسان جتنا بھی سوچ لے، وہ اللہ کی حقیقت کو مکمل طور پر نہیں پا سکتا۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ انہوں نے اللہ کی قدر ویسے نہ کی جیسے اس کا حق تھا یعنی اس کی عظمت انسانی تصور سے کہیں بلند ہے۔

خلاصہ: اللہ اس شان کے لائق ہے کیونکہ:

* اس کی قدرت مطلق اور بے حد ہے
* وہ خالقِ کائنات ہے
* وہ سب سے بے نیاز اور سب کا سہارا ہے
* اور اس کی عظمت انسانی فہم سے ماورا ہے

یہ آیت انسان کو یہ شعور دیتی ہے کہ توحید صرف ماننے کا نام نہیں، بلکہ اللہ کی عظمت کو اس کے شایانِ شان تسلیم کرنے کا نام ہے بی اور یہی اصل معرفت ہے۔

رسول اللہ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ

(صحیح بخاری)

ترجمہ: اے اللہ! جسے تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو روک دے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔

عارفین کہتے ہیں: جب بندہ ''یا قادر'' کہہ کر پکارتا ہے تو دراصل وہ اپنی بے بسی کا اعتراف کر رہا ہوتا ہے۔ اور یہی اعتراف معرفت کی ابتدا ہے۔

## قدرتِ الٰہی کی جامع صفات

اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت صرف ایک صفت میں محدود نہیں، بلکہ متعدد اسماء حسنیٰ مل کر اس کی ''مطلق، کامل اور بے مثال قدرت'' کو واضح کرتے ہیں۔

1-القدیر

وہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھنے والا ہے۔ کوئی بھی شے اس کی قدرت سے باہر نہیں۔

2-القادر

وہ ایسا قادر ہے جس کی قدرت ذاتی، مستقل اور غیر محتاج ہے بی نہ کم ہوتی ہے نہ بڑھتی ہے۔

3-المقتدر

وہ غالب اور نافذ کرنے والی قدرت کا مالک ہے، جس کے سامنے کوئی قوت ٹھہر نہیں سکتی۔

4-الملك

وہ حقیقی بادشاہ ہے بی ہر چیز کی ملکیت اور اختیار اسی کے پاس ہے، اور ہر نظام اسی کے حکم سے چلتا ہے۔

5-الجبار

وہ ٹوٹے کو جوڑنے والا بھی ہے اور ہر سرکشی کو اپنے حکم کے سامنے جھکانے والا بھی۔ اس کی قدرت اصلاح اور غلبہ دونوں رکھتی ہے۔

6-العزيز

وہ ایسا غالب ہے جس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اس کی عزت اور طاقت ناقابلِ شکست ہے۔

7-الفعال لما يريد

وہ جو چاہتا ہے اسے کر گزرتا ہے۔ اس کے ارادے کے سامنے کوئی رکاوٹ، تاخیر یا مجبوری نہیں۔

جامع نتیجہ: یہ تمام اسماء مل کر یہ حقیقت واضح کرتے ہیں کہ:

* اللہ کی قدرت کامل اور مطلق ہے

* وہ ہر شے کا مالک اور مدبر ہے
* اس کے ارادے کو کوئی رد نہیں کر سکتا
* اور اس کی قوت ہر کمزوری سے پاک ہے

یوں قدرتِ الٰہی کوئی محدود صفت نہیں بلکہ ایک ** جامع، ہمہ گیر اور بے مثال حقیقت ** ہے جو پوری کائنات کے نظام کو ہر لمحہ قائم رکھے ہوئے ہے۔

## اس شان کا خلاصہ

اللہ کی قدرت: * مطلق ہے- غیر محدود ہے- سبب کی محتاج نہیں
مردے کو زندہ کر سکتی ہے- ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے
تقدیر لکھنے والی ہے- جب بندہ اس یقین کے ساتھ جیتا ہے تو: خوف مخلوق سے ختم ہوتا ہے، توکل پیدا ہوتا ہے، دعا میں یقین آتا ہے، ناامیدی ختم ہوتی ہے۔
قدرتِ الٰہی پر یقین: دل کو اللہ کی طرف جھکا دیتا ہے اور بندہ توحید کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

# اللہ کی شان ارادت

ارادۂ الٰہی وہ عظیم اور ازلی حقیقت ہے جس کے بغیر نہ کائنات کی ساخت کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی انسان کے وجود کی معنویت کو۔ انسان جب اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے اختیار میں ہوتے ہوئے بھی مکمل مختار نہیں۔ اس کے فیصلے، اس کی کوششیں اور اس کے نتائج ایک ایسے نظام کے تحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جو اس کی سمجھ سے کہیں بلند ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے ارادۂ الٰہی کا شعور جنم لیتا ہے۔ یہ شعور انسان کے اندر ایک لرزش، ایک عاجزی اور ایک گہرا سکون پیدا کرتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اس کا ہر قدم کسی حکیم اور قادر ذات کے فیصلے کے تابع ہے۔

کائنات کا ہر ذرہ، ہر حرکت اور ہر سکون اسی ارادۂ الٰہی کی تجلی ہے۔ ستاروں کی گردش، زمین کی ترتیب، زندگی کا آغاز اور موت کا انجام سب ایک ہی ارادے کے مظاہر ہیں۔ یہ ارادہ نہ کسی وقت کا پابند ہے اور نہ کسی سبب کا محتاج۔ علم الکلام کے علماء اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازلی ہے اور اس میں کوئی تغیر نہیں۔ جو کچھ ہونا ہے وہ ہمیشہ سے اس کے علم اور ارادے میں موجود ہے۔ یہی تصور انسان کے ذہن کو اس مادی دنیا کی محدودیت سے نکال کر ایک لامحدود حقیقت کی طرف لے جاتا ہے۔

تصوف کی نگاہ میں ارادۂ الٰہی صرف ایک عقیدہ نہیں بلکہ ایک زندہ تجربہ ہے۔ جب سالک اس حقیقت کو دل سے محسوس کرتا ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب برپا ہوتا ہے۔ اس کی خواہشیں، اس کی ترجیحات اور اس کے فیصلے سب بدلنے لگتے ہیں۔ وہ اپنے ارادے کو اللہ کے ارادے میں فنا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی مقام فنا فی

الارادہ کہلاتا ہے جہاں بندہ اپنی ذات کو مٹا کر اللہ کی مشیت میں راضی ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر انسان کو ایک ایسا سکون نصیب ہوتا ہے جو دنیا کی کسی چیز میں نہیں مل سکتا۔

سائنسی نقطہ نظر سے بھی اگر کائنات کا جائزہ لیا جائے تو ہر چیز ایک نہایت دقیق نظم وضبط کے تحت چل رہی ہے۔ طبیعی قوانین، کشش ثقل، توانائی کا تحفظ، حیاتیاتی نظام یہ سب ایک منظم ڈھانچے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سائنس ان قوانین کو بیان تو کرتی ہے مگر ان کے پیچھے کارفرما ارادہ کی وضاحت نہیں کر سکتی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں علم اور ایمان کا ملاپ ہوتا ہے۔ ایک مومن ان قوانین کو دیکھ کر اس حقیقت تک پہنچتا ہے کہ یہ سب ایک عظیم ارادے کے تحت قائم ہیں۔

انسانی زندگی کے نشیب وفراز بھی اسی ارادۂ الٰہی کا حصہ ہیں۔ خوشی اور غم، کامیابی اور ناکامی سب ایک حکمت کے تحت وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ جب انسان اس حقیقت کو قبول کر لیتا ہے تو اس کے اندر صبر اور شکر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہی رجوع اسے معرفت کے راستے پر گامزن کرتا ہے۔ ارادۂ الٰہی کا شعور دراصل بندگی کی معراج ہے جہاں انسان اپنے رب کی رضا میں اپنی رضا تلاش کر لیتا ہے۔

## قرآن مجید میں ارادۂ الٰہی کی تجلی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

(یٰسین:82)

ترجمہ: بے شک اس کا حکم یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہاں کن کا لفظ اللہ کے ارادے کی کامل قوت اور فوری تاثیر کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی لفظ ادا کیا جاتا ہے بلکہ یہ ایک تمثیل ہے جس کے ذریعے انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ اللہ کے ارادے اور وجود کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں۔ علم الکلام کے مطابق یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ علت العلل ہے اور تمام اسباب اسی کے تابع ہیں۔ تصوف میں اس آیت کو تجلّی کا مقام کہا جاتا ہے جہاں عدم کو وجود کا لباس پہنایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۝۲۹

(التکویر:29)

ترجمہ: اور تم کچھ نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو تمام جہانوں کا رب ہے

یہ آیت انسانی اختیار کی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔ علم الکلام میں اس پر بحث کی گئی ہے کہ انسان کو کسب حاصل ہے مگر تخلیقِ فعل اللہ کے ارادے سے ہوتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا ارادہ محدود ہے جبکہ اللہ کا ارادہ مطلق اور غالب ہے۔ صوفیاء کے نزدیک یہ آیت انسان کو اپنے نفس سے نکال کر اللہ کی طرف لے جاتی ہے کیونکہ وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس کی خواہش بھی اسی کے ارادے کے تحت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫

(الزمر:62)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا خالق ہے

اس آیت میں ارادۂ الٰہی کی ہمہ گیری بیان کی گئی ہے۔ سائنسی اعتبار سے دیکھا جائے تو کائنات میں موجود ہر شے ایک مخصوص قانون کے تحت چل رہی ہے مگر یہ

قوانین خود بخود نہیں بنے بلکہ ایک حکیم ارادے کے تحت وجود میں آئے ہیں۔ یہی حقیقت ایک مومن کے ایمان کو مضبوط کرتی ہے۔

## حدیث نبوی میں ارادۂ الٰہی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ مَقَادِيْرَ الْخَلَآئِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ

(صحیح مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیر لکھ دی تھیں۔

اس حدیث کی شرح میں علماء بیان کرتے ہیں کہ تقدیر دراصل ارادۂ الٰہی کا اظہار ہے۔ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ سب پہلے سے اللہ کے علم میں موجود ہے۔ علم الکلام میں اسے علمِ ازلی کہا جاتا ہے۔ یہ تصور انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ کوئی بھی واقعہ اچانک نہیں ہوتا بلکہ ہر چیز ایک منصوبہ بندی کے تحت ہوتی ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّكُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ

(مسند احمد)

ترجمہ: اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرو جیسا اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اسی طرح رزق دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے

یہ حدیث ارادۂ الٰہی پر اعتماد کی تعلیم دیتی ہے۔ صوفیاء کے نزدیک توکل دراصل اپنے ارادے کو اللہ کے ارادے کے سپرد کرنے کا نام ہے۔ جب انسان یہ کر لیتا ہے تو اس کے دل میں خوف ختم ہو جاتا ہے اور سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

## صوفیاء اور اولیاء کی نگاہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔ یہ قول ارادۂ الٰہی کے ایک نہایت گہرے راز کو بیان کرتا ہے۔ انسان جب اپنے منصوبوں میں ناکام ہوتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ ایک بڑی طاقت اس کے پیچھے کام کر رہی ہے۔

ابن عربی کے مطابق کائنات اللہ کی تجلیات کا مظہر ہے اور ہر لمحہ ایک نیا ظہور ہو رہا ہے۔ رومی فرماتے ہیں کہ انسان خود کو مختار سمجھتا ہے مگر حقیقت میں وہ اللہ کے ارادے کا تابع ہے۔ امام غزالی کے نزدیک حقیقی علم یہی ہے کہ انسان یہ جان لے کہ ہر چیز اللہ کے ارادے سے ہو رہی ہے۔

## عارف کا روحانی سفر

جب عارف اس حقیقت کو سمجھتا ہے تو اس کا پہلا قدم اپنے نفس کے ارادے کو توڑنا ہوتا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کو اللہ کے ارادے کے تابع کر دیتا ہے۔ یہی مقام فنا ہے جہاں انسان اپنی ذات کو مٹا دیتا ہے۔

اس کے بعد وہ بقا کے مقام پر پہنچتا ہے جہاں وہ ہر چیز میں اللہ کے ارادے کو

دیکھتا ہے۔ اس کے لیے دنیا کا ہر واقعہ ایک نشانی بن جاتا ہے۔ اس کا دل ہر لمحہ اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کی روح لرز اٹھتی ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اس کا اپنا کوئی وجود نہیں بلکہ وہ صرف ایک مظہر ہے۔ یہی معرفت کا اعلیٰ ترین مقام ہے جہاں انسان اللہ کے ارادے میں مکمل طور پر ڈھل جاتا ہے۔

ارادۂ الٰہی ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ جو اس میں اترتا ہے وہ اپنی حقیقت کو پالیتا ہے اور اپنے رب کے قریب ہو جاتا ہے۔

ارادۂ الٰہی کو سمجھنے کے لیے انسان کو پہلے اپنے ارادے کو سمجھنا پڑتا ہے۔ انسان کا ارادہ ایک خیال، ایک خواہش اور ایک کوشش کے درمیان معلق ہوتا ہے، مگر اللہ کا ارادہ علم، قدرت اور حکمت کا ایک ایسا کامل امتزاج ہے جس میں کسی نقص کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ علم الکلام میں اشعریہ اور ماتریدیہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کا ارادہ قدیم ہے اور اس کا تعلق کسی نئی حالت سے نہیں بلکہ ازلی علم سے ہے۔

فلسفیانہ طور پر دیکھا جائے تو انسان کا ارادہ علت و معلول کے سلسلے میں جکڑا ہوا ہے، مگر ارادۂ الٰہی علتوں کا خالق ہے، ان کا محتاج نہیں۔ یہی فرق خالق اور مخلوق کے درمیان سب سے بڑی معرفت ہے۔ صوفیاء کے نزدیک جب سالک اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کا اپنا ارادہ ٹوٹ جاتا ہے اور وہ "فنا فی الارادہ" کے مقام میں داخل ہو جاتا ہے۔

## کائنات – ارادۂ الٰہی کا پہلا ظہور

کائنات کی تخلیق دراصل ارادۂ الٰہی کا پہلا ظہور ہے۔ ہر ستارہ، ہر ذرہ، ہر قانونِ فطرت اسی ارادے کی ایک لکیر ہے۔ سائنس کائنات کے قوانین کو بیان کرتی ہے مگر ان قوانین کے پیچھے جو قوت کارفرما ہے وہ ارادۂ الٰہی ہے۔ کششِ ثقل ہو یا روشنی کی

رفتار، یہ سب اسی غیر مرئی حکم کے مظاہر ہیں جو ہر لمحہ جاری ہے۔

قرآن میں فرمایا گیا

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۝

(ہود:107)

ترجمہ: بے شک تیرا رب جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

تفسیر میں آتا ہے کہ یہاں "فَعَّال" مبالغہ ہے، یعنی اس کے ارادے کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں۔ کائنات کا نظام اس کے ارادے کے سامنے مکمل طور پر مطیع ہے۔

## "کن" کا راز

لفظ "کن" دراصل ایک رمز ہے، ایک حقیقت کا اشارہ ہے۔ یہ کوئی لفظی حکم نہیں بلکہ ارادے کا فوری ظہور ہے۔ ابن عربی کے مطابق "کن" وقت کے بغیر تخلیق کا اعلان ہے۔ یعنی وجود اور ارادہ کے درمیان کوئی وقفہ نہیں۔

یہی وہ مقام ہے جہاں سالک کو معلوم ہوتا ہے کہ پوری کائنات ایک ہی لمحے میں وجود میں آ رہی ہے اور فنا بھی اسی لمحے میں ہو رہی ہے۔

## ارادہ اور وقت

وقت دراصل ارادۂ الٰہی کا ایک پردہ ہے۔ انسان ماضی، حال اور مستقبل میں بٹا ہوا ہے، مگر اللہ کے ارادے میں سب کچھ ایک ہی "ابدی لمحہ" ہے۔ فلسفہ اور سائنس بھی اب اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وقت ایک نسبتی حقیقت ہے، مطلق نہیں۔ مگر عرفان کہتا ہے کہ مطلق صرف ارادۂ الٰہی ہے۔

## انسان کا وہمِ اختیار

انسان اپنے اختیار کو حقیقی سمجھ لیتا ہے، حالانکہ وہ صرف ایک تجربہ ہے جو ارادۂ

الٰہی کے اندر دیا گیا ہے۔ یہ وہم انسان کو امتحان میں رکھتا ہے۔ اگر انسان کو حقیقتِ کامل دکھادی جائے تو امتحان باقی نہیں رہتا۔

## ارادۂ الٰہی کا جمال اور جلال

ارادۂ الٰہی کبھی جمال بن کر ظاہر ہوتا ہے اور کبھی جلال بن کر۔ کبھی وہ رحمت کی بارش ہے، کبھی قہر کی ہیبت۔ مگر دونوں میں ایک ہی حقیقت ہے۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ سالک کو اس مقام پر پہنچنا ہوتا ہے جہاں جمال اور جلال میں فرق ختم ہو جاتا ہے اور صرف ''مشیت'' باقی رہتی ہے۔

## ارادۂ الٰہی کا کمال

ارادۂ الٰہی کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھتا ہے۔ نہ کوئی چیز بے مقصد ہے نہ بے حکمت۔ ہر واقعہ ایک مکمل معنوی نظام کا حصہ ہے۔ عارف جب اس مقام تک پہنچتا ہے تو وہ شکایت چھوڑ دیتا ہے اور رضا اختیار کر لیتا ہے۔

جب انسان ارادۂ الٰہی کو سمجھ لیتا ہے تو اس کی زندگی کا زاویہ بدل جاتا ہے۔ وہ خود کو مرکز سمجھنا چھوڑ دیتا ہے اور کائنات کے بڑے نظام کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ پھر نہ اس کے دل میں اعتراض رہتا ہے نہ بغاوت، بلکہ صرف سکون رہ جاتا ہے۔ یہی سکون معرفت کی آخری منزل ہے، جہاں بندہ کہتا ہے:

میں کچھ نہیں، مگر ہر چیز اسی کے ارادے سے ہے

# ارادۂ الٰہیہ-تجلیات کے مظاہر

## ارادۂ الٰہیہ کی پہلی تجلی

ارادۂ الٰہیہ کی پہلی اور سب سے واضح تجلی تخلیقِ کائنات میں نظر آتی ہے۔ عدم کے اندھیرے سے وجود کا ظہور اس بات کی دلیل ہے کہ ایک قادرِ مطلق ارادہ ہر چیز کو وجود بخش رہا ہے۔ جب انسان آسمانوں کی وسعت، زمین کی ترتیب اور مخلوقات کی بے شمار اقسام کو دیکھتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ سب کسی اندھے اتفاق کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ جب اللہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اسے کہتا ہے ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے (یٰسین: 82)۔ اس آیت میں ارادۂ الٰہی کی تخلیقی قوت کا بیان ہے جو ہر لمحہ نئی صورتوں میں ظاہر ہو رہی ہے۔ سائنسی اعتبار سے بھی کائنات کا ہر نظام ایک نہایت باریک توازن پر قائم ہے جس کا برقرار رہنا ایک اعلیٰ درجے کی حکمت اور ارادے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

## ارادۂ الٰہیہ کی دوسری تجلی

ارادۂ الٰہیہ کی دوسری تجلی نظامِ حیات میں ظاہر ہوتی ہے۔ زندگی کا آغاز، اس کی نشوونما اور پھر اس کا اختتام ایک مکمل ترتیب کے ساتھ وقوع پذیر ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش، اس کا بچپن، جوانی اور بڑھاپا سب ایک طے شدہ نظام کے تحت چلتے ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے (المؤمنون: 80)۔ یہ حقیقت ظاہر کرتی ہے کہ حیات و ممات بھی ارادۂ الٰہی کے تابع ہیں۔ طب اور حیاتیات کی جدید تحقیق بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ زندگی کے ہر

مرحلے میں ایک حیرت انگیز نظم پایا جاتا ہے جو کسی اعلیٰ قوت کے بغیر ممکن نہیں۔

## تیسری تجلی ارادۂ الٰہیہ

تیسری تجلی ارادۂ الٰہیہ کی انسان کے اعمال اور اس کے نتائج میں نظر آتی ہے۔ انسان اپنی کوشش کرتا ہے مگر نتیجہ ہمیشہ اس کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ تم کچھ نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے (التکویر: 29)۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی ارادہ بھی ایک بڑے نظام کے اندر کام کر رہا ہے۔ علم الکلام کے مطابق انسان کو کسب حاصل ہے مگر فعل کی تخلیق اللہ کے ارادے سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات انسان کی تمام تر کوششوں کے باوجود نتیجہ مختلف نکلتا ہے، اور یہی مقام انسان کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

## چوتھی تجلی ارادۂ الٰہیہ

چوتھی تجلی ارادۂ الٰہیہ کی کائنات کے نظم وضبط میں ظاہر ہوتی ہے۔ سورج کا مقررہ وقت پر طلوع ہونا، زمین کا اپنے مدار میں قائم رہنا، موسموں کا بدلنا اور فطری قوانین کا تسلسل سب اس بات کی دلیل ہیں کہ ایک منظم ارادہ ہر چیز کو کنٹرول کر رہا ہے۔ سائنسی اصول جیسے کششِ ثقل، حرکت کے قوانین اور توانائی کا تحفظ سب ایک مستقل نظام کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مگر یہ قوانین خود اپنی تخلیق کی وضاحت نہیں کر سکتے۔ یہ دراصل ارادۂ الٰہی کے مظاہر ہیں جو ایک منظم کائنات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

## پانچویں تجلی ارادۂ الٰہیہ

پانچویں تجلی ارادۂ الٰہیہ کی انسانی زندگی کے حالات میں نظر آتی ہے۔ خوشی اور غم، کامیابی اور ناکامی، صحت اور بیماری سب اسی ارادے کے مختلف پہلو ہیں۔ قرآن

میں فرمایا گیا کہ ہوسکتا ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو (البقرہ: 216)۔ یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ارادۂ الٰہی کے پیچھے ایک گہری حکمت ہوتی ہے جو انسان کی محدود نظر سے اوجھل رہتی ہے۔ تصوف میں اسی کو رضا کا مقام کہا جاتا ہے جہاں بندہ ہر حال میں اللہ کے فیصلے کو قبول کرتا ہے۔

## چھٹی تجلی ارادۂ الٰہیہ

چھٹی تجلی ارادۂ الٰہیہ کی روحانی دنیا میں ظاہر ہوتی ہے۔ جب بندہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ اس کی سوچ بدلتی ہے اور وہ دنیا کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے لگتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک یہ تبدیلی بھی ارادۂ الٰہی کی ایک خاص تجلی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ اپنے بندے کے دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسے ہدایت دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت بھی اللہ کے ارادے کا حصہ ہے جو بندے کے دل میں نور کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

## ساتویں تجلی ارادۂ

ساتویں تجلی ارادۂ الٰہیہ کی دعا اور قبولیت میں نظر آتی ہے۔ بندہ جب اللہ سے مانگتا ہے تو دراصل وہ اسی کے ارادے کے تحت مانگ رہا ہوتا ہے۔ اور جب دعا قبول ہوتی ہے تو وہ بھی اسی ارادے کا ظہور ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا بھی تقدیر کا حصہ ہے اور ارادۂ الٰہی کا ایک ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بندہ دعا کے ذریعے اپنے رب کے قریب ہوتا ہے اور اس کے دل میں امید اور یقین پیدا ہوتا ہے۔

# ارادۂ الٰہیہ- عارف باللہ کا روحانی سفر

یہ بیان ایک تمثیلی اور وجدانی نقشہ ہے جس میں سالک کے باطنی سفر کو الفاظ میں سمویا گیا ہے۔ اس کا مقصد کسی مادی سفر کی تصویر کشی نہیں بلکہ دل کے اُن مراحل کو ظاہر کرنا ہے جہاں انسان اپنے نفس سے نکل کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اہلِ تصوف نے ان مراتب کو مختلف ناموں سے تعبیر کیا ہے جیسے عالمِ ملک، عالمِ مثال، عالمِ ملکوت اور عالمِ جبروت۔ یہ سب اصطلاحات انسان کے اندرونی ادراک کی منزلیں ہیں جہاں شعور بتدریج وسیع ہوتا ہے اور حقائق کی جھلکیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ اس سفر کی بنیاد قرآن وسنت کی تعلیمات ہیں اور اس کی انتہا بندگی، توحید اور رضا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

(یونس:62)

ترجمہ: سن لو کہ بے شک اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

یہ آیت اس باطنی سکون کی خبر دیتی ہے جو اس سفر کے ثمرات میں سے ہے۔ عارف کا سفر خوف سے امن، اضطراب سے سکون اور تفرقہ سے وحدت کی طرف ہوتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ قَالَ مَنْ عَادَى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ...

(صحیح البخاری)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرے میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں

اس حدیث میں ولایت کی حقیقت اور قربِ الٰہی کی عظمت بیان ہوئی ہے جو اس سفر کی انتہا ہے۔

## ابتدائے سلوک: بیداری اور توبہ

سالک کا سفر ایک اندرونی جھٹکے سے شروع ہوتا ہے۔ یہ جھٹکا کبھی کسی غم کی صورت میں، کبھی کسی سوال کی صورت میں اور کبھی کسی بے نام بے چینی کی صورت میں دل پر وارد ہوتا ہے۔ انسان اچانک محسوس کرتا ہے کہ وہ جس دنیا کو حقیقت سمجھتا تھا وہ محض ایک پردہ ہے۔ اس کے اندر ایک صدا اٹھتی ہے کہ حقیقت اس سے کہیں بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ

(الحدید:16)

ترجمہ: کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا جو ایمان لے آئے ہیں کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور جو حق نازل ہوا ہے اس سے جھک جائیں؟

یہی وہ لمحہ ہے جب دل نرم ہوتا ہے اور آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں۔ سالک توبہ کرتا

ہے اور اپنے ماضی کو پیچھے چھوڑ کر ایک نئے سفر کا آغاز کرتا ہے۔

حدیث میں ہے

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِي اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ

(سنن الترمذی)

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمام بنی آدم خطا کار ہیں اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں"۔

یہ توبہ دراصل دل کے دروازے کو کھولتی ہے جہاں سے نور داخل ہونا شروع ہوتا ہے۔

## عالمِ ملک سے عالمِ مثال کی طرف

سالک ابتدا میں عالمِ ملک یعنی محسوسات کی دنیا میں رہتا ہے۔ یہاں وہ ظاہری عبادات، اخلاقی اصلاح اور نفس کی تربیت میں مشغول ہوتا ہے۔ روزہ، نماز، ذکر اور مجاہدہ اس کے اوزار بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے نفس کے تقاضوں کو قابو میں لانے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے دل کو پاک کرتا ہے۔

آہستہ آہستہ اس کے اندر ایک نیا ادراک پیدا ہوتا ہے۔ خوابوں میں، مراقبہ میں اور ذکر کی کیفیت میں اسے ایسے مناظر دکھائی دینے لگتے ہیں جو مادی دنیا سے مختلف ہوتے ہیں۔ اہلِ تصوف اسے عالمِ مثال کہتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حقائق تمثیل کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس عالم کو چوتھے آسمان سے تعبیر کیا جاتا ہے جہاں

اشیاء کے معانی اوران کے نمونے ظاہر ہوتے ہیں۔

یہاں سالک کی کیفیت حیرت، خوف اور لذت کا امتزاج ہوتی ہے۔ وہ کبھی روشنیوں میں ڈوب جاتا ہے، کبھی اپنی کمزوری پر لرز اٹھتا ہے۔ اس مقام پر اس کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان مشاہدات کو مقصد سمجھ لے۔ اس لیے مشائخ اسے متنبہ کرتے ہیں کہ یہ سب محض راستے کے مناظر ہیں، منزل نہیں۔

## عالمِ ملکوت: ادراک کی وسعت

جب سالک استقامت کے ساتھ آگے بڑھتا ہے تو اس پر عالمِ ملکوت کے دروازے کھلنے لگتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اسے کائنات کے باطنی نظام کی جھلک ملتی ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ ہر شے زندہ ہے اور اپنے رب کی تسبیح کر رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ

(بنی اسرائیل:44)

ترجمہ: ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں

اس مقام پر سالک کی روح ایک وسعت محسوس کرتی ہے۔ وہ اپنی ذات کے خول سے نکل کر ایک بڑی حقیقت کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس کے دل میں اللہ کی عظمت کا ایسا احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہر لمحہ خشوع میں ڈوبا رہتا ہے۔

حدیث میں ہے

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ أَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ

(سنن الترمذی)

ترجمہ: ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے"۔

یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ادراک کے درجے مختلف ہوتے ہیں اور سالک کے لیے بھی ادراک کے دروازے کھلتے ہیں۔

## عالمِ جبروت: قوت اور جلال کے مظاہر

اس کے بعد سالک ایک اور گہرے مرحلے میں داخل ہوتا ہے جسے عالمِ جبروت کہا جاتا ہے۔ یہ مقام جلال، قوت اور ہیبت کا ہے۔ یہاں اسے اللہ کی قدرت کے ایسے مظاہر نظر آتے ہیں جو دل کو لرزا دیتے ہیں۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے سمندر کے کنارے کھڑا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔

اس مقام پر اس کی کیفیت فنا کی طرف بڑھتی ہے۔ اس کا نفس ٹوٹتا ہے، اس کی انا بکھرتی ہے اور وہ اپنے وجود کو مٹتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ یہ وہ لمحے ہوتے ہیں جب انسان اپنے آپ کو مکمل طور پر بے بس اور محتاج دیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِيْهِنَّ ؕ

(المائدہ:120)

ترجمہ: آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے

یہ آیت سالک کے دل میں جلالِ الٰہی کا احساس پیدا کرتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں اور سب کچھ اسی کے قبضے میں ہے۔

# ارادۂ الٰہی تک رسائی: فنا اور بقا

جب سالک ان تمام مراحل سے گزر جاتا ہے تو وہ ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہاں اس کا اپنا ارادہ ختم ہونے لگتا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کو اللہ کی مشیت کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہی مقام فنا فی الارادہ ہے۔

اس کے بعد بقا کا مرحلہ آتا ہے جہاں وہ اللہ کے ارادے میں قائم ہو جاتا ہے۔ اب وہ جو چاہتا ہے وہی چاہتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اس کی رضا اللہ کی رضا میں گم ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝۸
(البینہ:8)

ترجمہ: اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ یہ اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں عارف باللہ مکمل سکون حاصل کرتا ہے۔ اس کی روح ایک ایسے نور میں ڈوب جاتی ہے جہاں نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ کوئی غم۔

اختتامیہ: یہ سفر الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دل کا تجربہ ہے۔ جو اس راستے پر چلتا ہے وہی اس کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ یہ سفر نفس سے رب تک کا سفر ہے، اور اس کی انتہا ارادۂ الٰہی میں فنا ہو کر اس میں بقا حاصل کرنا ہے۔

# رب اور اس کی ربوبیت کیا ہے؟

(پرورش وتدبیر کا مالک)

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''ربوبیت'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہی پوری کائنات کا حقیقی رب ہے، یعنی پرورش کرنے والا، سنوارنے والا اور تدبیر کرنے والا۔ ''الرب'' وہ ہستی ہے جو مخلوق کو عدم سے وجود تک لاتی ہے اور پھر اس کے ہر مرحلے میں اس کی نگہبانی اور رہنمائی فرماتی ہے۔ انسان کی زندگی کا ہر لمحہ اسی رب کی تربیت اور تدبیر کے تحت ہے۔

ربوبیت کا پہلا مظہر تخلیق کے بعد پرورش ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو صرف پیدا نہیں کرتا بلکہ اسے مرحلہ وار ترقی دیتا ہے بچپن سے جوانی، کمزوری سے طاقت، اور جہالت سے علم تک پہنچاتا ہے۔ یہ سب ایک منظم نظام کے تحت ہوتا ہے جو اس کی کامل ربوبیت کا ثبوت ہے۔

اللہ کی ربوبیت کائنات کے ہر نظام میں جاری وساری ہے۔ زمین کا رزق اگانا، بارش کا برسنا، ہوا کا چلنا، اور موسموں کا بدلنا یہ سب اسی رب کی تدبیر کے مختلف پہلو ہیں۔ وہ ہر شے کو اس کے مناسب وقت اور انداز میں چلاتا ہے تاکہ زندگی کا نظام قائم رہے۔

ربوبیت کا ایک اہم پہلو ہدایت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف جسمانی پرورش نہیں کرتا بلکہ روحانی رہنمائی بھی عطا کرتا ہے۔ انبیاء، آسمانی کتابیں اور دل میں ڈالی جانے والی روشنیہ سب اسی رب کی طرف سے ہدایت کے ذرائع ہیں، جو انسان کو اس کے اصل مقصد کی طرف لے جاتے ہیں۔

عرفانی نقطۂ نظر سے ربوبیت کا شعور انسان کے دل میں اعتماد اور سکون پیدا کرتا

ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ میرا رب میری ہر حالت سے واقف ہے اور مجھے بہتر مقام کی طرف لے جا رہا ہے تو وہ صبر اور رضا کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔

یہ معرفت انسان کو اس حقیقت تک پہنچاتی ہے کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ اس کا ہر لمحہ ایک مہربان رب کی نگرانی میں ہے جو اس کی ضروریات کو بہتر جانتا ہے۔ یہی یقین دل کو اضطراب سے نکال کر اطمینان کی طرف لے جاتا ہے۔

آخرکار، شانِ ربوبیت انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ پوری کائنات ایک منظم تربیتی نظام ہے، جس کا مالک اللہ ہے۔ بندہ جب اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو وہ شکر، صبر اور توکل کی زندگی اختیار کرتا ہے، اور اپنے رب کی تدبیر پر مکمل بھروسہ کرتا ہے۔

ہم نے قدرتِ الٰہی کو جانا، اور ہر چیز پر قادر ہونے کی حقیقت پر غور کیا۔ اب ہم اللہ تعالیٰ کی ''ربوبیت'' کی عظیم شان پر آتے ہیں۔

ربوبیت وہ صفت ہے جس کے ذریعے اللہ نہ صرف خالق ہے بلکہ:

* مخلوق کی پرورش کرتا ہے- کائنات کے نظام کو قائم رکھتا ہے
* رزق دیتا ہے- تربیت کرتا ہے- جزا و سزا میں انصاف کرتا ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اس کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ کی تدبیر کے تابع ہے، اور بندے کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

## رب کا مفہوم اور لغوی تحقیق

لغوی معنی: ''رب'' کا مطلب ہے: مالک، پرورش کرنے والا، پالنے والا، سنبھالنے والا۔

اصطلاحی معنی: رب وہ ہے جو: مخلوق کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے۔

وجود قائم رکھتا ہے- زندگی اور موت کی تقدیر کرتا ہے۔

* بندے کی اصلاح اور تربیت کے ذمہ دار ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: رب صرف پیدا کرنے والا نہیں، بلکہ پرورش کرنے والا بھی ہے، اس لیے عبادت کا حق اسی پر ہے۔

قرآن میں ربوبیت کے اسلوب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١

(سورۃ الفاتحہ 2:1)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ

(سورۃ البقرہ:139)

ترجمہ: کہو کیا تم ہم سے خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے؟

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ رب صرف ایک ہی ہے، اور اس کی تدبیر سب جہانوں پر محیط ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ربوبیت

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ، رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى

ترجمہ: اے اللہ! آسمانوں اور زمین کا رب، ہر چیز کا رب، بھلائی کو جہاں چاہو بھیج دے۔ (صحیح مسلم)

یہ دعا ربوبیت کے تصور کو عملی طور پر ظاہر کرتی ہے: بندہ تسلیم کرتا ہے کہ سب خیر و برکت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

مفسرین کی آراء: امام قرطبی فرماتے ہیں: ربوبیت کا تعلق پیدا کرنے کے بعد

تدبیر سے ہے، اور یہ بندے کی عبادت اور شکر کا اصل سبب ہے۔

عارفین کہتے ہیں: جب بندہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کی ہر ضرورت، ہر سانس، ہر کامیابی اور ناکامی اللہ کے ربوبیت کے تابع ہے تو وہ ہر لمحہ اللہ کی یاد میں مشغول رہتا ہے۔ ربوبیت کا شعور انسان کو عاجزی، خوف، اور محبت پیدا کرتا ہے۔

## عملی تقاضے

1. توکل: ہر معاملے میں رب پر بھروسہ
2. شکر: رزق اور حفظ کے لیے شکر گزاری
3. عبادت: رب کی صفات کے شعور میں عبادت
4. صبر: مشکلات میں اللہ کی تدبیر پر اعتماد

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے
* وہ سب کا رزق دینے والا ہے
* وہ ہر انسان کی تقدیر جانتا اور سنبھالتا ہے
* اس کے لیے نہ کوئی کم ہے نہ زیادہ

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝

(سورۃ الانعام:102)

ترجمہ: وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ہر چیز کا خالق ہے، اس لیے اسی کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

# شانِ عدل وانصاف

(اللہ عادل وحکیم)

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''عدل وانصاف'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ ہر معاملے میں کامل انصاف کرنے والا ہے۔ اس کے فیصلوں میں نہ کسی قسم کا ظلم ہے اور نہ ہی کسی پر زیادتی۔ وہ ہر بندے کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا دیتا ہے، اور اس کا عدل ایسا کامل ہے کہ ذرّہ برابر بھی ناانصافی کا تصور ممکن نہیں۔

اللہ کا عدل اس کے علم اور حکمت پر مبنی ہے۔ چونکہ وہ ہر ظاہر و باطن، ہر نیت اور ہر عمل کو جانتا ہے، اس لیے اس کے فیصلے مکمل حقیقت کے مطابق ہوتے ہیں۔ وہ صرف ظاہری اعمال نہیں بلکہ دل کے ارادوں اور نیتوں کو بھی دیکھتا ہے، اور اسی بنیاد پر انصاف فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ ''حکمت'' اس کے عدل کو مزید کامل بناتی ہے۔ ''الحکیم'' وہ ہے جو ہر کام کو بہترین انداز، مناسب وقت اور درست مصلحت کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ اس لیے جو کچھ بھی اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، وہ حکمت اور عدل کا حسین امتزاج ہوتا ہے، چاہے انسان اسے فوری طور پر سمجھ نہ سکے۔

کائنات میں اللہ کا عدل مختلف انداز میں ظاہر ہوتا ہے۔ ظالم کو مہلت دینا، مظلوم کو سہارا دینا، اور ہر عمل کا نتیجہ ظاہر کرنا یہ سب اس کے عدل کے مظاہر ہیں۔ بعض اوقات انصاف دنیا میں نظر آتا ہے، اور بعض اوقات آخرت کے لیے محفوظ رکھا جاتا ہے، جہاں کامل اور آخری فیصلہ ہوگا۔

عرفانی اعتبار سے اللہ کے عدل کا شعور انسان کے دل میں خوف اور ذمہ داری پیدا کرتا ہے۔ بندہ جان لیتا ہے کہ اس کا ہر عمل، ہر نیت اور ہر لفظ اللہ کے علم میں ہے

اور ایک دن اس کا حساب ہوگا۔ یہی شعور اسے گناہوں سے بچاتا اور نیکیوں کی طرف مائل کرتا ہے۔

یہ معرفت انسان کو صبر اور اطمینان بھی عطا کرتی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ دنیا میں بعض اوقات ناانصافی نظر آتی ہے تو وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ کا عدل کامل ہے اور ہر چیز کا حساب ضرور ہوگا۔ یہی یقین اسے مایوسی سے بچاتا ہے اور امید عطا کرتا ہے۔

آخرکار، شانِ عدل و انصافِ الٰہی انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ حقیقی انصاف صرف اللہ کے پاس ہے۔ بندہ جب اس حقیقت کو دل سے قبول کر لیتا ہے تو وہ خود بھی عدل، دیانت اور سچائی کی راہ اختیار کرتا ہے، اور اپنے رب کے سامنے جواب دہی کا شعور لے کر زندگی گزارتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کی ایک عظیم صفت ''عدل و انصاف'' ہے۔ اللہ کی عدالت محض انسانی عدل جیسی محدود نہیں، بلکہ ''کامل، غیر متغیر اور ازلی'' ہے۔

عدل کا مفہوم صرف ظلم نہ کرنا نہیں، بلکہ ہر مخلوق کے حق کا پورا ہونا، جزا و سزا کی برابری، اور ہر فیصلے میں حکمت کا شامل ہونا ہے۔

عدالت کا مفہوم اور لغوی تحقیق

لغوی معنی: عدل کا مطلب ہے: حق کی جانچ اور برابری، عدم زیادتی اور کمی۔

اصطلاحی معنی: اللہ کے لیے عدالت یعنی: ٭ ہر مخلوق کو اس کا حق دینا ٭ ہر فعل کی مناسب جزا یا سزا دینا ٭ ظلم، زیادتی اور تعصب سے پاک ہونا

## قرآن میں عدل و انصاف

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ

(سورۃ النحل:99)

ترجمہ: بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

یہ آیت بتاتی ہیں کہ اللہ کی عدالت ہر سطح پر محیط ہے، اور مخلوق کے ساتھ ہر معاملہ برحق ہے۔

جزا و سزا میں عدل ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾

(سورۃ المدثر:38)

ترجمہ: ہر نفس اپنی کمائی کے بدلے گروی ہے۔

اللہ کی عدالت یہ ہے کہ ہر عمل کا پورا حق دیا جائے، کوئی کمی یا زیادتی نہ ہو۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عدل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی عدل و انصاف کی بہت تاکید فرمائی، مثلاً:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ

(رواہ مسلم، حدیث:1827)

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصاف کرنے والے اللہ کے حضور نور کے منبروں پر ہوں گے۔

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْقِسْطِ وَالْعَدْلِ وَحَتّٰى فِي الْخَاصَّةِ وَالْعَامَّةِ

ترجمہ: درحقیقت، خدا آپ کو عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے، خواہ نجی اور

عوامی طور پر۔

یہ مفہوم دراصل قرآنِ کریم کی اس عظیم آیت سے ماخوذ ہے:

ترجمہ: بے شک اللہ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ (سورۃ النحل:90)

اللہ تعالیٰ انسان کو ہر حال میں چاہے ذاتی معاملات ہوں یا اجتماعی عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک عدل کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھے۔ اپنی خواہش کو نہیں بلکہ اللہ کے حکم کو مقدم کرے۔

* اصل تعلیم قرآن میں موجود ہے
* اسلام ہر حال میں عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے

''عدل وہ میزان ہے جس پر دین اور دنیا قائم ہیں اور اللہ اسی کو پسند کرتا ہے جو ہر حال میں انصاف پر قائم رہے۔''

عدلِ الٰہی کی بنیاد علم و قدرت پر ہے، اسی لیے وہ ہر کسی کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دیتا ہے۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

عدل اور حکمت کا تعلق لازم و ملزوم ہے، کیونکہ ہر فیصلہ حکمت کے بغیر مکمل نہیں۔

عارفین کہتے ہیں: جب بندہ اللہ کے عدل کو پہچانتا ہے، تو وہ:

* انتقام اور حسد سے آزاد ہو جاتا ہے
* ہر حال میں مطمئن رہتا ہے
* اپنے اعمال کی اصلاح کرتا ہے

عدلِ الٰہی انسان کے دل میں خوف، امید اور شکر پیدا کرتا ہے۔

عملی تقاضے

1۔ اپنے معاملات میں انصاف

2.مظلوم کے حق کا تحفظ

3.حسد اور زیادتی سے اجتناب

4.اللہ پر اعتماد اور شکر

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر چیز پر قادر ہے- وہ ہر دل کے راز جانتا ہے
* وہ ہر عمل کا پورا حساب دیتا ہے- کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتا

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ

(سورۃ فصلت:46)

ترجمہ: اور تمہارا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

# شانِ رحمتِ الٰہی- ہر شے پر مہربانی

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''رحمتِ الٰہی'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ اپنی مخلوق پر بے حد مہربان، شفقت فرمانے والا اور عطا کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت کسی حد، قید یا شرط کی محتاج نہیں بلکہ وہ ہر چیز کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ وہ بندوں کے گناہوں کے باوجود انہیں رزق دیتا ہے، زندگی عطا کرتا ہے اور بار بار معاف فرماتا ہے۔

اللہ کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ اس نے انسان کو بغیر کسی استحقاق کے بے شمار نعمتیں عطا کیں۔ زندگی، صحت، عقل، رزق اور ہدایتیہ سب اس کی رحمت کے جلوے ہیں۔ انسان چاہے ان نعمتوں کا شکر ادا کرے یا نہ کرے، اللہ اپنی رحمت سے انہیں جاری رکھتا ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا ہر نظام، ہر نعمت اور ہر سہولت اسی کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ حتیٰ کہ آزمائشیں بھی اس کی رحمت کا حصہ ہوتی ہیں، کیونکہ وہ انسان کو بہتر بنانے اور اس کے درجات بلند کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔

اللہ کی رحمت کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ بندہ کتنی ہی بار گناہ کرے، اگر وہ سچے دل سے رجوع کرے تو اللہ اسے معاف کر دیتا ہے۔ یہ اس کی بے پایاں مہربانی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا بلکہ انہیں ہمیشہ امید دیتا ہے۔

عرفانی نقطۂ نظر سے اللہ کی رحمت کا ادراک انسان کے دل میں محبت، امید اور سکون پیدا کرتا ہے۔ بندہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب اس سے ناراض ہونے سے

زیادہ خوش ہوتا ہے جب وہ اس کی طرف لوٹتا ہے۔ یہی شعور اسے اللہ کے قریب لے جاتا ہے۔

یہ معرفت انسان کو دوسروں کے ساتھ بھی رحمت اور نرمی کا سلوک کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ جب بندہ اللہ کی رحمت کو پہچان لیتا ہے تو وہ خود بھی معاف کرنے والا، نرم دل اور مہربان بن جاتا ہے۔ یوں وہ اللہ کی صفتِ رحمت کا ایک عکس بن جاتا ہے۔ شانِ رحمتِ الٰہی انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ اللہ کی رحمت ہر حال میں اس کے ساتھ ہے۔ بندہ جب اس حقیقت کو دل سے قبول کر لیتا ہے تو وہ مایوسی سے نکل کر امید کی روشنی میں آ جاتا ہے، اور ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کر کے سکون اور نجات حاصل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت اس کی سب سے جلالی اور محبت بھری صفت ہے۔ رحمت صرف بخشش نہیں، بلکہ ہر وجود میں زندگی، رزق، ہدایت، اور برکت پھیلانے کی علامت ہے۔ رحمت کا تصور محدود انسان کی نظر میں فقط گناہوں کی معافی تک محدود ہو سکتا ہے، لیکن اللہ کی رحمت:

- ازلی ہے- ہر چیز پر محیط ہے
- انسان کے اعمال، حالات اور تقدیر میں شامل ہے

یہ باب ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ:

- رحمت کی وسعت اور انواع کیا ہیں؟
- قرآن و حدیث میں رحمت کی تعبیر کیسے آئی؟
- انسان اس صفت کا شعور کیسے حاصل کرے؟

## خلاصۂ کلام

رحمت کا مفہوم اور لغوی تحقیق

لغوی معنی: رحمت: محبت، شفقت، نرمی، اور لطف۔

اصطلاحی معنی: اللہ کی رحمت

* ہر مخلوق کی ضروریات پوری کرتی ہے
* زندگی، رزق، اور ہدایت عطا کرتی ہے
* گناہگاروں پر بخشش اور نیکوں پر جزا دیتی ہے

قرآن میں رحمت کے اسالیب

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ

(سورۃ الاعراف 156:7)

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی رحمت ہر شے پر محیط ہے، اور انسان کی ہدایت اسی میں ہے۔

## انواعِ رحمت

1. ''رحمتِ عالمگیر'': ہر چیز میں پھیلی ہوئی، جیسے بارش، سورج کی روشنی، زمین کی زرخیزی
2. ''رحمتِ مخصوص'': انسان کی روزی، ہدایت، اور بخشش
3. ''رحمتِ آخرت'': جنت، بخشش، اور عذاب سے نجات

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رحمت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ يَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ،

فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعًا وَتِسْعِيْنَ رَحْمَةً، وَأَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ رَحْمَةً وَاحِدَةً، فَبِهَا تَتَرَاحَمُ الْخَلَائِقُ...

(رواہ البخاری، حدیث:6000 / ومسلم، حدیث:2752)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا کیا، اس کی سو حصے کیے، پھر ننانوے حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین پر اتارا، پس اسی ایک حصے کے ذریعے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے.....

شرح ومفہوم: یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت اور عظمت کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کرتی ہے۔ زمین پر جو بھی رحم، محبت، شفقت اور نرمی نظر آتی ہے چاہے وہ ماں کی محبت ہو، انسانوں کی ہمدردی ہو یا جانوروں کی اپنے بچوں سے شفقتیہ سب اسی ایک حصے کا اثر ہے جو اللہ نے زمین پر نازل فرمایا۔

رحمت کا عظیم خزانہ: ننانوے حصے اللہ نے اپنے پاس رکھے ہیں، جو قیامت کے دن بندوں پر ظاہر ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی اصل رحمت ابھی باقی ہے، جو دنیا کی رحمت سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔

کائنات میں رحمت کا نظام: زمین پر زندگی کا قائم رہنا، مخلوقات کا ایک دوسرے سے جڑا رہنا، اور محبت وشفقت کا نظام یہ سب اللہ کی اسی نازل کردہ رحمت کا نتیجہ ہے۔

امید اور سکون کا پیغام: یہ حدیث بندے کو یہ امید دیتی ہے کہ اگر دنیا میں اتنی رحمت ہے تو آخرت میں اللہ کی رحمت کس قدر عظیم ہوگی۔ یہی یقین انسان کو مایوسی سے بچاتا ہے۔

* اللہ کی رحمت نہایت وسیع اور بے مثال ہے

زمین پر جو بھی محبت اور رحم نظر آتا ہے، وہ اللہ کی رحمت کا صرف ایک حصہ ہے باقی رحمت اس نے اپنے بندوں کے لیے محفوظ کر رکھی ہے۔

ایک عارف کا قول ہے کہ

الرَّحْمَةُ نَزَلَتْ بِالْأَرْضِ، فَأَنشَأَ اللهُ بِهَا كُلَّ شَيْءٍ

ترجمہ: رحمت زمین پر نازل ہوئی، اور اللہ نے اس کے ذریعے ہر چیز پیدا کی۔

حدیث کی تفصیل: یہ حدیث اللہ کی رحمت کی وسعت اور اثرات کو ظاہر کرتی ہے۔ زمین، زندگی، رزق، اور برکت سب رحمتِ الٰہی کا مظہر ہیں۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی رحمت سب مخلوقات پر محیط ہے، حتیٰ کہ جانور اور نباتات بھی اس رحمت کے حصے دار ہیں۔

امام قرطبی لکھتے ہیں: رحمت کے بغیر قدرت اور ربوبیت مکمل نہیں، کیونکہ ہر پرورش اور تدبیر محبت سے جڑی ہوتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: جب بندہ اللہ کی رحمت کو پہچانتا ہے، تو وہ ہر حال میں شکر گزار اور مطمئن رہتا ہے۔

رحمت کا شعور انسان کے دل میں امید پیدا کرتا ہے، اور خوفِ الٰہی کے ساتھ محبت کو بھی زندہ رکھتا ہے۔

عملی تقاضے

1. شکر گزاری ہر نعمت پر
2. دوسروں کے ساتھ حسن سلوک
3. اللہ کی رحمت پر بھروسہ
4. دعا اور استغفار میں تسلسل

# توحید و معرفتِ الٰہی - اللہ کی وحدانیت

''توحید'' اس حقیقت کا اعلان ہے کہ وہ اپنی ذات، صفات اور افعال میں یکتا و بے شریک ہے۔ اس کی وحدانیت ایسی کامل ہے کہ نہ اس کا کوئی ہمسر ہے، نہ کوئی شریک، نہ کوئی مثل۔ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے، اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ یہی توحید اسلام کی بنیاد اور ایمان کی اصل روح ہے۔

توحید کا پہلا پہلو یہ ہے کہ اللہ اپنی ذات میں واحد ہے۔ وہ نہ کسی سے پیدا ہوا، نہ کسی کو پیدا کیا گیا اس کی طرح، اور نہ ہی اس کی ذات میں کوئی شراکت ممکن ہے۔ اس کی ذات ہر قسم کی مثال، تشبیہ اور حد سے بلند ہے، اور یہی "احدیت" کا کامل مفہوم ہے۔

دوسرا پہلو صفات میں وحدانیت کا ہے۔ اللہ کی صفات کامل، لامحدود اور بے مثال ہیں۔ اس کا علم، اس کی قدرت، اس کی رحمت اور اس کی حکمت سب کامل ہیں، اور کسی مخلوق کی صفات اس کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ وہ سمیع بھی ہے، بصیر بھی، علیم بھی اور قدیر بھی اور یہ سب صفات اس کی ذات میں کامل طور پر جمع ہیں۔

تیسرا پہلو افعال میں توحید کا ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب اللہ کے حکم اور ارادے سے ہو رہا ہے۔ کوئی نفع یا نقصان، کوئی عزت یا ذلت، کوئی زندگی یا موت اس کے اختیار کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی شعور انسان کو غیر اللہ سے بے نیاز کر کے صرف اللہ پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے۔

معرفتِ الٰہی کا اصل دروازہ بھی توحید ہی ہے۔ جب انسان اللہ کی وحدانیت کو دل سے قبول کرتا ہے تو اس کے دل میں یقین، سکون اور نور پیدا ہوتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب ایک ہے، اور اسی کے ہاتھ میں ہر چیز ہے، تو اس کا دل اضطراب

سے آزاد ہوجاتا ہے۔

عرفانی اعتبار سے توحید کا ادراک انسان کو "فنا" کے مقام تک لے جاتا ہے، جہاں بندہ اپنی انا اور خواہشات کو چھوڑ کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ وہ ہر چیز میں اللہ کی قدرت اور حکمت کا جلوہ دیکھتا ہے، اور اس کا دل صرف اسی کی محبت سے بھر جاتا ہے۔

شانِ توحید انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ حقیقی نجات، سکون اور کامیابی صرف اللہ کی وحدانیت کو ماننے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے میں ہے۔ جب بندہ اس حقیقت کو دل سے قبول کر لیتا ہے تو اس کی زندگی نور، یقین اور اللہ کی قربت سے بھر جاتی ہے، اور وہ ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سب سے بنیادی اور جامع صفت ''توحید'' ہے۔ توحید کا مطلب ہے کہ اللہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کے ساتھ کوئی شریکِ قدرت ہے، نہ عبادت کا حق کسی اور کو ہے۔

توحید کی معرفت بندے کے ایمان کا مرکز ہے اور تمام صفاتِ الٰہی اسی کی روشنی میں سمجھ میں آتی ہیں۔

توحید کا مفہوم:

لغوی معنی: توحید: ایک کرنا، وحدت، اور یکتائی۔

اصطلاحی معنی: اللہ کی توحید کا مفہوم یہ ہے کہ:

اللہ واحد ہے- اس کا کوئی شریک نہیں

* ہر قدرت، علم، ارادہ اور صفات اس کی ہی خاص ہیں

* ہر عبادت کا حق صرف اسی کو ہے

توحید کا شعور بندے کے دل میں انکسار، خوف، اور محبت پیدا کرتا ہے، اور معرفتِ الٰہی کی بنیاد ہے۔

# قرآن میں توحید کے اسلوب

لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

(سورۃ محمد:19)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا

(سورۃ النساء:36)

ترجمہ: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ توحید کا سب سے پہلا اور لازمی پہلو عبادت اور قدرت میں وحدانیت ہے۔

## توحید کی اقسام

1-توحیدِ ربوبیت

''توحیدِ ربوبیت'': اللہ ہی رب ہے، سب مخلوقات اس کی تدبیر اور پرورش کے تابع ہیں۔

توحیدِ ربوبیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا حقیقی رب، مالک اور مدبر ہے۔ وہی پیدا کرنے والا ہے، وہی پرورش کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کے نظام کو چلا رہا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(الفاتحہ:2)

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ''رب'' کا لفظ تخلیق، تربیت، تدبیر اور تکمیل کے تمام معانی کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یعنی کائنات کا ہر ذرہ اللہ کی ربوبیت کے نظام کے تحت اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سورج کا طلوع و غروب، بارش کا برسنا، زمین کا سبزہ اُگانا، یہ سب اسی ربوبیت کے مظاہر ہیں جو ہر لمحہ جاری ہے۔

عارفین کے نزدیک توحیدِ ربوبیت کا ادراک صرف نظری نہیں بلکہ قلبی شہود کا تقاضا کرتا ہے۔ جب بندہ اس حقیقت کو اپنے دل میں محسوس کر لیتا ہے تو اس کے اندر سے خوفِ مخلوق ختم ہو جاتا ہے اور وہ صرف رب پر بھروسہ کرتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ربوبیت کا ادراک یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں اللہ کی تدبیر کو پہچانے اور اپنی تدبیر کو ترک کر دے۔ یہی مقام توکل کی ابتدا ہے جہاں بندہ اپنی کمزوری کو مان کر رب کی قدرت کے سامنے جھک جاتا ہے۔

2-توحیدِ الوہیت

''توحیدِ الوہیت'': عبادت صرف اللہ کے لیے ہے۔

توحیدِ الوہیت کا مطلب یہ ہے کہ عبادت، بندگی، دعا، نذر، خوف اور امید سب صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں۔ قرآن مجید میں واضح حکم دیا گیا

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا

(النساء:36)

ترجمہ: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

اس آیت میں عبادت کی خالصیت کو بیان کیا گیا ہے، یعنی بندہ اپنی تمام ظاہری اور باطنی عبادات کو صرف اللہ کے لیے مخصوص کرے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ صرف اعمال نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ تعلق کا اظہار ہیں۔ جب یہ تعلق خالص ہو جاتا ہے تو بندہ حقیقی موحد بن جاتا ہے۔

صوفیاء کے نزدیک توحیدِ الوہیت صرف ظاہری عبادات تک محدود نہیں بلکہ دل کی مکمل یکسوئی کا نام ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک دل میں کسی اور کی محبت باقی ہو، عبادت مکمل نہیں ہوتی۔ حقیقی عبادت وہ ہے جس میں بندہ خود کو بھی بھول جائے اور صرف معبود کو یاد رکھے۔ یہی عشقِ الٰہی کا مقام ہے جہاں عبادت رسم نہیں رہتی بلکہ ایک زندہ تعلق بن جاتی ہے۔

3-توحیدِ صفات

''توحیدِ صفات'': اللہ کی صفات مثلاً علم، قدرت، زندگی، حکمت، عدل، وغیرہ صرف اسی میں ہیں۔

توحیدِ صفات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کا علم کامل ہے، اس کی قدرت بے حد ہے، اس کی حکمت بے مثال ہے اور اس کی زندگی ابدی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪

(الشوریٰ:11)

ترجمہ: اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہی سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

یہ آیت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اللہ کی صفات مخلوق کی صفات جیسی نہیں ہیں۔ وہ سنتا ہے مگر اس کا سننا ہماری طرح نہیں، وہ دیکھتا ہے مگر اس کا دیکھنا ہماری طرح نہیں۔ علم الکلام میں اسی کو ''بلا کیف'' کہا جاتا ہے، یعنی بغیر کیفیت کے ماننا۔

عارفین کے نزدیک توحیدِ صفات کا ادراک انسان کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ جب وہ اللہ کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر خوبی دراصل انہی صفات کا عکس ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان جب اللہ کی صفات کو پہچان لیتا ہے تو اس کے اندر بھی ان صفات کا عکس پیدا ہونے لگتا ہے، جیسے

رحمت، عدل اور حکمت۔ یہی معرفت کا درجہ ہے جہاں بندہ صفات کے آئینے میں اپنے رب کی جھلک دیکھنے لگتا ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں توحید

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ

(رواہ الترمذی، حدیث: 2004، وقال: حسن صحیح)

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں کے جنت میں داخل ہونے کی سب سے زیادہ وجہ اللہ کا تقویٰ اور حسن اخلاق ہے۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ... أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ

(رواہ البخاری: 3435، ومسلم: 28)

ترجمہ: عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

شرح و مفہوم: قرآن و حدیث کے مطابق جنت کا راستہ دو بنیادی چیزوں سے

جڑا ہے:

## توحید-ایمان

اللہ کی وحدانیت کو ماننا جنت میں داخلے کی بنیاد ہے۔

یہ وہ اصل ہے جس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔

صدقِ عمل (نیک اعمال)

صرف ایمان کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ سچے، خالص اور صحیح اعمال بھی ضروری ہیں۔ یہی اعمال انسان کے درجات کو بلند کرتے ہیں۔

اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ:

* عقیدہ درست ہو (توحید)
* عمل درست ہو (اخلاص وسنت)

تب ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

* جنت کا راستہ: توحید + نیک اعمال

ایمان کی بنیاد توحید ہے، اور اس کی تکمیل سچے عمل سے ہوتی ہے یہی جنت کا راستہ ہے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں: توحیدِ صفات کی معرفت وہی حاصل کرتا ہے جو قرآن و حدیث کی روشنی میں اللہ کی صفات کو سمجھتا ہے۔

فخر الدین رازی فرماتے ہیں: توحیدِ ربوبیت، توحیدِ الوہیت اور توحیدِ صفات کا مجموعہ انسان کو کامل معرفت عطا کرتا ہے۔

عارفین کہتے ہیں: توحید کی معرفت سے بندہ ہر چیز میں اللہ کو دیکھتا ہے، ہر عمل میں اللہ کی رضا تلاش کرتا ہے، اور ہر حالت میں اللہ کی قدرت اور رحمت کا شعور رکھتا ہے۔

یہ معرفت دل میں: خوفِ الٰہی پیدا کرتی ہے-محبتِ الٰہی بڑھاتی ہے

* دنیا وآخرت کے درمیان توازن قائم کرتی ہے

عبادت صرف اللہ کے لیے

ہر فیصلے میں اللہ کی رضا مدنظر رکھنا

توکل اور شکر کو زندگی کا معمول بنانا

اللہ کی صفات کا مطالعہ اور شعور رکھنا

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ واحد اور لاشریک ہے
* اس کی صفات کامل اور غیر محدود ہیں
* سب مخلوقات اس کی تدبیر کے تابع ہیں
* ہر عبادت اور فرمان اسی کے لیے ہے

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ

ترجمہ: اللہ- اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، تمام جہانوں کا پالنے والا۔ (سورۃ البقرہ 255:2)

## توحید کی معرفت:

* بندے کو اللہ کی وحدانیت کا شعور دلاتی ہے
* ہر عمل میں اخلاص پیدا کرتی ہے
* بندے کو معرفتِ الٰہی تک پہنچاتی ہے

توحید صرف عقلی یقین نہیں، بلکہ ''عمل، معرفت اور دل کی حقیقت'' بھی ہے۔

یہ معرفت بندے کو ہر لمحہ اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اس کی عبادت میں مشغول کرنے کی بنیاد ہے۔

# اللہ کی شانِ کی حکمت ودانائی

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''حکمت ودانائی'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ ہر کام کو کامل علم، بہترین تدبیر اور درست مصلحت کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ اس کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے، چاہے وہ انسان کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ "الحکیم" وہ ہے جس کے ہر فعل میں مقصد، توازن اور کمال پایا جاتا ہے۔

اللہ کی حکمت اس کی تخلیق میں نمایاں ہے۔ کائنات کا ہر نظام دن اور رات کا بدلنا، موسموں کی ترتیب، زمین کا توازن، اور زندگی کے مراحل سب ایک گہری حکمت کے تحت چل رہے ہیں۔ کوئی چیز بے مقصد یا اتفاقاً پیدا نہیں ہوئی، بلکہ ہر شے ایک خاص مقصد اور ترتیب کے ساتھ وجود میں آئی ہے۔

اللہ کی دانائی اس کے فیصلوں میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ بندوں کو جو کچھ دیتا ہے یا جس چیز سے روکتا ہے، اس میں کوئی نہ کوئی بھلائی اور مصلحت ضرور ہوتی ہے۔ بعض اوقات انسان کسی چیز کو نقصان سمجھتا ہے، مگر حقیقت میں وہ اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے، کیونکہ اللہ ہر چیز کے انجام کو جانتا ہے۔

اللہ کی حکمت آزمائشوں میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ انسان کی زندگی میں آنے والی مشکلات، پریشانیاں اور آزمائشیں بے مقصد نہیں ہوتیں، بلکہ وہ اس کے درجات بلند کرنے، اس کے گناہوں کو مٹانے اور اسے بہتر انسان بنانے کے لیے ہوتی ہیں۔ یہی حکمت انسان کو صبر اور یقین سکھاتی ہے۔

عرفانی نقطۂ نظر سے اللہ کی حکمت کا ادراک انسان کے دل میں رضا اور اطمینان پیدا کرتا ہے۔ جب بندہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ میرا رب حکیم ہے اور اس کا ہر فیصلہ بہترین ہے، تو وہ ہر حال میں اس کے فیصلے پر راضی رہتا ہے، چاہے حالات کیسے ہی کیوں نہ

ہوں۔

یہ معرفت انسان کو شکایت سے شکر کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ ہر حال میں اللہ کی حکمت کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی زندگی کو اس کے فیصلوں کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ یہی رویہ اسے روحانی سکون اور قلبی اطمینان عطا کرتا ہے۔

للہ کی شانِ حکمت و دانائی انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ اس کا رب ہر چیز کو بہترین انداز میں چلا رہا ہے۔ بندہ جب اس حقیقت کو دل سے قبول کر لیتا ہے تو وہ بے چینی اور اضطراب سے نکل کر یقین، صبر اور اللہ پر مکمل بھروسے کی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ حکمت اس کے علم و قدرت کے کامل مظہر کی نمائندگی کرتی ہے۔ حکمت وہ صفت ہے جو ہر فعل اور فیصلے میں اللہ کی مکمل بصیرت اور عقل کو ظاہر کرتی ہے۔

حکمت کا مفہوم اور لغوی تحقیق

لغوی معنی: حکمت: عقل و فہم کے ساتھ صحیح فیصلہ کرنا، دانشمندی، اور بصیرت۔

اصطلاحی معنی: اللہ کی حکمت کا مفہوم:

- ہر فیصلے میں علم اور قدرت کو متوازن رکھنا۔
- ہر پیدا شدہ شے کی تکمیل اور بہترین ترتیب۔
- ہر واقعے میں مصلحت و فائدہ کا شامل ہونا۔

## قرآن میں حکمت

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

ترجمہ: اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

(سورۃ البقرہ 2:216)

وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا

(سورۃ الاسراء:85)

ترجمہ: اور تمہیں علم میں سے صرف تھوڑا دیا گیا ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کا علم اور حکمت محدود نہیں، جبکہ انسان کی سمجھ محدود ہے۔

علم و حکمت کا تعلق

* علم بغیر حکمت کے محض معلومات ہے۔
* حکمت بغیر علم کے عمل کی رہنمائی نہیں کرتی۔
* اللہ کی صفات میں علم اور حکمت ہمیشہ مربوط ہیں۔

وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۲۶

ترجمہ: اور وہی جاننے والا، حکمت والا ہے۔

(سورۃ النساء:26)

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ

(سورۃ البقرۃ:269)

ترجمہ: وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے۔ اور جس کو عقل دی گئی اسے یقیناً بہت زیادہ بھلائی دی گئی۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حکمت

عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

ﷺ: مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

(رواہ البخاری: 71، ومسلم: 1037)

ترجمہ: معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

شرح ومفہوم

آپ کے بیان کردہ جملے کا مفہوم مجموعی طور پر درست ہے، کیونکہ اسلام میں ''حکمت'' اور ''فہمِ دین'' اللہ کی خاص عطا سمجھے جاتے ہیں۔

حکمت اللہ کی خاص عطا ہے: حکمت محض علم کا نام نہیں بلکہ: صحیح سمجھ- درست فیصلہ- مناسب وقت پر درست عمل یہ سب اللہ کے فضل سے حاصل ہوتے ہیں۔

اہلِ معرفت کے نزدیک حکمت دل کا نور ہے، جو اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ یہ نور انسان کو حق و باطل میں فرق سکھاتا ہے اور اسے صحیح راستے پر قائم رکھتا ہے۔ حکمت اللہ کی خاص نعمت ہے۔

حکمت وہ نور ہے جو اللہ اپنے محبوب بندوں کے دلوں میں رکھ دیتا ہے، اور اسی سے علم، فہم اور درست راستہ روشن ہوتا ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی حکمت ہر قدرتی نظام، تقدیر، رزق اور زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں ہے۔

عارفین کہتے ہیں: جب بندہ ہر واقعے میں اللہ کی حکمت دیکھتا ہے تو:

- ہر مشکل میں صبر پیدا ہوتا ہے۔
- ہر نعمت میں شکر پیدا ہوتا ہے۔
- ہر حالت میں اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے۔

حکمتِ الٰہی کا شعور انسان کے دل کو اللہ کی معرفت اور محبت کی طرف کھینچتا ہے۔

1. ہر فیصلے میں اللہ کی حکمت کو مدنظر رکھنا
2. مشکلات اور تکالیف میں صبر
3. نعمتوں پر شکر اور نیکی میں استقامت
4. علم کو عملی حکمت میں تبدیل کرنا

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* ہر علم و قدرت کا کامل مظہر
* ہر فیصلے میں بہترین حکمت کا مالک
* مخلوق کی تربیت اور نظم و نسق میں بے مثال
* محدود انسانی فہم سے بالاتر

خلاصۂ: حکمت و علمِ الٰہی: * ہر نظام، تقدیر اور عمل میں موجود ہے۔
* بندے کی زندگی میں رہنمائی، صبر اور شکر پیدا کرتی ہے۔
* معرفتِ الٰہی کی بنیاد ہے۔
* انسان کو اللہ کی طرف رجوع کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

# توکل و رضا الٰہی-توکل اور تسلیم

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''توکل و رضا'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ بندہ اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دے اور اس کے ہر فیصلے پر دل سے راضی رہے۔ توکل کا مطلب ہے اپنی کوشش کے ساتھ اللہ پر مکمل بھروسہ رکھنا، اور رضا کا مطلب ہے اس کے فیصلوں کو خوش دلی سے قبول کرنا۔ یہی دونوں صفات بندگی کے اعلیٰ مقام کی علامت ہیں۔

توکل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی ذمہ داری پوری کرے، مگر نتیجہ اللہ کے حوالے کر دے۔ وہ جانتا ہے کہ کامیابی اور ناکامی، نفع اور نقصان سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس یقین سے اس کا دل خوف اور پریشانی سے آزاد ہو جاتا ہے، کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رب ہر حال میں اس کے لیے بہتر فیصلہ کرتا ہے۔

رضا الٰہی کا درجہ اس سے بھی بلند ہے، جہاں بندہ نہ صرف اللہ پر بھروسہ کرتا ہے بلکہ اس کے ہر فیصلے پر خوش بھی رہتا ہے۔ خواہ حالات آسان ہوں یا مشکل، وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ کی حکمت کے تحت ہے اور اس میں کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور ہے۔

توکل اور رضا کا تعلق براہِ راست ایمان سے ہے۔ جتنا ایمان مضبوط ہوگا، اتنا ہی توکل اور رضا میں اضافہ ہوگا۔ بندہ جب اللہ کی قدرت، علم اور حکمت کو پہچان لیتا ہے تو اس کے لیے اللہ پر بھروسہ کرنا آسان ہو جاتا ہے اور وہ اس کے فیصلوں پر راضی رہنے لگتا ہے۔

عرفانی نقطۂ نظر سے توکل انسان کو ''خوف سے آزادی'' دیتا ہے، اور رضا اسے "غم سے آزادی" عطا کرتی ہے۔ توکل سے بندہ مستقبل کی فکر سے نکلتا ہے، اور رضا

سے ماضی کے غم سے۔ یوں وہ حال میں سکون اور اطمینان کے ساتھ زندگی گزارنے لگتا ہے۔

یہ معرفت انسان کو اللہ کے قریب لے جاتی ہے۔ جب بندہ ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرتا اور اس کے فیصلوں کو قبول کرتا ہے تو اس کا دل اللہ کی محبت سے بھر جاتا ہے، اور وہ ہر حال میں اس کی طرف رجوع کرنے والا بن جاتا ہے۔

شانِ توکل و رضا الٰہی انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ اصل سکون اور کامیابی اسی میں ہے کہ بندہ اپنے رب پر مکمل بھروسہ کرے اور اس کے ہر فیصلے کو دل سے قبول کرے۔ یہی کیفیت انسان کو اضطراب سے نکال کر یقین، محبت اور اللہ کی قربت کی طرف لے جاتی ہے۔

توکل اور رضا کا مفہوم

لغوی معنی: توکل: بھروسہ کرنا، سپرد کرنا

رضا: خوشی، قبولیت

اصطلاحی معنی: بندہ اللہ پر ہر معاملے میں بھروسہ رکھے، حالات کے نتیجے پر راضی رہے۔ توکل ایمان کی مکمل علامت ہے، اور رضا دل کی اللہ سے محبت اور عاجزی ظاہر کرتی ہے۔

توکل اور رضا بندے کو اللہ کی معرفت کی اعلیٰ منزل تک پہنچاتے ہیں، کیونکہ بندہ اپنی محدود طاقت کے بجائے کامل مالک پر اعتماد کرتا ہے۔

## قرآن میں توکل و رضا

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۲۳

(سورۃ المائدہ:23)

ترجمہ: اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ

(سورۃ البقرہ:286)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑو اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ توکل اور رضا دونوں ایمان کے لازمی پہلو ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ

(سورۃ الطلاق:3)

ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں توکل

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرُزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ، تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا

(رواہ الترمذی، حدیث:2344،)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اللہ پر سچا توکل کرو جیسے توکل کرنے کا حق ہے، تو تمہیں اسی طرح رزق دیا جائے گا جیسے پرندوں کو دیا جاتا ہے وہ صبح خالی

پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے ہوئے لوٹتے ہیں۔

## حقیقی توکل کیا ہے؟

* اسباب اختیار کرنا- مگر دل اللہ پر رکھنا

غیر متوقع رزق: اللہ ایسے دروازے کھول دیتا ہے:

جن کا بندے کو علم نہیں ہوتا- جو اس کی سوچ سے باہر ہوتے ہیں

توکل انسان کو: خوف سے آزاد کرتا ہے- اللہ سے جوڑ دیتا ہے- دل میں سکون پیدا کرتا ہے۔ جو اللہ پر سچا بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کے لیے ایسے راستے کھول دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

توکل صرف passive یقین نہیں، بلکہ active یقین ہے- یعنی بندہ کوشش کرتا ہے اور نتائج اللہ پر چھوڑ دیتا ہے۔

رضا اور توکل بندے کے دل کو دنیا کے جھمیلوں سے آزاد کرتے ہیں اور معرفتِ الٰہی میں اضافہ کرتے ہیں۔

عارفین کہتے ہیں: توکل اور رضا سے بندے کا دل اللہ کی محبت میں مطمئن رہتا ہے۔ یہ شعور بندے کو ہر حالت میں سکون، شکر اور امید پیدا کرنے کا ذریعہ بناتا ہے۔

# عبادت و بندگی الٰہی

## اللہ کی رضا کے لیے اطاعت

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''عبادت و بندگی'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد اپنے رب کی اطاعت اور اس کی رضا کا حصول ہے۔ بندگی صرف چند ظاہری اعمال کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل طرزِ زندگی ہے، جس میں دل، زبان اور عمل سب اللہ کے حکم کے تابع ہو جاتے ہیں۔ یہی حقیقی عبودیت ہے کہ بندہ ہر حال میں اپنے رب کا فرمانبردار بن جائے۔

عبادت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو اللہ کے حکم کے تابع کر دے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر عبادات اس بندگی کی عملی صورتیں ہیں، مگر اصل عبادت دل کا جھکنا اور نیت کا خالص ہونا ہے۔ جب بندہ ہر عمل اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے تو اس کی پوری زندگی عبادت بن جاتی ہے۔

اللہ کی رضا بندگی کا اعلیٰ ترین مقصد ہے۔ بندہ جب یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کی کامیابی صرف اللہ کی خوشنودی میں ہے تو وہ دنیا کی تعریف یا ملامت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس کا ہر عمل، ہر فیصلہ اور ہر کوشش اسی رضا کے حصول کے لیے ہوتی ہے۔

اطاعتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اللہ کے احکام کو خوش دلی سے قبول کرے۔ وہ نہ صرف فرض عبادات ادا کرتا ہے بلکہ اپنی زندگی کے ہر پہلو کو شریعت کے مطابق ڈھالتا ہے۔ یہی اطاعت اسے اللہ کے قریب لے جاتی ہے اور اس کے درجات کو بلند کرتی ہے۔

عرفانی نقطۂ نظر سے عبادت کا اصل حسن ''حضورِ قلب'' میں ہے۔ جب بندہ

عبادت کرتے وقت اللہ کی عظمت کو محسوس کرتا ہے تو اس کا دل خشوع وخضوع سے بھر جاتا ہے۔ یہی کیفیت عبادت کو محض رسم سے نکال کر ایک زندہ اور نورانی تجربہ بنا دیتی ہے۔

یہ معرفت انسان کو عاجزی اور محبت کی طرف لے جاتی ہے۔ بندہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے رب کا محتاج ہے اور اس کی ہر نعمت اسی کی عطا ہے، اس لیے وہ شکر اور اطاعت کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ یہی شعور اسے گناہوں سے دور اور نیکیوں کی طرف مائل کرتا ہے۔

شانِ عبادت و بندگی الٰہی انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ حقیقی کامیابی اللہ کی رضا میں ہے۔ جب بندہ اپنی زندگی کو اللہ کی اطاعت کے تابع کر لیتا ہے تو اس کا ہر لمحہ عبادت بن جاتا ہے، اور وہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی اور سکون حاصل کر لیتا ہے۔

- عبادت بندے کا سب سے اہم فریضہ ہے
- بندگی اللہ کی صفات اور توحید کا عملی اظہار ہے
- یہ صفت بندے کو معرفتِ الٰہی کی بلند سطح تک پہنچاتی ہے

عبادت و بندگی کا مفہوم

لغوی معنی عبادت: اطاعت، فرمانبرداری، عشق، اور عاجزی۔

اصطلاحی معنی: عبادت کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا اور ہر عمل میں اس کے احکام کو ترجیح دینا ہے۔ حقیقی عبادت دل کی خشوع، زبان کی صداقت، اور اعضا کی اطاعت پر مشتمل ہوتی ہے۔

## قرآن میں حکمِ عبادت

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا

(سورۃ النساء:36)

ترجمہ: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ؕ

(سورۃ العنکبوت:45)

ترجمہ: بے شک نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ عبادت نہ صرف اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے بلکہ انسان کی اصلاح بھی کرتی ہے۔

عبادت کے اقسام

1. فرائض: نماز، روزہ، زکات، حج
2. نفلی عبادت: صدقہ، نفل نماز، دعا
3. اخلاقی عبادت: صبر، شکر، عدل، حسن سلوک

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰى...

(رواہ البخاری:1، ومسلم:1907)

ترجمہ: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اعمال صرف نیتوں پر ہوتے ہیں اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ،عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ... وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ...

(رواہ البخاری:1423،ومسلم:1031)

ترجمہ:ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"سات آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا،اور وہ شخص جو چھپ کر صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کرتا ہے"۔

شرح ومفہوم:اسلام میں عبادت کی اصل روح دو چیزیں ہیں:

علم پر عمل:صرف علم کافی نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

حقیقی عبادت یہ ہے کہ انسان جو جانتا ہے،اس پر عمل کرے۔

## اخلاص (اللہ کے لیے کرنا)

اخلاص کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے ہر عمل کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے،اس میں کسی دکھاوے،تعریف یا دنیاوی فائدے کی آمیزش نہ ہو۔قرآن مجید میں ارشاد ہے

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ

(البینہ:5)

ترجمہ:اور انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس

کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

یہ آیت اخلاص کی بنیاد کو واضح کرتی ہے کہ عبادت کی اصل روح نیت کی پاکیزگی ہے۔ اگر عمل ظاہری طور پر کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، مگر اس میں اخلاص نہ ہو تو وہ اللہ کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتا۔ مفسرین کے مطابق اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے دل کو ہر غیر اللہ سے پاک کر کے صرف اللہ کی طرف متوجہ کرے۔

حدیث نبوی میں ارشاد ہے

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔

اس حدیث کی شرح میں علماء بیان کرتے ہیں کہ اخلاص دراصل نیت کی سچائی کا نام ہے۔ جب نیت اللہ کے لیے ہو تو چھوٹا عمل بھی عظیم بن جاتا ہے، اور جب نیت خراب ہو تو بڑا عمل بھی بے وزن ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ اپنے اعمال سے زیادہ اپنی نیتوں کی اصلاح پر توجہ دیتے تھے۔

صوفیاء کے نزدیک اخلاص ایک باطنی کیفیت ہے جو مسلسل مجاہدہ اور نفس کی مخالفت سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنے عمل کو لوگوں کی نظر سے چھپا لے اور اللہ کی نظر میں ظاہر کرے۔ جب دل سے ریا، خودنمائی اور شہرت کی خواہش نکل جاتی ہے تو عمل نور بن جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بندہ عبادت میں لذت محسوس کرتا ہے اور اس کا ہر عمل اللہ کے قرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

عبادت کی قبولیت کا دارومدار اخلاص پر ہے۔

جو عمل صرف اللہ کے لیے کیا جائے، وہی قبول ہوتا ہے۔

اخفاءِ عمل (عمل کو چھپانا): نیک عمل کو چھپانا ریا (دکھاوے) سے بچاتا ہے اور اخلاص کو مضبوط کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خفیہ عبادت کو بہت فضیلت دی گئی ہے۔

عبادت کا اصل: علم + اخلاص + عمل

سب سے افضل عبادت وہ ہے جو علم کے مطابق ہو، خالص اللہ کے لیے ہو، اور ریا سے پاک ہو چاہے وہ چھپی ہوئی ہی کیوں نہ ہو۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: عبادت انسان کو معرفتِ الٰہی کی طرف لے جاتی ہے اور بندگی دل میں عاجزی اور خشوع پیدا کرتی ہے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

ہر عبادت، خواہ واجب ہو یا نفلی، اللہ کی صفات کی معرفت اور توحید کی عملی ترجمانی کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: عبادت کا حقیقی مقصد بندگی کی ظاہری صورت نہیں، بلکہ دل کی تسلیم، خشوع اور اللہ کی محبت ہے۔ عبادت انسان کو اللہ کی قربت اور معرفت کے بلند درجات تک پہنچاتی ہے۔

عملی تقاضے

1. ہر عمل کو اللہ کی رضا کے لیے کرنا
2. دل میں خشوع اور خشیت رکھنا
3. واجبات کی پابندی اور نفلی عبادات کی عادت
4. عبادت کے ذریعے اخلاق اور کردار کو بہتر بنانا

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہی عبادت کا حق دار ہے
* وہی بندگی کے لیے ہر شے پر قادر ہے
* عبادت کے ذریعے بندے کی اصلاح اور ہدایت کا سبب بنتا ہے

# صبر وشکر الٰہی- برداشت اور شکر گزاری

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو دی جانے والی بڑی نعمتوں میں سے ایک صبر اور شکر کی توفیق ہے۔ یہ دونوں صفات انسان کی روحانی زندگی کے دوستون ہیں۔صبر انسان کو مشکلات میں ثابت قدم رکھتا ہے، جبکہ شکر اسے نعمتوں میں عاجزی اور اعتراف کی کیفیت عطا کرتا ہے۔ یوں بندہ ہر حال میں اپنے رب سے جڑا رہتا ہے۔

''صبر'' کا مطلب صرف برداشت کرنا نہیں بلکہ اللہ کی رضا پر قائم رہنا ہے۔ جب آزمائش، دکھ یا مشکل آئے تو بندہ شکایت کے بجائے اللہ کی حکمت پر یقین رکھے اور ثابت قدمی اختیار کرے۔ یہی صبر انسان کو گناہوں سے بچاتا اور اسے اللہ کے قریب کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے خاص محبت رکھتا ہے۔قرآن میں بارہا فرمایا گیا کہ ''بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ یہ معیتِ الٰہی بندے کے لیے سب سے بڑا سہارا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے وہ ہر مشکل میں اندرونی طاقت اور سکون محسوس کرتا ہے۔

اسی طرح ''شکر'' کا مطلب ہے اللہ کی نعمتوں کو پہچاننا، ان کا اعتراف کرنا اور انہیں اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنا۔صرف زبان سے "الحمدللہ" کہنا کافی نہیں، بلکہ دل میں عاجزی اور عمل میں اطاعت بھی ضروری ہے۔یہی حقیقی شکر ہے۔

شکر کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ نعمتوں میں اضافہ فرماتا ہے۔ جب بندہ اپنے رب کی عطاؤں کو تسلیم کرتا ہے تو اللہ اس پر مزید فضل فرماتا ہے۔ اس کے برعکس ناشکری نعمتوں کے زوال کا سبب بنتی ہے، اس لیے شکر گزاری ایک مستقل روحانی ضرورت ہے۔

عرفانی اعتبار سے صبر اور شکر دونوں انسان کو اللہ کی قربت کی طرف لے جاتے ہیں۔ صبر بندے کو آزمائش میں اللہ کے قریب کرتا ہے، اور شکر نعمت میں اللہ سے جوڑتا ہے۔ یوں بندہ ہر حال میں اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے، چاہے وہ خوشی ہو یا غم۔

شانِ صبر و شکر یہ سکھاتی ہے کہ زندگی کے ہر حال میں اللہ کی حکمت کارفرما ہے۔ بندہ اگر مشکل میں صبر کرے اور آسانی میں شکر ادا کرے تو اس کی پوری زندگی عبادت بن جاتی ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جو انسان کو سکون، رضا اور حقیقی کامیابی تک پہنچاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ایک اہم پہلو ''صبر و شکر'' ہے۔ صبر انسان کو مشکلات میں ثابت قدم رہنے اور اللہ کی رضا میں راضی رہنے کی صلاحیت دیتا ہے، جب کہ شکر اللہ کی نعمتوں کے اعتراف اور برکت کا سبب بنتا ہے۔

صبر و شکر کا مفہوم

لغوی معنیٰ ''صبر:'' برداشت، ثابت قدمی، پریشانی میں سکون

''شکر:'' قدردانی، اعتراف، اور اظہارِ رضا

اصطلاحی معنیٰ: ٭صبر کا مطلب مشکلات، دکھ، تکلیف یا حلال امور میں ثابت قدم رہنا ہے۔ ٭شکر کا مطلب ہر نعمت میں اللہ کی حمد اور رضا ظاہر کرنا ہے۔

## قرآن میں صبر و شکر

وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ

(سورۃ النحل:127)

ترجمہ: اور صبر کرو، اور تمہارا صبر صرف اللہ کے ذریعے ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ

(سورۃ ابراہیم:7)

ترجمہ: اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

یہ آیات صبر و شکر کی اہمیت اور اللہ کی مدد و برکت کو واضح کرتی ہیں۔

## صبر کے اقسام

1- مصائب میں صبر: مصائب میں صبر کا مطلب یہ ہے کہ انسان آزمائش، تکلیف، بیماری یا نقصان کے وقت اپنے دل کو بے قراری، شکایت اور ناشکری سے محفوظ رکھے اور اللہ کے فیصلے پر راضی رہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے

وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۙ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ﴿۱۵۶﴾

(البقرہ:155-156)

ترجمہ: اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو، وہ لوگ کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

یہ صبر دراصل یقین کا نتیجہ ہے کہ ہر آزمائش اللہ کی طرف سے ہے اور اس میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ اہلِ معرفت کے نزدیک یہی صبر انسان کو باطن میں مضبوط بناتا ہے اور اسے اللہ کے قریب کرتا ہے۔

2- گناہوں سے رکنے میں صبر: یہ صبر کا وہ درجہ ہے جو انسان کو نفس اور خواہشات کے مقابلے میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ جب انسان گناہ کے مواقع ہونے کے باوجود خود کو روک لیتا ہے تو وہ صبر کی اعلیٰ شکل اختیار کرتا ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا

وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ﴿۴۱﴾

(النازعات:40-41)

ترجمہ: اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

یہ صبر دراصل ایک مسلسل جہاد ہے جو انسان اپنے نفس کے خلاف کرتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک یہی مجاہدہ انسان کو پاکیزگی اور تزکیہ کی طرف لے جاتا ہے اور اس کے دل کو نور سے بھر دیتا ہے۔

3-عبادات وفرائض کی پابندی میں صبر: عبادات میں صبر کا مطلب یہ ہے کہ انسان پابندی کے ساتھ نماز، روزہ، ذکر اور دیگر فرائض کو ادا کرے، چاہے اس میں مشقت ہی کیوں نہ ہو۔

قرآن میں ارشاد ہے

وَ اۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا ؕ

(طٰہٰ:132)

ترجمہ: اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہ۔

یہ صبر انسان کے اندر استقامت پیدا کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کو وہ عمل زیادہ پسند ہے جو مسلسل ہو چاہے کم ہی کیوں نہ ہو۔ عبادات میں صبر دراصل بندگی کی روح ہے، جو انسان کو اللہ کے قریب کرتی ہے اور اس کے دل کو سکون عطا کرتی ہے۔

عَنۡ أَبِيۡ سَعِيۡدٍ وَأَبِيۡ هُرَيۡرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَا يُصِيۡبُ الۡمُؤۡمِنَ مِنۡ وَصَبٍ وَلَا

نَصَبٍ... إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهِ مِنْ خَطَايَاهُ

(متفق علیہ: بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابوسعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن کو کوئی تھکاوٹ یا بیماری نہیں پہنچتی، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے کچھ گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔

ہر تکلیف صبر کے ساتھ گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔

## شکر کے اقسام

1- زبان سے ذکر و دعا:

شکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنی زبان کو اللہ کی حمد، ثنا اور ذکر میں مصروف رکھے۔ جب انسان اللہ کی نعمتوں کو پہچان کر الحمد للہ کہتا ہے، دعا میں اپنے رب کا اعتراف کرتا ہے اور ہر حال میں اس کی تعریف بیان کرتا ہے تو یہ زبانی شکر ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

(البقرہ:152)

ترجمہ: تم میرا ذکر کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا، اور میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔

اس آیت میں ذکر اور شکر کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ زبان کا شکر انسان کو اللہ کے قریب کرتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کثرت سے "الحمد للہ" فرمایا کرتے تھے، حتیٰ کہ ہر چھوٹی بڑی نعمت پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کا شکر دل کو بیدار اور روح کو زندہ

کرتا ہے۔

2-دل سے محبت اور رضا

شکر کا دوسرا اور زیادہ گہرا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے دل میں اللہ کے لیے محبت، رضامندی اور اطمینان پیدا کرے۔ جب بندہ ہر حال میں اللہ کے فیصلوں کو خوش دلی سے قبول کرتا ہے اور اس کے دل میں کوئی شکوہ باقی نہیں رہتا تو یہی حقیقی شکر ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے

وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ

(الزمر:7)

ترجمہ: اگر تم شکر کرو گے تو وہ اسے تمہارے لیے پسند فرمائے گا۔

صوفیاء کے نزدیک شکر کا اصل مقام یہی ہے کہ دل اللہ کے ہر فیصلے پر راضی ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ انسان نعمت کو پہچانے اور اسے دینے والے سے محبت کرے۔ جب دل میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو نعمت اور آزمائش دونوں ایک ہی حقیقت بن جاتے ہیں اور بندہ ہر حال میں مطمئن رہتا ہے۔

3-اعضاء سے نیک اعمال انجام دینا

شکر کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی نعمتوں کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کرے۔ آنکھیں ہیں تو انہیں حلال دیکھنے میں لگائے، زبان ہے تو اسے سچ اور خیر کے لیے استعمال کرے، ہاتھ ہیں تو نیکی کے کاموں میں لگائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ

(سبا:13)

ترجمہ: اے آلِ داؤد! شکر کے طور پر عمل کرو۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ شکر صرف الفاظ نہیں بلکہ عمل کا نام بھی ہے۔ جب انسان اپنی نعمتوں کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرتا ہے تو وہ حقیقی شکر گزار بن جاتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک یہی شکر انسان کو ترقی دیتا ہے اور اس کے اعمال کو نور میں بدل دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کی پوری زندگی اللہ کی بندگی کا مظہر بن جاتی ہے۔

عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: عَجَبًا لِّأَمْرِ الْمُؤْمِنِ... إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ... وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ

(رواہ مسلم، حدیث: 2999)

ترجمہ: صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن کا معاملہ کتنا عجیب ہوتا ہے، اگر اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے، اور اگر اسے کوئی برائی پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے۔

- اصل صبر وہ ہے جو زندہ دل کے ساتھ کیا جائے
- اصل شکر وہ ہے جو شعور اور محبت کے ساتھ ادا ہو

یعنی مردہ (قبر والا) تو مجبور ہے، اور نعمت والا ہر وقت شکر گزار نہیں ہوتا، مگر وہ شخص بہترین ہے جو "ہر حال میں صبر بھی کرے اور شکر بھی ادا کرے"۔

کامل مومن وہ ہے جو مصیبت میں صبر کرے اور نعمت میں شکر کیونکہ یہی بندگی کا اعلیٰ مقام ہے۔

ایک عارف کا قول ہے کہ

مَا أَصْبَرَ أَهْلَ قُبُرٍ وَلَا أَشْكَرَ أَهْلَ نِعْمَةٍ كَمَنْ

## صَبَرَ وَشَکَرَ اللہَ

ترجمہ: قبروں کے لوگ صبر کرنے والے اور نعمتوں میں شکر گزار لوگوں جیسے نہیں ہوتے، جو اللہ پر صبر اور شکر کرتے ہیں۔

عارفین کہتے ہیں: صبر انسان کے دل کو تکالیف میں مضبوط اور شکر دل کو اللہ کی محبت میں لطیف بناتا ہے۔ یہ دونوں صفتیں معرفتِ الٰہی کے ستون ہیں اور روح کو سکون دیتی ہیں۔

1. مشکلات میں اللہ کی مدد پر بھروسہ
2. نعمتوں میں شکر اور ذکر
3. گناہوں اور لغزشوں پر صبر و استغفار
4. صبر اور شکر کو زندگی کا معمول بنانا

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ صبر کرنے والوں کی مدد کرتا ہے
* شکر گزاروں کو مزید برکت عطا کرتا ہے

## لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ

(سورۃ ابراہیم:7)

ترجمہ: اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

صبر اور شکر بندے کو روحانی سکون عطا کرتے ہیں

* مشکلات میں ثابت قدمی اور نعمتوں میں شکر پیدا کرتے ہیں
* معرفتِ الٰہی کے بنیادی ستون ہیں
* انسان کو اللہ کی طرف رجوع کرنے، دعا کرنے اور اعمال میں اصلاح کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

# توفیق و ہدایتِ الٰہی

## اللہ کی رہنمائی وعنایت

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''توفیق و ہدایت'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ بندے کو نیکی کی طرف بڑھنے، حق کو پہچاننے اور اس پر قائم رہنے کی اصل قوت اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔ انسان اپنی عقل اور کوشش سے راستہ تلاش تو کر سکتا ہے، مگر اس پر چلنے کی توفیق اور استقامت اللہ کی عطا ہے۔ اسی لیے ہدایت محض علم نہیں بلکہ ایک الٰہی عطیہ ہے۔

ہدایت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اللہ بندے کو حق کی پہچان عطا کرتا ہے۔ وہ اسے خیر و شر میں فرق سکھاتا ہے، دل میں نور پیدا کرتا ہے اور سچائی کی طرف مائل کرتا ہے۔ قرآنِ مجید اسی ہدایت کا عظیم ذریعہ ہے، جو انسان کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی دیتا ہے۔

توفیق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ بندے کو نیکی کرنے کی قدرت، رغبت اور آسانی عطا کرے۔ بہت سے لوگ حق کو جانتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کر پاتے، جبکہ جسے توفیق مل جائے وہ کم علم کے باوجود بھی اللہ کے راستے پر چلتا رہتا ہے۔ یہ اللہ کی خاص عنایت ہے کہ وہ بندے کے لیے خیر کے راستے کھول دیتا ہے۔

اللہ کی ہدایت درجات رکھتی ہے۔ عام ہدایت وہ ہے جو ہر انسان کو عقل، فطرت اور انبیاء کے ذریعے ملتی ہے، جبکہ خاص ہدایت وہ ہے جو اللہ اپنے منتخب بندوں کے دل میں ڈال دیتا ہے جس سے وہ نہ صرف حق کو پہچانتے ہیں بلکہ اس سے محبت بھی

کرتے ہیں اور اس پر ثابت قدم بھی رہتے ہیں۔

عرفانی اعتبار سے توفیق و ہدایت کا شعور انسان کے دل میں عاجزی پیدا کرتا ہے۔ بندہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ نیکی کر رہا ہے تو یہ اس کی اپنی طاقت نہیں بلکہ اللہ کی عطا ہے۔ یہی احساس اسے غرور سے بچاتا ہے اور ہر نیکی پر شکر گزار بناتا ہے۔

یہ معرفت انسان کو دعا کی طرف بھی متوجہ کرتی ہے۔ بندہ بار بار اللہ سے ہدایت مانگتا ہے جیسا کہ نماز میں "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کی دعا سکھائی گئی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بغیر اللہ کی مدد کے وہ سیدھے راستے پر قائم نہیں رہ سکتا۔

شانِ توفیق و ہدایتِ الٰہی انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ کامیابی کا راز صرف اپنی کوشش میں نہیں بلکہ اللہ کی عنایت میں ہے۔ بندہ جب اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو وہ ہر لمحہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، اس سے ہدایت مانگتا ہے، اور اسی کے سہارے اپنی زندگی کو نور اور راستبازی کی طرف لے جاتا ہے۔

توفیق و ہدایت کا مفہوم

لغوی معنی: ''توفیق'': کسی کام میں کامیابی، رہنمائی اور قوت

''ہدایت'': صحیح راستے کی طرف رہنمائی

اصطلاحی معنی: اللہ کی توفیق اور ہدایت کا مطلب ہے کہ وہ بندے کو نیکی کرنے، گمراہی سے بچنے اور اپنی رضا کی طرف چلنے کی قوت عطا کرتا ہے۔

## قرآن میں توفیق و ہدایت

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

(سورۃ البقرہ:213)

ترجمہ: اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

(سورۃ آل عمران:8)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو نہ بھٹکا۔

یہ آیات اللہ کی ہدایت کی قوت اور بندے کی دعا کی ضرورت کو واضح کرتی ہیں۔

ہدایت وگمراہی کے اسباب: ہدایت: علم، دعا، تقویٰ، نیک عمل

گمراہی: غرور، نافرمانی، جہالت، نفس کی خواہشات

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

(سورۃ الاسراء:9)

بے شک یہ قرآن اس چیز کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں توفیق وہدایت

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: قُلِ: اللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ وَسَدِّدْنِيْ

(رواہ مسلم، حدیث:2725)

ترجمہ: علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کہو: اے اللہ مجھے ہدایت دے اور مجھے کامیابی عطا فرما۔

اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ، وَلَكِنَّ اللهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

(بخاری ومسلم)

ترجمہ: درحقیقت آپ جس سے محبت کرتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

## ہدایت دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔

شرح ومفہوم: جو بندہ اللہ سے اخلاص کے ساتھ ہدایت اور توفیق مانگتا ہے، اللہ اسے محروم نہیں کرتا۔ یہ مفہوم قرآن وحدیث کے عمومی اصول کے مطابق درست ہے، کیونکہ اللہ دعا قبول کرنے والا اور بندوں پر مہربان ہے۔

ہدایت صرف راستہ دکھانا نہیں بلکہ اس پر چلنے کی طاقت دینا بھی ہے، اور یہی توفیق ہے۔ جب بندہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے خیر کے دروازے کھول دیتا ہے اور اسے اپنی رضا کے قریب کر دیتا ہے۔

ایک عارف کا قول ہے کہ

مَنْ سَأَلَ اللهَ الْهُدَى وَالتَّوْفِيْقَ، أُعْطِيَ وَهُوَ مَرْضِيٌّ لَهُ

ترجمہ: جو شخص اللہ سے ہدایت اور توفیق طلب کرتا ہے، اسے عطا کی جاتی ہے اور وہ اس کے لیے پسندیدہ ہوتا ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: توفیق اور ہدایت کے بغیر انسان نیکی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی عنایت ہی انسان کو راستہ دکھاتی ہے۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں: انسان کی ہدایت اور توفیق میں اس کی دعا اور نیت کا عمل دخل ہے، لیکن اصل طاقت اور رہنمائی اللہ کی طرف سے ہے۔

عارفین کہتے ہیں: توفیق اور ہدایت بندے کو اللہ کی معرفت اور قربت کی طرف

کھینچتی ہیں۔

یہ شعور دل میں اعتماد، سکون اور اللہ پر بھروسہ پیدا کرتا ہے۔

عملی تقاضے

1. ہر نیکی کی ابتدا اللہ سے مدد طلب کرنا
2. دعا میں ہدایت اور توفیق کی التجا
3. نیکی اور عمل صالح میں مستقل مزاجی
4. گمراہی سے بچنے کے لیے علم اور تقویٰ اپنانا

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہی ہر بندے کو صحیح راستے کی ہدایت دے سکتا ہے
* توفیق دینے والا صرف اللہ ہے
* بندے کی دعا اور کوشش کے مطابق نیکی میں کامیابی عطا کرتا ہے

## خلاصۂ باب

توفیق و ہدایت:

* ہر نیکی اور راستبازی کے لیے بنیادی ضرورت ہیں
* انسان کی زندگی میں سکون، استقامت اور درست فیصلے پیدا کرتے ہیں
* معرفتِ الٰہی میں بڑھوتری اور بندگی کی تکمیل کا ذریعہ ہیں

یہ باب بندے کو یہ سکھاتا ہے کہ دعا، محنت اور اللہ کی عنایت کے بغیر کوئی نیکی مکمل نہیں ہوتی، اور ہر کامیابی اللہ کی طرف سے عطا شدہ توفیق اور ہدایت کا نتیجہ ہے۔

# اللہ کی قدرت کے مظاہر

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''قدرت وتخلیق'' اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ وہی اس کائنات کا واحد خالق اور مدبّر ہے۔ اس نے ہر شے کو عدم سے وجود میں لایا، بغیر کسی نمونے اور بغیر کسی مدد کے۔ اس کی تخلیق محض اتفاق نہیں بلکہ ایک کامل حکمت، ترتیب اور مقصد کے تحت ہے، جو اس کی قدرتِ کاملہ کا روشن ثبوت ہے۔

اللہ کی قدرت کا سب سے بڑا مظہر یہی کائنات ہے۔ آسمانوں کی وسعت، زمین کی ساخت، ستاروں کی گردش، دن اور رات کا نظام یہ سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک عظیم قدرت ہر چیز کو سنبھالے ہوئے ہے۔ ہر نظام اپنے وقت اور توازن کے ساتھ چل رہا ہے، جو اس کے حکیم اور قادر ہونے کی دلیل ہے۔

تخلیقِ انسان اللہ کی قدرت کا ایک عظیم نمونہ ہے۔ ایک معمولی قطرے سے انسان کا بننا، پھر اس میں عقل، شعور اور احساسات کا پیدا ہونا یہ سب ایسے اسرار ہیں جو انسان کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ سب اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ کی قدرت نہ صرف عظیم بلکہ نہایت باریک اور دقیق بھی ہے۔

اللہ کی تخلیق میں حسن اور توازن بھی نمایاں ہے۔ ہر چیز ایک خاص انداز، تناسب اور خوبصورتی کے ساتھ پیدا کی گئی ہے۔ پھولوں کی نزاکت، پہاڑوں کی مضبوطی، پانی کی روانی یہ سب اس کے "المصوّر" ہونے کی نشانیاں ہیں، جو ہر چیز کو بہترین صورت عطا کرتا ہے۔

عرفانی نقطۂ نظر سے کائنات کا ہر ذرہ اللہ کی قدرت کا آئینہ ہے۔ جب انسان غور کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ ہر شے اس کے خالق کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ یہی غور وفکر انسان کے دل میں اللہ کی عظمت، محبت اور قربت کا احساس پیدا کرتا ہے۔

یہ معرفت انسان کو عاجزی اور شکر کی طرف لے جاتی ہے۔ بندہ جب دیکھتا ہے کہ وہ خود بھی اللہ کی تخلیق کا ایک حصہ ہے، تو وہ اپنی کمزوری کو پہچانتا ہے اور اپنے خالق کے سامنے جھک جاتا ہے۔ یہی احساس اس کے ایمان کو مضبوط اور اس کے دل کو نرم کرتا ہے۔

شانِ قدرت و تخلیقِ الٰہی انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ یہ کائنات بے مقصد نہیں بلکہ ایک عظیم خالق کی نشانی ہے۔ بندہ جب اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کی زندگی میں یقین، سکون اور اللہ کی طرف رجوع پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ ہر چیز میں اپنے رب کی قدرت کا مظہر دیکھنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ایک بنیادی پہلو اس کی ''قدرت اور تخلیق'' ہے۔ اللہ ہی نے کائنات، زمین و آسمان، جاندار اور بے جان اشیاء سب کچھ پیدا کیا اور ہر چیز کو ایک متوازن نظام میں رکھا۔

- قرآن و حدیث میں قدرتِ الٰہی کیسے بیان ہوئی ہے
- معرفتِ الٰہی میں قدرت کی پہچان کا کردار کیا ہے
- ہر شے میں اللہ کی قدرت کو دیکھ کر انسان میں عاجزی و خشوع پیدا ہوتا ہے

قدرت و تخلیق کا مفہوم

لغوی معنی: قدرت: توانائی، طاقت، اور اختیار

تخلیق: پیدا کرنا، وجود میں لانا

اصطلاحی معنی: اللہ کی قدرت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر شے پیدا کرنے، اس کا نظم قائم رکھنے اور ہر چیز کو اپنے اختیار میں رکھنے والا ہے۔

## قرآن میں قدرتِ الٰہی

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾

(سورۃ الزمر:62)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی شانِ تخلیق اور تدبیر کو نہایت جامع انداز میں بیان کرتی ہے۔ "خالق" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز چاہے وہ بڑی ہو یا چھوٹی، ظاہر ہو یا مخفی سب اللہ ہی کے حکم سے وجود میں آئی ہے۔ کوئی شے ایسی نہیں جو اس کی تخلیق سے باہر ہو، حتیٰ کہ انسان کے اعمال اور اسباب بھی اسی کے پیدا کردہ نظام کے تحت ہیں۔

"وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ صرف پیدا کرنے والا ہی نہیں بلکہ ہر چیز کا نگہبان، سنبھالنے والا اور کارساز بھی ہے۔ وہی ہر شے کے معاملات کو چلاتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے انجام تک پہنچاتا ہے۔ یہ آیت انسان کو توحید کا درس دیتی ہے کہ جب خالق بھی اللہ ہے اور وکیل بھی وہی ہے تو بندے کو چاہیے کہ وہ ہر معاملے میں اسی پر بھروسہ کرے اور اسی کی طرف رجوع کرے۔

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(سورۃ الجاثیہ:3)

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں صرف مومنین کے لیے نشانیاں ہیں۔

تفسیر: یہ آیت انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کائنات میں بے شمار نشانیاں موجود ہیں آسمانوں کی وسعت، زمین کی ساخت، ستاروں کی ترتیب، دن اور رات کا نظام یہ سب اللہ کی قدرت، حکمت اور وحدانیت کی واضح دلیلیں ہیں۔ مگر ان نشانیوں سے فائدہ صرف وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو ایمان والے ہوتے ہیں۔ کیونکہ مومن کا دل بیدار ہوتا ہے، وہ صرف ظاہری چیزوں کو نہیں دیکھتا بلکہ ان کے پیچھے موجود خالق کی قدرت کو بھی پہچانتا ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ ہر شے اللہ کی قدرت کی علامت ہے اور انسان کو معرفت کی طرف بلاتی ہے۔

## قدرت کے مظاہر

- آسمان وزمین کا نظام
- سورج، چاند اور ستاروں کی گردش-موسم، بارش، نباتات اور حیوانات
- انسان اور دیگر جاندار-رزق، زندگی، موت اور تقدیر

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً

(سورۃ الروم:54)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری سے پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد تمہیں قوت عطا کی۔

تفسیر وشرح: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی ''شانِ تخلیق اور ربوبیت'' کو نہایت گہرے انداز میں بیان کرتی ہے۔ انسان کی زندگی کو تین بنیادی مراحل میں بیان کیا گیا ہے: ''ابتدائی کمزوری، درمیانی قوت، اور پھر دوبارہ کمزوری'' (جو آگے آیت میں مکمل ہوتی ہے)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان خود مختار نہیں بلکہ ہر حال میں اللہ کی قدرت اور تدبیر کا محتاج ہے۔

### 1. مِنْ ضُعْفٍ- ابتدائی کمزوری

انسان کی تخلیق ایک نہایت کمزور حالت سے ہوتی ہے نطفہ، پھر بچپن کی ناتوانی، جہاں وہ خود کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ نہ چل سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، نہ اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ یہ مرحلہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انسان اپنی اصل میں کمزور اور

محتاج ہے۔

## 2. "ثُمَّ جَعَلَ مِنۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً" قوت کا مرحلہ

پھر اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت سے انسان کو قوت عطا کرتا ہے۔ وہی کمزور بچہ جوانی کی طاقت، عقل، شعور اور ارادے کا مالک بن جاتا ہے۔ یہ قوت محض جسمانی نہیں بلکہ ذہنی اور روحانی بھی ہے۔ یہ سب اللہ کی عطا ہے، نہ کہ انسان کی اپنی کمائی۔

## ربوبیتِ الٰہی کا مظہر

ربوبیتِ الٰہی کا مظہر اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی تخلیق کے بعد اسے تنہا نہیں چھوڑتا، بلکہ ہر لمحہ اس کی پرورش اور رہنمائی فرماتا ہے۔ انسان ابتدا میں ایک نہایت کمزور حالت میں ہوتا ہے، مگر اللہ اپنی حکمت اور قدرت سے اسے بتدریج نشوونما عطا کرتا ہے۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے تمام مراحل اسی ربوبیت کا حصہ ہیں، جہاں ہر دور میں انسان کی جسمانی، ذہنی اور روحانی ضروریات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

یہ پرورش صرف جسمانی نشوونما تک محدود نہیں بلکہ اس میں انسان کی فکری اور روحانی تربیت بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو عقل، شعور اور ہدایت کے ذرائع عطا کرتا ہے تاکہ وہ صحیح راستہ اختیار کر سکے۔ انبیاء کرامؑ کی بعثت، آسمانی کتب کا نزول، اور زندگی کے مختلف تجربات یہ ربوبیت کے مظاہر ہیں جو انسان کو سنوارتے اور اس کی اصلاح کرتے ہیں۔ ہر آزمائش اور ہر نعمت دراصل ایک تربیتی مرحلہ ہے جو انسان کو اپنے رب کے قریب کرتا ہے۔

مزید برآں، اللہ کی ربوبیت میں تسلسل اور حکمت نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ نہ صرف انسان کو پیدا کرتا ہے بلکہ اس کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام بھی فرماتا ہے۔ رزق کی فراہمی، حفاظت، اور زندگی کے پیچیدہ نظام کا چلنا یہ اس بات کی دلیل

ہیں کہ اللہ ایک کامل مربی ہے۔ انسان اگر غور کرے تو اسے اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اللہ کی ربوبیت کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، جو اسے شکر، صبر اور اللہ پر کامل بھروسہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

یہ آیت دراصل اللہ کی ''پرورش (ربوبیت)'' کا بیان ہے۔ وہ انسان کو ایک حالت سے دوسری حالت میں لے جاتا ہے، اسے آہستہ آہستہ ترقی دیتا ہے، اور ہر مرحلے میں اس کی ضرورتوں کا خیال رکھتا ہے۔ یہ مسلسل تربیت اور تدبیر اللہ کی کامل ربوبیت کی دلیل ہے۔

## انسان کے لیے سبق

یہ آیت انسان کو غرور سے بچاتی ہے۔ جب وہ اپنی جوانی اور طاقت پر فخر کرتا ہے تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ وہ پہلے کمزور تھا اور آگے بھی کمزور ہو جائے گا۔ اس لیے اصل طاقت اللہ کی ہے، اور انسان کو عاجزی اختیار کرنی چاہیے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک یہ آیت انسان کو اس کی حقیقت دکھاتی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کا محتاج ہے۔ قوت کے وقت بھی اور کمزوری کے وقت بھی۔ جب بندہ اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو وہ اپنی طاقت کو بھی اللہ کی امانت سمجھتا ہے اور اسی کی رضا میں استعمال کرتا ہے۔

* انسان کمزوری سے پیدا ہوتا ہے
* اللہ اسے قوت عطا کرتا ہے
* یہ سب اللہ کی ربوبیت اور قدرت کا مظہر ہے
* انسان کو اپنی اصل یاد رکھ کر عاجزی اختیار کرنی چاہیے

انسان کی طاقت بھی اللہ کی عطا ہے اور اس کی کمزوری جو اپنی حقیقت کو پہچان لے، وہ اپنے رب کو پہچان لیتا ہے۔

# حکمت کے ساتھ تخلیق

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ
(سورۃ ص:27)

ترجمہ: ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔

تفسیر وشرح: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی ''حکمتِ کاملہ اور مقصدی تخلیق'' کو واضح کرتی ہے۔ ''باطلاً'' کا معنی ہے بے فائدہ، بے مقصد یا محض کھیل تماشے کے طور پر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے کائنات کو بے کار یا فضول نہیں بنایا، بلکہ ہر چیز ایک گہری حکمت، ترتیب اور مقصد کے تحت پیدا کی گئی ہے۔

تخلیق کا مقصدی ہونا: کائنات کا ہر ذرہ کسی نہ کسی مقصد کے لیے ہے۔ آسمانوں کی وسعت، زمین کا نظام، دن اور رات کی گردش، بارش کا نزول یہ سب انسان کی زندگی، آزمائش اور ہدایت کے لیے ہیں۔ یہ آیت اس نظریے کی تردید کرتی ہے کہ دنیا محض اتفاق یا حادثہ ہے۔

حکمتِ الٰہی کا اظہار: اللہ کی ہر تخلیق میں حکمت پوشیدہ ہے، چاہے انسان اسے سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے۔ کبھی انسان کو کسی چیز میں نقصان نظر آتا ہے، مگر درحقیقت اس میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ یہ آیت بندے کو اللہ کے فیصلوں پر یقین اور اعتماد سکھاتی ہے۔

آخرت کی دلیل: مفسرین کے مطابق اس آیت میں آخرت کا اثبات بھی ہے۔ اگر کائنات بے مقصد نہیں تو انسان کی زندگی بھی بے مقصد نہیں ہوسکتی۔ ضرور ایک دن حساب ہوگا، جہاں انسان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہی حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہے۔

انسان کے لیے پیغام: یہ آیت انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتی ہے کہ وہ کائنات

میں اللہ کی نشانیوں کو دیکھے اور اپنی زندگی کا مقصد سمجھے۔ انسان محض کھانے، پینے اور دنیاوی لذتوں کے لیے پیدا نہیں ہوا بلکہ اسے اللہ کی عبادت اور معرفت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک یہ آیت دل میں ایک گہرا شعور پیدا کرتی ہے کہ زندگی کا ہر لمحہ ایک مقصد رکھتا ہے۔ نہ کوئی واقعہ بے کار ہے، نہ کوئی لمحہ ضائع۔ جب بندہ اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کی زندگی سنجیدہ، بامقصد اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

* کائنات کی تخلیق بے مقصد نہیں- ہر چیز اللہ کی حکمت کے تحت ہے
* انسان کی زندگی بھی ایک آزمائش اور مقصد رکھتی ہے- آخرت اس مقصد کا لازمی نتیجہ ہے

پس معلوم ہوا کہ یہ کائنات کھیل نہیں بلکہ ایک سنجیدہ حقیقت ہے اور انسان کی زندگی ایک ذمہ داری ہے، جس کا حساب ایک دن ضرور ہوگا۔

## تقدیر (قدَر) کے ساتھ تخلیق

وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝۲

(سورۃ الفرقان:2)

ترجمہ: اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اسے ایک اندازے کے مطابق مقرر کیا۔

تفسیر و شرح: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی ''شانِ تخلیق، علم اور تقدیر'' کو نہایت جامع انداز میں بیان کرتی ہے۔ اس میں دو بنیادی حقیقتیں بیان ہوئیں:

1. اللہ ہر چیز کا خالق ہے
2. اس نے ہر چیز کو ایک خاص اندازے، نظام اور مقدار کے ساتھ پیدا کیا ہے

## وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ہمہ گیر تخلیق

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا چاہے وہ بڑی ہو یا چھوٹی، ظاہر ہو یا پوشیدہ، مادی ہو یا غیر مادی۔ کوئی چیز اس کی تخلیق سے باہر نہیں۔ یہ آیت توحیدِ خالقیت کو ثابت کرتی ہے کہ کائنات کا کوئی شریکِ خالق نہیں۔

## فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا نظامِ تقدیر

''تقدیر'' کا مطلب ہے ہر چیز کو ایک خاص مقدار، وقت، حالت اور نظام کے مطابق مقرر کرنا۔

- ہر مخلوق کا ایک وقتِ پیدائش ہے
- ایک عمر مقرر ہے- ایک نظامِ حرکت ہے

یہ سب اللہ کے ازلی علم اور حکمت کے مطابق طے شدہ ہے۔ کائنات میں کچھ بھی بے ترتیب یا اتفاقی نہیں۔

## حکمت اور توازن کا نظام

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ کائنات ایک مکمل توازن کے ساتھ چل رہی ہے۔ سورج کا وقت پر طلوع ہونا، زمین کا مدار میں گھومنا، جسم کے نظام کا درست کام کرنا یہ سب "تقدیر" کا حصہ ہیں۔ اگر اس نظام میں معمولی سی تبدیلی آ جائے تو زندگی ممکن نہ رہے۔

## انسان کی تقدیر اور اختیار

انسان کی تقدیر اور اختیار ایک ایسا موضوع ہے جس میں توازن کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک نظامِ تقدیر

کے تحت پیدا کیا ہے، مگر ساتھ ہی انسان کو ارادہ اور اختیار بھی عطا فرمایا ہے۔ یعنی انسان مکمل طور پر مجبور نہیں، بلکہ اسے صحیح اور غلط میں انتخاب کی آزادی دی گئی ہے۔ یہی اختیار اس کی آزمائش کی بنیاد بنتا ہے، اور اسی پر اس کے اعمال کا حساب ہوگا۔

تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ہر چیز کا پہلے سے علم ہے اور اس کی حکمت کے مطابق ہر واقعہ پیش آتا ہے۔ مگر یہ علم انسان کے اختیار کو ختم نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر، انسان کے سامنے نیکی اور بدی کے راستے واضح کر دیے گئے ہیں، اب وہ جس راستے کو اختیار کرتا ہے، وہی اس کا عمل بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت بھیجی، عقل دی، اور ضمیر عطا کیا تاکہ انسان سوچ سمجھ کر فیصلے کرے۔ اس طرح تقدیر اور اختیار ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ ایک مکمل نظام کا حصہ ہیں۔

درحقیقت، انسان کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اپنے اختیار کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرے۔ جب انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، تو وہ سنجیدگی اور احتیاط کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ تقدیر پر ایمان اسے صبر اور سکون دیتا ہے، جبکہ اختیار کا شعور اسے محنت اور عمل پر آمادہ کرتا ہے۔ یوں ایک مومن تقدیر پر راضی رہتے ہوئے اپنے اختیار کو بہترین انداز میں استعمال کرتا ہے، اور یہی اعتدال اس کی دنیا و آخرت کی کامیابی کا راستہ بنتا ہے۔

انسان بھی اسی تقدیر کا حصہ ہے، مگر اسے محدود اختیار دیا گیا ہے۔ وہ اپنے اعمال کا انتخاب کرتا ہے، مگر اس کا علم اللہ کے پاس پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ اس لیے تقدیر اور اختیار میں تضاد نہیں بلکہ توازن ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک یہ آیت انسان کو "رضا بالقضاء" سکھاتی ہے۔ جب بندہ جان لیتا ہے کہ ہر چیز اللہ کی تقدیر کے مطابق ہے تو وہ ہر حال میں مطمئن رہتا ہے نہ زیادہ خوشی میں بہکتا ہے، نہ غم میں ٹوٹتا ہے۔

# اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے

اللہ ہر چیز کا خالق ہے بی یہ عقیدہ اسلامی ایمان کی بنیادوں میں سے ایک ہے۔ کائنات کی ہر شے، چاہے وہ نظر آئے یا نہ آئے، اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے۔ زمین و آسمان، انسان، حیوانات، نباتات، اور تمام مخلوقات اسی کی تخلیق کا مظہر ہیں۔ قرآن ہمیں بار بار اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اللہ ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اسی نے اس کے لیے ایک خاص نظام اور مقصد مقرر کیا۔

یہ تخلیق محض وجود میں لانا نہیں بلکہ حکمت، ترتیب اور توازن کے ساتھ ہے۔ کائنات کا منظم نظام بی دن اور رات کا آنا جانا، موسموں کی تبدیلی، زندگی اور موت کا سلسلہ بی سب اللہ کی قدرت اور تخلیقی صلاحیت کی واضح نشانیاں ہیں۔ انسان جب ان نشانیوں پر غور کرتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ سب کسی عظیم خالق کی تدبیر کے بغیر ممکن نہیں۔ ہر چیز اپنے مقررہ قانون کے مطابق چل رہی ہے، جو اللہ کی کامل حکمت کو ظاہر کرتا ہے۔

اس حقیقت کو ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے، اس کی عبادت کرے، اور اس کے احکامات کے مطابق زندگی گزارے۔ جب انسان یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ ہی اس کا خالق ہے، تو وہ اپنے ہر عمل میں ذمہ داری محسوس کرتا ہے۔ یہ عقیدہ انسان کے اندر عاجزی، شکرگزاری اور اللہ پر بھروسہ پیدا کرتا ہے، اور اسے گمراہی سے نکال کر سیدھے راستے کی طرف لے جاتا ہے۔

* ہر چیز ایک مقررہ اندازے اور نظام کے تحت ہے
* کائنات میں کچھ بھی بے ترتیب نہیں
* انسان کو محدود اختیار دیا گیا ہے

* تقدیر کا شعور دل کو سکون دیتا ہے

پس معلوم ہوا کہ کائنات کا ہر ذرہ ایک طے شدہ نظام کے تحت ہے اور جو اس نظام کو پہچان لے، وہ اللہ کی حکمت اور قدرت کو پہچان لیتا ہے۔

ایک عارف کا قول ہے کہ

## إِنَّ اللهَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بِالْحِكْمَةِ وَالْقَدْرِ

ترجمہ: اللہ نے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان موجود ہر چیز کو حکمت اور قدرت کے ساتھ پیدا کیا۔

اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو:

حکمت (Wisdom) کے ساتھ پیدا کیا یعنی ہر چیز کا ایک مقصد ہے

قدر (Measure/Decree) کے ساتھ پیدا کیا یعنی ہر چیز ایک خاص نظام اور مقدار کے تحت ہے

کائنات کا کوئی حصہ بے ترتیب یا بے مقصد نہیں۔ ہر شے ایک کامل نظام، توازن اور ترتیب کے ساتھ چل رہی ہے، جو اللہ کی قدرت اور علم کا مظہر ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک اس حقیقت کا ادراک انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ:

* زندگی کا ہر واقعہ حکمت کے تحت ہے
* ہر مشکل اور آسانی ایک مقدر شدہ نظام کا حصہ ہے
* بندہ اللہ کے فیصلوں پر راضی رہے

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی قدرت ہر شے میں نظر آتی ہے، حتیٰ کہ زمین و آسمان، نباتات و حیوانات، سب اس کی عظمت کے مظاہر ہیں۔

امام قرطبی لکھتے ہیں: قدرت کا شعور انسان کو عاجزی، خشوع اور اللہ کی عبادت

کی طرف لے جاتا ہے۔

عارفین کہتے ہیں: قدرت کو دیکھ کر دل میں خوف، محبت اور توکل پیدا ہوتا ہے۔ ہر شے میں اللہ کی موجودگی اور نظم کو پہچان کر انسان معرفتِ الٰہی کے قریب پہنچتا ہے۔

1. ہر مظہرِ قدرت میں اللہ کی یاد
2. رزق، زندگی اور نعمتوں پر شکر
3. ہر قدرتی حادثے میں حکمت اور صبر
4. عبادت میں خشوع اور عاجزی

## خلاصۂ باب

قدرت و تخلیقِ الٰہی:

* ہر شے میں ظاہر ہے
* معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے
* بندے کو عاجزی، خشوع اور شکر سکھاتی ہے
* ہر مظہر میں اللہ کی حکمت، علم اور طاقت کو پہچاننا ممکن بناتی ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ ہر مخلوق، ہر نظام اور ہر قدرتی مظہر اللہ کی عظمت اور حکمت کی نشانی ہے، اور معرفتِ الٰہی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

# اللہ کی شان کامل برابری

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''عدل وانصاف'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اس کے تمام فیصلے حق، توازن اور حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ وہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اور نہ ہی کسی کے حق کو ضائع کرتا ہے۔ اس کی عدالت کامل ہے، جہاں نہ سفارش چلتی ہے، نہ رشتہ داری، بلکہ صرف حق اور حقیقت کا بول بالا ہوتا ہے۔

اللہ کا عدل اس کی صفاتِ کمال کا حصہ ہے۔ وہ ہر بندے کے ساتھ اس کے عمل، نیت اور حالات کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ نیک کو اس کی نیکی کا پورا بدلہ دیتا ہے اور بدکار کو اس کے عمل کے مطابق سزا دیتا ہے۔ اس کے ہاں ذرہ برابر بھی ناانصافی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

قرآنِ مجید میں بار بار یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ اس کی عدالت میں کسی پر رتی برابر بھی ظلم نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر عمل کو محفوظ رکھتا ہے اور قیامت کے دن ہر شخص کو اس کا مکمل حق دیا جائے گا۔ یہ اس کی عدل پر مبنی کامل نظامِ جزا وسزا کا حصہ ہے۔

اللہ کا عدل صرف سزا دینے تک محدود نہیں بلکہ اس کی رحمت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ وہ چاہے تو معاف بھی کرتا ہے، درگزر بھی کرتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ بھی کرتا ہے۔ اس لیے اس کا عدل سختی نہیں بلکہ ایک حکیمانہ اور رحیمانہ نظام ہے جو بندے کی اصلاح اور فلاح کے لیے ہوتا ہے۔

عرفانی اعتبار سے عدلِ الٰہی کا شعور انسان کے دل میں اطمینان پیدا کرتا ہے۔ جب بندہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ میرا رب سب کے ساتھ انصاف کرتا ہے تو وہ حسد، شکایت اور ناامیدی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ ہر چیز اپنے وقت پر اور

اپنے حق کے مطابق ظاہر ہوگی۔

یہ معرفت انسان کو خود بھی انصاف پسند بناتی ہے۔ وہ دوسروں کے ساتھ عدل کرنے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ وہ اپنے رب کی صفت کو سمجھتا ہے۔ یوں عدلِ الٰہی انسان کی شخصیت میں توازن، اخلاق اور سچائی پیدا کرتا ہے۔

شانِ عدل وانصافِ الٰہی یہ سکھاتی ہے کہ پوری کائنات ایک منصفانہ نظام کے تحت چل رہی ہے۔ بندہ جب اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو وہ ہر حال میں مطمئن رہتا ہے، کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ ہر حق کو اس کے کامل انداز میں ادا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ایک اہم پہلو اس کا ''عدل و انصاف'' ہے۔ اللہ ہر معاملے میں بے نیاز، غیر جانبدار اور کامل انصاف کرنے والا ہے۔

عدل وانصاف کا مفہوم

لغوی معنی: عدل: برابر کرنا، مساوات، صحیح فیصلہ انصاف ہر معاملے میں حق پر قائم رہنا

اصطلاحی معنی ◦ اللہ کا عدل مطلب ہے کہ وہ ہر فرد کے ساتھ برابر اور منصفانہ سلوک کرتا ہے ◦ اس کا انصاف ہر عمل، ہر نیت اور ہر فیصلے میں مکمل ہے

## قرآن میں عدل وانصاف

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ

(سورۃ النحل:90)

ترجمہ: اللہ انصاف اور بھلائی کا حکم دیتا ہے۔

## تفسیر وشرح

یہ آیت قرآنِ مجید کی نہایت جامع اور عظیم آیات میں سے ہے، جس میں اللہ

تعالیٰ نے انسانی معاشرے کے بنیادی اخلاقی اصولوں کو مختصر مگر جامع انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اس آیت میں دو بڑے اصول بیان ہوئے: ''عدل'' اور ''احسان''۔

عدل (انصاف) کا مفہوم: ''عدل'' سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا پورا حق دیا جائے اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے۔ عدل کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے رب، اپنے نفس اور دوسروں کے ساتھ انصاف کرے۔ نہ کسی کا حق مارے اور نہ کسی پر ظلم کرے۔ یہ انسانی معاشرے کی بنیاد ہے۔

احسان (بھلائی) کا مفہوم: ''احسان'' عدل سے آگے کا درجہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان صرف حق ادا نہ کرے بلکہ اس سے بڑھ کر نیکی اور بھلائی کا رویہ اختیار کرے۔ جیسے معاف کرنا، نرمی کرنا، دوسروں کی مدد کرنا اور حسنِ سلوک اختیار کرنا۔ یہ اخلاقی کمال کی علامت ہے۔

## معاشرتی نظام کی بنیاد

یہ آیت ایک مکمل اسلامی معاشرتی نظام کی بنیاد رکھتی ہے۔ اگر معاشرے میں عدل ہو تو ظلم ختم ہوتا ہے، اور اگر احسان ہو تو محبت اور بھائی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ ان دونوں کے بغیر معاشرہ بگڑ جاتا ہے۔

## اللہ کے حکم کی جامعیت

اللہ تعالیٰ کا یہ حکم صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے خاندانی تعلقات، کاروبار، حکومت، عدالت اور روزمرہ معاملات سب اس میں شامل ہیں۔ یہ آیت دینِ اسلام کی اخلاقی روح کو ظاہر کرتی ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک عدل انسان کو توازن اور اعتدال سکھاتا ہے، جبکہ احسان اسے محبت اور قربِ الٰہی کی طرف لے جاتا ہے۔ جب بندہ عدل و احسان کو

اپنی زندگی کا حصہ بنالیتا ہے تو اس کا دل نرم، پاک اور اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔

* عدل = ہر ایک کو اس کا حق دینا
* احسان = حق سے بڑھ کر بھلائی کرنا
* یہ آیت اسلامی اخلاق کا جامع اصول ہے
* معاشرے کی اصلاح اسی سے ممکن ہے

پس معلوم ہوا کہ عدل معاشرے کو قائم رکھتا ہے اور احسان اسے خوبصورت بناتا ہے اور یہی اللہ کا پسندیدہ راستہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے کہ

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

(سورۃ الاعراف:56)

ترجمہ: زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔

## تفسیر وشرح

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ایک جامع اخلاقی اور اجتماعی اصول کو بیان کرتی ہے کہ انسان کو زمین میں اصلاح کے بعد فساد، بگاڑ اور خرابی سے بچنا چاہیے۔ یہاں "اصلاح" سے مراد وہ نظام ہے جو اللہ نے زمین میں عدل، توازن اور فطرت کے مطابق قائم فرمایا ہے، جبکہ "فساد" سے مراد ہر وہ عمل ہے جو اس نظام کو خراب کرے۔

اصلاحِ زمین کا مفہوم: اللہ تعالیٰ نے زمین کو ایک منظم، متوازن اور فائدہ مند نظام کے ساتھ بنایا ہے۔ اس میں فطرت کے قوانین، انسانی اخلاق، اور اجتماعی انصاف سب شامل ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اسی اصلاح کو قائم کرنے کے لیے بھیجے گئے تاکہ زمین عدل اور امن کا مرکز بنے۔

فساد کا مفہوم: فساد صرف ظاہری خرابی نہیں بلکہ ہر وہ عمل ہے جو ظلم، ناانصافی،

بدامنی، اخلاقی گراوٹ اور اللہ کی نافرمانی کا سبب بنے۔ جھوٹ، ظلم، قتل، ناانصافی اور فطرت کے نظام کو بگاڑنا سب فساد میں شامل ہیں۔

## انسان کی ذمہ داری

یہ آیت انسان کو اس کی ذمہ داری یاد دلاتی ہے کہ وہ زمین کو بہتر بنانے والا بنے، نہ کہ اسے خراب کرنے والا۔ انسان کا کردار اصلاح، خیر اور بھلائی کا ہونا چاہیے تاکہ معاشرہ امن اور عدل کا گہوارہ بنے۔

## اجتماعی نظام کی حفاظت

اگر معاشرے میں انصاف، اخلاق اور اللہ کے احکام کو چھوڑ دیا جائے تو فساد پھیل جاتا ہے۔ یہ آیت اس بات کی تنبیہ ہے کہ اجتماعی نظام کی بقا اصلاح پر ہے، نہ کہ خواہشات اور ظلم پر۔

اہلِ معرفت کے نزدیک ''اصلاح'' دل کی پاکیزگی اور اللہ کی اطاعت کا نام ہے، جبکہ "فساد" دل کی تاریکی اور نافرمانی ہے۔ جب انسان اپنے باطن کو درست کرتا ہے تو وہ ظاہری دنیا میں بھی خیر پھیلاتا ہے۔

* اللہ زمین میں اصلاح چاہتا ہے
* فساد ہر قسم کی خرابی اور ظلم ہے
* انسان کی ذمہ داری اصلاح اور امن قائم کرنا ہے
* یہ آیت معاشرتی اور اخلاقی نظام کی بنیاد ہے

پس معلوم ہوا کہ اللہ نے زمین کو خیر اور عدل کے لیے بنایا ہے اس میں فساد پھیلانا اس کی فطرت اور حکم دونوں کے خلاف ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ عدل اور انصاف اللہ کی ہدایت کا لازمی جزو ہیں۔

عدل کی ضرورت اور مظاہر

* سماجی انصاف: حقوق کی برابری
* اقتصادی انصاف: رزق میں مساوات
* ذاتی انصاف: ہر عمل میں حق پر قائم رہنا

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ

(سورۃ الصّف:7)

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے؟

## تفسیر وشرح

یہ آیت قرآنِ مجید میں بیان کردہ ایک نہایت سخت تنبیہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کی سنگینی کو واضح کرتی ہے۔ ''اللہ پر جھوٹ باندھنا'' سے مراد یہ ہے کہ اس کی طرف ایسی بات منسوب کی جائے جو اس نے نہیں فرمائی، یا اس کے دین میں اپنی طرف سے اضافہ یا کمی کر دی جائے۔

## سب سے بڑا ظلم

قرآن اس عمل کو ''سب سے بڑا ظلم'' قرار دیتا ہے کیونکہ یہ صرف انسانوں کے حقوق نہیں بلکہ براہِ راست اللہ کی ذات، اس کے دین اور اس کی سچائی کے خلاف بغاوت ہے۔ یہ حقیقت کو جھٹلانے اور جھوٹ کو دین بنانے کے مترادف ہے۔

## دین میں تحریف کی مذمت

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دین کو اپنی خواہشات کے مطابق بدل دینا یا جھوٹی باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کرنا انتہائی خطرناک گناہ ہے۔ یہ عمل صرف فرد کو

نہیں بلکہ پورے معاشرے کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔

## سچائی اور امانت کی اہمیت

اسلام میں دین کی بنیاد سچائی اور امانت پر ہے۔ اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ قرآن وسنت کی بات کو بغیر تحقیق کے آگے نہ پھیلائے اور دین کے معاملے میں انتہائی احتیاط کرے۔

## آخرت میں سخت باز پرس

اللہ پر جھوٹ باندھنے والے کا انجام بہت سخت ہوگا کیونکہ وہ اللہ کے نام کو غلط استعمال کرتا ہے۔ قیامت کے دن ہر قول وعمل کا حساب ہوگا اور اس جرم کی سنگینی مزید واضح ہوجائے گی۔

اہلِ معرفت کے نزدیک یہ آیت انسان کے دل میں خشیت پیدا کرتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ دین ایک امانت ہے، اور اس میں اپنی طرف سے کوئی بات شامل کرنا روحانی اندھیری کا سبب بنتا ہے۔ سچا عارف وہی ہے جو حق کو خالص رکھتا ہے۔

* اللہ پر جھوٹ باندھنا سب سے بڑا ظلم ہے
* دین میں اپنی طرف سے تبدیلی کرنا سخت گناہ ہے
* سچائی اور تحقیق دین کی بنیاد ہے- یہ عمل آخرت میں سخت عذاب کا سبب ہے

پس معلوم ہوا کہ دین اللہ کی امانت ہے اس میں جھوٹ شامل کرنا حق کے ساتھ سب سے بڑا ظلم ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عدل

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ

رَسُولُ اللهِ ﷺ:إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ، الَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا

(صحیح مسلم، کتاب ال إمارہ، حدیث:1827)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عدل کرنے والے اللہ کے حضور نور کے منبروں پر ہوں گے، رحمٰن کے داہنے ہاتھ پر ہوں گے، اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو انصاف کرنے والے ہیں، اپنے اہل و عیال کے ساتھ بادشاہی کر رہے ہیں"

یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے ہاں "عدل کرنے والوں کے بلند مقام" کو بیان کرتی ہے۔

منابر من نور: یعنی قیامت کے دن انصاف کرنے والے لوگ نور کے منبروں پر ہوں گے یہ ان کے اعلیٰ مقام اور عزت کی علامت ہے۔

عن یمین الرحمن: یہ قربِ الٰہی اور خصوصی عزت کو ظاہر کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو خاص مقام عطا فرمائے گا۔

یہ عدل صرف عدالت تک محدود نہیں بلکہ:

فیصلوں میں گھر والوں کے ساتھ اور زیرِ اختیار لوگوں کے ساتھ ہر جگہ انصاف شامل ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک عدل صرف قانون نہیں بلکہ "باطنی توازن" ہے۔ جو

شخص عدل اختیار کرتا ہے، اس کا دل بھی نور سے بھر جاتا ہے اور وہ اللہ کی رضا کے قریب ہوجاتا ہے۔

* عدل کرنے والوں کو قیامت میں بلند مقام ملے گا
* عدل ہر شعبۂ زندگی میں مطلوب ہے

عدل صرف ایک عمل نہیں بلکہ وہ نور ہے جو انسان کو اللہ کے قریب اور آخرت میں بلند مقام عطا کرتا ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کا عدل ہر شے میں واضح ہے، چاہے وہ دنیا کی زندگی ہو یا آخرت کے فیصلے ہوں۔

امام قرطبی لکھتے ہیں: عدل کی معرفت انسان کو ظلم سے بچاتی ہے اور اللہ کے قریب لے جاتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: عدل و انصاف کا شعور بندے کو اللہ کی قدرت اور حکمت کی گہرائی سے روشناس کراتا ہے۔ یہ شعور دل میں سکون، خوف اور محبت پیدا کرتا ہے۔

عملی تقاضے

## اختتامی عرفانی کلمات

رحیم وہ ہے: جو گناہ کے بعد بھی نہیں چھوڑتا جو کمزور ایمان کو بھی تھام لیتا ہے جو بار بار گرنے والے کو بھی رد نہیں کرتا رحمٰن نے ہمیں زندگی دی رحیم ہمیں زندگی کا مقصد دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بندہ ہر نماز میں ہر دعا میں ہر امید میں کہتا ہے:

اے اللہ! تو رحمٰن بھی ہے، رحیم بھی مجھے زندہ بھی رکھ، اور اپنا بھی بنالے۔

رحیم وہ ہے:

جو گناہ کے بعد بھی بندے کو نہیں چھوڑتا،

جو کمزور ایمان کو بھی اپنے سہارے میں تھام لیتا ہے،

جو بار بار گرنے والے کو بھی رد نہیں کرتا،
بلکہ ہر بار اسے اٹھاتا ہے، سنبھالتا ہے، اور اپنی طرف بلاتا ہے۔
رحمٰن نے ہمیں زندگی دی بغیر کسی استحقاق کے،
اور رحیم ہمیں زندگی کا مقصد دیتا ہے ہدایت، مغفرت اور قرب کی صورت میں۔
ایک نے وجود عطا کیا، اور دوسرے نے اس وجود کو معنی بخشا،
ایک نے ہمیں پیدا کیا، اور دوسرے نے ہمیں اپنے قریب آنے کا راستہ دکھایا۔
اور یہی وجہ ہے کہ بندہ ہر نماز میں، ہر دعا میں، ہر امید میں یہ صدا دیتا ہے: اے اللہ! تو رحمٰن بھی ہے، رحیم بھی، مجھے زندہ بھی رکھ، اور اپنا بھی بنا لے۔

# شانِ رحمت ومغفرتِ الٰہی

## اللہ کی شفقت اور بخشش

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''رحمت ومغفرت'' اس کی سب سے وسیع اور ہمہ گیر صفت ہے، جو ہر مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کی رحمت کسی خاص گروہ، زبان یا عمل تک محدود نہیں بلکہ وہ ہر اس بندے تک پہنچتی ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، اور اسی رحمت کے سائے میں پوری کائنات قائم ہے۔

اللہ کی رحمت کا پہلا مظہر انسان کا وجود ہے۔ اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو نہ انسان کو پیدا کیا جاتا اور نہ ہی اسے زندگی، رزق اور شعور عطا ہوتا۔ ہر سانس، ہر لمحہ اور ہر نعمت اس کی رحمت کی علامت ہے، جو بلا امتیاز ہر انسان کو حاصل ہے۔

مغفرتِ الٰہی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے گناہوں سے زیادہ اس کی توبہ اور رجوع کو پسند کرتا ہے۔ وہ بار بار گناہ کرنے والے بندے کو بھی مایوس نہیں کرتا، بلکہ اسے واپسی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھتا ہے۔ یہی اس کی مغفرت کا حسن ہے کہ وہ خطا کو معافی میں بدل دیتا ہے۔

قرآن وحدیث میں بار بار اللہ کی مغفرت کی وسعت بیان کی گئی ہے تاکہ بندہ کبھی ناامید نہ ہو۔ خواہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اگر بندہ سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ اسے معاف فرما دیتا ہے۔ یہ اس کی رحمت کا وہ دروازہ ہے جو ہر وقت کھلا رہتا ہے۔

عرفانی پہلو سے اللہ کی رحمت کا شعور دل کو نرم اور امید سے بھر دیتا ہے۔ جب

بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب بے حد رحیم ہے تو وہ مایوسی اور خوف کی کیفیت سے نکل کر امید اور محبت کے راستے پر آ جاتا ہے۔ یہی کیفیت بندے کو اللہ کے قریب کرتی ہے۔

یہ معرفت انسان کو دوسروں کے ساتھ بھی رحم دل بنا دیتی ہے۔ جو شخص اللہ کی رحمت کو پہچان لیتا ہے وہ خود بھی دوسروں پر رحم کرتا ہے، معاف کرنا سیکھتا ہے اور سخت دلی سے بچتا ہے۔ یوں اللہ کی صفت بندے کی زندگی میں ظاہر ہونے لگتی ہے۔

شانِ رحمت و مغفرتِ الٰہی یہ پیغام دیتی ہے کہ اللہ کی طرف واپسی کبھی دیر نہیں ہوتی۔ بندہ جب بھی لوٹ آئے، اللہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ یہی رحمت انسان کے لیے سب سے بڑی امید، سکون اور نجات کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ایک لازمی پہلو ''رحمت اور مغفرت'' ہے۔ اللہ کی رحمت ہر چیز پر محیط ہے اور اس کی مغفرت انسان کے گناہوں کو معاف کرنے کی وسیع نعمت ہے۔

رحمت و مغفرت کا مفہوم

لغوی معنی: رحمت: شفقت، محبت، کرم

مغفرت: گناہوں کی بخشش

اصطلاحی معنی: اللہ کی رحمت ہر مخلوق پر محیط ہے

٭ مغفرت کا مطلب ہے کہ اللہ انسان کے گناہوں کو معاف کرتا ہے اور دل کو سکون عطا کرتا ہے۔

## قرآن میں رحمت و مغفرت

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ

(سورۃ الاعراف:156)

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے۔

تفسیر وشرح: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی ''وسعتِ رحمت'' کو بیان کرتی ہے، جو اس کی تمام مخلوقات کو گھیرے ہوئے ہے۔ ''وسعت'' کا مطلب ہے پھیلاؤ اور احاطہ، یعنی اللہ کی رحمت کسی ایک طبقے، قوم یا مخلوق تک محدود نہیں بلکہ ہر چیز کو شامل ہے۔

## رحمتِ الٰہی کی ہمہ گیری

اللہ تعالیٰ کی رحمت پوری کائنات پر پھیلی ہوئی ہے۔ انسان، جانور، پرندے، زمین، آسمان سب اس کی رحمت کے سائے میں ہیں۔ ہر وجود کو زندگی، رزق اور بقا اسی رحمت کے ذریعے حاصل ہے۔

دنیوی اور اخروی رحمت- یہ رحمت دو طرح کی ہے:

1- عام رحمت: جو دنیا میں ہر مخلوق کو حاصل ہے، جیسے زندگی، خوراک اور فطری نعمتیں

2- خاص رحمت: جو ایمان والوں کو آخرت میں جنت، مغفرت اور قربِ الٰہی کی صورت میں ملے گی

## امید اور رجوع کا دروازہ

یہ آیت بندے کو مایوسی سے نکالتی ہے۔ وہ شخص جو گناہوں میں ڈوبا ہو، اگر اللہ کی طرف رجوع کرے تو اسے یہ یقین ہونا چاہیے کہ اللہ کی رحمت اس سے بھی وسیع ہے۔ یہی امید توبہ اور اصلاح کا ذریعہ بنتی ہے۔

## رحمت کا مظاہرہ کائنات میں

بارش کا برسنا، زمین سے رزق کا نکلنا، سورج کی روشنی اور ہوا کا چلنا یہ سب اللہ

کی رحمت کے مظاہر ہیں۔ اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو زندگی کا نظام قائم نہ رہتا۔

اہلِ معرفت کے نزدیک یہ آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ہر شے میں اللہ کی رحمت کا نور موجود ہے۔ جب دل اس شعور سے روشن ہو جاتا ہے تو انسان ہر واقعے میں رحمتِ الٰہی کو محسوس کرتا ہے، حتیٰ کہ آزمائش میں بھی۔

* اللہ کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے
* دنیا اور آخرت دونوں میں اس کی رحمت کارفرما ہے
* یہ آیت مایوسی کو ختم کرتی ہے
* کائنات رحمتِ الٰہی کا مظہر ہے

اللہ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ کوئی بھی اس سے باہر نہیں بس بندہ اس کی طرف لوٹ آئے تو رحمت اسے ڈھانپ لیتی ہے۔

مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ

(سورۃ الفرقان:70)

ترجمہ: جو شخص توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اللہ ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔

## تفسیر وشرح

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی ''شانِ مغفرت، رحمت اور فضل'' کو نہایت عظیم انداز میں بیان کرتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے صرف گناہوں کی معافی ہی نہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ اعلان فرمایا کہ وہ بندے کے گناہوں کو ''نیکیوں میں تبدیل'' کر دیتا ہے۔

توبہ کا مفہوم ''توبہ'' کا مطلب ہے گناہ سے سچے دل کے ساتھ رجوع کرنا، اس پر ندامت محسوس کرنا اور آئندہ اس سے بچنے کا پختہ ارادہ کرنا۔ توبہ صرف زبان کا عمل نہیں بلکہ دل کی گہرائی سے نکلنے والی ایک تبدیلی ہے۔

## ایمان اور اصلاحِ عمل

آیت میں توبہ کے ساتھ ایمان اور عملِ صالح کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حقیقی تبدیلی وہی ہے جو عقیدہ اور عمل دونوں کو شامل کرے۔ ایمان دل کو بدلتا ہے اور عمل زندگی کو درست سمت دیتا ہے۔

## گناہوں کی نیکیوں میں تبدیلی

یہ اللہ کی خاص رحمت ہے کہ وہ صرف معاف نہیں کرتا بلکہ بندے کے ماضی کو بھی نیکی میں بدل دیتا ہے۔ مفسرین کے مطابق یہ اس شخص کے لیے ہے جو سچی توبہ کرتا ہے، اس کے دل میں ندامت اور اخلاص ہوتا ہے، تو اللہ اس کے سابقہ گناہوں کو اس کے درجات بلند کرنے کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔

## امید اور رجوع کی تعلیم

یہ آیت ہر گناہ گار کے لیے امید کا دروازہ کھولتی ہے۔ انسان خواہ کتنے ہی گناہوں میں کیوں نہ ہو، اگر وہ سچے دل سے اللہ کی طرف لوٹ آئے تو اللہ اسے نہ صرف معاف کرتا ہے بلکہ عزت اور بلندی بھی عطا کرتا ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک یہ آیت اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اللہ کی رحمت انسان کے ماضی کو بھی بدل سکتی ہے۔ جب بندہ سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا دل پاک ہو جاتا ہے اور اس کی روح ایک نئی زندگی حاصل کرتی ہے۔

* سچی توبہ، ایمان اور نیک عمل نجات کا راستہ ہیں
* اللہ گناہوں کو معاف ہی نہیں بلکہ نیکیوں میں بدل دیتا ہے
* یہ آیت امید اور رجوع کی تعلیم دیتی ہے
* اللہ کی رحمت بے حد وسیع ہے

پس معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت صرف معاف نہیں کرتی وہ بندے کی پوری تاریخ بدل کر اسے نئی زندگی عطا کر دیتی ہے۔ یہ رحمت و مغفرت کی وسعت اور انسان کو توبہ و اصلاح کی دعوت دیتی ہیں۔

## مغفرت کے اسباب اور مظاہر

توبہ و استغفار: گناہوں سے باز آنا اور اللہ سے معافی طلب کرنا
نیک اعمال: عبادات اور خیرات کے ذریعے مغفرت کی سعادت
دعا و ذکر: اللہ کی رحمت طلب کرنا

وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ

(سورۃ النساء:48)

ترجمہ: اور وہ جس کے لیے چاہتا ہے اس سے کم بخش دیتا ہے۔

## تفسیر و شرح

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی ''شانِ مغفرت، اختیارِ مطلق اور رحمتِ کاملہ'' کو بیان کرتی ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے پر مکمل قدرت رکھتا ہے، اور اس کی مغفرت اس کی حکمت اور مشیت کے مطابق ہوتی ہے۔

ما دون ذٰلك" کا مفہوم

مفسرین کے مطابق یہاں ''اس کے علاوہ'' سے مراد ''شرک کے سوا تمام گناہ'' ہیں۔ یعنی اگر انسان شرک پر قائم نہ ہو اور توحید پر ایمان رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے دیگر گناہوں کو معاف فرما سکتا ہے۔

## اللہ کی مشیت اور اختیار

"لِمَنْ يَشَآءُ" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مغفرت اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کے اعمال کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ اس کا فیصلہ علم، عدل اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

## امید اور خوف کا توازن

یہ آیت بندے کے دل میں ''امید اور خوف دونوں'' پیدا کرتی ہے۔ ایک طرف اللہ کی وسیع رحمت کی امید ہے، اور دوسری طرف یہ احساس کہ انسان مکمل طور پر اللہ کی مغفرت کا محتاج ہے اور اسے نافرمانی سے بچنا چاہیے۔

## توبہ کی اہمیت

یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ بندے کے لیے سب سے بہتر راستہ توبہ ہے۔ جو شخص سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کے لیے مغفرت کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔

اہلِ معرفت کے نزدیک یہ آیت بندے کو اللہ کی وسعتِ رحمت کا شعور دیتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کی مغفرت انسانی عقل کی حدوں سے باہر ہے، اس لیے بندہ کبھی مایوس نہیں ہوتا بلکہ ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

* اللہ شرک کے علاوہ گناہوں کو معاف کر سکتا ہے

* مغفرت اللہ کی مشیت اور حکمت پر ہے
* آیت امید اور احتیاط دونوں سکھاتی ہے
* اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے

اللہ کی مغفرت انسان کے گمان سے بھی بڑی ہے مگر اس کا دروازہ سچے رجوع اور ایمان سے کھلتا ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رحمت و مغفرت

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ

(سنن الترمذی: 1924 حدیث حسن صحیح)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرے گا، زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَا يُرْحَمُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ

(صحیح البخاری: 7376، صحیح مسلم: 2319)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا"۔

## بچوں اور کمزوروں پر رحمت

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ لَا يَرْحَمُ صَغِيْرَنَا وَلَا يَعْرِفُ حَقَّ كَبِيْرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا

(سنن الترمذی:1919 حسن صحیح)

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا حق نہیں پہچانتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

شرح و مفہوم: یہ تمام احادیث اس بنیادی اصول کو واضح کرتی ہیں کہ اسلام کی بنیاد "رحمت، شفقت اور نرم دلی" پر ہے۔

* اللہ خود رحمت فرمانے والا ہے
* وہ رحمت کرنے والوں کو پسند کرتا ہے
* اور جو دوسروں پر رحم کرتا ہے، اس پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے

اہلِ معرفت کے نزدیک "رحمت" صرف احساس نہیں بلکہ ایک "روحانی کیفیت" ہے جو دل کو سختی سے نکال کر نرم کر دیتی ہے۔ جب بندہ مخلوق پر رحم کرتا ہے تو وہ دراصل اللہ کی صفتِ رحمت کا مظہر بن جاتا ہے۔

ایک عارف نے کیا خوب کہا ہے

إِنَّ اللّٰهَ رَحِيْمٌ يُحِبُّ الرَّحْمَةَ وَمَنْ رَحِمَ يُرْحَمْ

ترجمہ: اللہ رحمت والا ہے، رحمت کو پسند کرتا ہے، اور جو شخص دوسروں پر رحم

کرے اللہ اس پر رحم کرے گا۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: رحمت اور مغفرت اللہ کی سب سے بڑی نعمتیں ہیں، جو بندے کو اللہ کی معرفت کی طرف لے جاتی ہیں۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: رحمت اور مغفرت انسان کے دل کو نرمی، امید اور اللہ کی محبت میں ڈھالتی ہیں۔

عارفین کہتے ہیں: رحمت و مغفرت کا شعور دل کو اللہ کی محبت اور قربت سے بھر دیتا ہے۔ یہ شعور انسان کو ہر غلطی کے بعد اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اصلاح کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

1. ہر عمل میں اللہ کی رحمت طلب کرنا
2. گناہوں پر توبہ و استغفار کرنا
3. دوسروں پر شفقت اور رحم کرنا
4. شکر اور دعا کے ذریعے اللہ کی مغفرت حاصل کرنا

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر مخلوق پر رحمت والا ہے
* گناہوں کو معاف کرنے والا اور دلوں کو سکون دینے والا ہے
* رحمت اور مغفرت کے بغیر کوئی بندگی مکمل نہیں

# شانِ قدرت وتدبیرِ الٰہی

## اللہ کی حکمت ونظام

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''قدرت وتدبیر'' اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ پوری کائنات ایک کامل، منظم اور حکیمانہ نظام کے تحت چل رہی ہے۔ نہ کوئی چیز اتفاقاً وجود میں آئی ہے اور نہ ہی کوئی واقعہ بے مقصد ہے۔ ہر ذرہ اللہ کے علم، ارادے اور قدرت کے دائرے میں ہے، اور ہر شے ایک مقررہ نظام کے مطابق حرکت کر رہی ہے۔

اللہ کی تدبیر کا پہلا مظہر کائنات کی ہم آہنگی ہے۔ سورج، چاند، ستارے اور سیارے ایک ایسے متوازن نظام میں گردش کر رہے ہیں جس میں معمولی سا خلل بھی ممکن نہیں۔ یہ نظام اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پیچھے ایک عظیم مدبر اور حکیم ذات موجود ہے جو ہر چیز کو سنبھالے ہوئے ہے۔

انسانی زندگی بھی اسی تدبیرِ الٰہی کا حصہ ہے۔ انسان کی پیدائش، اس کا رزق، اس کی کامیابی اور ناکامیاب اللہ کی حکمت کے مطابق ہیں۔ بعض اوقات انسان کسی چیز کو اپنے لیے بہتر سمجھتا ہے، مگر اللہ کی تدبیر اس سے کہیں زیادہ بہتر نتیجہ پیدا کرتی ہے، چاہے وہ فوری طور پر سمجھ نہ آئے۔

اللہ کی قدرت یہ ہے کہ وہ اسباب کا محتاج نہیں بلکہ اسباب کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ چاہے تو بغیر وسیلے کے بھی کام کر دے اور چاہے تو معمولی اسباب سے عظیم نتائج پیدا کر دے۔ اس کی تدبیر انسانی عقل سے کہیں بلند اور وسیع ہے۔

قرآنِ مجید بار بار یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

اس کی تدبیر میں نہ کوئی غلطی ہے اور نہ ہی کوئی کمی۔ وہ ہر چیز کو اس کے مناسب وقت، مقام اور حالت کے مطابق چلاتا ہے، اور ہر نتیجہ اس کی حکمت کا حصہ ہوتا ہے۔

عرفانی پہلو سے اللہ کی تدبیر کا شعور انسان کے دل میں سکون پیدا کرتا ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کی زندگی کے تمام حالات اللہ کے علم اور حکمت کے تحت ہیں تو وہ بے چینی اور اضطراب سے نکل کر رضا اور اطمینان کی کیفیت میں آجاتا ہے۔

شانِ قدرت و تدبیرِ الٰہی یہ پیغام دیتی ہے کہ کائنات ایک بے ترتیب حادثہ نہیں بلکہ ایک عظیم حکیم کی بنائی ہوئی مکمل منصوبہ بندی ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے، وہ ہر حال میں اپنے رب پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی بھروسے میں اسے حقیقی سکون ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''قدرت و تدبیر'' ایک بنیادی ستون ہے۔ قدرت ہر شے کو پیدا کرنے میں ظاہر ہوتی ہے اور تدبیر ہر شے کو نظام اور ترتیب کے ساتھ چلانے میں۔ اللہ ہی ہر شے کی تخلیق و ترتیب کا مالک ہے۔

قدرت و تدبیر کا مفہوم

لغوی معنی: قدرت: طاقت اور اختیار

تدبیر: منصوبہ بندی، نظم و ضبط

اصطلاحی معنی: اللہ کی قدرت کا مطلب ہے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے

تدبیر کا مطلب ہے کہ ہر شے کو ایک مقررہ نظام اور حکمت کے تحت چلانا۔

ابو حامد غزالی فرماتے ہیں: تدبیر کی معرفت انسان کو اللہ کی حکمت کی گہرائی اور ہر شے میں اس کے منصوبے کا شعور دیتی ہے۔

## قرآن میں قدرت و تدبیر

وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝

(سورۃ الفرقان:2)

ترجمہ: اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا اندازہ ٹھیک ٹھیک مقرر کیا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ ۫ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾

(سورۃ الاعراف:54)

ترجمہ: بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ وہ رات کو دن سے ڈھانپ لیتا ہے، [رات] تیزی سے اس کا تعاقب کرتا ہے۔ اور سورج، چاند اور ستاروں کو اس کے حکم سے مسخر کیا۔ بلاشبہ اسی کی تخلیق اور حکم ہے۔ بابرکت ہے اللہ رب العالمین۔

## تفسیر وشرح

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی ''شانِ تخلیق، تدبیر، قدرت اور ربوبیتِ کاملہ'' کو ایک جامع انداز میں بیان کرتی ہے۔ اس میں کائنات کے نظام، اس کی حکمت، اور اللہ کے اقتدارِ مطلق کا بیان ہے۔

"خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ"

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ اس میں یہ حکمت

ہے کہ کائنات کا نظام تدریج (مرحلہ وار نظام) کے مطابق قائم کیا گیا تا کہ انسان غور کرے کہ ہر چیز ایک منظم منصوبے کے تحت وجود میں آ رہی ہے۔ اللہ اس پر قادر تھا کہ ایک لمحے میں پیدا کر دیتا، مگر تدریج میں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

"ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ"

عرش پر "استواء" اللہ کی شان کے لائق ہے، جس کی کیفیت ہم نہیں جان سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کے نظام پر کامل اقتدار، غلبہ اور تدبیر رکھتا ہے۔ وہ ہر چیز پر حاکم ہے اور اس کا حکم پوری کائنات میں جاری ہے۔

## نظامِ رات و دن

"يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ" یعنی رات دن کو ڈھانپ لیتی ہے اور دن رات کے پیچھے تیزی سے آتا ہے۔ یہ مسلسل تبدیلی اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات ایک زندہ اور منظم نظام کے تحت چل رہی ہے، جو اللہ کے حکم سے ہر لمحہ حرکت میں ہے۔

## سورج، چاند اور ستاروں کی تسخیر

تمام آسمانی اجرام سورج، چاند اور ستارے اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ ان کی اپنی کوئی خود مختاری نہیں۔ وہ ایک مقررہ نظام کے تحت گردش کرتے ہیں، جو اللہ کی قدرت اور حکمت کا مظہر ہے۔

"أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ"

یہ آیت کا مرکزی پیغام ہے کہ "تخلیق بھی اللہ کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے۔" یعنی وجود دینا بھی اسی کا کام ہے اور نظام چلانا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ کوئی بھی اس کے حکم میں شریک نہیں۔

## ربوبیت اور برکت

"تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ" یعنی اللہ بہت بابرکت ہے، جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس کی برکت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات خیر، رحمت اور کمال کا سرچشمہ ہے، جس سے پوری کائنات فیضیاب ہو رہی ہے۔

* کائنات ایک منظم تخلیق ہے
* اللہ کا حکم ہر چیز پر نافذ ہے
* رات دن اور اجرام فلکی اس کے تابع ہیں
* تخلیق اور تدبیر صرف اللہ کا حق ہے
* وہی رب العالمین ہے

پس معلوم ہوا کہ یہ کائنات ایک لمحاتی حادثہ نہیں بلکہ ایک حکیم و قادر رب کا مسلسل چلنے والا انظام ہے، جس میں ہر چیز اس کے حکم کے تابع ہے۔

یہ آیات تدبیر کی وسعت اور اللہ کی حکمت کو واضح کرتی ہیں۔

* کائنات میں نظامِ فلکیات: سورج، چاند، ستارے
* زمین پر موسم اور رزق کا نظام
* انسان اور جانداروں کے پیچیدہ نظام
* تقدیر اور حالات میں حکمت

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تدبیر

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا

(صحیح مسلم:1015)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک اللہ خیر والا ہے اور وہی قبول کرتا ہے جو اچھی ہو۔

یہ حدیث اس اصول کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ کے تمام افعال حکمت اور پاکیزگی پر مبنی ہیں۔

اہلِ علم کے مطابق: اللہ کے افعال حکمت سے خالی نہیں ہوتے مگر ہم ہر حکمت کو مکمل طور پر سمجھ نہیں سکتے بعض باتیں قرآن سے ثابت ہیں، مگر انہیں حدیث کے طور پر منسوب کرنے میں احتیاط ضروری ہے

اس بابت میں کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

إِنَّ اللهَ حَكِيمٌ لَا يَخْلُقُ شَيْئًا بِلَا حِكْمَةٍ وَتَدْبِيرٍ

ترجمہ: اللہ حکمت والا ہے، وہ کوئی شے بغیر حکمت اور تدبیر کے پیدا نہیں کرتا۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: قدرت اور تدبیر کی معرفت انسان کو عاجزی، خشوع اور اللہ کی عبادت کی طرف لے جاتی ہے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں: تدبیر ہر شے میں اللہ کی منصوبہ بندی اور حکمت کی عکاسی کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: تدبیر کا شعور انسان کے دل میں سکون اور اعتماد پیدا کرتا ہے، کیونکہ ہر حالت اور ہر نظام میں اللہ کی حکمت نظر آتی ہے۔ یہ شعور معرفتِ الٰہی کی راہ میں رہنمائی کرتا ہے۔

# اللہ کی شانِ علم وحکمت

(معرفتِ الٰہی)

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ایک بنیادی اور لازمی پہلو اس کی صفتِ ''علم وحکمت'' ہے۔ اللہ کا علم کامل، ازلی اور ابدی ہے؛ اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ ہر ظاہر اور ہر باطن کو جانتا ہے، ماضی، حال اور مستقبل اس کے علم میں یکساں طور پر موجود ہیں۔ اس کے علم کی وسعت اتنی کامل ہے کہ کائنات کا کوئی ذرہ بھی اس سے باہر نہیں رہ سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا علم صرف معلومات تک محدود نہیں بلکہ وہ ہر شے کی حقیقت، اس کے اسباب اور اس کے نتائج کو بھی مکمل طور پر جانتا ہے۔ انسان کا علم محدود اور تجربے پر مبنی ہوتا ہے، جبکہ اللہ کا علم غیر محدود اور ہر نقص سے پاک ہے۔ اسی لیے اس کے فیصلے ہمیشہ حق، عدل اور حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔

اللہ کی دوسری عظیم صفت ''حکمت'' ہے، یعنی اس کے ہر فعل میں ایک بامقصد ترتیب اور کامل دانائی موجود ہے۔ وہ کوئی کام بغیر مقصد کے نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے کسی فیصلے میں کوئی کمی یا لغزش ہوتی ہے۔ چاہے انسان کو کسی واقعے کی حکمت فوراً سمجھ آئے یا نہ آئے، لیکن حقیقت میں ہر چیز ایک اعلیٰ مقصد کے تحت وقوع پذیر ہوتی ہے۔

کائنات کا نظام اللہ کی علم وحکمت کا عملی مظہر ہے۔ سورج کا طلوع وغروب، انسان کی پیدائش وموت، رزق کی تقسیم اور حالات کی تبدیلیہ سب ایک منظم اور حکیمانہ منصوبے کے تحت چل رہے ہیں۔ اس نظام میں نہ کوئی بے ترتیبی ہے اور نہ کوئی اتفاقی حادثہ۔

اللہ کی حکمت بندے کی آزمائش بھی ہے اور اس کی تربیت بھی۔ بعض اوقات انسان کو تکلیف اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ صبر سیکھے، اور بعض اوقات نعمت اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ شکر ادا کرے۔ یوں ہر حالت میں بندے کی اصلاح اور اس کی روحانی ترقی مقصود ہوتی ہے۔

عرفانی پہلو سے اللہ کے علم و حکمت کا شعور انسان کے دل میں سکون اور اعتماد پیدا کرتا ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز کو بہتر جانتا ہے اور ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہے تو وہ بے چینی، شک اور اعتراض سے نکل کر رضا اور تسلیم کی کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے۔

اللہ کی صفتِ علم و حکمت یہ سبق دیتی ہے کہ انسان محدود فہم کے باوجود اپنے رب پر مکمل بھروسہ کرے، کیونکہ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس میں خیر ہے اور کس میں آزمائش۔ یہی معرفت ایمان کو مضبوط، دل کو مطمئن اور زندگی کو بامقصد بنا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ایک لازمی پہلو اس کا ''علم و حکمت'' ہے۔ اللہ ہر شے سے کامل واقف ہے اور ہر عمل و واقعہ اس کی حکمت کے تحت ہوتا ہے۔

- قرآن و حدیث میں علم و حکمت کی اہمیت
- معرفتِ الٰہی میں علم و حکمت کا کردار
- انسان اپنی زندگی میں علم و حکمت سے کس طرح رہنمائی حاصل کرے

علم و حکمت کا مفہوم

لغوی معنی: علم: جاننا، آگاہ ہونا، معرفت

حکمت: علم کا عملی استعمال اور منصوبہ بندی

اصطلاحی معنی: اللہ کا علم مکمل اور ہر شے پر محیط ہے

اللہ کی حکمت کا مطلب ہے کہ ہر شے اور ہر واقعہ اپنے مقصد اور منصوبے کے تحت ہے۔

ابو حامد غزالی فرماتے ہیں: اللہ کی معرفت میں علم وحکمت کی پہچان بندے کے دل کو روشن اور عقل کو متوازن کرتی ہے۔

## قرآن میں علم وحکمت

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ

(سورۃ البقرہ:33)

ترجمہ: اس نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں؟

عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَةِ ؕ

(سورۃ الانعام:59)

ترجمہ: وہ غیب وشہادت کا جاننے والا ہے۔

تفسیر وشرح: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی ''شانِ علمِ کامل اور محیط علم'' کو بیان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو شامل ہے چاہے وہ ''غیب ہو یا ظاہر''۔ اس کے علم سے نہ کوئی چیز پوشیدہ ہے اور نہ کوئی حقیقت مخفی رہ سکتی ہے۔

علمِ غیب کا مفہوم: ''غیب'' سے مراد وہ تمام حقائق ہیں جو انسان کی حواس اور عقل سے پوشیدہ ہیں، جیسے مستقبل کے واقعات، دلوں کے راز، اور کائنات کی وہ حقیقتیں جو انسان نہیں جان سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا مکمل علم رکھتا ہے۔

علمِ شہادت کا مفہوم: ''شہادت'' سے مراد وہ چیزیں ہیں جو انسان دیکھ، سن اور محسوس کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف غیب ہی نہیں بلکہ ظاہر چیزوں کو بھی مکمل طور پر جانتا ہے، اور اس کے علم میں کوئی کمی نہیں۔

## اللہ کے علم کی وسعت

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اللہ کا علم محدود نہیں بلکہ ہر چیز پر محیط ہے۔ انسان کا علم تجربے اور وسائل کا محتاج ہے، لیکن اللہ کا علم ہر سبب اور ہر حد سے پاک ہے۔

## انسانی علم کی کمزوری

انسان صرف ظاہری چیزوں کو دیکھ سکتا ہے، اور وہ بھی محدود انداز میں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ دلوں کے ارادے، نیتیں اور مستقبل کے حالات بھی جانتا ہے۔ اس لیے اس کے فیصلے ہمیشہ کامل حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

## ایمان اور یقین کی بنیاد

یہ آیت مومن کے دل میں یہ یقین پیدا کرتی ہے کہ اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ اس یقین کے ساتھ انسان گناہوں سے بچتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ اس کے ظاہر اور باطن دونوں کو دیکھ رہا ہے۔

اہلِ معرفت کے نزدیک اس آیت کا شعور دل کو خشیت اور مراقبہ کی کیفیت عطا کرتا ہے۔ بندہ ہر لمحہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اللہ کی نگرانی میں ہے، اور اس کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔

- اللہ غیب اور ظاہر دونوں کو جانتا ہے
- اس کا علم ہر حد سے بالاتر ہے
- انسان کا علم محدود ہے
- یہ آیت خشیت اور ایمان کو مضبوط کرتی ہے

معلوم ہوا کہ اللہ کا علم ہر پردے کے پیچھے موجود ہے نہ کوئی راز چھپ سکتا ہے اور نہ کوئی حقیقت اس سے اوجھل ہو سکتی ہے۔

یہ آیت اللہ کی علم وحکمت کی وسعت کو واضح کرتی ہیں۔

علم وحکمت کے مظاہر- کائنات اور اس کے قوانین

انسان کے اعمال اور ارادے- تقدیر اور حالات کی ترتیب

زندگی اور موت کا نظام-نعمتوں اور آزمائشوں میں حکمت

وَ عِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ

(سورۃ الانعام:59)

ترجمہ:اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر وشرح: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی شانِ علمِ غیب، قدرتِ کاملہ اور تنہا اختیار کو بیان کرتی ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ غیب کے تمام خزانے اور ان کی کنجیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، اور ان میں کسی اور کو ذرہ برابر بھی اختیار حاصل نہیں۔

"مفاتح الغیب" کا مفہوم "مفاتح" سے مراد کنجیاں یا خزانے ہیں۔ یعنی غیب کے تمام دروازوں کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں۔ کون کب پیدا ہوگا، کیا ہوگا، بارش کب برسے گی، رزق کیسے تقسیم ہوگا یہ سب اسی کے علم میں ہے۔

انسانی محدودیت: انسان چاہے جتنا بھی علم حاصل کر لے، اس کا علم ہمیشہ محدود رہتا ہے۔ مستقبل، تقدیر اور دلوں کے راز اس کی پہنچ سے باہر ہیں۔ یہ آیت انسان کو اپنی کمزوری اور اللہ کی عظمت کا احساس دلاتی ہے۔

کائنات کا پوشیدہ نظام: کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک پوشیدہ اور حکیمانہ نظام کے تحت ہے۔ انسان اس کے صرف ظاہری اسباب دیکھتا ہے، مگر اصل فیصلے اور تقدیر اللہ کے علم میں ہوتی ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علم وحکمت

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ

(صحیح البخاری:6594،صحیح مسلم:2647)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا جنت یا جہنم میں جگہ لکھ دی گئی ہو۔

شرح مختصر: یہ حدیث اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ''ازلی علم اور حکمت'' کے مطابق ہر انسان کی تقدیر اور انجام کو جانتا ہے، اور ہدایت وضلالت اسی کے اختیار میں ہے۔

اللہ جس کے لیے بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے

عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

(صحیح البخاری:71،صحیح مسلم:1037)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

شرح مختصر: یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ علم، فہم اور ہدایت اللہ کی طرف سے ایک

خاص عطیہ ہے جو اس کی ''حکمت اور مشیت'' کے مطابق دیا جاتا ہے۔

* ہدایت اور انجام اللہ کے علم واختیار میں ہے
* جس کے لیے اللہ خیر چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے
* اللہ کی ہر عطا اس کی حکمت پر مبنی ہے

ہدایت کوئی اتفاق نہیں بلکہ اللہ کی حکمت اور رحمت کا خاص انتخاب

ایک عارف کا قول ہے کہ

إِنَّ اللهَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ يَهْدِي مَنْ يَشَآءُ بِحِكْمَتِهِ وَعِلْمِهِ

ترجمہ: اللہ حکمت والا اور علم والا ہے، اور وہ جسے چاہے اپنی حکمت اور علم کے مطابق ہدایت دیتا ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کا علم اور حکمت ہر شے میں واضح ہے، اور یہ معرفت بندے کے دل ودماغ کو روشن کرتی ہے۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: حکمت اور علم انسان کو ہر حالت میں صبر، تدبیر اور اللہ پر اعتماد پیدا کرنے کا سبب ہیں۔

عارفین کہتے ہیں: علم وحکمت کی معرفت بندے کو اللہ کی قدرت، عدل اور حکمت سے روشناس کراتی ہے۔ یہ شعور دل میں سکون، بھروسہ اور اللہ کی عبادت میں خشوع پیدا کرتا ہے۔

# شانِ نورانیتِ الٰہی

(اللہ کے نور کی معرفت)

اللہ تعالیٰ کی شانِ ''نورانیت'' اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ وہی اصل روشنی کا سرچشمہ ہے، اور پوری کائنات اسی کے نور سے قائم ہے۔ ظاہری روشنی سورج اور چراغ سے وابستہ ہے، مگر باطنی روشنی یعنی ہدایت، ایمان اور معرفت صرف اللہ کے نور سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے دلوں کی تاریکی دور کرنے والی حقیقی روشنی وہی عطا کرتا ہے۔

اللہ کا نور مادی نہیں بلکہ معنوی اور ہدایت بخش نور ہے، جو دلوں کو ایمان، یقین اور بصیرت عطا کرتا ہے۔ جب یہ نور کسی دل میں داخل ہوتا ہے تو انسان حق کو پہچاننے لگتا ہے اور باطل سے بچنے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے۔ یہی نور انسان کو اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لے آتا ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ کو ''نورُ السماواتِ والأرض'' کہا گیا ہے، یعنی آسمانوں اور زمین کا نور۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ہر ہدایت، ہر رہنمائی اور ہر بصیرت اسی کی عطا کردہ ہے۔ اگر اس کا نور نہ ہو تو انسان نہ حق کو پہچان سکتا ہے اور نہ ہی صحیح راستہ اختیار کر سکتا ہے۔

اللہ کی نورانیت کا ایک مظہر انبیاء علیہم السلام کی ہدایت ہے۔ وہ انسانوں تک اللہ کا نور پہنچانے والے ہوتے ہیں، جو دلوں کو شرک، جہالت اور گمراہی سے پاک کرتے ہیں۔ ان کی تعلیمات دراصل اسی نورِ الٰہی کا عملی اظہار ہوتی ہیں جو انسانیت کو راستہ دکھاتی ہیں۔

روحانی طور پر جب بندہ اللہ کے نور کے قریب ہوتا ہے تو اس کا دل نرم، بیدار

اور روشن ہو جاتا ہے۔ عبادت، ذکر اور اخلاص انسان کے دل میں نور پیدا کرتے ہیں، جس سے اس کی زندگی میں سکون اور بصیرت آتی ہے۔ یہی نور اسے دنیا کی فتنہ انگیزیوں میں ثابت قدم رکھتا ہے۔

اللہ کی نورانیت کا شعور انسان کو یہ سمجھاتا ہے کہ حقیقی روشنی بیرونی ذرائع میں نہیں بلکہ اندرونی ہدایت میں ہے۔ جب دل اللہ کی یاد سے منور ہو جاتا ہے تو دنیا کی تاریکیاں اس پر اثر نہیں کرتیں، اور وہ ہر حال میں حق کو پہچاننے لگتا ہے۔

شانِ نورانیتِ الٰہی یہ پیغام دیتی ہے کہ اصل روشنی اللہ کی ذات سے ہے، اور اسی کے نور سے دل، عقل اور روح منور ہوتے ہیں۔ جو اس نور کو پا لیتا ہے وہ اندھیروں سے نکل کر دائمی ہدایت اور ابدی سکون کی طرف سفر شروع کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''نورانیت'' ایک اعلیٰ اور عظیم پہلو ہے۔ اللہ ہی ہر چیز کا نور ہے، اور اس کی روشنی سے کائنات کی حقیقت اور بندے کا دل منور ہوتا ہے۔

نورانیت کا مفہوم

لغوی معنی؛ نور: روشنی، روشنائی، بصیرت

نورانیت: روشنی کی صفت، منور ہونا

اصطلاحی معنی: اللہ کی نورانیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر تاریکی کو روشن کرنے والا، ہر دل کو منور کرنے والا اور ہر شے میں حقیقت دکھانے والا ہے۔

## قرآن میں اللہ کی نورانیت

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

(سورۃ النور:35)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ

(سورۃ النور:35)

ترجمہ: روشنی پر روشنی۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی نورانیت کائنات اور دلوں کی رہنمائی کے لیے ہے۔

نورانیت کے مظاہر

* کائنات میں روشنی: سورج، چاند، ستارے
* انسان کے دل میں ایمان و بصیرت
* علم، ہدایت اور معرفت - نیکی اور اخلاق کے اعمال

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

(سورۃ النور:35)

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نورانیت

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: الْقُرْاٰنُ نُوْرٌ، وَهُوَ ذِكْرُ اللهِ الْحَكِيْمُ

ترجمہ: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن نور ہے اور یہ اللہ حکیم کا ذکر ہے"۔ اللہ کا ''نور'' ہونا قرآن سے ثابت ہے مگر اس نور سے مراد ہدایت، علم اور بصیرت ہے، جسمانی روشنی نہیں۔

أَلَا وَإِنَّ اللهَ نُورٌ، وَمَنْ يَتَّبِعْ نُوْرَهُ يَهْتَدِي

ترجمہ: جان لو! اللہ نور ہے، اور جو اس کی روشنی کی پیروی کرے وہ ہدایت پائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی روشنی انسان کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے اور دل کو منور کرنے والی ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی نورانیت ہر دل و دماغ میں بصیرت اور ایمان پیدا کرتی ہے، اور یہ معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: نورانیت اللہ کی صفات میں اعلیٰ مقام رکھتی ہے، کیونکہ یہ دل کی تاریکی کو دور کرتی ہے اور انسان کو ہدایت کی طرف لے جاتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: نورانیت کا شعور دل کو منور کرتا ہے، روح کو روشن کرتا ہے، اور ہر غفلت کو ختم کر کے بندے کو اللہ کی معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ کائنات اور دلوں کا نور ہے
* ہر تاریکی کو روشن کرنے والا ہے
* ہدایت، علم اور بصیرت کا ذریعہ ہے

نورانیتِ الٰہی: معرفتِ الٰہی اور ہدایت کا بنیادی ذریعہ ہے

* انسان کے دل اور دماغ کو منور کرتی ہے
* اعمال اور اخلاق میں روشنی پیدا کرتی ہے
* ہر تاریکی اور غفلت کو دور کرتی ہے

# اللہ کی شانِ ملکیت

اللہ تعالیٰ کی شانِ ملکیت یہ ہے کہ وہی حقیقی مالک کائنات ہے، جس کی ملکیت میں آسمان وزمین، انسان وجنات، اور ہر چھوٹی بڑی چیز شامل ہے۔ اس کی ملکیت کسی عارضی سبب یا خارجی سہارے کی محتاج نہیں بلکہ ازلی، ابدی اور خود قائم بالذات ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور جسے چاہتا ہے فنا کر دیتا ہے، اور اس کے ہر فیصلے میں حکمت اور عدل پوشیدہ ہوتا ہے۔

اللہ کی کامل مالکیت کا تقاضا یہ ہے کہ پوری کائنات اس کے حکم کے تابع ہے اور کوئی ذرہ بھی اس کی اجازت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔ وہی رزق دیتا ہے، وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت کا فیصلہ فرماتا ہے۔ انسان کی تمام ملکیتیں دراصل امانت ہیں، جبکہ حقیقی ملک صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں بار بار یہ حقیقت واضح کی گئی کہ "ملکِ حقیقی" صرف اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس کامل مالکیت کو سمجھنے سے انسان کے اندر عاجزی، بندگی اور توکل پیدا ہوتا ہے۔ جب بندہ یہ یقین رکھ لیتا ہے کہ سب کچھ اللہ کا ہے تو وہ دنیا کی چیزوں پر فخر اور غرور سے بچ جاتا ہے۔ یہی معرفتِ توحید کا اعلیٰ مقام ہے کہ انسان ہر نعمت کو اللہ کی عطا سمجھے اور ہر حالت میں اسی کے سامنے جھکا رہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''ملکیت'' ایک بنیادی اور جامع پہلو ہے۔ اللہ ہی ہر چیز کا مالک، حاکم اور رب ہے۔ اس کی ملکیت میں سب کائنات، زمین وآسمان، انسان و حیوان، مال ودولت اور ہر شے شامل ہے۔

ملکیت کا مفہوم

لغوی معنی: مالک: جس پر مکمل اختیار اور تصرف ہو

ملکیت: کسی شے پر مکمل حق اور اختیار

اصطلاحی معنی ٭ اللہ کی ملکیت کا مطلب ہے کہ ہر شے، ہر نظام اور ہر قوت اسی کی ملکیت میں ہے۔

٭ کوئی شے اس کے علم، اجازت اور مرضی کے بغیر نہیں چل سکتی۔

ابو حامد غزالی فرماتے ہیں: ملکیت کا شعور انسان میں عاجزی، فرمانبرداری اور اللہ کی عبادت میں خشوع پیدا کرتا ہے۔

## قرآن میں اللہ کی ملکیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(سورۃ آل عمران:189)

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کے لیے ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۰

(سورۃ البقرہ:20)

ترجمہ: اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی ملکیت ہر شے پر محیط ہے اور اس کا اختیار لامحدود ہے۔

اللہ کی ملکیت کے مظاہر

٭ زمین و آسمان اور ان میں موجود ہر چیز – انسان اور جاندار

٭ مال و دولت، قدرتی وسائل – وقت، تقدیر اور ہر قوت

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

ترجمہ: اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

(سورۃ البقرہ:284)

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ملکیت

آپ کے دیے ہوئے الفاظ کا مفہوم درست ہے، لیکن ''یہ جملہ اس شکل میں سنن ترمذی میں لفظی حدیث نہیں'' بلکہ مختلف صحیح دعاؤں کے مجموعی مفہوم سے لیا گیا ہے۔ سنن ترمذی میں اس مفہوم کے قریب صحیح دعا اس طرح وارد ہوئی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ قَالَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، وَمَلِيْكَهُ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ...

(سنن الترمذی، باب الدعوات)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آرام فرماتے تو یہ دعا پڑھتے: ''اے اللہ! تو سات آسمانوں کا رب ہے، عرشِ عظیم کا رب ہے، ہمارا رب اور ہر چیز کا مالک ہے، دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے، تورات، انجیل اور قرآن نازل فرمانے والا ہے.....''

وضاحت: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور ملکیت کو جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ وہی ہر چیز کا حقیقی رب اور مالک ہے، اور اسی کے قبضۂ قدرت میں

پوری کائنات ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی ملکیت ہر شے پر محیط ہے، چاہے وہ زمین ہو، آسمان، یا دلوں اور ارادوں کی ملکیت۔

امام قرطبی لکھتے ہیں: ملکیت کا شعور انسان کو ہر نعمت اور ہر قوت کے مالک کو پہچاننے کی تعلیم دیتا ہے۔

عارفین کہتے ہیں: ملکیت کا شعور دل کو عاجزی اور خشوع سے بھر دیتا ہے، انسان اپنی تمام خواہشات اور اعمال کو اللہ کی رضا اور اجازت کے تحت انجام دیتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں ایک بلند مقام ہے۔

## عملی تقاضے

1. ہر نعمت کو اللہ کی ملکیت سمجھنا
2. ہر عمل میں اللہ کی اجازت اور رضا کا خیال رکھنا
3. رزق، وقت اور طاقت کو اللہ کی ملکیت میں استعمال کرنا
4. ہر شے میں شکر اور فرمانبرداری

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر شے کا مالک اور رب ہے
* ہر قوت اور ہر وسائل اسی کے قبضہ میں ہیں
* بندہ کے اعمال اور حالات میں مکمل اختیار رکھتا ہے

# اللہ کی شانِ رفعتِ

(اللہ کی بلند مرتبہ اور عظمت)

اللہ تعالیٰ کی شانِ رفعت یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی بلندی، بزرگی اور عظمت کا حقیقی مالک ہے۔ اس کی رفعت نہ مکان کی محتاج ہے، نہ زمان کی، بلکہ وہ ہر تصور سے بلند اور ہر ادراک سے ماورا ہے۔ کائنات کی تمام بلندیاں، آسمانوں کی وسعتیں اور عرشِ عظیم کی رفعتیں اس کی عظمت کے سامنے ہیچ ہیں، کیونکہ وہی سب سے بلند اور سب سے برتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رفعت کا یہ عالم ہے کہ اس کی ذات ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے، اور اس کی صفات کمالِ مطلق کی حامل ہیں۔ کوئی بھی مخلوق اس کے مقام کو نہیں پا سکتی اور نہ ہی اس کی بلندی کا احاطہ کر سکتی ہے۔ قرآنِ مجید بار بار اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ اللہ "العلیّ" اور "الکبیر" ہے، یعنی وہ حقیقی معنوں میں سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ رفعت کو سمجھنے سے انسان کے اندر عاجزی، خشوع اور خشیت پیدا ہوتی ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب سب سے بلند اور عظیم ہے تو وہ دنیا کی بڑائیوں اور تکبر سے بچ جاتا ہے۔ یہی معرفتِ الٰہی کا کمال ہے کہ انسان ہر حال میں اپنے رب کے سامنے جھکا رہے اور اسی کی عظمت کو دل و جان سے تسلیم کرے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''رفعت'' کا مطلب ہے اس کی ''بلند مرتبہ، عظمت، اور فوقیت''۔ اللہ ہر چیز سے بلند ہے، ہر عیب و نقص سے پاک ہے، اور ہر شے اس کے مقابلے میں کمزور اور محدود ہے۔ یہ باب انسان کو یہ سمجھاتا ہے کہ:

رفعت کا مفہوم

لغوی معنی: رفعت: بلندی، بلند مرتبہ، عظمت

عظمت: ہر حد سے بالا اور پاکیزہ ہونا

اصطلاحی معنی: اللہ کی رفعت کا مطلب ہے کہ وہ ہر شے سے بالا اور ہر عیب سے پاک ہے۔ اللہ کی بلندی کسی سے متاثر یا محدود نہیں، وہ ہر لحاظ سے کمال میں کامل ہے

ابو حامد غزالی فرماتے ہیں: رفعت کی معرفت بندے کو عاجزی، خشوع، اور اللہ کی بڑائی کا شعور دیتی ہے، اور ہر فخر و غرور کو ختم کر دیتی ہے۔

## قرآن میں اللہ کی رفعت

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

(سورۃ الصافات:180)

ترجمہ: پاک ہے وہ تیرے رب کی جو عزت والا ہے اور جسے وہ بیان کرتے ہیں اس سے بلند ہے۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی رفعت ہر حد سے بلند اور اس کی عظمت ہر چیز پر فوقیت رکھتی ہے۔

رفعت کے مظاہر

* کائنات کے قوانین اور انتظام میں-قدرت اور تدبیر میں
* علم و حکمت میں-نورانیت اور قدرت کے تمام مظاہر میں

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رفعت

عَنْ أَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "قَالَ رَسُوْلُ

اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ لَا يَنَامُ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ، حِجَابُهُ النُّوْرُ...

(سنن الترمذی، تاب الدعوات)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ سوتا نہیں اور نہ ہی اس کے لیے سونا مناسب ہے، وہ عدل کو بلند اور پست کرتا ہے، اس کی طرف رات اور دن کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، اور اس کا حجاب نور ہے.....''

وضاحت: یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی عظمت، رفعت اور جلال کو بیان کرتی ہے کہ وہ مخلوق کی صفات سے پاک ہے اور اس کی شان بلند و بالا ہے۔

حدیث کی تشریح: یہ حدیث اللہ کی غیر محدود بلندی اور عظمت کو واضح کرتی ہے، اور بندے کو عاجزی اور خشوع کی دعوت دیتی ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی رفعت ہر شے سے بلند ہے، اور معرفتِ رفعت بندے کے دل میں خشوع اور عاجزی پیدا کرتی ہے۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: رفعت کی معرفت انسان کے غرور کو ختم کرتی ہے اور اس کی تمام نظریں اللہ کی عظمت پر مرکوز کر دیتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: رفعت کا شعور انسان کو اللہ کی بزرگی اور بندگی کی ضرورت سے روشناس کراتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی کے اعلیٰ مراحل میں سے ہے، جو دل کو اللہ کے قریب کرتی ہے۔

# عملی تقاضے

1. ہر عمل اور سوچ میں عاجزی
2. غرور و تکبر سے بچنا
3. عبادت اور خشوع میں اضافہ
4. ہر نعمت اور طاقت کو اللہ کی بڑائی اور عظمت میں تسلیم کرنا

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر شے سے بلند اور ہر نقص سے پاک ہے
* اس کی عظمت ہر حدود سے بالا ہے
* معرفتِ رفعت انسان کو اللہ کی بندگی کی طرف مائل کرتی ہے

خلاصۂ رفعتِ الٰہی:

* معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* انسان کو عاجزی اور خشوع سکھاتی ہے
* ہر غرور اور فخر کو ختم کرتی ہے
* معرفتِ الٰہی میں بندے کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اللہ کی بلند مرتبہ اور عظمت کو پہچاننا اور اس کی بندگی کرنا معرفتِ الٰہی کا لازمی حصہ ہے۔

# اللہ کی شانِ وسعت

(اللہ کی لامحدود وسعت)

اللہ تعالیٰ کی شانِ وسعت یہ ہے کہ اس کی رحمت، علم، قدرت اور ملکیت ہر حد و حساب سے بالا ہے۔ اس کی وسعت نہ کسی سمت کی محتاج ہے، نہ کسی جگہ کی، بلکہ وہ ہر شے کو اپنے علم اور قدرت سے محیط ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کے علم کے دائرے میں ہے، اور کوئی بھی پوشیدہ یا ظاہر چیز اس سے باہر نہیں رہ سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی وسعت اس کے علم میں بھی ہے کہ وہ ہر ظاہر و باطن، ماضی، حال اور مستقبل کو یکساں جانتا ہے۔ اسی طرح اس کی رحمت بھی بے حد وسیع ہے جو گناہگاروں، کمزوروں اور محتاجوں سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا کہ اس کی رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے، جو اس کی وسعتِ بے پایاں کا واضح ثبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس لامحدود وسعت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں امید، توکل اور اللہ پر بھروسہ پیدا ہوتا ہے۔ جب بندہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز پر محیط اور بے حد وسعت والا ہے تو وہ مایوسی سے نکل کر رحمتِ الٰہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہی معرفتِ الٰہی کا کمال ہے کہ انسان ہر حال میں اپنے رب کی وسعتِ رحمت پر یقین رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''وسعت'' کا مطلب ہے اس کی ''لامحدودیت، پھیلاؤ، اور ہر چیز پر محیط ہونا''۔ اللہ کی وسعت ہر شے میں ظاہر ہے: کائنات کی وسعت، علم و قدرت کی وسعت، رحمت اور کرم کی وسعت۔

یہ باب انسان کو یہ سمجھاتا ہے کہ:

* اللہ کی وسعت کیا ہے اور اس کی لامحدودیت کیا ہے
* قرآن وحدیث میں اللہ کی وسعت کا بیان
* معرفتِ الٰہی میں وسعت کا کردار
* انسان اپنی زندگی میں اللہ کی وسعت کو کس طرح سمجھ کر فائدہ اٹھا سکتا ہے

وسعت کا مفہوم

لغوی معنی: ''وسعت'': پھیلاؤ، لامحدودیت، گہرائی ''لامحدودیت'': ہر حد سے بالا

اصطلاحی معنی: اللہ کی وسعت کا مطلب ہے کہ اس کی طاقت، علم، فضل، اور رحمت ہر شے پر محیط ہے۔

* اللہ کی وسعت سے ہر مخلوق مستفید ہوتی ہے، اور کوئی بھی چیز اس کی وسعت سے باہر نہیں ہے

## قرآن میں اللہ کی وسعت

وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

(سورۃ الطلاق:12)

ترجمہ: اور یہ کہ اللہ نے ہر چیز کو علم میں گھیر رکھا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ

(سورۃ البقرہ2:284)

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کے لیے ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی وسعت ہر شے میں شامل اور ہر مخلوق کے لیے محیط ہے۔

وسعت کے مظاہر- کائنات کی لامحدود وسعت

* علم وقدرت اور حکمت - رحمت، کرم اور مغفرت
* تقدیر اور اعمال میں شامل حکمت

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا

(سورۃ غافر:7)

ترجمہ: اے ہمارے رب، تیری رحمت اور علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

اور ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ

(سورۃ الاعراف:156)

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے۔

یہ دونوں آیات قرآنِ مجید کی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ اپنی بے حد و بے پایاں رحمت اور وسعتِ علم کو بیان فرماتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرُ، فَيَقُوْلُ: مَنْ يَدْعُوْنِيْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِيْ فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَ لَهُ

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا رب ہر رات آخری تہائی حصے میں آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تاکہ میں اسے بخش دوں؟

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللهَ يَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا، وَيَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا

(صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو کھانا کھا کر اس پر اللہ کی حمد کرے اور پانی پی کر اس پر اللہ کا شکر ادا کرے۔

خلاصہ: یہ احادیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت، عطا اور قبولیت میں بے حد وسیع ہے۔ وہ بندے کو بلاتا بھی ہے، سنتا بھی ہے، اور عطا بھی فرماتا ہے، اور معمولی نیکی پر بھی راضی ہو جاتا ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی وسعت ہر شے میں واضح ہے، چاہے وہ علم ہو، طاقت ہو یا رحمت ہو۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: وسعت کی معرفت انسان کے دل میں امید، سکون اور اللہ پر اعتماد پیدا کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: وسعت کا شعور انسان کے دل میں رحمت، امید اور توکل پیدا کرتا ہے۔ یہ معرفتِ الٰہی کے اعلیٰ مراحل میں سے ہے، جو دل و روح کو اللہ کے

قریب کرتی ہے۔

## عملی تقاضے

1. ہر حالت میں اللہ کی رحمت اور فضل پر بھروسہ
2. مشکلات میں امید اور سکون
3. دعا اور عبادت میں توکل
4. اپنی زندگی کے وسائل کو اللہ کی وسعت کے مطابق استعمال کرنا

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر شے پر محیط ہے
* اس کا علم، قدرت اور رحمت ہر چیز میں شامل ہے
* معرفتِ وسعت بندے کو سکون اور امید دیتی ہے

خلاصۂ باب: وسعتِ الٰہی: * معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے * انسان کے دل میں سکون، امید اور اعتماد پیدا کرتی ہے * ہر شے میں اللہ کی رحمت، علم اور قدرت ظاہر کرتی ہے * معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے۔

# شانِ حمدیت

(اللہ کی قابلِ تعریف صفت)

اللہ تعالیٰ کی شانِ حمدیت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات، صفات، افعال اور احکام کے اعتبار سے ہر حال میں قابلِ تعریف ہے۔ اس کی ہر صفت کمال، ہر فیصلہ حکمت اور ہر فعل رحمت و عدل پر مبنی ہے۔ اس کی حمد کسی ایک حالت یا وقت تک محدود نہیں بلکہ ازل سے ابد تک جاری رہنے والی حقیقت ہے، کیونکہ ہر خیر اور بھلائی اسی کی طرف سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمدیت کا ایک عظیم پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہو کر بھی ان پر بے شمار نعمتیں نازل فرماتا ہے۔ انسان چاہے شکر ادا کرے یا نہ کرے، اس کی نعمتیں جاری رہتی ہیں، اور یہی اس کی حمد کے لائق ہونے کی دلیل ہے۔ قرآنِ مجید کی ابتدا ہی "الحمد للہ رب العالمین" سے ہوتی ہے، جو اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ ہر قسم کی تعریف صرف اللہ کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ حمدیت کو سمجھنے سے بندے کے دل میں شکر، عاجزی اور محبتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان یہ یقین کر لیتا ہے کہ ہر خوبی اور ہر نعمت کا اصل سرچشمہ اللہ ہے تو وہ زبان سے بھی اس کی حمد کرتا ہے اور عمل سے بھی اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ یہی ایمان کی حقیقت اور بندگی کا کمال ہے کہ انسان ہر حال میں اپنے رب کی حمد بیان کرتا رہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں "حمدیت" اس کی ایک ممتاز صفت ہے، جس کا مطلب ہے کہ "ہر چیز میں اللہ کی تعریف اور اس کی عظمت کو پہچاننا"۔ اللہ کی حمد ہر شے کے لیے لازمی ہے کیونکہ وہ کائنات کا مالک، حکمت والا، رحمت والا، اور ہر خوبی کا ذریعہ

ہے۔

حمدیت کا مفہوم

لغوی معنی: حمد: تعریف، شکر گزاری اور تعظیم

حمدیت: قابلِ تعریف ہونا، ہر حالت میں تعریف کے لائق ہونا

اصطلاحی معنی: اللہ کی حمدیت کا مطلب ہے کہ ہر خوبی، کمال اور نعمت اسی سے منسوب ہے۔

* بندہ ہر حالت میں اللہ کو حمد و شکر کے مستحق کے طور پر پہچانتا ہے۔

## قرآن میں اللہ کی حمدیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١

(سورۃ الفاتحہ:2)

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝١

(سورۃ الانعام:1)

ترجمہ: تعریف اس خدا کے لیے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرے اور روشنی کو بنایا۔ پھر جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کفر کرتے ہیں وہ انصاف کرنے والے ہوں گے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی حمد ہر شے میں واجب اور لازمی ہے۔

حمدیت کے مظاہر

*نعمتوں اور رزق میں شکر- قدرت اور حکمت میں اللہ کی تعریف

*علم، حکمت اور اخلاق میں اللہ کی حمد- ہر حالت میں بندے کا اللہ کی طرف رجوع

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حمدیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو کلمے زبان پر ہلکے، ترازو میں بھاری اور رحمٰن کے نزدیک محبوب ہیں: اللہ کی حمد و ثنا، پاک ہے اللہ، سب سے بڑا۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا، وَيَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا

(صحیح مسلم)

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور اس پر اس کی حمد کرتا ہے، اور پیتا ہے اور اس پر اس کی حمد کرتا ہے"۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ قَالَ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ...

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کے لیے ہے اور اسی کے لیے حمد ہے۔

خلاصہ یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ:

* حمد صرف زبان سے نہیں بلکہ دل اور عمل سے بھی ہوتی ہے
* ہر حال میں اللہ کی تعریف کرنا ایمان کی علامت ہے
* چھوٹی نعمت پر بھی حمد کرنا اللہ کو محبوب ہے

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی حمدیت ہر شے میں ظاہر ہے، چاہے وہ قدرت ہو، علم ہو، رحمت ہو یا انصاف۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: حمدیت کی معرفت انسان کو ہر نعمت کا شکر گزار اور ہر خوبی کا قائل بناتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: حمدیت کا شعور دل کو منور اور روح کو بلند کرتا ہے۔

# اللہ کی شانِ فردیت

(اللہ کی یکتائی اور انفرادیت)

اللہ تعالیٰ کی شانِ فردیت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات، صفات اور افعال میں یکتا اور بے مثال ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کی ذات میں کوئی مثل ہے اور نہ اس کی صفات میں کوئی نظیر۔ وہ واحد ہے، احد ہے، اور پوری کائنات اسی کی وحدانیت کی گواہ ہے۔ اس کی یکتائی اس بات کا اعلان ہے کہ ہر کمال صرف اسی کے لیے ہے اور ہر نقص اس سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی فردیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے بے نیاز اور منفرد ہے۔ اس کا علم، اس کی قدرت، اس کی حکمت اور اس کی ملکیت سب کامل اور غیر محدود ہیں، جبکہ مخلوق ہر اعتبار سے محتاج اور محدود ہے۔ قرآنِ کریم میں بار بار اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ "احد" ہے، جو اس کی کامل یکتائی اور انفرادیت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ فردیت کو سمجھنے سے انسان کے اندر خالص توحید پیدا ہوتی ہے اور دل ہر قسم کے شرک، ریا اور غیر اللہ کی وابستگی سے پاک ہو جاتا ہے۔ جب بندہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کا رب اکیلا ہے اور ہر چیز میں بے مثال ہے تو وہ صرف اسی کی عبادت کرتا ہے اور اسی پر کامل بھروسہ رکھتا ہے۔ یہی ایمان کی اصل بنیاد اور نجات کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''فردیت'' اس کی وہ صفت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''وہ واحد، یکتا اور ہر طرح کے شریک و ہمزاد سے پاک ہے''۔ اللہ کی فردیت اس کی توحید کا بنیادی پہلو ہے اور معرفتِ الٰہی کی سب سے بلند حقیقت ہے۔

# فردیت کا مفہوم

لغوی معنی: فرد: ایک، یکتا، بغیر شریک

فردیت: ہر طرح کے شریک و ہمزاد سے پاک ہونا

اصطلاحی معنی: اللہ کی فردیت کا مطلب ہے کہ وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں

* ہر کائناتی، قدرتی، اور روحانی طاقت اسی کی ملکیت اور اختیار میں ہے

# قرآن میں اللہ کی فردیت

قرآن میں ارشاد ربانی ہے کہ

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ

(سورۃ البقرہ:255)

ترجمہ: اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱

(سورۃ الاخلاص:1)

ترجمہ: فرمادیں، وہ اللہ ایک ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی فردیت ہر شے میں واضح اور اس کی توحید کا لازمی پہلو ہے۔

فردیت کے مظاہر

* ہر کائناتی اور قدرتی شے میں شریک کا نہ ہونا-عبادت، راز و نیاز اور بندگی میں اللہ کی یکتائی

* علم، قدرت اور حکمت میں کوئی ہمزاد نہ ہونا- تقدیر اور نظام میں مکمل

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۳

(سورۃ الحدید:23)

ترجمہ: وہی پہلے اور آخر، ظاہر اور باطن ہے اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فردیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:*يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيْ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ

(صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں شریکوں میں سب سے زیادہ بے نیاز ہوں اور مجھے کسی شریک کی ضرورت نہیں۔ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ شرک کیا تو میں اسے اور اس کی رفاقت کو چھوڑ دوں گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ:قَالَ

رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا غُلَامُ، إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: احْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ...

(جامع الترمذی)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نوجوان، میں تمہیں کچھ کلمات سکھاتا ہوں: خدا سے ڈرو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔

(وضاحت: یہ حدیث اللہ کی ربوبیت و وحدانیت پر کامل اعتماد کی تعلیم دیتی ہے کہ مدد صرف اللہ سے ہے)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ...

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کے لیے ہے اور اسی کی تعریف ہے۔

یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ:

* اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بالکل ''اکیلا اور بے شریک'' ہے
* عبادت اور نیت میں شرک اللہ کو ہرگز قبول نہیں
* حقیقی بادشاہی، مدد اور اختیار صرف اللہ کے لیے ہے

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی فردیت اس کی توحید کی بنیاد ہے اور ہر شے اس کے اختیار میں ہے، کوئی شریک نہیں۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: فردیت کی معرفت انسان کو ہر قسم کی عبادت اور رجوع اللہ کی طرف مائل کرتی ہے، اور غرور و فخر ختم کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: فردیت کا شعور انسان کو اللہ کی توحید کی اعلیٰ سطح سے روشناس کراتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں بندے کو ہر حالت میں اللہ کی عبادت اور اس کی یکتائی پر یقین پیدا کرتی ہے۔

عملی تقاضے

1. ہر عمل اور عبادت میں اللہ کی یکتائی کو یاد رکھنا
2. کسی کو شریک نہ ٹھہرانا
3. ہر نعمت اور قوت میں اللہ کی فردیت تسلیم کرنا
4. غرور، تکبر اور خود پسندی سے بچنا

خلاصۂ فردیتِ الٰہی:

* معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* بندے کے دل میں توحید، عاجزی اور خشوع پیدا کرتی ہے
* ہر شے میں اللہ کی یکتائی اور انفرادیت کو ظاہر کرتی ہے
* معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اللہ کی فردیت کو پہچاننا، اس کا شریک نہ ٹھہرانا اور ہر حال میں اس کی عبادت کرنا معرفتِ الٰہی کا لازمی حصہ ہے۔

# اللہ کی شانِ عظمتیت

(اللہ کی بلند مرتبہ اور کبریائی)

اللہ تعالیٰ کی شانِ عظمت یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی بڑائی، کبریائی اور جلال کا حقیقی مالک ہے۔ اس کی عظمت نہ کسی مخلوق کے تصور میں سما سکتی ہے اور نہ کسی عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔ آسمانوں کی وسعتیں، زمین کی پھیلائی ہوئی حدیں اور عرشِ عظیم کی بلندی سب اس کی عظمت کے سامنے عاجز ہیں۔ وہی "الکبیر" اور "العظیم" ہے، جس کے مقابلے میں ہر چیز حقیر اور فانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مخلوق اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ کوئی ذرہ بھی اس کے حکم سے باہر نہیں، اور ہر نظام اسی کے امر سے قائم ہے۔ اس کی عظمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے، مگر پھر بھی ان پر بے شمار نعمتیں نازل فرماتا ہے۔ قرآنِ مجید میں بار بار اس کی کبریائی اور بزرگی کا ذکر آیا ہے تاکہ بندہ اپنے رب کی عظمت کو پہچانے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ عظمت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں خشیت، عاجزی اور بندگی پیدا ہوتی ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب سب سے بڑا اور سب سے بلند ہے تو وہ تکبر سے بچ جاتا ہے اور صرف اسی کے سامنے جھکتا ہے۔ یہی ایمان کی حقیقت ہے کہ انسان اپنے رب کی عظمت کو دل سے تسلیم کرے اور اسی کی کبریائی کا اقرار کرے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''عظمتیت'' اس کی وہ صفت ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ ''وہ ہر مخلوق سے برتر، ہر شان سے عالی، اور ہر تصور سے بالا ہے''۔ عظمتیت اللہ کی بلند مرتبہ اور کبریائی کا مظہر ہے۔

عظمتیت کا مفہوم

لغوی معنی: عظمت: بڑا، عالی، اعلیٰ مرتبہ

عظمتیت: ہر طرح سے بلند مرتبہ اور اعلیٰ شان

اصطلاحی معنی: اللہ کی عظمتیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر مخلوق، ہر صفت اور ہر تصور سے بالا اور کامل ہے

* کوئی بھی شے، خواہ وہ علم، طاقت یا مرتبہ ہو، اللہ کی عظمت کے برابر نہیں ہو سکتی

## قرآن میں اللہ کی عظمتیت

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿١١﴾

(سورۃ البروج:11)

ترجمہ: اور وہ بلند اور عظیم ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی عظمت ہر شے سے بالا اور ہر تصور سے عالی ہے۔

* قدرت اور کائنات میں برتری-علم وحکمت اور ہر فعل میں کامل

* رزق، نظام، اور تقدیر میں مکمل اختیار-نورانیت، رحمت اور عدل میں مکمل عظمت

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ

(سورۃ الحشر:23)

ترجمہ: وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، مقدس ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عظمتیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ، وَالْعَظَمَةُ إِزَارِيْ، فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا عَذَّبْتُهُ"

(صحیح مسلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے، جو ان میں سے کسی ایک میں مجھ سے جھگڑے گا میں اسے عذاب دوں گا۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:يَقْبِضُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيَطْوِي السَّمَاوَاتِ بِيَمِيْنِهِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوْكُ الْأَرْضِ؟

(صحیح بخاری)

ترجمہ: نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، آج زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ

رَسُولُ اللهِ ﷺ:مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس سے اس کا رب کلام کرے گا، ان کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔

خلاصہ: یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ:

* اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی بے مثال ہے
* تمام بادشاہی اور اختیار صرف اسی کے پاس ہے
* قیامت کے دن ہر شخص براہِ راست اس کی عظمت کے سامنے ہوگا

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی عظمتیت ہر شے میں ظاہر ہے، چاہے وہ قدرت ہو، علم ہو، یا قدرت کا انتظام۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: عظمتیت کی معرفت بندے کو ہر حالت میں خشوع، عاجزی اور اللہ کی بڑائی کے شعور میں لے آتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: عظمتیت کا شعور انسان کو اللہ کی برتری اور کبریائی سے روشناس کراتا ہے، دل و روح کو منور اور ہر غفلت سے پاک کرتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے۔

عملی تقاضے

1. ہر عمل میں عاجزی اور خشوع
2. غرور و تکبر سے بچنا
3. عبادت میں اللہ کی عظمت کو پہچاننا

4. نعمتوں اور قوتوں میں اللہ کی برتری تسلیم کرنا

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر مخلوق سے برتر اور ہر شان سے اعلیٰ ہے
* ہر تصور اور ہر عمل میں اس کی عظمت ظاہر ہے
* معرفتِ عظمت انسان کو بندگی اور خشوع کی طرف مائل کرتی ہے

خلاصۂ عظمتیتِ الٰہی:

* معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* انسان کو عاجزی، خشوع اور اللہ کی بڑائی کی پہچان دیتی ہے
* ہر شے میں اللہ کی عظمت اور کبریائی ظاہر کرتی ہے
* معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اللہ کی عظمتیت کو پہچاننا اور ہر حالت میں اس کی بڑائی کا اعتراف کرنا معرفتِ الٰہی کا لازمی حصہ ہے۔

# اللہ کی شانِ رحمتیت

(اللہ کی وسیع رحمت)

اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت یہ ہے کہ اس کی رحمت ہر شے پر محیط ہے اور اس کی وسعت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنے بندوں پر ان کی نافرمانی کے باوجود بھی رحمت فرماتا ہے، انہیں مہلت دیتا ہے اور توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھتا ہے۔ اس کی رحمت کا ایک قطرہ بھی اگر مخلوق پر نازل ہو جائے تو پوری کائنات میں خیر و برکت پھیل جائے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف دنیا تک محدود نہیں بلکہ آخرت میں بھی اس کی رحمت ہی نجات کا ذریعہ ہوگی۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے، کمزوریوں کو درگزر کرتا ہے اور معمولی نیکی پر بھی بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اس کی رحمت کو غضب پر غالب قرار دیا گیا ہے، جو اس کی بے پایاں شفقت اور مہربانی کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس وسیع رحمت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں امید، محبت اور رجوع الی اللہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ بندہ جب یہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب بے حد رحم فرمانے والا ہے تو وہ مایوسی سے بچ جاتا ہے اور ہمیشہ اس کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے۔ یہی ایمان کی حقیقت ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کی رحمت پر بھروسہ رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''رحمتیت'' اس کی وہ صفت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''وہ ہر مخلوق کے لیے مہربان، شفقت والا اور رحمت کے ہر پہلو سے معمور ہے''۔ اللہ کی رحمت لامحدود ہے اور اس کی وسعت ہر کائنات، ہر زمانے اور ہر حالت پر محیط ہے۔

رحمتیت کا مفہوم

لغوی معنی: رحمت: مہربانی، شفقت، نیکی

رحمتیت: ہر حال اور ہر شے میں رحم و کرم کا ہونا

اصطلاحی معنی: اللہ کی رحمتیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر شے کے لیے مہربان، شفقت والا اور مددگار ہے

* کوئی بھی مخلوق اللہ کی رحمت سے محروم نہیں، چاہے وہ انسان ہو یا کائنات کی کوئی شے۔

ارشاد ربانی ہے کہ

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ

(سورۃ الاعراف:156)

ترجمہ: ہمارا رب اپنی رحمت سے ہر شے کو محیط کر چکا ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی رحمت ہر شے میں شامل اور ہر مخلوق کے لیے محیط ہے۔

* کائنات میں زندگی بخش نظام۔نعمتوں اور رزق میں کرم

* گناہوں کی معافی اور ہدایت۔عبادت اور دعا میں شفاعت

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾

(سورۃ الاعراف:56)

ترجمہ: اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رحمتیت

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِیْ كِتَابٍ فَهُوَ

عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو مکمل کر لیا تو اس نے ایک کتاب میں لکھا جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے: "میری رحمت میرے غضب سے پہلے ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ سَبْيٌ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ تَبْتَغِي صَبِيًّا لَهَا... فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "أَتَرَوْنَ هٰذِهِ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ؟" قَالُوا: لَا، وَهِيَ تَقْدِرُ عَلَى أَلَّا تَطْرَحَهُ. فَقَالَ: اللهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ قیدی لائے گئے، ان میں ایک عورت اپنے بچے کو تلاش کر رہی تھی..... آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟ صحابہ نے کہا: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اپنے بندوں پر اس عورت سے بھی زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ، أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالْبَهَائِمِ، وَأَخَّرَ تِسْعًا وَتِسْعِينَ رَحْمَةً لِيَرْحَمَ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی سو رحمتیں ہیں، اس نے جنوں، انسانوں اور جانوروں میں سے ایک کو نازل کیا اور ننانوے رحمتیں قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم کرنے کے لیے محفوظ رکھی ہیں۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی رحمت ہر شے پر محیط ہے، چاہے وہ زندگی ہو، علم ہو، یا قدرت ہو۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: رحمتیت کی معرفت انسان کے دل میں امید، سکون اور اللہ کی طرف رجوع پیدا کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: رحمتیت کا شعور انسان کے دل میں اللہ کی محبت، خوف اور خشوع پیدا کرتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں انسان کو ہر حال میں اللہ کی طرف مائل کرتی ہے۔

1. ہر نعمت اور کامیابی میں اللہ کی رحمت کو یاد رکھنا
2. گناہوں اور خطاؤں میں اللہ کی مغفرت پر توکل
3. عبادت اور دعا میں اللہ کی رحمت کی طلب
4. دوسروں کے ساتھ رحمت اور شفقت اختیار کرنا

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر شے پر رحم والا ہے
* ہر حالت میں اپنی مخلوق کے لیے شفقت اور کرم عطا کرتا ہے
* معرفتِ رحمت بندے کو امید، سکون اور اللہ کی عبادت کی طرف مائل کرتی ہے

**وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ"**

(صحیح بخاری)

خلاصۂ رحمتیتِ الٰہی:

* معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* انسان کے دل میں امید، سکون اور بھروسہ پیدا کرتی ہے
* ہر نعمت اور فضل میں اللہ کی مہربانی کو ظاہر کرتی ہے
* معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اللہ کی رحمتیت کو پہچاننا اور ہر حالت میں اس کے فضل و کرم پر بھروسہ کرنا معرفتِ الٰہی کا لازمی حصہ ہے۔

# اللہ کی شانِ علمیت

(اللہ کا علم اور علم کی لامحدود وسعت)

اللہ تعالیٰ کی شانِ علمیت یہ ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی، انسان کے دلوں کے خیالات، نیتوں کے ارادے اور آنے والے زمانوں کے حالات سب اس کے علم میں ہیں۔ اس کے علم کی کوئی ابتدا نہیں اور نہ ہی کوئی انتہا ہے، بلکہ وہ ازلی، ابدی اور ہر لمحہ محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم مخلوق کے علم کی طرح محدود اور سیکھنے کا محتاج نہیں، بلکہ وہ ہر چیز کو بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے جانتا ہے۔ زمین کے اندر کیا چھپا ہے، آسمانوں میں کیا ہو رہا ہے، اور کائنات کے ہر ذرّے کی حرکت کیا ہے، سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ قرآنِ مجید میں بار بار اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ''علیمٌ بذاتِ الصدور'' ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس لامحدود علمیت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں تقویٰ، خشیت اور احتیاط پیدا ہوتی ہے۔ جب بندہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور جان رہا ہے تو وہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور نیکی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہی ایمان کی اصل روح ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کے علم کو حاضر و ناظر جانے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''علمیت'' اس کی وہ صفت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے، نہ ماضی محدود ہے، نہ حال اور نہ مستقبل اس سے پوشیدہ ہے''۔ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط اور ہر تصور سے بالا ہے۔

علمیت کا مفہوم

لغوی معنی: علم: جاننا، آگاہی۔

علمیت: ہر شے پر مکمل آگاہی، ہر راز و حقیقت سے واقفیت

اصطلاحی معنی: اللہ کی علمیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر شے کا جاننے والا ہے

* کوئی بھی راز، سوچ یا عمل اس سے پوشیدہ نہیں

## قرآن میں اللہ کے علم کی وسعت

وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(سورۃ الانعام:101)

ترجمہ: اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

(سورۃ الحدید:4)

ترجمہ: وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے۔ اور تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کا علم ہر شے پر محیط اور ہر حد سے بالا ہے۔

علمیت کے مظاہر

* ماضی، حال اور مستقبل پر علم
* ہر دل کی کیفیت، ہر سوچ، اور ہر راز جاننا
* کائنات کے قوانین اور نظام میں علم
* تقدیر اور ہر شے میں حکمت

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۳۱﴾

(سورۃ البقرہ:231)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علمیت

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ...فَقَالَ: فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِحْسَانِ" قَالَ:"أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

(صحیح مسلم)

ترجمہ: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ایک شخص ہمارے سامنے آیا جس نے انتہائی سفید پوشاک پہنی ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے احسان کے بارے میں بتاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی عبادت اس طرح کرنا ہے گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، حالانکہ تم اسے دیکھ نہیں رہے ہو"۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:إِنَّ اللهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَیْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا

فِي السَّمَآءِ

(مفہوم صحیح احادیث، بخاری و مسلم کے معانی)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمانوں میں۔

عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَمُدُّ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ النَّهَارِ، وَيَمُدُّ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ اللَّيْلِ

(صحیح مسلم)

ترجمہ: ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گناہگار توبہ کرے اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گناہگار توبہ کرے۔

خلاصہ: یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ: اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے انسان کی کوئی حالت اللہ سے پوشیدہ نہیں اللہ ہر وقت بندے کے حال کو جانتا ہے اور اس کی طرف رجوع کا دروازہ کھلا رکھتا ہے

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی علمیت ہر شے میں واضح ہے، چاہے وہ مخلوق کی فکر ہو یا کائنات کے اسرار۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: علمیت کی معرفت انسان کے دل میں ہر حالت میں اللہ پر اعتماد اور توکل پیدا کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: علمیت کا شعور انسان کو اللہ کے رازوں سے روشناس کراتا

ہے، دل وروح کو منور اور ہر غفلت سے پاک کرتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں بندے کو ہر عمل میں اللہ کی معرفت عطا کرتی ہے۔

1. ہر عمل اور فیصلہ میں اللہ کے علم کو یاد رکھنا
2. ہر حالت میں اللہ پر توکل
3. گناہوں میں معافی کی امید اور اعمال میں احتیاط
4. علم وحکمت کو اللہ کے علم سے منسلک سمجھنا

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر شے کا جاننے والا ہے
* ہر راز، سوچ، اور عمل پر اس کی نظارت ہے
* معرفتِ علمیت بندے کو توکل، عاجزی اور خشوع عطا کرتی ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ۝

(سورۃ آل عمران:5)

ترجمہ: درحقیقت، زمین اور آسمان میں اللہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

خلاصۂ علمیتِ الٰہی:

* معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* انسان کے دل میں عاجزی، توکل اور خشوع پیدا کرتی ہے
* ہر راز وحقیقت میں اللہ کی موجودگی کو ظاہر کرتی ہے
* معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

# اللہ کی شانِ لامحدودیت

اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر کامل اختیار رکھتا ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے آسمان و زمین، انسان و جنات، اور پوری کائنات ایک لمحے میں وجود میں آسکتی ہے اور ایک لمحے میں فنا ہوسکتی ہے۔ وہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے، صرف ''کُن'' کہتا ہے تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ اس کی قدرت نہ کسی سبب کی محتاج ہے اور نہ کسی مدد کی، بلکہ وہ بذاتِ خود قادرِ مطلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت محدود نہیں بلکہ لامحدود اور ازلی و ابدی ہے۔ وہ زندگی دیتا ہے، موت دیتا ہے، رزق تقسیم کرتا ہے، دلوں کو بدل دیتا ہے اور حالات کو پلٹ دیتا ہے۔ کوئی بھی طاقت اس کی قدرت کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتی۔ قرآنِ مجید میں بار بار یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اللہ "علیٰ کل شیء قدیر" ہے، یعنی وہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ قدرت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں توکل، امید اور خوفِ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ جب بندہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز پر قادر ہے تو وہ مایوسی سے بچ جاتا ہے اور ہر مشکل میں اسی سے مدد مانگتا ہے۔ یہی ایمان کی حقیقت ہے کہ انسان اپنی کمزوریوں کے باوجود اللہ کی قدرت پر مکمل بھروسہ رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''قدرتیت'' اس کی وہ صفت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''وہ ہر شے پر قادر ہے، کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں، اور ہر عمل میں اس کی قدرت کام کرتی ہے''۔

قدرتیت کا مفہوم

لغوی معنی: قدرت: طاقت، اختیار، سب کچھ کرنے کی صلاحیت

قدرتیت: ہر شے پر کامل اختیار اور سب کچھ کرنے کی صلاحیت

اصطلاحی معنی: اللہ کی قدرتیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے

* کوئی شے، چاہے وہ زمین ہو، آسمان ہو یا کسی کی تقدیر، اللہ کے اختیار سے باہر نہیں

## قرآن میں اللہ کی قدرت

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾

(سورۃ البقرہ:20)

ترجمہ: بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

(سورۃ ھود:7)

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط اور ہر فعل میں ظاہر ہے۔

* کائنات کی پیدائش اور نظام- ہر قدرتی عمل میں اللہ کا اختیار

* رزق، موت و زندگی، اور تقدیر میں مکمل اختیار- ہر معجزہ اور قدرتی علامت میں ظاہر

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۱﴾

(سورۃ الفتح:21)

ترجمہ: اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قدرتیت

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:يَدُ اللهِ مَلْأَىٰ لَا يَغِيْضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ...

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اور اسے کوئی چیز کم نہیں کرتی، وہ دن رات سخی ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَآءِ ضَرَبَتِ الْمَلَآئِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضُوْعًا لِقَوْلِهِ

(صحیح بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے حکم کے تابع ہو کر اپنے پروں کو مارتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ

# فَيَكُوْنُ

(مفہوم قرآنی واحادیث میں ثابت)

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا حکم صرف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ہوجا، اور وہ ہوجاتی ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی قدرتیت ہر شے میں واضح ہے، چاہے وہ قدرتی مظاہر ہوں یا انسانی تقدیر۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: قدرتیت کی معرفت انسان کے دل میں ہر حالت میں توکل، خشوع اور اللہ کی بڑائی کی پہچان پیدا کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: قدرتیت کا شعور انسان کو اللہ کی عظمت، کبریائی اور برتری سے روشناس کراتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں انسان کو ہر حالت میں اللہ پر بھروسہ اور اللہ کی عبادت کی طرف مائل کرتی ہے۔

1. ہر عمل اور فیصلے میں اللہ کی قدرت کو یاد رکھنا
2. ہر حالت میں اللہ پر توکل
3. مشکلات اور آزمائش میں صبر واستقامت
4. نعمتوں اور وسائل میں اللہ کی قدرت کی پہچان

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر شے پر قادر ہے
* ہر فعل، ہر نظام اور ہر تقدیر اسی کے اختیار میں ہے
* معرفتِ قدرت انسان کو خشوع، عاجزی اور اللہ کی عبادت کی طرف مائل کرتی ہے

# اللہ کی شانِ مجدیت

اللہ تعالیٰ کی شانِ مجدیت یہ ہے کہ وہ عظمت، جلال، بزرگی اور کمال کا حقیقی اور کامل مالک ہے۔ اس کی ذات ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے، اور اس کی کبریائی ایسی ہے کہ کائنات کی ہر عظمت اس کے سامنے حقیر اور بے حقیقت ہے۔ آسمانوں کی بلندی، زمین کی وسعت اور عرشِ عظیم کی رفعت سب اس کے جلال کے سامنے جھکی ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مجدیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی ذات وصفات میں کامل، بے مثال اور ہر تصور سے بلند ہے۔ اس کی بڑائی نہ کسی پیمانے میں سماتی ہے اور نہ کسی زبان سے پوری طرح بیان کی جاسکتی ہے۔ وہ ''ذوالجلال والاکرام'' ہے، یعنی جلال اور کرم دونوں کا کامل مالک، جس کے سامنے ہر مخلوق عاجز اور محتاج ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ مجدیت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں خشیت، عاجزی اور ادب پیدا ہوتا ہے۔ جب بندہ اپنے رب کی عظمت کو پہچان لیتا ہے تو اس کے اندر تکبر ختم ہو جاتا ہے اور وہ ہر وقت اللہ کے سامنے جھکنے والا بن جاتا ہے۔ یہی ایمان کی حقیقت ہے کہ انسان اپنے رب کی کبریائی کو دل وجان سے تسلیم کرے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''مجدیت'' اس کی وہ صفت ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ ''اللہ کی ذات ہر برتری، عظمت اور کبریائی سے معمور ہے، اس کی شان وجلال ہر حد سے بالا ہے''۔ مجدیت اللہ کی برتری، وقار اور کبریائی کی علامت ہے۔

مجدیت کا مفہوم:

لغوی معنیٰ ''مجد'': عظمت، وقار، بلند مرتبہ مجدیت: ہر عظمت اور برتری سے معمور ہونا

اصطلاحی معنی: اللہ کی مجدیت کا مطلب ہے کہ اس کی ذات ہر شان، عظمت اور کبریائی سے کامل ہے * کوئی بھی برتری یا مرتبہ اس کے مقابل نہیں۔

## قرآن میں اللہ کی مجدیت

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

(سورۃ الصافات:180)

ترجمہ: پاک ہے تیرا رب جو غالب کا رب ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ

(سورۃ الانعام 1:6)

ترجمہ: تعریف اس خدا کے لیے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرے اور روشنی کو بنایا

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی مجدیت ہر شے میں ظاہر ہے اور ہر برتری اسی کے اختیار میں ہے۔

* قدرت، علم اور حکمت میں برتری
* ہر شے میں کبریائی اور جلال
* مخلوقات کی بندگی اور خشوع میں ظاہر
* ہر عمل، تقدیر اور نظام میں اللہ کی برتری

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾

(سورۃ البروج 15:85)

ترجمہ: عرش مجید کا مالک۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مجدیت

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی نہیں ہے مگر اس کا رب قیامت کے دن اس سے بات کرے گا، ان کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:يَقْبِضُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِي السَّمَاوَاتِ بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا الْمَلِكُ

(صحیح بخاری)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ بہت بابرکت اور بلند ہے، وہ قیامت کے دن زمین کو قبض کرے گا اور آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ سے لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں"۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی مجدیت ہر شے میں ظاہر ہے، چاہے وہ کائنات ہو یا انسان کی معرفت۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: مجدیت کی معرفت انسان کو ہر حالت میں اللہ کی بڑائی اور برتری کا شعور عطا کرتی ہے، اور غرور و تکبر ختم کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: مجدیت کا شعور انسان کو اللہ کی عظمت، کبریائی اور جلال سے روشناس کراتا ہے، دل و روح کو منور اور ہر غفلت سے پاک کرتا ہے۔

## عملی تقاضے

1. ہر عمل اور عبادت میں اللہ کی کبریائی کو یاد رکھنا
2. غرور و تکبر سے بچنا
3. ہر نعمت اور رزق میں اللہ کی عظمت کا اعتراف
4. عبادت میں خشوع اور عاجزی اختیار کرنا

خلاصۂ باب مجدیتِ الٰہی:

* معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* انسان کے دل میں خشوع، عاجزی اور اللہ کی بڑائی کا شعور پیدا کرتی ہے
* ہر شے میں اللہ کی عظمت اور کبریائی کو ظاہر کرتی ہے
* معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اللہ کی مجدیت کو پہچاننا اور ہر حالت میں اس کی عظمت و جلال کا اعتراف کرنا معرفتِ الٰہی کا لازمی حصہ ہے۔

# اللہ کی شانِ نورازل

اللہ تعالیٰ کی شانِ نورانیت یہ ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اور اس کا نور ہدایت، بصیرت اور ایمان کی روشنی کا حقیقی سرچشمہ ہے۔ وہ اپنی ذات میں کامل نور ہے، جس سے تمام کائنات کو روشنی، وجود اور ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اس کا نور کسی جسمانی روشنی کی طرح نہیں بلکہ ایسا نور ہے جو دلوں کو منور کرتا ہے اور روحوں کو زندگی عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نورانیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کفر و جہالت کے اندھیروں کو مٹا کر ایمان اور ہدایت کی روشنی عطا کرتا ہے۔ جو دل اس کے ذکر سے روشن ہو جاتا ہے وہ ہدایت کی راہوں کو پہچان لیتا ہے، اور جو اس سے دور ہو جاتا ہے وہ اندھیروں میں بھٹک جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ کو "نورالسموات والارض" فرمایا گیا ہے، جو اس کی بے مثال نورانیت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ نورانیت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں ایمان کی روشنی، یقین کی قوت اور ہدایت کی طلب پیدا ہوتی ہے۔ جب بندہ اپنے رب کے نور کو پہچان لیتا ہے تو اس کی زندگی گناہوں کے اندھیروں سے نکل کر نیکی اور تقویٰ کے نور سے بھر جاتی ہے۔ یہی حقیقی کامیابی ہے کہ انسان اپنے دل کو اللہ کے نور سے منور کرے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''نورانیت'' اس کی وہ صفت ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ ''اللہ ہر اندھیرے سے بالاتر، ہر روشنی کا ماخذ، اور ہر مخلوق کے لیے ہدایت و بصیرت کا ذریعہ ہے''۔ اللہ کا نور ہر حقیقت پر محیط ہے اور کائنات میں ہر شے اسی کے علم و حکمت کی روشنی سے منور ہے۔

نورانیت کا مفہوم

لغوی معنی: نور: روشنی، بصیرت، ہدایت

نورانیت: روشنی دینے کی صفت، ہر اندھیرے کو منور کرنے کی قدرت

اصطلاحی معنی: اللہ کی نورانیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر شے میں بصیرت، ہدایت اور روشن خیالی کا ماخذ ہے

* اللہ کی معرفت انسان کے دل کو منور اور روح کو روشن کرتی ہے

## قرآن میں اللہ کے نور کی مثال

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

(سورۃ النور:35)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

یہ آیت اللہ کی نورانیت کو سب سے جامع اور معروف انداز میں بیان کرتی ہے، جس میں اللہ کا نور سب کائنات میں موجود ہے اور ہر شے اس کی روشنی سے منور ہے۔

شان نزول

یہ آیت مدینہ میں نبی ﷺ کی رہنمائی میں مومنوں کے دلوں کو اللہ کی روشنی اور ہدایت کی یاد دلانے کے لیے نازل ہوئی۔

## نورانیت کے مظاہر

* ہر مومن کے دل میں ہدایت اور بصیرت
* قرآن وسنت کے ذریعے روشنی
* علم وحکمت میں واضح روشنی
* کائنات کے نظام میں اللہ کی بصیرت کا مظہر

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

(سورۃ النور:35)

ترجمہ: اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نور

عَنْ أَبِيْ مُوسَىٰ الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:إِنَّ اللهَ لَا يَنَامُ، وَلَا يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَنَامَ، حِجَابُهُ النُّوْرُ، لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَىٰ إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ

(صحیح مسلم)

ترجمہ: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ نہ سوتا ہے اور نہ ہی اس کے لیے سونا مناسب ہے، اس کا پردہ نور ہے، اگر وہ اسے ہٹا دے تو اس کے چہرے کی چمک ہر اس چیز کو جلا دے گی جس پر اس کی نظر اس کی مخلوق تک پہنچتی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فِيْ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ:أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ

(مفہوم: دعا مسند و دیگر کتب میں منقول)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہے: میں تیرے چہرے کے نور سے پناہ مانگتا ہوں جس سے اندھیرے دور ہوتے ہیں۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: النُّوْرُ أَنَّى يَهْدِي اللهُ لِلنُّوْرِ مَنْ يَشَآءُ

(مفہوم احادیث وآثار میں ثابت)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے''۔

یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کا نور حقیقی اور بے مثال ہے اس کا نور ہدایت اور بصیرت کا سرچشمہ ہے اس کے نور کے سامنے تمام مخلوقات عاجز ہیں اور اسی سے ہدایت پاتی ہیں

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کا نور ہر شے میں محیط ہے، چاہے وہ زمین کی مخلوق ہو یا آسمان کا نظام۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: نورانیت کی معرفت انسان کے دل کو ہدایت، علم اور روشنی عطا کرتی ہے، اور ہر اندھیرے سے محفوظ رکھتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: نورانیت کا شعور انسان کو اللہ کی ہدایت، بصیرت اور معرفت کی طرف لے آتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں انسان کو ہر حال میں روشنی اور روحانی روشنی عطا کرتی ہے۔

## عملی تقاضے

1. دل کو قرآن اور سنت کی روشنی میں منور کرنا

2. ہر عمل میں اللہ کی روشنی کو یاد رکھنا
3. عبادت، دعا اور ذکر میں اللہ کے نور کے قریب ہونا
4. زندگی میں ہر غفلت اور ظلمت سے بچنا

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر شے میں نور و روشنی کا ماخذ ہے
* ہر ہدایت، علم اور بصیرت اسی کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے
* معرفتِ نورانیت انسان کو ہدایت، بصیرت اور روحانی سکون عطا کرتی ہے

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

(سورۃ النور:35)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

## خلاصۂ باب

نورانیتِ الٰہی:

* معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* انسان کے دل کو ہدایت، بصیرت اور روحانی روشنی عطا کرتی ہے
* ہر شے میں اللہ کی روشنی کو ظاہر کرتی ہے
* معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اللہ کے نور و روشنی کو پہچاننا اور ہر حالت میں اس کی ہدایت اور روشنی پر بھروسہ کرنا معرفتِ الٰہی کا لازمی حصہ ہے۔

# شانِ ربوبیت کی رنگارنگ مثالیں

اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت یہ ہے کہ وہ پوری کائنات کا حقیقی پروردگار ہے، جو ہر مخلوق کی تدبیر، پرورش اور نشوونما اپنی حکمت کے ساتھ فرماتا ہے۔ وہ ماں کے دل میں بچے کی محبت ڈالنے والا بھی ہے، زمین سے اناج اگانے والا بھی، اور آسمان سے بارش برسانے والا بھی۔ اس کی ربوبیت ہر لمحہ جاری ہے اور ہر مخلوق اسی کے نظامِ پرورش کے تحت زندہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ایک عظیم پہلو یہ ہے کہ وہ ہر مخلوق کی ضرورت کو اس کے وجود سے پہلے جانتا ہے اور پھر اسے پورا بھی فرماتا ہے۔ انسان ہو، جانور ہو یا نباتات، ہر ایک کی نشوونما اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ وہ رزق دیتا ہے، زندگی کے مراحل آسان کرتا ہے اور بندوں کو ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کرتا رہتا ہے۔ یہی اس کی کامل ربوبیت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ ربوبیت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں توکل، شکر اور بندگی پیدا ہوتی ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا ہر سانس، ہر رزق اور ہر کیفیت اس کے رب کے ہاتھ میں ہے تو وہ اسی پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی کا شکر ادا کرتا ہے۔ یہی ایمان کی حقیقت ہے کہ انسان اپنے رب کی ربوبیت کو ہر حال میں تسلیم کرے۔

اللہ تعالیٰ کی ''ربوبیت'' اس کی وہ صفت ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ ''وہ ہر مخلوق کا پروردگار، نگران، اور رزق دینے والا ہے''۔ ربوبیت صرف خوراک یا مال و دولت تک محدود نہیں بلکہ اس میں ''زندگی، موت، تقدیر، ہدایت، اور ہر مخلوق کی دیکھ بھال'' شامل ہے۔

ربوبیت کا مفہوم

لغوی معنی: رب: پالنے والا، سرپرست، دیکھ بھال کرنے والا

ربوبیت: ہر شے کا مالک، نگران اور پالنے والا

اصطلاحی معنی: اللہ کی ربوبیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر مخلوق کا کامل پروردگار ہے

* ہر شے کے وجود، زندگی، ترقی اور رزق کا ذریعہ اللہ ہے

## قرآن میں اللہ کی ربوبیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١

(سورۃ الفاتحہ، 2)

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اس آیت میں اللہ کی ربوبیتِ عامہ بیان ہوئی ہے کہ وہ پوری کائنات کا پروردگار ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ

(الروم، آیت 40)

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔

یہاں تخلیق، رزق، موت و حیا تسب ربوبیت کے مظاہر ہیں۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٥٤

(سورۃ الاعراف، آیت 54)

ترجمہ: خبردار! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے، بڑا بابرکت ہے اللہ جو تمام

جہانوں کا رب ہے۔

اس آیت میں واضح کیا گیا کہ تخلیق اور نظامِ کائنات دونوں اللہ کی ربوبیت کے تحت ہیں۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ۝۹۶

(سورۃ الصافات:96)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ

سورۃ البقرہ:142)

ترجمہ: کہہ دو کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی ربوبیت ہر شے پر محیط ہے اور ہر مخلوق کے لیے نگران ہے۔

یہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت نہایت جامع انداز میں بیان ہوئی ہے۔ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ کائنات کی ہر نعمت اور ہر نظام کا اصل منبع اللہ ہی ہے، جو تمام جہانوں کی پرورش اور نگہبانی فرماتا ہے۔ اور ان میں ربوبیت کے عملی مظاہر بیان ہوئے ہیں کہ انسان کی تخلیق سے لے کر رزق کی فراہمی، زندگی اور موت تک ہر مرحلہ اللہ کے اختیار میں ہے، یعنی بندہ ہر لمحہ اپنے رب کا محتاج ہے۔ اور یہ آیات اس حقیقت کو مزید پختہ کرتی ہے کہ صرف پیدا کرنا ہی نہیں بلکہ کائنات کا پورا نظام چلانا، حکم دینا اور تدبیر کرنا بھی اللہ ہی کا کام ہے۔ اس طرح یہ آیات مل کر اس عقیدے کو مضبوط کرتی ہیں کہ اللہ ہی حقیقی رب ہے، جو خالق، رازق، مدبر اور حاکمِ مطلق ہے، اور اسی کی عبادت اور اطاعت انسان پر لازم ہے۔

ربوبیت کا مفہوم

لغوی معنی: رب: پالنے والا، سرپرست، دیکھ بھال کرنے والا

ربوبیت: ہر شے کا مالک، نگران اور پالنے والا

اصطلاحی معنی: اللہ کی ربوبیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر مخلوق کا کامل پروردگار ہے

* ہر شے کے وجود، زندگی، ترقی اور رزق کا ذریعہ اللہ ہے

## قرآن میں اللہ کی ربوبیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ①

(سورۃ الفاتحہ، 2)

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اس آیت میں اللہ کی ربوبیتِ عامہ بیان ہوئی ہے کہ وہ پوری کائنات کا پروردگار ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ

(الروم، آیت 40)

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔

یہاں تخلیق، رزق، موت و حیا تسب ربوبیت کے مظاہر ہیں۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

(سورۃ الاعراف، آیت 54)

ترجمہ: خبردار! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے، بڑا بابرکت ہے اللہ جو تمام

# شانِ ربوبیت کی رنگارنگ مثالیں

اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت یہ ہے کہ وہ پوری کائنات کا حقیقی پروردگار ہے، جو ہر مخلوق کی تدبیر، پرورش اور نشوونما اپنی حکمت کے ساتھ فرماتا ہے۔ وہ ماں کے دل میں بچے کی محبت ڈالنے والا بھی ہے، زمین سے اناج اگانے والا بھی، اور آسمان سے بارش برسانے والا بھی۔ اس کی ربوبیت ہر لمحہ جاری ہے اور ہر مخلوق اسی کے نظامِ پرورش کے تحت زندہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ایک عظیم پہلو یہ ہے کہ وہ ہر مخلوق کی ضرورت کو اس کے وجود سے پہلے جانتا ہے اور پھر اسے پورا بھی فرماتا ہے۔ انسان ہو، جانور ہو یا نباتات، ہر ایک کی نشوونما اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ وہ رزق دیتا ہے، زندگی کے مراحل آسان کرتا ہے اور بندوں کو ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کرتا رہتا ہے۔ یہی اس کی کامل ربوبیت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ ربوبیت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں توکل، شکر اور بندگی پیدا ہوتی ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا ہر سانس، ہر رزق اور ہر کیفیت اس کے رب کے ہاتھ میں ہے تو وہ اسی پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی کا شکر ادا کرتا ہے۔ یہی ایمان کی حقیقت ہے کہ انسان اپنے رب کی ربوبیت کو ہر حال میں تسلیم کرے۔

اللہ تعالیٰ کی ''ربوبیت'' اس کی وہ صفت ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ ''وہ ہر مخلوق کا پروردگار، نگران، اور رزق دینے والا ہے''۔ ربوبیت صرف خوراک یا مال و دولت تک محدود نہیں بلکہ اس میں ''زندگی، موت، تقدیر، ہدایت، اور ہر مخلوق کی دیکھ بھال'' شامل ہے۔

2. ہر عمل میں اللہ کی روشنی کو یاد رکھنا
3. عبادت، دعا اور ذکر میں اللہ کے نور کے قریب ہونا
4. زندگی میں ہر غفلت اور ظلمت سے بچنا

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر شے میں نور و روشنی کا ماخذ ہے
* ہر ہدایت، علم اور بصیرت اسی کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے
* معرفتِ نورانیت انسان کو ہدایت، بصیرت اور روحانی سکون عطا کرتی ہے

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

(سورۃ النور:35)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

## خلاصۂ باب

نورانیتِ الٰہی:

* معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* انسان کے دل کو ہدایت، بصیرت اور روحانی روشنی عطا کرتی ہے
* ہر شے میں اللہ کی روشنی کو ظاہر کرتی ہے
* معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اللہ کے نور و روشنی کو پہچاننا اور ہر حالت میں اس کی ہدایت اور روشنی پر بھروسہ کرنا معرفتِ الٰہی کا لازمی حصہ ہے۔

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہے: میں تیرے چہرے کے نور سے پناہ مانگتا ہوں جس سے اندھیرے دور ہوتے ہیں۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: النُّوْرُ أَنَّىٰ يَهْدِي اللهُ لِلنُّوْرِ مَنْ يَشَآءُ

(مفہوم احادیث وآثار میں ثابت)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے''۔

یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کا نور حقیقی اور بے مثال ہے اس کا نور ہدایت اور بصیرت کا سرچشمہ ہے اس کے نور کے سامنے تمام مخلوقات عاجز ہیں اور اسی سے ہدایت پاتی ہیں

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کا نور ہر شے میں محیط ہے، چاہے وہ زمین کی مخلوق ہو یا آسمان کا نظام۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: نورانیت کی معرفت انسان کے دل کو ہدایت، علم اور روشنی عطا کرتی ہے، اور ہر اندھیرے سے محفوظ رکھتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: نورانیت کا شعور انسان کو اللہ کی ہدایت، بصیرت اور معرفت کی طرف لے آتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں انسان کو ہر حال میں روشنی اور روحانی روشنی عطا کرتی ہے۔

## عملی تقاضے

1. دل کو قرآن اور سنت کی روشنی میں منور کرنا

(سورۃ النور:35)

ترجمہ: اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نور

عَنْ أَبِيْ مُوسَىٰ الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:إِنَّ اللهَ لَا يَنَامُ، وَلَا يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَنَامَ، حِجَابُهُ النُّوْرُ، لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَىٰ إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ

(صحیح مسلم)

ترجمہ: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ نہ سوتا ہے اور نہ ہی اس کے لیے سونا مناسب ہے، اس کا پردہ نور ہے، اگر وہ اسے ہٹا دے تو اس کے چہرے کی چمک ہر اس چیز کو جلا دے گی جس پر اس کی نظر اس کی مخلوق تک پہنچتی ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فِيْ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ:أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ

(مفہوم: دعا مسند و دیگر کتب میں منقول)

لغوی معنی: نور: روشنی، بصیرت، ہدایت

نورانیت: روشنی دینے کی صفت، ہر اندھیرے کو منور کرنے کی قدرت

اصطلاحی معنی: اللہ کی نورانیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر شے میں بصیرت، ہدایت اور روشن خیالی کا ماخذ ہے

* اللہ کی معرفت انسان کے دل کو منور اور روح کو روشن کرتی ہے

## قرآن میں اللہ کے نور کی مثال

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

(سورۃ النور:35)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

یہ آیت اللہ کی نورانیت کو سب سے جامع اور معروف انداز میں بیان کرتی ہے، جس میں اللہ کا نور سب کائنات میں موجود ہے اور ہر شے اس کی روشنی سے منور ہے۔

شان نزول

یہ آیت مدینہ میں نبی ﷺ کی رہنمائی میں مومنوں کے دلوں کو اللہ کی روشنی اور ہدایت کی یاد دلانے کے لیے نازل ہوئی۔

## نورانیت کے مظاہر

* ہر مومن کے دل میں ہدایت اور بصیرت
* قرآن وسنت کے ذریعے روشنی
* علم وحکمت میں واضح روشنی
* کائنات کے نظام میں اللہ کی بصیرت کا مظہر

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

# اللہ کی شانِ نورازل

اللہ تعالیٰ کی شانِ نورانیت یہ ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اور اس کا نور ہدایت، بصیرت اور ایمان کی روشنی کا حقیقی سرچشمہ ہے۔ وہ اپنی ذات میں کامل نور ہے، جس سے تمام کائنات کو روشنی، وجود اور ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اس کا نور کسی جسمانی روشنی کی طرح نہیں بلکہ ایسا نور ہے جو دلوں کو منور کرتا ہے اور روحوں کو زندگی عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نورانیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کفر و جہالت کے اندھیروں کو مٹا کر ایمان اور ہدایت کی روشنی عطا کرتا ہے۔ جو دل اس کے ذکر سے روشن ہو جاتا ہے وہ ہدایت کی راہوں کو پہچان لیتا ہے، اور جو اس سے دور ہو جاتا ہے وہ اندھیروں میں بھٹک جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ کو "نور السموات والارض" فرمایا گیا ہے، جو اس کی بے مثال نورانیت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ نورانیت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں ایمان کی روشنی، یقین کی قوت اور ہدایت کی طلب پیدا ہوتی ہے۔ جب بندہ اپنے رب کے نور کو پہچان لیتا ہے تو اس کی زندگی گناہوں کے اندھیروں سے نکل کر نیکی اور تقویٰ کے نور سے بھر جاتی ہے۔ یہی حقیقی کامیابی ہے کہ انسان اپنے دل کو اللہ کے نور سے منور کرے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''نورانیت'' اس کی وہ صفت ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ ''اللہ ہر اندھیرے سے بالاتر، ہر روشنی کا ماخذ، اور ہر مخلوق کے لیے ہدایت و بصیرت کا ذریعہ ہے''۔ اللہ کا نور ہر حقیقت پر محیط ہے اور کائنات میں ہر شے اسی کے علم و حکمت کی روشنی سے منور ہے۔

نورانیت کا مفہوم

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی مجدیت ہر شے میں ظاہر ہے، چاہے وہ کائنات ہو یا انسان کی معرفت۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: مجدیت کی معرفت انسان کو ہر حالت میں اللہ کی بڑائی اور برتری کا شعور عطا کرتی ہے، اور غرور و تکبر ختم کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: مجدیت کا شعور انسان کو اللہ کی عظمت، کبریائی اور جلال سے روشناس کراتا ہے، دل و روح کو منور اور ہر غفلت سے پاک کرتا ہے۔

## عملی تقاضے

1. ہر عمل اور عبادت میں اللہ کی کبریائی کو یاد رکھنا
2. غرور و تکبر سے بچنا
3. ہر نعمت اور رزق میں اللہ کی عظمت کا اعتراف
4. عبادت میں خشوع اور عاجزی اختیار کرنا

خلاصۂ بابِ مجدیتِ الٰہی:

* معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* انسان کے دل میں خشوع، عاجزی اور اللہ کی بڑائی کا شعور پیدا کرتی ہے
* ہر شے میں اللہ کی عظمت اور کبریائی کو ظاہر کرتی ہے
* معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اللہ کی مجدیت کو پہچاننا اور ہر حالت میں اس کی عظمت و جلال کا اعتراف کرنا معرفتِ الٰہی کا لازمی حصہ ہے۔

ترجمہ: عرش مجید کا مالک۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مجدیت

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی نہیں ہے مگر اس کا رب قیامت کے دن اس سے بات کرے گا، ان کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:يَقْبِضُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِي السَّمَاوَاتِ بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا الْمَلِكُ

(صحیح بخاری)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ بہت بابرکت اور بلند ہے، وہ قیامت کے دن زمین کو قبض کرے گا اور آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ سے لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں"۔

اصطلاحی معنی: اللہ کی مجدیت کا مطلب ہے کہ اس کی ذات ہر شان، عظمت اور کبریائی سے کامل ہے* کوئی بھی برتری یا مرتبہ اس کے مقابل نہیں۔

## قرآن میں اللہ کی مجدیت

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

(سورۃ الصافات:180)

ترجمہ: پاک ہے تیرا رب جو غالب کا رب ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ

(سورۃ الانعام1:6)

ترجمہ: تعریف اس خدا کے لیے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرے اور روشنی کو بنایا

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی مجدیت ہر شے میں ظاہر ہے اور ہر برتری اسی کے اختیار میں ہے۔

* قدرت، علم اور حکمت میں برتری
* ہر شے میں کبریائی اور جلال
* مخلوقات کی بندگی اور خشوع میں ظاہر
* ہر عمل، تقدیر اور نظام میں اللہ کی برتری

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾

(سورۃ البروج15:85)

# اللہ کی شانِ مجدیت

اللہ تعالیٰ کی شانِ مجدیت یہ ہے کہ وہ عظمت، جلال، بزرگی اور کمال کا حقیقی اور کامل مالک ہے۔ اس کی ذات ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے، اور اس کی کبریائی ایسی ہے کہ کائنات کی ہر عظمت اس کے سامنے حقیر اور بے حقیقت ہے۔ آسمانوں کی بلندی، زمین کی وسعت اور عرشِ عظیم کی رفعت سب اس کے جلال کے سامنے جھکی ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مجدیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی ذات وصفات میں کامل، بے مثال اور ہر تصور سے بلند ہے۔ اس کی بڑائی نہ کسی پیمانے میں سماتی ہے اور نہ کسی زبان سے پوری طرح بیان کی جاسکتی ہے۔ وہ ''ذوالجلال والاکرام'' ہے، یعنی جلال اور کرم دونوں کا کامل مالک، جس کے سامنے ہر مخلوق عاجز اور محتاج ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ مجدیت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں خشیت، عاجزی اور ادب پیدا ہوتا ہے۔ جب بندہ اپنے رب کی عظمت کو پہچان لیتا ہے تو اس کے اندر تکبر ختم ہو جاتا ہے اور وہ ہر وقت اللہ کے سامنے جھکنے والا بن جاتا ہے۔ یہی ایمان کی حقیقت ہے کہ انسان اپنے رب کی کبریائی کو دل وجان سے تسلیم کرے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''مجدیت'' اس کی وہ صفت ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ ''اللہ کی ذات ہر برتری، عظمت اور کبریائی سے معمور ہے، اس کی شان وجلال ہر حد سے بالا ہے''۔ مجدیت اللہ کی برتری، وقار اور کبریائی کی علامت ہے۔

مجدیت کا مفہوم:

لغوی معنیٰ ''مجد'': عظمت، وقار، بلند مرتبہ مجدیت: ہر عظمت اور برتری سے معمور ہونا

# فَيَكُوْنُ

(مفہوم قرآنی واحادیث میں ثابت)

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا حکم صرف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ہوجا، اور وہ ہوجاتی ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی قدرتیت ہر شے میں واضح ہے، چاہے وہ قدرتی مظاہر ہوں یا انسانی تقدیر۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: قدرتیت کی معرفت انسان کے دل میں ہر حالت میں توکل، خشوع اور اللہ کی بڑائی کی پہچان پیدا کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: قدرتیت کا شعور انسان کو اللہ کی عظمت، کبریائی اور برتری سے روشناس کراتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں انسان کو ہر حالت میں اللہ پر بھروسہ اور اللہ کی عبادت کی طرف مائل کرتی ہے۔

1. ہر عمل اور فیصلے میں اللہ کی قدرت کو یاد رکھنا
2. ہر حالت میں اللہ پر توکل
3. مشکلات اور آزمائش میں صبر واستقامت
4. نعمتوں اور وسائل میں اللہ کی قدرت کی پہچان

اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر شے پر قادر ہے
* ہر فعل، ہر نظام اور ہر تقدیر اسی کے اختیار میں ہے
* معرفتِ قدرت انسان کو خشوع، عاجزی اور اللہ کی عبادت کی طرف مائل کرتی ہے

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قدرتیت

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:يَدُ اللهِ مَلْأَىٰ لَا يَغِيْضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ...

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اور اسے کوئی چیز کم نہیں کرتی، وہ دن رات سخی ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَآءِ ضَرَبَتِ الْمَلَآئِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضُوْعًا لِقَوْلِهِ

(صحیح بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے حکم کے تابع ہو کر اپنے پروں کو مارتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:إِنَّمَا أَمْرُهٗ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُوْلَ لَهٗ كُنْ

قدرتیت: ہر شے پر کامل اختیار اور سب کچھ کرنے کی صلاحیت

اصطلاحی معنی: اللہ کی قدرتیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے

* کوئی شے، چاہے وہ زمین ہو، آسمان ہو یا کسی کی تقدیر، اللہ کے اختیار سے باہر نہیں

## قرآن میں اللہ کی قدرت

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾

(سورۃ البقرہ:20)

ترجمہ: بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

(سورۃ ھود:7)

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط اور ہر فعل میں ظاہر ہے۔

* کائنات کی پیدائش اور نظام- ہر قدرتی عمل میں اللہ کا اختیار

* رزق، موت و زندگی، اور تقدیر میں مکمل اختیار- ہر معجزہ اور قدرتی علامت میں ظاہر

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۱﴾

(سورۃ الفتح:21)

ترجمہ: اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

# اللہ کی شانِ لامحدودیت

اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر کامل اختیار رکھتا ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے آسمان و زمین، انسان و جنات، اور پوری کائنات ایک لمحے میں وجود میں آسکتی ہے اور ایک لمحے میں فنا ہوسکتی ہے۔ وہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے، صرف ''کُن'' کہتا ہے تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ اس کی قدرت نہ کسی سبب کی محتاج ہے اور نہ کسی مدد کی، بلکہ وہ بذاتِ خود قادرِ مطلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت محدود نہیں بلکہ لامحدود اور ازلی و ابدی ہے۔ وہ زندگی دیتا ہے، موت دیتا ہے، رزق تقسیم کرتا ہے، دلوں کو بدل دیتا ہے اور حالات کو پلٹ دیتا ہے۔ کوئی بھی طاقت اس کی قدرت کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتی۔ قرآنِ مجید میں بار بار یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اللہ "علیٰ کل شیءٍ قدیر" ہے، یعنی وہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ قدرت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں توکل، امید اور خوفِ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ جب بندہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز پر قادر ہے تو وہ مایوسی سے بچ جاتا ہے اور ہر مشکل میں اسی سے مدد مانگتا ہے۔ یہی ایمان کی حقیقت ہے کہ انسان اپنی کمزوریوں کے باوجود اللہ کی قدرت پر مکمل بھروسہ رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''قدرتیت'' اس کی وہ صفت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''وہ ہر شے پر قادر ہے، کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں، اور ہر عمل میں اس کی قدرت کام کرتی ہے''۔

قدرتیت کا مفہوم

لغوی معنی: قدرت: طاقت، اختیار، سب کچھ کرنے کی صلاحیت

ہے، دل وروح کو منور اور ہر غفلت سے پاک کرتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں بندے کو ہر عمل میں اللہ کی معرفت عطا کرتی ہے۔

1. ہر عمل اور فیصلہ میں اللہ کے علم کو یاد رکھنا
2. ہر حالت میں اللہ پر توکل
3. گناہوں میں معافی کی امید اور اعمال میں احتیاط
4. علم وحکمت کو اللہ کے علم سے منسلک سمجھنا

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر شے کا جاننے والا ہے
* ہر راز، سوچ، اور عمل پر اس کی نظارت ہے
* معرفتِ علمیت بندے کو توکل، عاجزی اور خشوع عطا کرتی ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ۝۵

(سورۃ آل عمران:5)

ترجمہ: درحقیقت، زمین اور آسمان میں اللہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

خلاصۂ علمیتِ الٰہی:

* معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* انسان کے دل میں عاجزی، توکل اور خشوع پیدا کرتی ہے
* ہر راز وحقیقت میں اللہ کی موجودگی کو ظاہر کرتی ہے
* معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

فِي السَّمَآءِ

(مفہوم صحیح احادیث، بخاری ومسلم کے معانی)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمانوں میں۔

عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَمُدُّ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ النَّهَارِ، وَيَمُدُّ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ اللَّيْلِ

(صحیح مسلم)

ترجمہ: ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گناہگار توبہ کرے اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گناہگار توبہ کرے۔

خلاصہ: یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ: اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے انسان کی کوئی حالت اللہ سے پوشیدہ نہیں اللہ ہر وقت بندے کے حال کو جانتا ہے اور اس کی طرف رجوع کا دروازہ کھلا رکھتا ہے

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی علمیت ہر شے میں واضح ہے، چاہے وہ مخلوق کی فکر ہو یا کائنات کے اسرار۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: علمیت کی معرفت انسان کے دل میں ہر حالت میں اللہ پر اعتماد اور توکل پیدا کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: علمیت کا شعور انسان کو اللہ کے رازوں سے روشناس کراتا

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۠ ﴿۲۳۱﴾

(سورۃ البقرہ:231)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علمیت

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ...فَقَالَ: فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِحْسَانِ" قَالَ:"أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

(صحیح مسلم)

ترجمہ: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ایک شخص ہمارے سامنے آیا جس نے انتہائی سفید پوشاک پہنی ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے احسان کے بارے میں بتاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی عبادت اس طرح کرنا ہے گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، حالانکہ تم اسے دیکھ نہیں رہے ہو"۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:إِنَّ اللهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا

علمیت: ہر شے پر مکمل آگاہی، ہر راز و حقیقت سے واقفیت

اصطلاحی معنی: اللہ کی علمیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر شے کا جاننے والا ہے

* کوئی بھی راز، سوچ یا عمل اس سے پوشیدہ نہیں

## قرآن میں اللہ کے علم کی وسعت

وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾

(سورۃ الانعام:101)

ترجمہ: اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴﴾

(سورۃ الحدید:4)

ترجمہ: وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے۔ اور تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کا علم ہر شے پر محیط اور ہر حد سے بالا ہے۔

علمیت کے مظاہر

* ماضی، حال اور مستقبل پر علم
* ہر دل کی کیفیت، ہر سوچ، اور ہر راز جاننا
* کائنات کے قوانین اور نظام میں علم
* تقدیر اور ہر شے میں حکمت

# اللہ کی شانِ علمیت

(اللہ کا علم اور علم کی لامحدود وسعت)

اللہ تعالیٰ کی شانِ علمیت یہ ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی، انسان کے دلوں کے خیالات، نیتوں کے ارادے اور آنے والے زمانوں کے حالات سب اس کے علم میں ہیں۔ اس کے علم کی کوئی ابتدا نہیں اور نہ ہی کوئی انتہا ہے، بلکہ وہ ازلی، ابدی اور ہر لمحہ محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم مخلوق کے علم کی طرح محدود اور سیکھنے کا محتاج نہیں، بلکہ وہ ہر چیز کو بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے جانتا ہے۔ زمین کے اندر کیا چھپا ہے، آسمانوں میں کیا ہو رہا ہے، اور کائنات کے ہر ذرّے کی حرکت کیا ہے، سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ قرآنِ مجید میں بار بار اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ''علیمٌ بذاتِ الصدور'' ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس لامحدود علمیت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں تقویٰ، خشیت اور احتیاط پیدا ہوتی ہے۔ جب بندہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور جان رہا ہے تو وہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور نیکی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہی ایمان کی اصل روح ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کے علم کو حاضر و ناظر جانے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''علمیت'' اس کی وہ صفت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے، نہ ماضی محدود ہے، نہ حال اور نہ مستقبل اس سے پوشیدہ ہے''۔ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط اور ہر تصور سے بالا ہے۔

علمیت کا مفہوم

لغوی معنی: علم: جاننا، آگاہی۔

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر شے پر رحم والا ہے
* ہر حالت میں اپنی مخلوق کے لیے شفقت اور کرم عطا کرتا ہے
*معرفتِ رحمت بندے کو امید، سکون اور اللہ کی عبادت کی طرف مائل کرتی ہے

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ"

(صحیح بخاری)

خلاصۂ رحمتیتِ الٰہی:

*معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* انسان کے دل میں امید، سکون اور بھروسہ پیدا کرتی ہے
* ہر نعمت اور فضل میں اللہ کی مہربانی کو ظاہر کرتی ہے
*معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اللہ کی رحمتیت کو پہچاننا اور ہر حالت میں اس کے فضل و کرم پر بھروسہ کرنا معرفتِ الٰہی کا لازمی حصہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ، أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالْبَهَائِمِ، وَأَخَّرَ تِسْعًا وَتِسْعِينَ رَحْمَةً لِيَرْحَمَ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی سو رحمتیں ہیں، اس نے جنوں، انسانوں اور جانوروں میں سے ایک کو نازل کیا اور ننانوے رحمتیں قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم کرنے کے لیے محفوظ رکھی ہیں۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی رحمت ہر شے پر محیط ہے، چاہے وہ زندگی ہو، علم ہو، یا قدرت ہو۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: رحمتیت کی معرفت انسان کے دل میں امید، سکون اور اللہ کی طرف رجوع پیدا کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: رحمتیت کا شعور انسان کے دل میں اللہ کی محبت، خوف اور خشوع پیدا کرتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں انسان کو ہر حال میں اللہ کی طرف مائل کرتی ہے۔

1. ہر نعمت اور کامیابی میں اللہ کی رحمت کو یاد رکھنا
2. گناہوں اور خطاؤں میں اللہ کی مغفرت پر توکل
3. عبادت اور دعا میں اللہ کی رحمت کی طلب
4. دوسروں کے ساتھ رحمت اور شفقت اختیار کرنا

عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو مکمل کر لیا تو اس نے ایک کتاب میں لکھا جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے: "میری رحمت میرے غضب سے پہلے ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ سَبْيٌ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ تَبْتَغِي صَبِيًّا لَهَا... فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "أَتَرَوْنَ هٰذِهِ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ؟" قَالُوْا: لَا، وَهِيَ تَقْدِرُ عَلٰى أَلَّا تَطْرَحَهُ، فَقَالَ: اللهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ قیدی لائے گئے، ان میں ایک عورت اپنے بچے کو تلاش کر رہی تھی..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟ صحابہ نے کہا: نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اپنے بندوں پر اس عورت سے بھی زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

رحمتیت کا مفہوم

لغوی معنی: رحمت: مہربانی، شفقت، نیکی

رحمتیت: ہر حال اور ہر شے میں رحم و کرم کا ہونا

اصطلاحی معنی: اللہ کی رحمتیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر شے کے لیے مہربان، شفقت والا اور مددگار ہے

* کوئی بھی مخلوق اللہ کی رحمت سے محروم نہیں، چاہے وہ انسان ہو یا کائنات کی کوئی شے۔

ارشاد ربانی ہے کہ

وَ رَحْمَتِیْ وَ سِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ

(سورۃ الاعراف:156)

ترجمہ: ہمارا رب اپنی رحمت سے ہر شے کو محیط کر چکا ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی رحمت ہر شے میں شامل اور ہر مخلوق کے لیے محیط ہے۔

* کائنات میں زندگی بخش نظام-نعمتوں اور رزق میں کرم

* گناہوں کی معافی اور ہدایت-عبادت اور دعا میں شفاعت

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾

(سورۃ الاعراف:56)

ترجمہ: اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رحمتیت

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِیْ كِتَابٍ فَهُوَ

# اللہ کی شانِ رحمتیت

(اللہ کی وسیع رحمت)

اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت یہ ہے کہ اس کی رحمت ہر شے پر محیط ہے اور اس کی وسعت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنے بندوں پر ان کی نافرمانی کے باوجود بھی رحمت فرماتا ہے، انہیں مہلت دیتا ہے اور توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھتا ہے۔ اس کی رحمت کا ایک قطرہ بھی اگر مخلوق پر نازل ہو جائے تو پوری کائنات میں خیر و برکت پھیل جائے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف دنیا تک محدود نہیں بلکہ آخرت میں بھی اس کی رحمت ہی نجات کا ذریعہ ہوگی۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے، کمزوریوں کو درگزر کرتا ہے اور معمولی نیکی پر بھی بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اس کی رحمت کو غضب پر غالب قرار دیا گیا ہے، جو اس کی بے پایاں شفقت اور مہربانی کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس وسیع رحمت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں امید، محبت اور رجوع الی اللہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ بندہ جب یہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب بے حد رحم فرمانے والا ہے تو وہ مایوسی سے بچ جاتا ہے اور ہمیشہ اس کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے۔ یہی ایمان کی حقیقت ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کی رحمت پر بھروسہ رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''رحمتیت'' اس کی وہ صفت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''وہ ہر مخلوق کے لیے مہربان، شفقت والا اور رحمت کے ہر پہلو سے معمور ہے''۔ اللہ کی رحمت لامحدود ہے اور اس کی وسعت ہر کائنات، ہر زمانے اور ہر حالت پر محیط ہے۔

4.نعمتوں اور قوتوں میں اللہ کی برتری تسلیم کرنا

## اللہ اس شان کے کیوں لائق ہے؟

* وہ ہر مخلوق سے برتر اور ہر شان سے اعلیٰ ہے
* ہر تصور اور ہر عمل میں اس کی عظمت ظاہر ہے
*معرفتِ عظمت انسان کو بندگی اور خشوع کی طرف مائل کرتی ہے

خلاصۂ عظمتیتِ الٰہی:

*معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* انسان کو عاجزی، خشوع اور اللہ کی بڑائی کی پہچان دیتی ہے
* ہر شے میں اللہ کی عظمت اور کبریائی ظاہر کرتی ہے
*معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اللہ کی عظمتیت کو پہچاننا اور ہر حالت میں اس کی بڑائی کا اعتراف کرنا معرفتِ الٰہی کا لازمی حصہ ہے۔

رَسُولُ اللهِ ﷺ:مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ،لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ

(صحیح بخاری،صحیح مسلم)

ترجمہ:عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس سے اس کا رب کلام کرے گا،ان کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔

خلاصہ:یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ:

* اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی بے مثال ہے
* تمام بادشاہی اور اختیار صرف اسی کے پاس ہے
* قیامت کے دن ہر شخص براہِ راست اس کی عظمت کے سامنے ہوگا

ابن کثیر فرماتے ہیں:اللہ کی عظمتیت ہر شے میں ظاہر ہے،چاہے وہ قدرت ہو، علم ہو،یا قدرت کا انتظام۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں:عظمتیت کی معرفت بندے کو ہر حالت میں خشوع، عاجزی اور اللہ کی بڑائی کے شعور میں لے آتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں:عظمتیت کا شعور انسان کو اللہ کی برتری اور کبریائی سے روشناس کراتا ہے،دل وروح کو منور اور ہر غفلت سے پاک کرتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے۔

عملی تقاضے

1. ہر عمل میں عاجزی اور خشوع
2. غرور وتکبر سے بچنا
3. عبادت میں اللہ کی عظمت کو پہچاننا

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ، وَالْعَظَمَةُ إِزَارِيْ، فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا عَذَّبْتُهُ"

(صحیح مسلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے، جو ان میں سے کسی ایک میں مجھ سے جھگڑے گا میں اسے عذاب دوں گا۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:يَقْبِضُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيَطْوِي السَّمَاوَاتِ بِيَمِيْنِهِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوْكُ الْأَرْضِ؟

(صحیح بخاری)

ترجمہ: نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، آج زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ

عظمتیت کا مفہوم

لغوی معنی: عظمت: بڑا، عالی، اعلیٰ مرتبہ

عظمتیت: ہر طرح سے بلند مرتبہ اور اعلیٰ شان

اصطلاحی معنی: اللہ کی عظمتیت کا مطلب ہے کہ وہ ہر مخلوق، ہر صفت اور ہر تصور سے بالا اور کامل ہے

* کوئی بھی شے، خواہ وہ علم، طاقت یا مرتبہ ہو، اللہ کی عظمت کے برابر نہیں ہو سکتی

## قرآن میں اللہ کی عظمتیت

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ؕ﴿۱۱﴾

(سورۃ البروج:11)

ترجمہ: اور وہ بلند اور عظیم ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی عظمت ہر شے سے بالا اور ہر تصور سے عالی ہے۔

* قدرت اور کائنات میں برتری-علم وحکمت اور ہر فعل میں کامل

* رزق، نظام، اور تقدیر میں مکمل اختیار- نورانیت، رحمت اور عدل میں مکمل عظمت

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ

(سورۃ الحشر:23)

ترجمہ: وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، مقدس ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عظمتیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

# اللہ کی شانِ عظمتیت

(اللہ کی بلند مرتبہ اور کبریائی)

اللہ تعالیٰ کی شانِ عظمت یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی بڑائی، کبریائی اور جلال کا حقیقی مالک ہے۔ اس کی عظمت نہ کسی مخلوق کے تصور میں سما سکتی ہے اور نہ کسی عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔ آسمانوں کی وسعتیں، زمین کی پھیلائی ہوئی حدیں اور عرشِ عظیم کی بلندی سب اس کی عظمت کے سامنے عاجز ہیں۔ وہی "الکبیر" اور "العظیم" ہے، جس کے مقابلے میں ہر چیز حقیر اور فانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مخلوق اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ کوئی ذرہ بھی اس کے حکم سے باہر نہیں، اور ہر نظام اسی کے امر سے قائم ہے۔ اس کی عظمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے، مگر پھر بھی ان پر بے شمار نعمتیں نازل فرماتا ہے۔ قرآنِ مجید میں بار بار اس کی کبریائی اور بزرگی کا ذکر آیا ہے تاکہ بندہ اپنے رب کی عظمت کو پہچانے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ عظمت کو سمجھنے سے انسان کے دل میں خشیت، عاجزی اور بندگی پیدا ہوتی ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب سب سے بڑا اور سب سے بلند ہے تو وہ تکبر سے بچ جاتا ہے اور صرف اسی کے سامنے جھکتا ہے۔ یہی ایمان کی حقیقت ہے کہ انسان اپنے رب کی عظمت کو دل سے تسلیم کرے اور اسی کی کبریائی کا اقرار کرے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''عظمتیت'' اس کی وہ صفت ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ ''وہ ہر مخلوق سے برتر، ہر شان سے عالی، اور ہر تصور سے بالا ہے''۔ عظمتیت اللہ کی بلند مرتبہ اور کبریائی کا مظہر ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ کی فردیت اس کی توحید کی بنیاد ہے اور ہر شے اس کے اختیار میں ہے، کوئی شریک نہیں۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: فردیت کی معرفت انسان کو ہر قسم کی عبادت اور رجوع اللہ کی طرف مائل کرتی ہے، اور غرور و فخر ختم کرتی ہے۔

عارفین کہتے ہیں: فردیت کا شعور انسان کو اللہ کی توحید کی اعلیٰ سطح سے روشناس کراتا ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی میں بندے کو ہر حالت میں اللہ کی عبادت اور اس کی یکتائی پر یقین پیدا کرتی ہے۔

عملی تقاضے

1. ہر عمل اور عبادت میں اللہ کی یکتائی کو یاد رکھنا
2. کسی کو شریک نہ ٹھہرانا
3. ہر نعمت اور قوت میں اللہ کی فردیت تسلیم کرنا
4. غرور، تکبر اور خود پسندی سے بچنا

خلاصۂ فردیتِ الٰہی:

* معرفتِ الٰہی کا لازمی جزو ہے
* بندے کے دل میں توحید، عاجزی اور خشوع پیدا کرتی ہے
* ہر شے میں اللہ کی یکتائی اور انفرادیت کو ظاہر کرتی ہے
* معرفتِ الٰہی میں انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے

یہ باب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اللہ کی فردیت کو پہچاننا، اس کا شریک نہ ٹھہرانا اور ہر حال میں اس کی عبادت کرنا معرفتِ الٰہی کا لازمی حصہ ہے۔

رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا غُلَامُ، إِنِّيْ أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: احْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ...

(جامع الترمذی)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نوجوان، میں تمہیں کچھ کلمات سکھاتا ہوں: خدا سے ڈرو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔

(وضاحت: یہ حدیث اللہ کی ربوبیت و وحدانیت پر کامل اعتماد کی تعلیم دیتی ہے کہ مدد صرف اللہ سے ہے)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَالَ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ...

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کے لیے ہے اور اسی کی تعریف ہے۔

یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ:

* اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بالکل ''اکیلا اور بے شریک'' ہے
* عبادت اور نیت میں شرک اللہ کو ہرگز قبول نہیں
* حقیقی بادشاہی، مدد اور اختیار صرف اللہ کے لیے ہے

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۳

(سورۃ الحدید:23)

ترجمہ: وہی پہلے اور آخر، ظاہر اور باطن ہے اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

## حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فردیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:*يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيْ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ

(صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں شریکوں میں سب سے زیادہ بے نیاز ہوں اور مجھے کسی شریک کی ضرورت نہیں۔ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ شرک کیا تو میں اسے اور اس کی رفاقت کو چھوڑ دوں گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ:قَالَ

# فردیت کا مفہوم

لغوی معنی: فرد: ایک، یکتا، بغیر شریک

فردیت: ہر طرح کے شریک وہمزاد سے پاک ہونا

اصطلاحی معنی: اللہ کی فردیت کا مطلب ہے کہ وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں

* ہر کائناتی، قدرتی، اور روحانی طاقت اسی کی ملکیت اور اختیار میں ہے

# قرآن میں اللہ کی فردیت

قرآن میں ارشاد ربانی ہے کہ

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ

(سورۃ البقرہ:255)

ترجمہ: اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ①

(سورۃ الاخلاص:1)

ترجمہ: فرمادیں، وہ اللہ ایک ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی فردیت ہر شے میں واضح اور اس کی توحید کا لازمی پہلو ہے۔

فردیت کے مظاہر

* ہر کائناتی اور قدرتی شے میں شریک کا نہ ہونا-عبادت، راز و نیاز اور بندگی میں اللہ کی یکتائی

* علم، قدرت اور حکمت میں کوئی ہمزاد نہ ہونا- تقدیر اور نظام میں مکمل

# اللہ کی شانِ فردیتِ

(اللہ کی یکتائی اور انفرادیت)

اللہ تعالیٰ کی شانِ فردیت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات، صفات اور افعال میں یکتا اور بے مثال ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کی ذات میں کوئی مثل ہے اور نہ اس کی صفات میں کوئی نظیر۔ وہ واحد ہے، احد ہے، اور پوری کائنات اسی کی وحدانیت کی گواہ ہے۔ اس کی یکتائی اس بات کا اعلان ہے کہ ہر کمال صرف اسی کے لیے ہے اور ہر نقص اس سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی فردیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے بے نیاز اور منفرد ہے۔ اس کا علم، اس کی قدرت، اس کی حکمت اور اس کی ملکیت سب کامل اور غیر محدود ہیں، جبکہ مخلوق ہر اعتبار سے محتاج اور محدود ہے۔ قرآنِ کریم میں بار بار اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ "احد" ہے، جو اس کی کامل یکتائی اور انفرادیت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ فردیت کو سمجھنے سے انسان کے اندر خالص توحید پیدا ہوتی ہے اور دل ہر قسم کے شرک، ریا اور غیر اللہ کی وابستگی سے پاک ہو جاتا ہے۔ جب بندہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کا رب اکیلا ہے اور ہر چیز میں بے مثال ہے تو وہ صرف اسی کی عبادت کرتا ہے اور اسی پر کامل بھروسہ رکھتا ہے۔ یہی ایمان کی اصل بنیاد اور نجات کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ''فردیت'' اس کی وہ صفت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''وہ واحد، یکتا اور ہر طرح کے شریک و ہمزاد سے پاک ہے''۔ اللہ کی فردیت اس کی توحید کا بنیادی پہلو ہے اور معرفتِ الٰہی کی سب سے بلند حقیقت ہے۔